یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تفسیر

بُرھان القرآن

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر انگلینڈ

جلد ششم

مکتبہ برہان القرآن

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برہان القرآن

جلد ششم

سورۂ یٰس تا سورۃ الحدید

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برہان القرآن

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برہان القرآن

جلد ششم

سورۂ یٰسٓ تا سورۂ الحدید

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برہان القرآن

Name Book : Tafseer Burhan ul Quran			تفسیر برھان القرآن	نام کتاب :
Author : Qari Muhammad Tayyib Naqshbandi			علامہ قاری محمد طیب نقشبندی	مصنف :
Book : 6th			ششم	جلد :
Year : August 2016			ذوالقعدہ 1437ھ	سن اشاعت :
Edition : 1st (2 Color)			اول (2 کلر)	ایڈیشن :
Publisher : Maktaba Burhan ul Quran Data Darbar Market Lahore			مکتبہ برھان القرآن داتا دربار مارکیٹ لاہور 0321-4298570	الناشر :

ملنے کے پتے

نظامیہ کتاب گھر (اُردو بازار لاہور)	علامہ فضل حق خیر آبادی (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
نعیمیہ بک سٹال (اُردو بازار لاہور)	ضیاالقرآن (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
مکتبہ غوثیہ (کراچی)	دارلنور (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
اسلامک بک کارپوریشن (راولپنڈی)	مکتبہ قادریہ (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
فیضان مدینہ (سردار آباد)	مکتبہ اعلیٰ حضرت (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
مکتبہ والضحیٰ (اُردو بازار لاہور)	کتب خانہ امام احمد رضا (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

Find us in UK
Jamia Rasoolia Islamic Center
250 Upper Chorlton Road Old Tarfford Manchester M16 0BL
Mob: 07999312666 07450005809

فہرست

سورہ یٰسین

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سورہ یٰسین قرآن کریم کی 36ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 40ویں سورت ہے۔ یہ سورۂ جن کے بعد اور سورۂ فرقان سے پہلے نازل ہوئی۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد ا صفحہ ۲۳) یہ مکمل مکی سورت ہے اس میں پانچ (5) رکوعات، تراسی (83) آیات، سات سو انتیس (729) کلمات اور تین ہزار (3000) حروف ہیں۔ اسے سورہ یٰسین اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات یٰسین سے شروع ہوئی۔ (خازن جلد ۶ صفحہ ۲)

فضیلت

اس سورت مبارکہ کے کثیر فضائل وارد ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے! اور جس نے ایک بار سورہ یٰسین پڑھی اسے اللہ تعالیٰ دس بار پورا قرآن پڑھنے کا ثواب عطا فرماتا ہے۔'' (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۷ حدیث ۲۸۸۷)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یٰسین قرآن کا دل ہے جو شخص اسے رضاء الٰہی اور حسنِ عاقبت کے لئے پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے تو تم اسے اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔'' (ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۲۰، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۴)

قرآن کے دل ہونے کا یہ معنی ہے کہ قرآن اللہ کی ذات وصفات نبوتِ محمدیہ، حقانیت قرآن، اثبات قیامت، جنت ونار کی تفصیل اور بشارت ونذرات جیسے مضامین کے گرد گھومتا ہے اور یہی سورہ یٰسین کے مضامین میں ہیں اور اس انداز سے پیش کئے گئے ہیں کہ سننے والے کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گویا جس طرح دل سارے جسم کا خلاصہ ہے یونہی سورہ یٰسین سارے قرآن کا خلاصہ ہے اور جس طرح دل جسم کے نصف اعلیٰ کے درمیان کے قریب ہوتا ہے یونہی سورہ یٰسین بھی قرآن کے نصف آخر کے درمیان کے قریب واقع ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری تمنا ہے کہ میری امت کے ہر انسان کے دل میں سورہ یٰسین ہو۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۷ بروایت بزار)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی رات میں رضاء الٰہی کے لئے

سورہ یٰسین پڑھی اللہ تعالیٰ اس رات میں اس کی بخشش فرما دے گا۔'' (اگر وہ اس رات میں مر گیا)
(سنن دارمی کتاب فضائل القرآن باب فضل یٰسین جلد ۲ صفحہ ۴۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہر رات سورہ یٰسین پڑھنے کی عادت بنا لی پھر وہ مر گیا تو وہ شہادت کی موت مرا اور اسے شہیدوں کا درجہ دیا جائے گا۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۸ بروایت طبرانی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی میت کے پاس یٰسین پڑھی جائے تو اللہ اس کے لئے آسانی فرماتا ہے۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۸ بروایت ابن مردویہ)

مضامین

سورہ یاسین میں پہلے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہے کہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے۔ قوم کو پیغام حق سنایا انہوں نے انکار کیا تب وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی ہے تا کہ وہ جانیں کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وصداقت اور قرآن کی حقانیت واضح کی گئی ہے اور اسی طرح کے مضامین ماقبل والی سورت فاطر میں تھے یہی ان کے مابین مناسبت ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۸۳ ۳۶ سُوۡرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ ۴۱ رکوعاتھا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ
یاسین [1] حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں، آپ سیدھے راستے پر
مُّسۡتَقِیۡمٍ ؕ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۵﴾
گامزن ہیں، یہ خدائے غالب ومہربان کی نازل کردہ کتاب ہے۔[2]

رسالت محمدیہ کے ماننے والوں کا انعام اور نہ ماننے والوں کا انجام

[1] یہ حروف مقطعات ہیں جن کا حقیقی مفہوم تو اللہ ہی جانتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ ان کے اسرار میں سے بعض کو اپنے خاص بندوں پر منکشف فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یٰسین کا معنی ہے "یا محمد" اور یہی قول حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۱) اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قرآن میں میرے سات نام پکارے گئے ہیں محمد، احمد، طٰہٰ، یٰسین، مزمل، مدثر اور عبداللہ۔" اور یٰسین سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مراد ہونا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آگے فرمایا گیا: اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ کہ آپ رسولوں میں سے ہیں گویا یٰسین کہہ کر آپ کو مخاطب کیا گیا اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ (صافات: ۱۳۰) کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے: سلام علی آل یاسین۔ (آل یاسین پر سلام ہو) اور یاسین حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ گویا اس کا معنی ہے: سلامٌ علی آلِ محمدٍ۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۱۲۰)

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول! قرآنِ حکیم کی قسم آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستہ پر ہیں اور آپ پر خدائے غالب ورحیم نے قرآن اتارا ہے۔

عظمتِ رسول ﷺ، عظمتِ قرآن سے بڑھ کر ہے:

قرآنِ مجید کے لئے کہا: وَالَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۹﴾ (تکویر:۱۷) گویا صداقتِ قرآن کے لئے رات اور صبح کی قسم اٹھائی گئی اور صداقت رسول کے لئے وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ کہہ کر قرآن کی قسم اٹھائی گئی تو جس کے لئے جتنی بڑی قسم ہے اس کا اتنا بڑا مقام ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے خلق کا نام ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کان خلقه القرآن، ''رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہے۔'' (مسلم کتاب المسافرین حدیث ۱۳۹) اور رسول اللہ ﷺ صاحب خلق ہیں۔

عظمتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شب ہجرت جب حضور سید عالم ﷺ خانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف جا رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہی آیات تھیں: یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ آپ کے گھر کے دروزہ پر کفار تلواریں لیے کھڑے تھے کہ جیسے ہی آپ باہر آئیں وہ حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں آپ باہر نکلے اور ان میں سے ہر ایک کے سر پہ مٹی ڈالی مگر وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۲۲ مطبوعہ دار ابن حزم شام) گویا آپ بتا رہے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے محافظ، محرم راز، یار غار اور مصاحب خاص ہیں اور یہ ماننا ہی صراط مستقیم ہے اور اس سے انکار راہ جحیم ہے۔

لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی

تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا کو نہ ڈرایا گیا تھا تو وہ غفلت میں ہیں، ان میں سے اکثر پر فیصلہ ٹھہر

اَکۡثَرِہِمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا فَہِیَ اِلَی

چکا ہے، تو وہ ایمان نہ لائیں گے [3] ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈالے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں

الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ

تک ہیں تو وہ منہ اٹھائے ہوئے ہیں اور ہم نے ان کے آگے دیوار کر دی ہے اور ان کے پیچھے دیوار کر

خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ

دی ہے پھر ان پر پردہ ڈال دیا ہے تو وہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور ان پر برابر ہے

ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾

کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے [4]

[3] نبی کریم ﷺ کو اہل مکہ میں مبعوث فرمایا گیا اور اس سرزمین میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ آیا تھا اور درمیان میں ہزاروں برس گزر گئے تھے اور کسی دوسرے علاقہ کے نبی کی تعلیمات بھی یہاں نہیں پہنچیں تھیں۔ اس سے حضور سید کائنات ﷺ کی شان تبلیغ ظاہر ہوئی۔ کیونکہ جن لوگوں کو پہلے پیغام حق پہنچا ہو انہیں سمجھانا نسبتاً آسان ہوتا ہے اور جن کے پاس ہزار ہا برس سے کوئی آواز حق نہ پہنچی ہو انہیں سمجھانا بہت مشکل ہے اس کے باوجود آپ کی تبلیغ نے سب انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ تاثیر پیدا کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ مقدس جماعت وجود میں آئی جنہوں نے چند برس میں زمین کے ایک بڑے خطے پر علم اسلام لہرا دیا۔

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کیے اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔ اس سے کفار مکہ مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی غالب اکثریت تو فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئی تھی۔ بلکہ اس سے عموماً دنیا بھر کے کفار مراد ہیں چنانچہ اس قرآنی پیش گوئی کے مطابق آج بھی دنیا میں انسانوں کی مجموعی تعداد چھ ارب میں سے مسلمان صرف ڈیڑھ ارب ہیں۔ یاد رہے قرب قیامت تک کفار ہی کی اکثریت رہے گی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے موقع پر لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ (توبہ: ۳۳) کا جلوہ نمودار ہوگا اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے پر اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب ملتوں

(قوموں) کو ہلاک کردے گا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴)

[4] یہ آیات ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتریں انہوں نے حضور سید عالم ﷺ کو حرم شریف میں نماز پڑھنے کے دوران شہید کرنے کا منصوبہ بنایا چنانچہ ابوجہل بڑا پتھر لے کر آیا جب مارنے لگا تو اس کے ہاتھ پتھر سے چمٹ گئے وہ چیختا ہوا واپس بھاگا تو ہاتھ بھی الگ ہو گئے تب اس کا ایک ساتھی پتھر لے کر آیا۔ جب وہ آپ کے قریب آیا تو اندھا ہو گیا۔ وہ بھی چیختا ہوا واپس بھاگا پھر اس نے ساتھیوں کو بتایا کہ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو میرے اور آپ کے درمیان ایک خطرناک بیل کھڑا تھا جو دم اٹھائے مجھ پر حملہ آور ہوا اگر میں آگے بڑھتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۳)

مطلب یہ ہے کہ چونکہ پچھلی آیت میں کہا گیا تھا کہ کفار کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی تو اب فرمایا جا رہا ہے کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں جیسے متعصب کافروں کے گلوں میں ہم نے کفر کے طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں اس لیے ان کے منہ اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں لہٰذا وہ راہِ حق نہیں دیکھ سکتے اور ان کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں یعنی ان کے کفر سے نکلنے کے راستے بند کر دیئے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال کر انہیں اندھا کر دیا ہے تو وہ راہ حق دیکھ نہیں سکتے اور اے پیارے نبی ﷺ! آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ سے معلوم ہوا کہ آپ کے لئے ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر نہیں ہے کیونکہ آپ کو ڈرانے کا ثواب ضرور ملے گا۔

اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ
آپ تو اسے ہی ڈراتے ہیں جو ذکر کی اتباع کرے اور رحمان سے بن دیکھے ڈرے تو اسے مغفرت اور عزت والے
وَّاَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَہُمۡ ؕ
اجر کی بشارت دے دو [5]۔ بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا
وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ ع
اور جو آثار پیچھے چھوڑے اور ہم نے ہر چیز کو روشن کتاب میں گھیرا ہے [6]۔

وقف غفران ع ۱ ۱۸

[5] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ کے ڈرانے کا فائدہ اس شخص کو مل سکتا ہے جو اللہ کو بن دیکھے اس سے ڈرے یعنی اللہ نے جن باتوں کی خبر دی ہے جیسے جنت کے انعامات، دوزخ کے عذابات اور فرشتوں کے ذریعے اُترنے والی آیات، ان پر وہ ایمان لائے خواہ اس نے یہ چیزیں نہیں دیکھیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو بخشش (دور کفر کے گناہوں کی

معافی) اور جنت میں بڑی عزت والے اجر کی بشارت دے دی جائے۔

[6] روز قیامت اللہ سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور انہوں نے جو زندگی میں اپنے لئے آگے بھیجا اور اپنے اعمال کے جو آثار اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑے وہ سب ہم لکھ رہے ہیں اور ہم نے ان کے ہر عمل کو روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ جو شخص مسجد، مدرسہ، سکول، ہسپتال یا کوئی صدقہ جاریہ بنا گیا یا کوئی ایمان افروز باطل سوز کتاب لکھ گیا اسے اس کا فائدہ مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا اور جو مخرب اخلاق فلم بنا گیا یا حیا سوز گانا ریکارڈ کروا گیا جسے دیکھ اور سن کر لوگوں کے اخلاق بگڑتے رہے یا کوئی گمراہ کن کتاب لکھ گیا جسے پڑھ کر لوگ گمراہ ہوتے رہے اس کے مرنے کے بعد اس کا عذاب بڑھتا رہے گا۔

وقف لازم

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ﴿۱۳﴾ اِذْ

اور اے پیارے رسول! آپ لوگوں کو اس بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب ان کے پاس رسول آئے ،جب

اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ

ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا۔تب ہم نے تیسرے کے ساتھ انہیں تقویت دی۔تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم تمہاری طرف

مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ

بھیجے گئے ہیں۔ اہل بستی نے کہا تم تو ہمارے ہی جیسے بشرہو [7] اور (تم پر) رحمان نے کچھ نازل

شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ

نہیں کیا تم محض جھوٹ بولتے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہمیں تمہاری طرف

لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ

بھیجا گیا ہے اور ہمارے ذمے تو صرف کھلا پیغام پہنچانا ہے۔بستی والوں نے کہا ہم تمہاری وجہ سے نحوست میں پڑ گئے ہیں

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا

اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہم سے تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ رسولوں نے کہا

طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا اس لئے (تم بگڑتے ہو) کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔[8]

ایک بستی کے تین رسولوں پہ جان دینے والے مومن کا واقعہ

[7] رسول اکرم ﷺ کی تسلی قلب کے لئے بتایا جا رہا ہے کہ آپ سے قبل بھی انبیاء کی تکذیب کی گئی اور ان کے ماننے والوں پر مظالم ڈھائے گئے اسی سلسلہ کا ایک واقعہ بتایا جا رہا ہے۔ اکثر مفسرین کے مطابق اس سے شہر انطاکیہ مراد ہے جو ترکی کا مغربی ساحلی کنارہ ہے اسے انگلش میں INTIOCH کہتے ہیں اس کی آبادی ایک لاکھ سے متجاوز ہے اسے کوال نے تین صدی قبل مسیح آباد کیا تھا (اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ الفیصل لاہور) ممکن ہے اسے

ترکی
طرسوس
عدانہ
جیحان
مرسین
سیحان
اسکندرون
اسود
دریائے عفرین
عینتاب
سروج
جرابلس
دریائے فرات
اعزاز
عفرین
منبج
عمق
انطاکیہ
الباب
کفر تخاریم
حلب
مسکنہ
جھیل اسد
ادلب
لاذقیہ
معرۃ نعمان
رصافہ
بحر متوسط (بحیرۂ روم)
دریائے عاصی
حماۃ
شام
سلمیہ
حمص
قطینہ
تدمر
طرابلس
لبنان
بعلبک
نبک
بیروت
دریائے لیطانی
صحرائے شام
صیدا
دمشق
صور
حیفا
طبریہ
دریائے یرموک
شہبا
ناصرہ
سویداء
دریائے اردن
بُصری الشام
صلخد
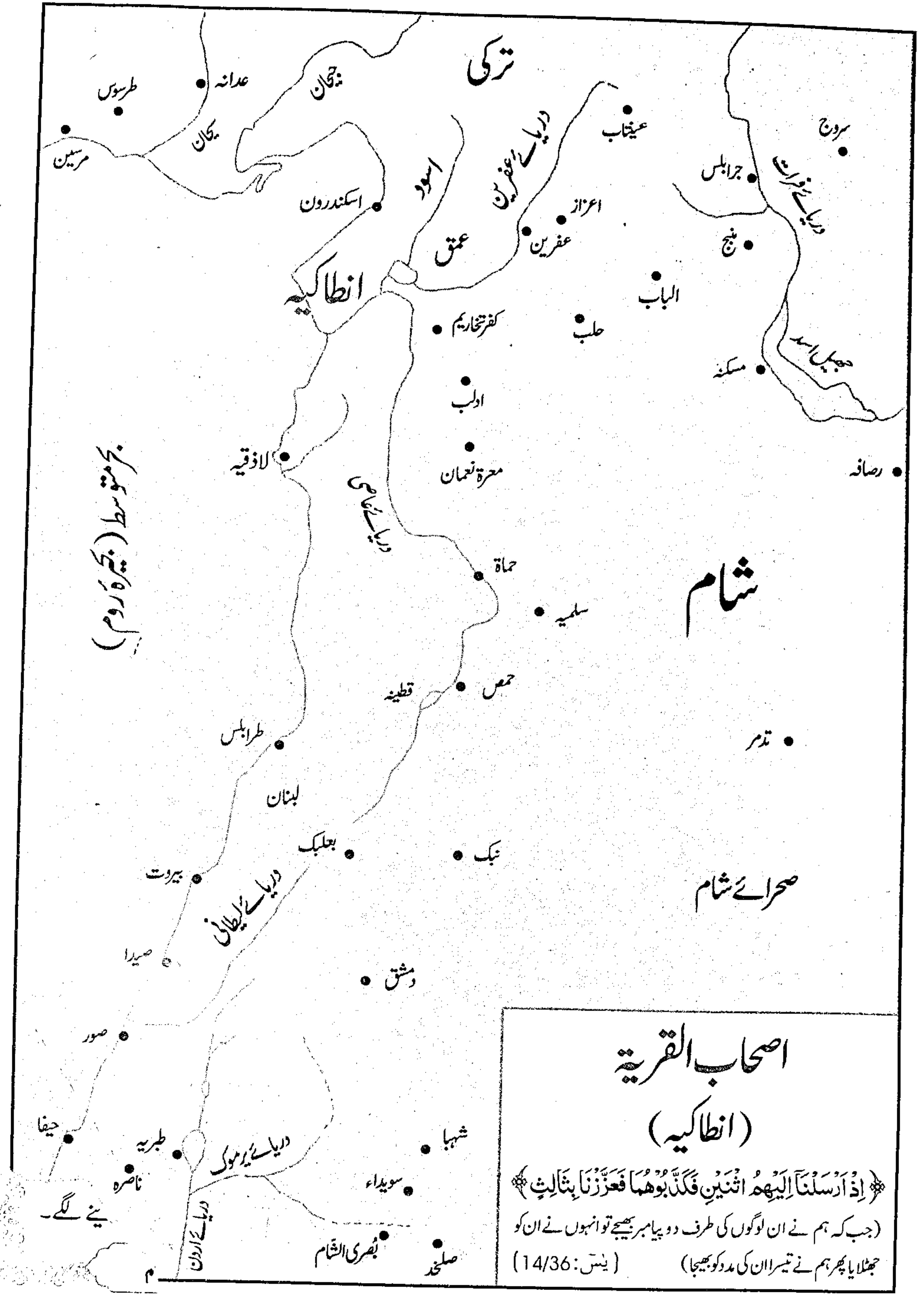
اصحاب القریۃ
(انطاکیہ)

﴿اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾

(جب کہ ہم نے ان لوگوں کی طرف دو پیامبر بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرا ان کی مدد کو بھیجا) (یٰس: 14/36)

تین صدی قبل مسیح دوبارہ تعمیر کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس شہر کا تذکرہ حیاتِ موسیٰ علیہ السلام میں بھی ہے چنانچہ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا۔ (کہف:٧٧) سے مراد بھی یہی شہر انطاکیہ ہی لیا گیا ہے۔ گویا یہ شہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریباً دو ہزار برس قبل بھی موجود تھا۔

شہر انطاکیہ میں بھیجے جانے والے رسولوں کی تفصیل

بہر حال اس شہر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بھی کسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبر بھیجے۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس وقت شہر کا حاکم انطیخس تھا جو رومی سلطنت کا باج گزار تھا اس کا مذہب بت پرستی تھا دونوں پیغمبروں نے جن کے نام صادق اور صدوق علیہما السلام تھے، شہر میں سلسلۂ تبلیغ شروع کیا اور لوگوں کو دعوتِ توحید و رسالت دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کوڑھیوں کو شفا اور مردوں کو زندگی دینے کے معجزات عطا فرمائے تھے، بادشاہ نے پہلے تو ان پر پتھر برسوائے پھر انہیں قید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید کے لئے تیسرا رسول بھیجا جن کا نام شمعون علیہ السلام تھا انہوں نے مصلحتاً اپنی رسالت کو چند دن مخفی رکھا اور بادشاہ کے قریب ہو گیا بادشاہ اُن کی دانائی سے خوش ہوا۔ ایک دن اُن نے بادشاہ سے کہا تم نے دو آدمی قید میں ڈالے ہوئے ہیں انہیں بلا کر ان سے پوچھا جانا چاہئے کہ ان کی دعوت کیا ہے۔ بادشاہ نے انہیں بلایا۔ حضرت شمعون علیہ السلام نے پوچھا تمہاری دعوت کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ لوگوں کو بت پرستی سے روک کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر جمع کریں۔ شمعون نے کہا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہونے کی کیا نشانی ہے؟ انہوں نے کہا جو نشانی تم مانگو۔

بادشاہ نے ایک نابینا لڑکا منگوایا رسولوں نے اس کے لئے دعا کی اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ حضرت شمعون علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کیا تمہارے خدا بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ کہنے لگا: نہیں۔ حضرت شمعون علیہ السلام نے رسولوں سے کہا: کیا تمہارا خدا مُردے بھی زندہ کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، بادشاہ نے کہا: ہمارے ہاں ایک شخص مر گیا ہے اس کا باپ غائب ہے۔ لوگوں نے اسے سات دن سے اس کے باپ کے انتظار میں دفنایا نہیں ہے اس کی لاش خراب ہو رہی ہے، تم اسے زندہ کر کے دکھاؤ رسولوں نے گڑگڑا کر دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا، وہ زندہ ہو کر کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لا شریک ہے اور یہ تینوں اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے دونوں رسولوں اور شمعون کی طرف اشارہ کر کے کہا (اور پھر وہ دوبارہ مر گیا) یوں حضرت شمعون علیہ السلام کی رسالت کا راز بھی ظاہر ہو گیا۔ مگر بادشاہ ایمان نہ لایا اس نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو تم پر اللہ نے کچھ نہیں اتارا۔ تم ہمارے ہی جیسے بشر ہو، بس تم جادوگر ہو۔ تینوں رسولوں نے کہا ہمیں بھیجنے والا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم اس کے فرستادہ رسول ہیں اور ہمارا کام بس یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچا دیں۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے اور اس میں گستاخی کا پہلو ہے۔ یہ کہیں ثابت نہیں کہ مومنین نے انبیاء کو ایسے کہا ہو ہاں انبیاء کرام علیہم السلام بسا اوقات از روئے تواضع خود کو لوگوں جیسا بشر کہتے ہیں۔

[8] جب انطاکیہ کا بادشاہ اور وہاں کے لوگ رسولوں کی تکذیب پر متفق ہو گئے تو انہیں ذہنی اذیت دینے لگے۔

اتفاق سے ان دنوں وہاں بارشیں نہیں ہو رہی تھیں کفار انطاکیہ نے رسولوں سے کہا یہ خشک سالی اور قحط تمہاری نحوست سے ہوا ہے۔ رسولوں نے کہا تمہاری نحوست کے ذمہ دار تم خود ہو ہم تو تمہارے خیر خواہ ہیں۔ تمہیں دنیا و آخرت کی نحوست سے نکالنا چاہتے ہیں مگر تم حد سے بڑھنے والے ہو کہ اپنے خیر خواہوں کو بدخواہ سمجھتے ہو۔

بُرے لوگ اچھے لوگوں کو اپنے لیے وجہ نحوست سمجھتے ہیں

معلوم ہوا اکثر بُرے لوگ اچھے لوگوں کو اپنے لئے وجہ نحوست سمجھتے ہیں۔ جیسے کفار نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط "ہم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے نحوست میں پڑ گئے ہیں۔" (نمل:۴۷) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ہے: يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط "فرعونیوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو وجہ نحوست قرار دیا۔" (اعراف:۱۳۱) اور آج بھی بے دین لوگ علماء دین کو جو وارثان انبیاء ہیں، ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں کیونکہ علماء ان کو بے حیائی، لوٹ کھسوٹ اور دوسرے بُرے کاموں سے روکتے ہیں بلکہ آج علماء کو امریکی زبان میں دہشت گرد، بنیاد پرست اور انتہاء پسند کہا جاتا ہے کیونکہ وہ کفار کے خلاف جہاد کی بات کرتے اور کافرانہ طرزِ زندگی کے اپنانے سے روکتے ہیں۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾
اور شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا اے میری قوم! رسولوں کی پیروی کرو۔
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾
ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ [9]

[9] شہر انطاکیہ میں مذکورہ تین رسولوں پر صرف ایک شخص ایمان لایا جو شہر کے آخری کنارے میں رہتا تھا اس نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ اور اس کے ارکانِ حکومت نے رسولانِ گرامی کے قتل کا منصوبہ بنا لیا ہے تو وہ اپنا ایمان چھپائے نہ رکھ سکا وہ دیوانہ وار دوڑتا ہوا آیا اور پکار کر کہا لوگو! اللہ کے رسولوں کی اطاعت کر لو وہ تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے، وہ سیدھی راہ پر چلتے ہیں اور میں ان کی بات مان کر ایک خدا پر ایمان لایا ہوں کیونکہ اسی نے مجھے پیدا کیا ہے اگر میں اس کے سوا دوسرے خدا مانوں تو کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا۔ اور یہ جھوٹے خدا مجھے اللہ کی پکڑ سے کچھ بچا نہیں سکتے نہ مجھے کسی مصیبت سے نکال سکتے ہیں اور تم سب سن لو کہ میں ایک رب پر ایمان لایا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس مردِ مومن کی یہ باتیں سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اسے لاتوں اور گھونسوں سے مارنے لگے پھر اس پر پتھروں کی برسات کر دی اور وہ راہِ حق میں شہادت پا گیا۔ اس کا نام حبیب نجار تھا اسے صاحب یٰسین بھی کہا جاتا ہے اس کی قبر آج بھی ترکی کے شہر انطاکیہ میں مرجع خلائق ہے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۳۸۵) حضرت وہب اور کعب سے محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق مذکورہ تین رسولوں کو بھی شہید کر دیا گیا۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿٢٢﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ

اور مجھے کیا عذر ہے کہ میں اس رب کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے

اٰلِهَةً اِنۡ يُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّيۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـئًا

جاؤ گے۔ کیا میں اس کے سوا دوسرے خدا مانوں؟ اگر رحمان میرا کوئی نقصان چاہے تو ان کی شفاعت مجھے کچھ بچا نہیں سکتی اور نہ

وَّلَا يُنۡقِذُوۡنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّيۡۤ اِذًا لَّفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٢٤﴾ اِنِّيۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ

وہ مجھے (مصیبت سے) نکال سکتے ہیں۔ تب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں

فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿٢٥﴾ قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَـنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿٢٦﴾ بِمَا

تو سن لو۔ اسے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ (جنت میں) کہنے لگا اے کاش! میری قوم جان لے کہ میرے

غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَجَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿٢٧﴾

رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے عزت والوں میں سے کر دیا ہے[10]

[10] جب حضرت حبیب نجار رحمۃ اللہ علیہ راہ حق میں شہادت پا کر جنت میں پہنچے تو حوران وغلمان جنت نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور کہا آؤ جنت میں آ جاؤ۔ تب حضرت حبیب نے کہا کاش میری قوم کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور جنت میں اتنی بڑی عزت دی ہے تا کہ وہ بھی ایمان لائیں اور حقدار جنت بنیں۔

حق گوئی پہ جان دینے والا جنت سے سرفراز ہوتا ہے

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کر کے نعرۂ حق لگانے والے جنت کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے فرمایا گیا: وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ﴿١٦٩﴾ ''جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انہیں مردہ مت سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔'' (آل عمران:١٦٩) اور ایسے مردانِ حق قوموں میں کم ہی ہوتے ہیں۔

شیعی تقیہ کا رد

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حق کا نعرہ بلند کرنے اور اس کے لئے جان دینے والوں کو پسند کرتا اور قرآن میں ان کا ذکر فرماتا ہے نہ کہ تقیہ کرنے والوں کا۔ لہٰذا اہل تشیع کا فضائل تقیہ بیان کرنا غیر اسلامی اور کافرانہ نظریہ ہے جو قرآن سے

متصادم ہے، اہل تشیع کے نزدیک جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا کوئی دین ہی نہیں۔ (اصول کافی جلد اول کتاب الحجۃ) اور تقیہ یہ ہے کہ انسان اپنے عقائد کو چھپائے، جیسے بقولِ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ اہل بیت اپنے عقیدہ کو چھپا کر خلفاء کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہی بات ہے کہ جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا کوئی دین ہی نہیں تو شہر انطاکیہ میں جس شخص نے تین رسولوں کے حق میں نعرۂ حق لگایا اور تقیہ کے پرخچے اُڑائے کیا وہ بے دین تھا؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے بے دین شخص کو جنت کا عظیم درجہ عطا فرمایا؟

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

قرآن پاک نے حضرت حبیب نجار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بیان کر کے امت مسلمہ کا خون گرما دیا چنانچہ امت میں سینکڑوں ہزاروں حبیب نجار پیدا ہو گئے۔ جیسے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو واپس قوم میں پہنچ کر طائف میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ دوران اذان ہی انہیں زہر آلود تیر مار کر شہید کر دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عروہ بن مسعود کی مثال صاحب یٰسین (حبیب نجار رحمۃ اللہ علیہ) جیسی ہے جس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۴۷۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

اسی طرح محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر لیا اور کہا کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر اس نے کہا کیا تم میری رسالت پر گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے سنائی نہیں دیتا۔ اس نے ان کے ٹکڑے کرنا شروع کر دیئے ہر ٹکڑا کاٹنے کے بعد وہ یہی سوال کرتا اور حضرت حبیب رضی اللہ عنہ یہی جواب دیتے حتیٰ کہ ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا یہ بھی حبیب ہیں اور صاحب یٰسین کا نام بھی حبیب تھا۔ (حبیب نجار) (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۴)

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر، غازی علم دین شہید اور دیگر جانبازان اسلام کی جانبازیاں حضرت حبیب نجار صاحب یٰسٓ کے خون شہادت کے مختلف رنگ ہیں اور یہ رنگ قیامت تک نمودار ہوتے رہیں گے اور جب تک سورۂ یٰسٓ پڑھی جائے گی دین کے لئے جان کی قربانی دینے کا جذبہ کروٹیں لیتا رہے گا۔ شائد سورہ یٰسٓ کو قرآن کا دل اسی لئے کہا گیا کہ اس کی دھڑکن کے ساتھ مجاہدین اسلام کے دل دھڑکتے ہیں۔

اے کربلا کی خاک تو احسان کو نہ بھول ۔۔۔ تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتول
پیاسوں کے خون سے تیری پیاس بجھ گئی ۔۔۔ سیراب کر گیا تجھے خون رگ رسول
بتلا رہی ہے ہم کو شہادت حسین کی ۔۔۔ آزادئ حیات کا یہ سرمدی اصول
سر کٹ کے جائے چڑھ تیرا نیزے کی نوک پر ۔۔۔ لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اُتارا اور نہ ہم لشکر

مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً

اُتارتے ہیں وہ تو صرف ایک چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے [11] (کہا گیا) ہائے حسرت

عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ

بندوں پر، ان کے پاس جو رسول آتا ہے وہ اس کا مذاق ہی اُڑاتے ہیں کیا کفار

يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ

نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے قبل کئی قومیں تباہ کر دیں جو ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گی اور بے شک

كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

وہ سب ہمارے ہاں حاضر کیے جائیں گے [12]

وقف غفران

ع ۲

[11] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب اہل انطاکیہ نے رسولانِ گرامی اور ان پر ایمان لانے والے حبیب نجار کو شہید کیا تو ہم نے ان کی تباہی کے لئے فرشتوں کا لشکر نہیں اتارا اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے بلکہ صرف ایک فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان پر ایک چیخ ماری تو وہ سارے یکدم یوں بجھ گئے جیسے جلتی آگ پر پانی ڈالنے سے وہ یکدم بجھ جاتی ہے۔ یاد رہے بدر و حنین اور احزاب میں فرشتوں کی افواج کا اُتارا جانا صرف محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے تھا ورنہ ایک فرشتہ تمام مخلوق کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

[12] واقعہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب اہل انطاکیہ قتل حبیب نجار کی پاداش میں مار دیئے گئے تو کہا گیا حسرت ہے بندوں پر کہ ان کے پاس جب بھی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ حالانکہ ان کے سامنے پہلی قوموں کی ہلاکت کے واقعات موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو قومیں تباہ ہوگئیں وہ لوٹ کر نہ آئیں گے اور روز قیامت ان سب کو ہمارے ہاں حاضر کر دیا جائے گا۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
اور لوگوں کے لئے مردہ زمین ایک نشانی ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے اناج نکالا تو اس سے تم
یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ
کھاتے ہو [13] اور ہم نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور اس میں چشمے
الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾
جاری کئے تاکہ لوگ اس کا پھل کھائیں اور یہ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، کیا وہ شکر نہیں کرتے؟ [14]
سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ
پاک ہے وہ اللہ جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں کے جو زمین اُگاتی ہے۔ اور خود ان کے
وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾
اور ان چیزوں کے جو وہ نہیں جانتے۔[15]

اللہ کی عظیم قدرتوں اور نعمتوں کا بیان

[13] اللہ تعالیٰ وجود خالق کے منکروں اور اپنے ساتھ جھوٹے خدا ملانے والوں کی ہدایت کے لئے فرمارہا ہے کہ اللہ مردہ زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کردیتا ہے اور اس میں سے اناج یعنی گندم وغیرہ نکالتا ہے جس سے تم روٹی پکا کر کھاتے ہو۔ پھر اگر تم روٹی کھانے کے بعد روٹی دینے والے رب کے وجود سے انکار کردو یا اس کے ساتھ جھوٹے خداؤں کو ملاؤ تو یہ کس قدر ناانصافی ہے۔

روٹی کی فضیلت حدیث سے

اس آیت سے روٹی کی فضیلت معلوم ہوئی۔ کیونکہ وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا میں جس اناج کا ذکر ہے وہ عموماً گندم ہے کیونکہ گندم کی روٹی ہی عموماً کھائی جاتی ہے اور یہی دنیا بھر میں انسانوں کی عمومی غذا ہے اگرچہ چاول سے پیٹ بھر جاتا ہے مگر ایک انسان تادیر صرف چاول پہ گزارا نہیں کرسکتا جتنا روٹی پہ کرسکتا ہے اسی لئے حدیث میں روٹی کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوسکینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''روٹی کی عزت کرو کہ اللہ تعالیٰ نے

اسے عزت دی ہے تو جو روٹی کی عزت کرے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے۔''
(طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحہ ۳۳۴ حدیث ۸۴۰ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دسترخوان پر گرے ہوئے ٹکڑوں کو چن کر کھایا اللہ تعالیٰ اسے اس کی مغفرت کا سبب بنا دے گا۔'' (مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۵۳) آج ہم شادی بیاہوں پر اور دیگر تقریبات میں بہت سارزق ضائع کر دیتے ہیں یہ بہت گناہ ہے جبکہ کئی غرباء کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہے۔

[14] اللہ تعالیٰ نے زمین سے انگوروں اور کھجوروں کے باغات پیدا فرمائے اور ان کی آبیاری کے لئے زمین سے چشمے جاری کئے تا کہ انسان اللہ کا پیدا کیا ہوا پھل کھائے۔ آگے فرمایا: وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ یعنی یہ پھل انسانوں کے ہاتھ نہیں بنا سکتے بلکہ اسے دست قدرت بناتا ہے تو پھر انسان شکر کیوں نہیں بجالاتا؟ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو کچھ انسانوں کے ہاتھ اپنے کھانے کے لئے بناتے ہیں جیسے سالن اور ہر طرح کے مشروبات و ماکولات، انہیں بھی اللہ ہی بناتا ہے۔ (پہلے معنی پر مَا عَمِلَتْهُ میں ما نافیہ ہے اور دوسرے معنی پر ما موصولہ ہے جو جَعَلْنَا کے لئے مفعول ہے)۔

یہاں انگوروں اور کھجوروں کا ذکر خصوصاً اس لئے کیا گیا کہ ان دو پھلوں میں دوسرے ہر پھل سے بڑھ کر غذائیت ہے۔ کسی پھل کو مسلسل کھا کر انسان تا دیر زندہ نہیں رہ سکتا جب تک وہ کوئی اناج نہ کھائے مگر انگور اور کھجور پر عرصہ تک زندہ رہا جا سکتا ہے۔ اس جگہ زمین سے چشموں کا جاری کیا جانا بیان ہوا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے کہ جہاں اللہ چاہے فوراً چشمہ جاری ہو جائے اور جہاں نہ چاہے وہاں انسان ساری سائنسی طاقت استعمال کر کے بھی پانی نہ نکال سکے۔ اور اگر اللہ چاہے تو بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں میں چشمے نکل آئیں۔ چنانچہ کوہ طور کی چوٹی کے قریب میٹھا چشمہ اُبل رہا ہے۔ 2005ء میں راقم الحروف نے مصر کی سیاحت کے دوران کوہ طور پہ چڑھنے کی سعادت حاصل کی اور یہ چشمہ بھی دیکھا۔

[15] زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں قدرت نے جوڑے بنائے ہیں یعنی اقسام بنائی ہیں مثلاً شیریں و ترش، خشک و تر، گرم و سرد، اسی طرح ہر پھل اور اناج اور پودے میں رنگ، ذائقہ اور تاثیر کے لحاظ سے کئی اقسام ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ آگے فرمایا کہ خود انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے کئی جوڑے یعنی اقسام بنائی ہیں یعنی کوئی عالم ہے کوئی جاہل، کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی نیک خلق ہے کوئی بد خلق، یہ رنگ و نسل، مزاجات اور اخلاق کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے۔ آگے فرمایا کہ جو چیزیں تم نہیں جانتے ان میں بھی اقسام بنائی گئی ہیں چنانچہ آسمانی مخلوقات میں بھی اقسام ہیں مگر وہاں تک انسانی علم کی رسائی نہیں ہے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ

اوران کے لئے رات (بھی) ایک نشانی ہے ہم اس سے دن (کی چادر) کھینچ لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں[16] اور سورج

تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ

اپنے وقت مقرر تک چل رہا ہے، یہ خدائے غالب و دانا کی تقدیر ہے [17] اور ہم نے چاند کی منزلیں

مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ

مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی سوکھی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے [18] نہ سورج کا حق ہے کہ چاند کو

تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

جا پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ اور سب سیارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ [19]

[16] اللہ تعالیٰ رات پر روشن دن کی چادر ڈال دیتا ہے تو جہان منور ہو جاتا ہے جب اسے کھینچ لیتا ہے تو پھر تاریک رات رہ جاتی ہے یعنی جہان میں اصل تاریکی ہے روشنی کے لئے سورج کا چراغ جلایا گیا ہے جدھر چراغ جاتا ہے ادھر روشنی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ شب و روز بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے۔ اگر مسلسل رات ہوتی تو سب انسان سردی سے مر جاتے اگر مسلسل دن ہوتا تو گرمی سے زندہ نہ رہ سکتے۔

[17] سورج ایک وقت مقرر (یعنی قیامت) تک چل رہا ہے اور اس کی رفتار اس قدر منظم و مربوط ہے کہ کبھی ایک منٹ یا سیکنڈ کا فرق نہیں آیا حتیٰ کہ انسانوں نے اس کے مطابق پورے سال کے لئے طلوع و غروب وغیرہ کا نظام الاوقات مرتب کر رکھا ہے جس کے مطابق پانچ وقت کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو اس عظیم نظام کو چلا رہا ہے تو پھر انسان کو چاہیے کہ اس رب قدیر و علیم کے ہر حکم پر سر جھکا دے، اہل سائنس کے نزدیک سورج کا دائرہ زمین کے دائرہ سے تیرہ لاکھ مرتبہ (1,300,000 times greater) بڑا ہے اور اس کا قطر تیرہ لاکھ اکانوے ہزار نو سو اسی کلومیٹر (1,391,980 diameter of Sun is) ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۱۳۲) تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سی طاقت ہے جو اتنے بڑے سورج کو روزانہ مقرر وقت پر طلوع و غروب کرتی ہے۔

سورج کا چلنا اور عرش کے نیچے سجدہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس جگہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جب سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر وہ آگے چلنے کا اذن مانگتا ہے اور اسے اذن مل جاتا

ہے اور وہ وقت قریب ہے جب وہ اذن مانگے گا تو اسے اذن نہ ملے گا اور اسے کہا جائے گا کہ جدھر سے آئے ہو ادھر لوٹ جاؤ تو وہ مغرب سے طلوع ہوگا اور اسی بارے میں یہ آیت ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط''
(بخاری کتاب بدأ الخلق باب ۲ حدیث ۳۱۹۹)

اس حدیث کا مفہوم میرے نزدیک یہ ہے کہ بقول قرآن ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ (نحل: ۴۹) اور ہر چیز کا سجدہ اس کے حسب حال ہے۔ جیسے پانی کا اوپر سے نیچے گرنا اس کا سجدہ ہے۔ درختوں کے سایوں کا دائیں بائیں گرنا ان کا سجدہ ہے۔ پرندوں کا اوپر کو اُڑنا ان کا قیام اور نیچے کو اُترنا ان کا سجود ہے۔ اسی طرح ہر چیز نظام قدرت کے تحت مسخر ہے اور یہ تسخیر ایک سجدہ ہے۔ اسی طرح سورج کا صبح کو بلند ہونا اس کا قیام ہے اور شام کو جھکنا اس کا سجود اور یہ سب قیام و سجود عرش کے نیچے ہی ہے کیونکہ ساری مخلوق ارضی وسماوی عرش کے نیچے ہے۔

رہا اللہ تعالیٰ کا سورج کو فرمانا کہ تو جدھر سے آیا ہے ادھر ہی کو لوٹ جا تو اس کا معنی یہ ہے کہ تو جہاں سے غروب ہوا ہے وہیں سے پھر طلوع ہو تو وہ واپس وہیں سے طلوع ہوگا۔ جیسے وہ رسول اللہ ﷺ کی دعا پر غروب کے بعد وہیں سے پھر طلوع ہوا تھا اور تھوڑی دیر کھڑا رہ کر پھر غروب ہوگیا تھا۔ جیسا کہ اسے امام طحاوی نے معتبر سند کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور ممکن ہے جب وہ قرب قیامت میں مغرب سے طلوع ہو تو پھر وہ اُلٹا ہی چلنا شروع کردے یہ ہے اس حدیث کا مفہوم، ورنہ سورج تو کسی خاص جگہ غروب ہی نہیں ہوتا بلکہ چلتا ہی رہتا ہے۔

اور یہ سورج کے لئے چلنے کا لفظ مجاز بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ وہ ہمیں چلتا نظر آتا ہے تو اس کے لئے لفظ تَجْرِیْ بولا گیا۔ اور قرآن میں مجازی کلام بکثرت ہے جیسے مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔ (یٰس: ۳۶) اور لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ⑲ (مریم: ۱۹) لہٰذا اہل سائنس کا یہ کہنا کہ سورج ٹھہرا ہوا ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے قرآن سے متصادم نہیں ہے دونوں میں توفیق ممکن ہے۔

بلکہ ہم آگے بڑھ کر یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل سائنس کے نزدیک سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سب سیارے یعنی پورا نظام شمسی ایک کہکشاں کے ایک بازو کا حصہ ہے اور ہر بازو گول گھوم رہا ہے اس طرح سورج بھی ایک جگہ ساکن نہیں بلکہ اپنے سارے ساتھی سیاروں سمیت آگے بڑھ رہا ہے اور اس کی رفتار دو سو پچاس کلومیٹر فی سیکنڈ (250 km per sec) ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۳۳) اس طرح الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط اپنے ظاہری معنی میں بھی اہل سائنس کے نزدیک درست ہے، اس کے کچھ دیگر معانی بھی ہیں۔

[18] عرجون کھجور کی خشک ٹہنی کو کہتے ہیں جو سوکھ کر نئے چاند کی شکل میں ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں اور وہ زمین کے گرد گھومتے ہوئے روزانہ ایک منزل میں ہوتا ہے اور مہینے کے آخر میں خشک ٹہنی کی طرح وہ بہت باریک ہو جاتا ہے۔

منازلِ قمر کی تحقیق

یاد رہے کہ چاند کی اٹھائیس منازل ہیں جب نئے ماہ کا چاند پیدا ہوتا ہے تو بہت باریک ہوتا ہے اسے ہلال کہتے ہیں (انگلش میں اسے Crescent کہا جاتا ہے) پھر چودہ منازل طے کر کے وہ مکمل روشن ہو جاتا ہے اسے بدر کہتے ہیں یعنی چودھویں کا چاند۔ پھر وہ چودہ منازل طے کر کے دوبارہ باریک تر ہو جاتا ہے، یعنی وہ اٹھائیس دنوں میں اٹھائیس منازل طے کرتا ہے۔ پھر وہ ایک دن یا دو دن کے لئے سورج کے نیچے اس کی شعاؤں میں گم ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے محاق کہتے ہیں اگر ایک دن کے لئے گم ہو تو وہ انتیس دن کا مہینہ ہوتا ہے اگر دو دن کے لئے گم ہو تو تیس دن کا۔

یاد رہے چاند زمین کے گرد جس مدار میں گردش کرتا ہے اس کی لمبائی تیئس لاکھ ساٹھ ہزار (2,360,000) کلومیٹر ہے، چاند اس مدار میں تین ہزار سات سو کلومیٹر فی گھنٹہ (3,700 km per hour) کی رفتار سے چلتا ہے اور اس کی ماہانہ گردش انتیس دن بارہ گھنٹے چوالیس منٹ اور دو اعشاریہ نو سیکنڈ (29 days 12 hours 44 mints 2.9 sec) میں مکمل ہوتی ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۹۷) اور یہ نظام اس قدر مضبوط و مربوط ہے کہ ہزار ہا برس سے انسان اس کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اس میں کبھی ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کس قدر مدبر، دانا اور قادر مطلق ہے تو پھر وہی مستحق عبادت ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ چاند کی منازل انسانی زندگی کے عروج و زوال کی ایک کہانی ہے جیسے چاند پہلے بہت باریک اور کمزور ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ کامل بدر بن جاتا ہے پھر گھٹتے گھٹتے ختم ہو جاتا ہے یونہی انسانی زندگی ہے۔ یعنی پیدائش، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور آخر موت۔ انسان کو اس سے عبرت لینی چاہئے۔

[19] یعنی سورج دن کو طلوع ہوتا ہے اور چاند رات کو، تو سورج رات کو طلوع کر کے چاند کے ساتھ نہیں مل سکتا کہ رات کو وقت سے قبل ختم کر دے اور نہ رات کو اختیار ہے کہ دن پر چھا جائے یعنی چاند ایسے نہیں کر سکتا کہ طلوع ہی رہے اور سورج کو نہ چڑھنے دے۔ بلکہ سورج چاند اور دیگر سب سیارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے (گھوم رہے) ہیں۔ چنانچہ علم فلکیات کے مطابق چاند زمین کے گرد اپنے مدار میں گھوم رہا ہے جس کی وضاحت ابھی گزری اور زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ اور سورج اپنے تمام فلکی نظام کے ساتھ ایک بڑے مدار میں گھوم رہا ہے۔

اس سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) جدید سائنس قرآن کی تصدیق کرتی ہے:

قرآن مجید نے کہا: كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰس: ۴۰) کہ سب سیارے چاند سورج زمین وغیرہ اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں اور آج سائنس اس کی تصدیق کرتی ہے۔ گویا جو بات سائنس نے آج سمجھی قرآن نے چودہ صدیاں پہلے بتا دی تھی۔

(2) عبادت کے لائق صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے:

جو سب سیاروں کو چلا رہا ہے۔لہٰذا اسے چھوڑ کر شمس وقمر کی عبادت کرنا انسان کی بہت بڑی نا اہلی ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ

اور ان کے لئے یہ نشانی (بھی) ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ان کے لئے اس

مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

جیسی (دوسری سواریاں) بنائیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر کوئی ان کا فریادرس نہ ہو اور نہ وہ

يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

نکالے جائیں۔مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ایک مدت تک (انہیں) جینے دینا ہے۔[20]

[20] الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (بھری ہوئی کشتی) سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہے اور لفظ ذریت کبھی آباء کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔(بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے ہم نے انسانوں کے آباء واجداد (حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹوں) کو کشتی میں سوار کیا پھر ان سے کروڑوں اربوں انسان پھیلا دیئے اور اس کشتی کی طرح انسانوں کے لئے مزید کئی سواریاں بنا دیں۔جیسے بحری جہاز،ہوائی جہاز،کاریں،گھوڑے اور اونٹ وغیرہ۔اگر اللہ چاہے تو انسانوں کو سمندری سفر میں کشتیوں سمیت غرق کر دے اور کوئی ان کی فریاد کو نہ پہنچ سکے مگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں کنارے پر لے آتا اور مزید وقت تک جینے کی مہلت دیتا ہے تو انسانوں کو اس کا شکر بجا لانا چاہیے۔آج یہی حال ہوائی جہاز کے سفر کا ہے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَمَا خَلۡفَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ

اور جب ان سے کہا جائے کہ اس سے ڈرو جو تمہارے آگے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا

(تو وہ منہ پھیرتے ہیں) اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی آتی ہے وہ اس سے

مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ

منہ پھیرتے ہیں [21] اور جب انہیں کہا جائے کہ اللہ نے تمہیں جو دیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو

کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطۡعَمَہٗۤ ٭ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا

تو کفار مومنوں سے کہتے ہیں کیا ہم اسے کھلائیں کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے خود کھلا دیتا۔ تم تو بس

فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾

کھلی گمراہی میں ہو [22] اور کفار کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہو گا اگر تم سچے ہو۔

مَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً تَاۡخُذُہُمۡ وَہُمۡ یَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾

حالانکہ وہ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں (اچانک) پکڑ لے گی اور وہ جھگڑوں میں پڑے ہوں گے۔ پھر وہ

فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تَوۡصِیَۃً وَّلَاۤ اِلٰۤی اَہۡلِہِمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ سکیں گے [23]

[21] آگے سے مراد دنیا ہے اور پیچھے سے آخرت، کیونکہ دنیا انسانوں کے سامنے ہے جو ان کو نظر آ رہی ہے اور اسی کی طرف ان کا رخ اور ان کی توجہ ہے اور قیامت کی طرف انسانوں کی پشت ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ جب کفار سے کہا جائے کہ دنیا و آخرت میں اللہ کی پکڑ سے ڈرو تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جو اسلام دشمن کاروائیاں تم پہلے کر چکے اور جو آئندہ کرنا چاہتے ہو ان سے باز آ جاؤ تو وہ کان نہیں دھرتے۔ اور وہ قرآن کی ہر آیت یا قدرت خداوندی کی ہر نشانی دیکھ کر اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔

[22] کفار مکہ اپنے مالوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پہ نکالتے تھے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے نام پہ، جیسے

قرآن پاک میں ہے: فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ''وہ اپنے گمان میں کہتے تھے کہ یہ حصہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے دوسرے خداؤں کے لیے۔'' (انعام، ۱۳۷) تو وہ بتوں والے حصہ کو بت خانہ کی منتظمین کے حوالے کر دیتے تھے، اور اللہ والے حصہ کو خود کھا جاتے تھے۔ جب انہیں صحابہ کرام کہتے کہ اللہ والے حصہ کو تم غرباء پہ تقسیم کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے جب اللہ نے انہیں نہیں کھلایا تو ہم کیوں کھلائیں اور تم کھلی گمراہی میں ہو کہ ہمیں ان کے کھلانے کو کہتے ہو جن کو اللہ نے نہیں کھلایا۔ گویا وہ تکبر میں مبتلا تھے وہ غریبوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کی ہوئی مخلوق سمجھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے وہ جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کرے وہ کبھی دوستوں پر رزق تنگ کر کے ان کے صبر آزماتا اور آخرت میں ان کے درجات بڑھاتا ہے اور کبھی دشمنوں پر رزق کشادہ کر کے ان پر توبہ کا دروازہ بند کرتا ہے۔

[23] کفار مکہ پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ایک چیخ ہوگی جو اچانک لوگوں کو پکڑ لے گی اور وہ وصیت تک نہ کر سکیں گے اور گھروں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ یعنی اچانک صور پھونک دیا جائے گا اور قیامت آ جائے گی اسی لئے اسے الساعۃ (گھڑی) کہتے ہیں کہ وہ ایک گھڑی میں یکدم برپا ہو جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت یوں قائم ہوگی کہ دو آدمی کپڑا پھیلائے بیٹھے ہوں گے۔ ابھی ان کا سودا مکمل نہ ہوگا اور نہ وہ کپڑا تہہ کر سکیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور ایک شخص لقمہ ہاتھ میں اٹھائے ہوگا ابھی وہ اسے منہ تک نہ لے جائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔'' (بخاری کتاب الرقاق باب ۴۰)

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا

اور صور میں پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے [24] وہ کہیں گے

یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ

ہائے ہماری ہلاکت ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا؟ یہ ہے وہ جو رحمان نے وعدہ کیا اور رسولوں نے

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا

سچ کہا وہ صرف ایک چیخ ہو گی تو وہ سب ہمارے ہاں حاضر کر دیئے

مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

جائیں گے [25] تو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہو گا اور تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ

عمل کرتے تھے [26] بے شک آج اہل جنت اپنی بہاروں کے مزے لوٹ رہے ہیں، وہ اور

وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَی الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ

ان کی بیویاں گھنے سایوں میں تختوں پر تکیہ زن ہیں ان کے لئے وہاں پھل ہے اور وہاں ان کے لئے ہے

وَّلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾

جو کچھ وہ مانگیں [27] (ان پر) مہربان پروردگار کی طرف سے ارشاد فرمودہ سلام ہے [28]

روز قیامت اور جنت و نار کے احوال

[24] قیامت سے قبل دو بار صور پھونکا جائے گا پہلے صور پر تمام آسمان و زمین تباہ ہو جائیں گے اور زمین پر موجود تمام انسان یکدم ہلاک ہو جائیں گے اور وہ سب کفار ہوں گے اس وقت کوئی مومن نہ ہو گا، پھر ہر چیز کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد جو راجح قول کے مطابق چالیس دن ہو گا، دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب مُردے حدیث کے مطابق زمین سے یوں باہر آئیں گے جیسے پودے اُگتے ہیں۔ پھر ان میں روحیں ڈالی جائیں گی تو وہ میدانِ محشر کی طرف چل پڑیں گے۔ اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ ''صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین میں جو بھی ہے مرجائے گا سوا اس کے جسے اللہ چاہے پھر دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہوں گے۔'' (زمر:۶۸)

یاد رہے جو لوگ قبروں میں نہیں دفنائے گئے بلکہ انہیں جلایا گیا یا وہ سمندر میں ڈوب کر مرے، ان کے جسموں کے ذرات جہاں ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں وہیں سے اٹھالے گا۔ رہا یہ کہ میدان محشر کہاں برپا ہوگا تو اس بارہ میں ایک روایت ہے کہ وہ میدان عرفات ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق وہ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہوگی اور حدیث کے مطابق دوسرے صور کے پھونکے جانے پر سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اٹھیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوسرے نفخہ پر سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ زمر ۱، حدیث ۴۸۱۳)

[25] روز قیامت لوگ قبروں سے یا جہاں سے انہیں اٹھایا جائے گا، اٹھیں گے تو کہیں گے ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا؟ پھر وہ کہیں گے کہ اچھا یہ تو وہی دن ہے جس کا خدائے رحمان نے ہم نے وعدہ کیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسولوں نے اس دن کے بارہ میں سچ کہا تھا۔ گویا کفار بھی یہ بات کہیں گے مگر یہ اعتراف انہیں اس وقت کچھ فائدہ نہ دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ قیامت ایک چیخ ہوگی یعنی صور کی آواز ہوگی تو سب لوگ اس پر اٹھیں گے اور اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔

یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ کفار اپنی قبروں کو مرقد یعنی خواب گاہ کیوں کہیں گے، کفار کو تو چاہیے تھا کہ اپنی قبور کو جہنم کے گڑھے کہتے کیونکہ انہیں قبروں میں سخت عذاب دیا جاتا ہے، وہ اپنی قبور کو خواب گاہ کیوں کہیں گے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حدیث کے مطابق پہلے نفخہ سے دوسرے نفخہ کے درمیان عذاب قبر اٹھالیا جائے گا اور کفار بھی اپنی قبور میں سو جائیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار جب قیامت کی ہولنا کی دیکھیں گے تو اس کے مقابلہ میں انہیں قبر کا عرصۂ قیام مثل خواب محسوس ہوگا۔

اس جگہ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ سے معلوم ہوا کہ لفظ رحمن اللہ تعالیٰ کے لئے بطورِ صفت اور بطورِ علم دونوں طرح مستعمل ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن میں کئی جگہ خود کو اللہ کی بجائے رحمان سے یاد فرماتا ہے، جیسے اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ (رحمن:۱) ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ (فرقان:۵۹) وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ (یٰس:۱۱) یہی وجہ ہے کہ مخلوق کو رحیم کہہ سکتے ہیں جیسے حضور ﷺ کے بارہ میں ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:۱۲۸) مگر رحمان نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ اللہ رب العزت ہی کے ساتھ خاص ہے اور اسی کا نام ہے مگر افسوس ہے کہ آج جہالت کے سبب کئی لوگوں کو مسٹر رحمان کہا جاتا ہے یہ گناہ ہے، عبدالرحمن کہنا چاہیے۔

[26] روز قیامت اعلان ہوگا کہ آج کسی پر ظلم نہ ہوگا یعنی کسی نا کردہ گناہ پر پکڑ نہ ہوگی بلکہ جس نے جو عمل کیا اسی کے

مطابق اسے جزا دی جائے گی۔ اگر کہا جائے کہ حدیث مبارکہ میں ہے جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ کرے اور نیکی کر نہ سکے تو اسے نیکی کا ثواب دے دیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص شہادت کی تمنا رکھے اور شہادت نہ پا سکے تو اس کے ارادہ اور نیت کے مطابق اسے شہیدوں میں شامل کر لیا جائے گا۔ جب اس نے وہ نیکی عملاً کی ہی نہیں تو لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۵۴﴾ کے مطابق اسے نیکی کا ثواب کیوں دیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ روز قیامت نیت ہی کا ثواب دیا جائے گا اسی لئے نیکی کے ارادہ سے کیا جانے والا گناہ باعث ثواب بن جائے گا جیسے صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا اور برائی کے ارادہ سے کی جانے والی اچھائی باعث عذاب بن جائے گی جیسے پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا لہٰذا جب کسی نے نیکی کا مصمم ارادہ کیا ہو اور وہ نیکی نہ کر پائے تو اسے نیت کا اجر دیا جانا لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۵۴﴾ کے مطابق ہے اس کے خلاف نہیں۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب بندہ بیمار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میرا بندہ صحت میں جو نیکی کرتا تھا اس کا ثواب اس کے لئے لکھتے رہو جب تک وہ دوبارہ صحت یاب نہ ہو جائے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹) یعنی چونکہ وہ نیکی کا مصمم ارادہ رکھتا تھا مگر بیمار پڑ گیا تو اسے نیکی کا اجر دیا جاتا ہے۔

لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۵۴﴾ سے معلوم ہوا کفار کے جو بچے ناسمجھی میں مر جائیں وہ دوزخ میں نہ جائیں گے۔ کیونکہ جب انہیں کسی عمل (خواہ وہ کفر ہو) کا شعور ہی نہیں ہوا تو انہیں کفر کی سزا کیوں دی جائے تو وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے۔

[27] اہل جنت اپنی جنتی بیویوں (جن میں ان کی دنیا والی بیویاں اور جنتی حوریں سبھی شامل ہیں) کے ساتھ کیسی پُر بہار زندگی گزاریں گے اس کا منظر احادیث مبارکہ سے سنیے۔

جنتی بیویوں کا ذکر جمیل احادیث سے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اہل جنت اپنی ازواج سے جتنی بار ہم بستری کریں گے وہ پھر کنواری ہو جائیں گی۔'' (طبرانی صغیر جلد اول صفحہ ۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''جنتی مرد اپنی بیوی سے جتنی بار ہم بستری کرے گا اس کی شہوت لوٹتی رہے گی اور وہ ستر مردوں کی قوت سے جماع کرے گا اور دونوں سے کوئی مادہ خارج نہ ہوگا۔'' (صرف لذت ہی لذت ہوگی) (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۴۵)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا کوئی جنت کے لئے کمر بستہ ہے؟ کہ وہاں کی عظمت ناقابل تصور ہے۔ رب کعبہ کی قسم! وہ چمکتا نور ہے، مہکتے پھول ہیں، بلند محلات ہیں، تازہ پھل ہیں، پیکر حسن و جمال بیویاں ہیں، لاتعداد لباسات ہیں، عیش جاوید ہے اور سلامتی کا گھر، سب صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب کمر بستہ ہیں، آپ نے فرمایا کہو: ان شآء اللہ، تو سب نے کہا: ان شآء اللہ۔'' (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۹)

اس جگہ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ﴿۵۶﴾ سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں باہمی محبت

جنتی نعمت ہے۔اور جو شخص کسی میاں بیوی میں محبت توڑے وہ بڑا مجرم ہے اور اللہ کا حق ہے کہ اسے اس جنتی نعمت سے محروم کردے۔

[28] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت اپنی نعمتوں کے مزے لے رہے ہوں گے ایسے میں ان پر ایک نور طلوع ہوگا وہ سر اٹھائیں گے تو ان کا رب ان پر جلوہ فرما ہوگا اللہ فرمائے گا اے اہل جنت! تم پر سلام ہو، وہ اللہ کو دیکھیں گے اللہ انہیں دیکھے گا۔ پھر اللہ کا جلوہ چھپ جائے گا مگر اس کا نور اور اس کی برکت ان کے گھروں اور علاقوں میں ہمیشہ رہے گی۔تو اس لئے فرمایا گیا: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾''

(ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۳)

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا

اور (کفار سے کہا جائے گا) اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ، اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی

تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾

راستہ ہے۔ اور شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا۔تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ

یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس میں داخل ہو جاؤ اس لئے کہ تم

تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ

کفر کرتے تھے[29] آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے[30]

[29] مومنوں کے لئے جنتی انعامات بیان کرنے کے بعد کفار کے لئے جہنم کے عذابات بتائے جا رہے ہیں تو فرمایا کہ ان سے قیامت میں اللہ فرمائے گا اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان کی عبادت (یعنی

وقف غفران

اطاعت) مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔شیطان نے تم سے پہلے کئی قوموں کو گمراہ کر کے کفر کے راستہ پر ڈالا اور ان قوموں کا انجام تم نے دیکھ لیا مگر تم نے ان سے عبرت نہ پکڑی تم عقل سے کام کیوں نہ لیتے تھے؟ تو اب تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے لئے دوزخ تیار ہے اس میں داخل ہو جاؤ۔

[30] روز قیامت اللہ تعالیٰ کفار کے سامنے اعمال نامے رکھے گا اور ان کے کفر پر کراماً کاتبین فرشتے گواہی دیں گے مگر وہ پھر بھی کہیں گے ہمیں اپنے رب کی قسم! ہم تو کوئی شرک نہیں کرتے تھے۔ (انعام: ۲۳) تب اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا تب ان کے ہاتھ بول کر گواہی دیں گے جن سے وہ بتوں کے آگے بھیک مانگتے تھے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جن کے ساتھ چل کر وہ بتوں کے پاس جاتے تھے۔

قیامت کے دن ہاتھوں پاؤں کا انسان کے خلاف گواہی دینا کفار کا معاملہ ہے، مومنوں کا نہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز قیامت اللہ رب العزت مومن کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا اور اس کی نیکیاں سب پر روشن کرے گا جبکہ کافر و منافق کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا تو وہ کہے گا یہ فرشتوں نے میرے بارہ میں جھوٹ لکھا ہے فرشتہ کہے گا اے اللہ! تیری عزت کی قسم میں نے سچ لکھا ہے۔تب کافر و منافق کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۴۵۸ حدیث ۲۹۲۱۲)

گویا قیامت میں منہ پہ مہر لگنا اور ہاتھوں پاؤں کا گواہی دینا یہ کفار کے ساتھ ہوگا، اسی لیے اس سے قبل فرمایا گیا: اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

اسی طرح سورہ حم سجدہ میں فرمایا گیا کہ روز قیامت کانوں، آنکھوں اور چمڑیوں کا گواہی دینا دشمنانِ خدا کا معاملہ ہوگا، چنانچہ فرمایا:

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ ”جس دن اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف اٹھایا جائے گا، تو وہ ایک جگہ روکے جائیں گے چنانچہ جب وہ سب جمع ہو جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان، ان کی آنکھیں اور چمڑیاں گواہی دیں گی جو وہ عمل کرتے تھے۔“ (حم سجدہ، ۲۰)

اب ظاہر ہے کہ مومن کتنا ہی گناہ گار ہو وہ اللہ کا دشمن نہیں کہلاتا، اللہ کا دشمن کافر ہی کہلا سکتا ہے، معلوم ہوا کہ صرف کفار ہی وہ ہیں جن کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے، اللہ تعالیٰ مومن کو اس تذلیل سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے تو پھر وہ راستہ کی طرف لپکتے مگر کہاں دیکھ پاتے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان کے ٹھکانے پر ان کی صورتیں بدل ڈالتے، پھر وہ نہ بھاگ سکتے اور نہ واپس لوٹ سکتے [31]

[31] یعنی دشمنان اسلام جس طرح اللہ کی دی ہوئی آنکھوں اور دوسری قوتوں کو اللہ کے دین کے خلاف استعمال کرتے ہیں اس کی سزا میں اگر اللہ چاہے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دے اور ان کی صورتیں مسخ کر ڈالے پھر وہ کہیں بھاگ نہ سکیں مگر اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت و بصارت ختم کر دیتا۔“ (بقرہ:۲۰)

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ

اور جسے ہم بڑی عمر دیں اسے ہم پیدائشی حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں، تو کیا وہ عقل نہیں کرتے [32] اور ہم نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے لائق ہے۔ وہ تو صرف ایک ذکر اور روشن قرآن ہے۔ تاکہ آپ ہر اس شخص کو

وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

ڈرسنائیں جو زندہ ہو اور کافروں کے خلاف حجت ٹھہر جائے [33]

حقانیت قرآن، انعامات الٰہیہ، رد شرک اور قیام قیامت کا بیان

[32] انسان کو اس کی موت یاد دلائی جا رہی ہے تو فرمایا گیا کہ ہم جس شخص کو لمبی عمر دیں اسے اس حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس پر وہ پہلے پیدا کیا گیا تھا جس طرح وہ اس وقت خود کھا سکتا نہ پی سکتا تھا نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت MOVE کر سکتا تھا، زیادہ بوڑھا ہو کر بھی انسان ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ ”تم میں سے بعض کو کمزور ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ وہ علم کے باوجود کچھ نہ جانے۔“ (حج:۵)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) جوانی کے نشے میں کمزوروں پر ظلم کرنا عظیم خسارہ ہے:

اس آیت میں یہ پیغام ہے کہ جوانی کے بعد جلد بڑھاپا آ رہا ہے لہٰذا جوانی پہ ناز کرتے ہوئے کمزوروں کو ستانا بڑی حماقت اور ظلم ہے۔ اسی طرح جو عورتیں جوانی میں فلموں ڈراموں کے ذریعے معاشرے میں بے حیائی اور عریانی پھیلاتی ہیں بڑھاپے میں ان کی حالت قابل عبرت ہوتی ہے اور آخرت میں جو پکڑ ہوگی وہ الگ ہے۔ عارف باللہ میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پنجابی اشعار میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

حسن جوانی چار دیہاڑے مان ایہدا کی کرنا — جس جثے نوں چھنڈ چھنڈ رکھیں خاک اندروں دھرنا

لکھ ہزار بہار حسن دی اندر خاک سمانی — لا پریت ایہہ جئی محمد جگ وچ رہے کہانی

(2) جسم کی بجائے روح کی غذا پر زیادہ زور دینا چاہئے:

جسم چند سال کے اندر ہی کمزور و مضمحل اور آخر ختم ہو جاتا ہے جبکہ روح ہمیشہ زندہ و تازہ رہتی ہے تو جسم سے زیادہ روح کو غذا دینا چاہیے اور اس کی غذا ذکر الٰہی ہے۔

(3) زندگی دھیرے دھیرے موت کی طرف رواں ہے: تو موت سے قبل نیکی کا ذخیرہ جمع کر لینا چاہیے۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت شمار کرلو۔ اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے، اپنی مالداری کو فقر سے پہلے، اپنی فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔'' (ترمذی کتاب الزہد باب ۲۵)

[33] کفار مکہ قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنائی ہوئی شاعری کہتے تھے کیونکہ اس کی آیات کے آخری کلمات میں ایک موزونیت و یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ہم نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور شعر کہنا آپ کی شان کے لائق ہی نہیں۔ کیونکہ اشعار میں عموماً مبالغہ آرائی ہوتی ہے اور اللہ کا نبی مبالغہ آرائی نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اگر آپ شاعر ہوتے تو معترضین کہتے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد نامی ایک شاعر کی اچھی شاعری ہے جس نے لوگوں کو متاثر کیا، اس طرح آپ کا مقام نبوت مشکوک ہو جاتا اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو اللہ کی طرف سے ایک ذکر اور روشن قرآن ہے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے ذریعے ہر اس شخص کو ڈرائیں جس کا دل زندہ ہے اور وہ آواز حق سن سکتا ہے، کیونکہ مردہ دل شخص کو کچھ نہیں سنایا جا سکتا، فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ (روم:۵۲) اور تاکہ کافروں پر اتمام حجت ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کا علم عطا فرمایا گیا تھا

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ سے بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں کمی ثابت کرنے کے لیے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ حضور ﷺ کے پاس شعر کا علم نہ تھا، حالانکہ ان کا یہ استدلال غلط ہے۔ اسکی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے اپنے بیٹے کو جھوٹ نہیں سکھایا، یا گالی نہیں سکھائی، تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کا بیٹا جانتا ہی نہیں کہ جھوٹ یا گالی کیا ہوتی ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ اس کے بیٹے کی ایسی اچھی تربیت کی گئی ہے کہ وہ جھوٹ یا گالی وغیرہ کے قریب نہیں بھٹکتا۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ شعر بنا نہیں سکتے تھے، اسکا یہ معنی نہیں کہ آپ اچھے یا بُرے شعر میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے یا آپ جانتے ہی نہ تھے کہ شعر کیا ہوتا ہے، آپ نے اچھے اشعار کی اکثر تعریف فرمائی ہے۔ احادیث میں ایسے واقعات بہت ہیں۔ ایک بار آپ نے حضرت عمرو بن شرید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم امیہ بن صلت کے کچھ اشعار جانتے ہو تو سناؤ، انہوں نے ایک شعر سنایا، آپ نے فرمایا مزید سناؤ، انہوں نے مزید اشعار سنائے۔ آپ مزید کا مطالبہ کرتے رہے حتی کہ انہوں نے سو اشعار سنا دیے۔'' (مسلم کتاب الشعر حدیث ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرۃ القضا کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے چلتے ہوئے اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسے نہ روکو، اس کے اشعار کفار کے سینوں میں نیزوں کی طرح اُتر رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری بروایت بغوی جلد ۷ صفحہ ۹۳) اور آپ کا شعر نہ کہہ سکنا بھی آپ کی ایک عظمت ہے، کہ اللہ رب العزت نے اس سے آپ کی نبوت کو ہر شک سے پاک کر دیا اور آپ کو ہر طرح کی مبالغہ آرائی سے دور کر دیا۔

قرآن شاعری نہیں ہے

قرآن مجید بلاشبہ شاعری نہیں ہے اور نہ اس میں شاعرانہ قواعد وضوابط کا لحاظ ہے مثلاً سورہ فاتحہ کی سات آیات ہیں، ان میں سے بعض نون پر ختم ہوتی ہیں بعض میم پر جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اگر یہ شاعری ہوتی تو کم از کم ہر آیت کسی ایک حرف پر ختم ہوتی اور یہ بات ایک بچہ بھی سمجھتا ہے اور یہی انداز سارے قرآن میں ہے کہ کسی سورت یا رکوع کی آیات کے اواخر اشعار کی طرح ایک جیسے نہیں ہیں۔ پھر سورہ فاتحہ کی پہلی آیت چار کلمات پر مشتمل ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ دوسری دو کلمات پر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اور تیسری تین کلمات پر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، کیا شاعری ایسے ہوتی ہے؟ الغرض قرآن شاعری نہیں بلکہ اللہ کا ذکر ہے تاہم قرآنی آیات کے آخری کلمات میں ایک طرح سے موزونیت ہے جس سے اس کی تلاوت میں ایک عجیب تاثیر اور لذت پیدا ہوگئی ہے جو لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔

حضور ﷺ شعر نہیں کہہ سکتے تھے

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے منصب نبوت کو ناقابل شک رکھنے کے لئے آپ کو شعر

کہنے سے دور رکھا اور اگر کبھی آپ نے کسی شاعر کا شعر پڑھا بھی تو اس کے الفاظ آپ کی زبان مبارک سے بلا وزن شعری ادا ہوئے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ایک مصرعہ شعر یوں پڑھا: کفیٰ بالاسلام والشیب للمرء ناھیاً (آدمی کو برائی سے روکنے کے لئے اسلام اور بڑھاپا کافی ہے) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کے اصل الفاظ یوں ہیں: کفی الشیبُ والاسلامُ للمرء ناھیًا۔ آپ نے فرمایا مفہوم تو وہی ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کہنے لگے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۰۰ حدیث ۱۸۱۱۲)

ایسے ہی کچھ مزید واقعات تفاسیر میں لکھے ہیں۔ البتہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے بسا اوقات موزن الفاظ بے ساختہ ادا ہوتے تھے ان میں وزن شعری کی سی شکل ہوتی مگر وہ اشعار نہ ہوتے۔ جیسے غزوۂ حنین میں آپ نے فرمایا: اَنَا النبیُّ لا کَذِبْ انا ابنُ عبد المطلب میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

عمومیتِ رسالتِ مصطفیٰ ﷺ اور ختم نبوت

لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا میں مَنْ برائے عموم ہے یعنی ساری روئے زمین پر تا قیام قیامت جو انسان بھی زندہ دل ہے آپ کا پیغام اسے جہنم سے ڈرانے کے لئے کافی ہے، اس کے لیے کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ''آپ فرمادیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' (اعراف، ۱۵۸) پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر کوئی کسی خاص قوم یا علاقہ کے لیے آیا اور مخصوص وقت کے لیے آیا، مگر رسول اللہ ﷺ کو ساری نسل انسانی کی طرف تا قیامت بھیجا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام ہدایت کے ستارے تھے اور آپ آفتاب نبوت ہیں، اسی لیے آپ کو سراج منیر فرمایا گیا، ستارے اس وقت چمکتے ہیں جب سورج نہ چڑھا ہو، جب سراج منیر آجائے تو کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہ گئی۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ ﴿۷۱﴾

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے جانور پیدا کئے تو وہ ان کے مالک ہیں

وَذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَمِنۡهَا يَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ

اور ہم نے جانوروں کو ان کے تابع کر دیا، تو ان میں سے کچھ ان کی سواری ہیں اور کچھ کو وہ کھاتے ہیں اور ان کے لئے ان میں

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمۡ

دیگر فوائد اور مشروبات ہیں، تو کیا وہ شکر نہیں بجا لاتے؟ [34] کفار نے اللہ کے سوا خدا بنا لیے ہیں، تا کہ ان کی

يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۷۴﴾ؕ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَهُمۡ ۙ وَهُمۡ لَهُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾

مدد ہو حالانکہ وہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے جبکہ کفار ان کیلئے جمع کردہ لشکر ہیں۔

فَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾

تو آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں[35]

وقف لازم

[34] اگر انسان اللہ جل وعلا کی توحید و مقام معبودیت سے واقف ہونا چاہے تو وہ جانوروں ہی میں غور کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے جانور پیدا کئے اور انہیں انسانوں کے تابع فرمان بنا دیا چنانچہ وہ بعض پر سواری کرتے اور بعض کو ذبح کر کے کھاتے ہیں آخر کس قوت نے ایک عظیم الجثہ طاقتور اونٹ کو اس قدر مسخر کر دیا کہ ایک بچہ اس کی نکیل پکڑ کر اسے جدھر چاہے لے جاتا ہے، ورنہ اونٹ میں اس قدر قوت ہے کہ انسانوں کی ایک جماعت کو عاجز کر دے۔ یہی حال گائے بیل اور دوسرے جانوروں کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کیا ہوا ہے۔ تو اسی اللہ کی عبادت واطاعت کرنی چاہیے۔

اس سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(1) جانوروں کو ہمارا مطیع بنایا گیا ہے ہمارا معبود نہیں:

جانوروں سے خدمت لینی چاہیے اور عبادت اس رب کی کرنی چاہیے جس نے جانوروں کو ہمارے تابع بنایا ہے جانوروں کی عبادت کرنا عظیم حماقت ہے۔

(2) جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے کا گناہ:

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے تابع بنایا ہے تو ان کی بے زبانی سے ناجائز فائدہ اٹھانا عظیم ظلم ہے روز قیامت اللہ تعالیٰ

جانوروں کو اختیار دے گا کہ جنہوں نے ان پر ظلم کیا ان سے بدلہ لیں تو وہ انہیں اپنے سینگوں اور پاؤں سے پامال کر کے اس سے بدلہ لیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جانوروں میں انسانوں کے لئے دیگر فوائد و منافع ہیں جیسے ان کے چمڑوں سے جوتیاں، خیمے، ڈھالیں اور ملبوسات بنانا اور ان کی اُون سے گرم کپڑے تیار کرنا وغیرہ اور انہی جانوروں سے انسانوں کو کئی مشروبات بھی ملتے ہیں۔ جیسے دودھ، لسی چائے وغیرہ تو کیا انسان کا حق نہیں کہ یہ نعمتیں حاصل کر کے اللہ کا شکر بجالائے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کرے اور اس کے اور اس کے بندوں کے حقوق کی پاسداری کرے؟

[35] مشرکین اللہ کے سوا جھوٹے خدا مان کر ان سے مدد چاہتے ہیں حالانکہ وہ ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتے بلکہ کفار ان کا مددگار لشکر ہیں کہ اپنے بتوں کے گرد مجمع لگا کر ان کا نام اونچا کرتے ہیں اور وہ اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ تو اے پیارے رسول ﷺ! آپ کفار کی باتوں سے پریشان نہ ہوں ہم ان کا ہر ظاہری و خفیہ عمل جانتے ہیں اور ان کا محاسبہ کریں گے۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾

کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا، تو اب وہ کھلا جھگڑالو (بنا بیٹھا) ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾

اور اس نے ہمارے لئے مثال بیان کی اور اپنی تخلیق کو بھول گیا، کہنے لگا ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿۷۹﴾ لا

آپ فرمائیں انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ بنایا اور وہ ہر تخلیق کا جاننے والا ہے [36]

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ

اس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ بنا دی۔ تو اب تم اس سے

تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ

آگ سلگاتے ہو [37] تو جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کرنے پر

یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ق وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا

قادر نہیں؟ کیوں نہیں؟ وہ سب سے بڑا پیدا کرنے والا علم والا ہے۔ اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ''ہو جا''

اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ

کہنا چاہتا ہے تو بس وہ ہو جاتی ہے۔ تو پاک ہے وہ رب جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف

وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

تم لوٹائے جاؤ گے [38]

وقف غفران

رکوع ۵

[36] حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عاص بن وائل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور اسے توڑتے ہوئے کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا اللہ اس ہڈی کو اس حالت کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اللہ اسے زندہ کرے گا وہ تجھے مار کر پھر زندہ کرے گا اور جہنم میں بھیجے گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اَوَلَمْ یَرَ

الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ۝ (ابن جریر جلد ١٠ صفحہ ٤٢٦ حدیث ٢٩٢٤٤) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان اپنی تخلیق کو بھول گیا کہ ہم نے اسے ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا تھا اب وہ ہمارے خلاف مثالیں دیتا ہے اسے بتا دیا جائے کہ جس رب نے تمہیں پہلی بار ایک نطفہ سے پیدا کیا تھا وہی رب تمہاری ہڈیوں کو دوبارہ اٹھائے گا کیونکہ وہ ہر تخلیق کا جاننے والا ہے۔ اس میں یہ درس بھی ہے کہ انسان کو مال و منال، حسن و جمال اور نسب و کمال پر تکبر کرنے سے قبل اپنی اصلیت پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا تھا وہ ایک بے جان نطفہ تھا اور اللہ اسے پھرنا کارہ ہڈیاں بنا دے گا تو اسے عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔

[37] عرب میں دو درخت پائے جاتے تھے مرخ اور عفار، دونوں سے ایک ایک شاخ لے کر انہیں ایک دوسرے پر مارا جاتا تو اس سے آگ نکلتی اہل عرب اس سے آگ سلگا کر سفر میں اس سے کھانا وغیرہ پکاتے تھے۔ ان کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو رب تر و تازہ ہری بھری شاخ میں آگ پیدا کر سکتا ہے کیا وہ خشک ہڈی میں جان نہیں ڈال سکتا؟

[38] اور جس رب نے ارض و سماء کی اتنی بڑی کائنات بنا دی کیا وہ ان منکرین جیسے لوگوں کو دوبارہ نہیں اٹھا سکتا؟ ضرور اٹھا سکتا ہے وہ خلاق و علیم ہے وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہے تو اُسے کہتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور انسانوں کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو انہیں چاہیے کہ اس سے قبل اللہ کو راضی کر لیں اور اس کی اطاعت بجا لائیں۔

الحمد للہ آج 5 جمادی الثانی 1429ء بمطابق 9 جون 2008ء بعد نماز ظہر سورہ یٰسین کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الذی اسمہٗ طٰہٰ و یٰس و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورہ صافات

سورہ صافات ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآنِ کریم کی 37ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 55ویں سورت، بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ سورہ انعام کے بعد اور سورہ لقمان سے پہلے نازل ہوئی۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۲۰)

اس سورت میں پانچ (5) رکوعات، دوسو بیاسی (282) آیات، آٹھ سوستر (870) کلمات اور تین ہزار آٹھ سو چھبیس (3826) حروف ہیں۔ (خازن جلد ۶ صفحہ ۱۷) یہ سورت مکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے جمعہ کے دن یٰسٓ اور صافات کی تلاوت کی پھر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا تو اللہ اسے ضرور عطا فرمائے گا۔''
(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۷۷ بروایت ابن ابی داؤد فی فضائل القرآن)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نماز میں تخفیف کا حکم فرماتے اور ہمیں صافات کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔ (نسائی شریف کتاب الامامۃ باب ۳۶)

مضامین

دیگر مکی سورتوں کی طرح سورۂ صافات کے اہم موضوعات یہ ہیں۔ شہاب ثاقب کا بیان، صفاتِ خداوندی، انعاماتِ الٰہیہ، صداقتِ قرآن، حقانیتِ نبوتِ محمدیہ، ذکرِ قیامت، جنتی انعامات اور دوزخ کے عذابات، البتہ اس سورت میں نیا موضوع سیرت انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔ اس میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا بچایا جانا اور منکروں کا ہلاک ہونا بتایا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو چھری کے نیچے برائے ذبح رکھنا بتایا گیا، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی نبوت پہ روشنی ڈالی گئی اور حضرت الیاس و یونس علیہما السلام کا ذکر خیر کیا گیا۔ اور آخر میں کفار مکہ کا جنات اور فرشتوں کی پرستش کرنا اور اس کا رد ذکر کیا گیا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت ظاہر ہے، کیونکہ ماقبل سورت یاسین میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہے جن سے قوم نے دشمنی کی تو وہ اللہ کی پکڑ میں آ گئے، جبکہ صافات میں نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور یونس علیہ السلام کی مساعی تبلیغیہ کا ذکر ہے اور دونوں سورتوں میں اللہ رب العزت کی عظمت وقدرت کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتہا ۱۸۲ ۳۷ سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۵۶ رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ

قسم ہے بہتر صف بندی کرنے والی پھر خوب جھڑکنے والی پھر ذکر کی تلاوت کرنے والی جماعتوں کی [1] بے شک تمہارا معبود

لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

ایک معبود ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کا رب ہے اور تمام مشرقوں کا رب ہے [2]

اللہ کی عظیم قدرتوں اور قیام قیامت کا بیان

[1] آغاز کلام میں اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں یاد فرمائیں۔ ان کا ایک معنی یہ ہے کہ قسم ہے فرشتوں کی ان جماعتوں کی جو صف بستہ ہو کر اللہ کی عبادت کرتی ہیں اور قسم ہے ان جماعتوں کی جو بادلوں کو جھڑک کر مختلف اطراف میں لے جاتی ہیں (جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ کڑک کی آواز فرشتے کی جھڑک ہے) یا جو جہنم میں مجرموں کو جھڑکتی ہیں اور قسم ہے ان جماعتوں کی جو جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن لے کر اُترتی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑھتی ہیں، یہ معنی حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، مجاہد، عکرمہ، مسرق اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ قسم ہے مومنوں کی ان جماعتوں کی یا قسم ہے ان نفوسِ قدسیہ کی جو نماز باجماعت کے لئے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے نفس کو جھڑکتے ہیں تاکہ وہ بُرائی میں ملوث نہ ہو یا وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صورت میں مجرموں کو جھڑکتے ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ قسم ہے ان جانوں کی (ان مجاہدین کی) جو کفار کے مقابلہ میں میدان جنگ میں صف آراء ہوتے ہیں اور اپنے گھوڑوں کو جھڑک کر چلاتے ہیں یا اپنے ماتحت فوجیوں کو ڈانٹ کر جہادی کاموں پر لگاتے ہیں اور دورانِ جہاد کثرت سے تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔

نماز باجماعت کی اہمیت

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا میں خواہ عبادت کے لئے فرشتوں کی صف بستہ جماعتیں مراد ہوں یا مومنوں کی جماعتیں،

بہر حال اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی صف بستہ نماز باجماعت اس قدر پسند ہے کہ اس کی قسم یاد فرماتا ہے اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم فرشتوں کی طرح صف بندی نہیں کر سکتے؟ ہم نے عرض کیا فرشتے کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ پہلے اگلی صفیں مکمل کرتے ہیں اور ان کی صفوں میں کہیں خلا نہیں ہوتا۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۱۹) اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنائی گئی ہیں۔ (مسلم کتاب المساجد حدیث ۴)

نماز باجماعت کی صف بندی ایسے ہے جیسے مجاہدین کفار کے سامنے صف بندی کرتے ہیں اور مسجد کے محراب کو اسی لئے محراب کہتے ہیں کہ وہاں شیطان سے حرب (جنگ) ہوتی ہے اور حدیث میں ایک نماز باجماعت ستائیس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں ایک نماز باجماعت پانچ سو نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا کی تفسیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے بھی کی گئی ہے گویا اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں جو دوسروں کو برائیوں سے زجر کرتے (ڈانٹ پلاتے) ہیں بلاشبہ ایسے لوگ انسانیت کے پہریدار و بہی خواہ ہیں۔ اور امت محمدیہ کی شان ہی یہ بیان کی گئی ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سب سے بہتر امت ہو، تمہیں اس بات کے لیے تیار کیا گیا ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ (آل عمران، ۱۱۰)

تلاوتِ قرآن کی فضیلت:

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا کی تینوں تفسیروں میں تلاوتِ قرآن مراد ہے۔ لہٰذا قرآن کو توجہ، انہماک، خوش آوازی اور درست تلفظ سے عمدہ سے عمدہ تر پڑھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ط "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے یوں پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے۔" (بقرہ، ۱۲۱) اور پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اسے کامل توجہ کے ساتھ، پورے خشوع وخضوع کے ساتھ، معنی ومطلب کو سمجھ کر درست تلفظ کے ساتھ پڑھا جائے۔

[2] قرآنِ مجید میں کہیں: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فرمایا گیا (شعرآء:۲۸) کہیں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۞ فرمایا گیا (رحمن:۱۷) اور کہیں بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ فرمایا گیا۔ (معارج:۴۰) تو اس کی کیا وجہ ہے کہ کہیں واحد کا صیغہ بولا گیا، کہیں تثنیہ کا اور کہیں جمع کا؟ اور ان تینوں میں کیا فرق ہے؟

مشرق ومغرب، مشرقین ومغربین اور مشارق ومغارب میں کیا فرق ہے؟

تو مشرق ومغرب سے جانب مشرق و جانب مغرب مراد ہے اور مشرقین ومغربین (دو مشرقوں اور دو مغربوں) سے ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق مراد ہے اسی طرح گرمی و سردی کا ایک ایک مغرب مراد ہے کیونکہ سورج گرمیوں میں مشرق کے ایک حصہ سے طلوع کرتا ہے اور سردیوں میں مشرق کے دوسرے حصہ سے اسی طرح گرمیوں میں اس کا مقام غروب مغرب میں سردیوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جبکہ مشارق ومغارب سے یہ مراد ہے کہ زمین کی تین سو ساٹھ ڈگریاں (منازل) ہیں کیونکہ زمین گول ہے اور ہر گول چیز میں اہل سائنس تین سو ساٹھ ڈگریاں مانتے ہیں یعنی ہر گول دائرہ تین سو ساٹھ ڈگری کا ہوتا ہے اور نصف دائرہ ایک سو اسی ڈگری کا اور چوتھائی دائرہ نوے ڈگری کا ہوتا ہے اور سورج زمین کے گرد گھومتا نظر آتا ہے تو زمین کی تین سو ساٹھ ڈگریاں سورج کی تین سو ساٹھ مشارق اور تین سو ساٹھ مغارب ہیں کیونکہ سورج ہر وقت ایک جگہ طلوع اور دوسری جگہ غروب ہوتا رہتا ہے۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَةِ ِالۡكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ
بے شک ہم نے قریب والے آسمان کو ایک زینت سے آراستہ کیا، جو ستارے ہیں اور وہ ہر سرکش شیطان سے
مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَیُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ٭ۖ﴿۸﴾
حفاظت کے لئے ہیں، یہ شیاطین عالم بالا کی باتیں نہیں سن سکتے اور انہیں ہر طرف سے مار پڑتی ہے
دُحُوۡرًا وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ
تاکہ انہیں بھگایا جائے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے سوا اس کے جو کوئی بات اُچک لے تو اس کے پیچھے جلانے والا
شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾
شعلہ لپکتا ہے۔[3]

[3] آسمان دنیا سے سب سے نچلا آسمان مراد ہے جس پر رات کو ستارے جگمگاتے نظر آتے ہیں ان ستاروں سے یہ کام بھی لیا جاتا ہے کہ جب شیاطین آسمان دنیا کے قریب جاتے ہیں تاکہ فرشتوں کی باتیں سن کر اندازہ کریں کہ زمین پر کیا واقعات ہونے والے ہیں۔ تو ان پر کوئی ستارہ مارا جاتا ہے جو اس شیطان کو جلا کر رکھ دیتا ہے اسی لئے اسے شہاب ثاقب کہا جاتا ہے یعنی جلانے والا شعلہ۔ یہ آسمان کی شیاطین سے حفاظت پہلے بھی تھی مگر جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تو یہ حفاظت سخت تر کر دی گئی، پہلے شیاطین فرشتوں کی کوئی بات اُچک لینے میں کامیاب ہو جاتے تھے مگر اب

نہیں ہوسکتے، اسکے باوجود شیاطین ابھی تک اپنی سرکش طبیعت کی وجہ سے باز نہیں آئے اور اب بھی وہ آسمان کے قریب جاتے اور مار کھاتے ہیں۔

شہاب ثاقب کی حقیقت اور جنّات کا اسلام لانا

بعثتِ رسول ﷺ کے بعد جب شیاطین پہ بکثرت شہاب ثاقب پڑے تو انہوں نے شیطان اعظم کو اس کی خبر دی، اس نے کہا ضرور زمین پہ کوئی بڑا واقعہ ہوا ہے تم اس کا پتہ چلاؤ، چنانچہ شیاطین زمین پہ پھیل گئے۔ ان میں سے کچھ مکہ مکرمہ کی طرف نکل آئے انہیں معلوم ہوا کہ یہاں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس پہ قرآن اُترتا ہے۔ انہوں نے شیطان اعظم کو اس کی خبر دی۔ تو اس نے کہا، ہاں، یہی سبب ہے جس کی وجہ سے تم پہ اس قدر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں۔ تب کچھ جنات خصوصاً قرآن سننے کے لیے حضور سید کائنات ﷺ کے پاس آئے اور سن کر ایمان لائے۔ اسوقت آپ طائف سے واپس آرہے تھے اور اہل طائف کی سنگ باری اور دین اسلام سے اعراض کی وجہ سے افسردہ تھے۔ پھر یہ جنات واپس اپنی قوم میں گئے اور انہیں دعوت اسلام دی۔ یہ عالم جنات میں پہلی دعوت اسلام تھی، اس لیے سورہ جن میں اس کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تو اس دعوت کی وجہ سے سینکڑوں جنات اسلام لائے اور وہ حاضر بارگاہ رسالت ہوئے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اس کی تمام تفصیل ان شاء اللہ العزیز سورہ جن کی تفسیر میں آئے گی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ

تو آپ کفار سے پوچھیں کہ کیا وہ سخت تر مخلوق ہیں یا (دیگر مخلوقات) جو ہم نے پیدا کیں، ہم نے انسانوں کو لیس دار مٹی سے

لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا

بنایا ہے[4] بلکہ آپ (کفار پر) تعجب کرتے ہیں اور وہ (الٹا) مذاق کرتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جائے تو نصیحت نہیں پکڑتے اور

اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

جب کوئی نشانی دیکھیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے [5] کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ

اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے، کیا ہمارے باپ دادا بھی؟ آپ فرمائیں ہاں، اور تم (اس وقت)

دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا

ذلیل ہو گے، وہ تو بس ایک ہی جھڑک ہو گی پھر وہ کھڑے دیکھتے ہوں گے اور وہ کہیں گے

یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہائے ہماری بربادی! یہ انصاف کا دن ہے (کہا جائے گا) یہ فیصلے کا وہ دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے [6]

[4] یعنی اے پیارے رسول! آپ کفار سے پوچھیں کہ وہ سخت تر مخلوق ہیں یا اللہ کی پیدا کردہ دیگر مخلوقات؟ جیسے آسمان اور اس کے ستارے اور وہ شعلے جو شیاطین کو مار کر انہیں جلا دیا جاتا ہے جبکہ انسان کو تو لیس دار مٹی سے بنایا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسانِ اول آدم علیہ السلام کی مٹی پانی میں گوندھی گئی جب وہ لیس دار ہوگئی تو اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا، معنی یہ ہے کہ جو رب انسان سے کئی گنا طاقتور مخلوقات کا بنانے والا ہے وہ انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ کیوں نہیں اٹھا سکتا۔

[5] اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کفار کی اس حالت پر تعجب کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر کیوں نہیں مانتے اور کفار اُلٹا آپ کے اس تعجب پر ہنستے ہیں کیونکہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں وہ کسی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اللہ کی ہر بڑی نشانی دیکھ کر ہدایت لینے کی بجائے اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ ان نشانیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بھی مراد ہیں۔ کفار نے آپ کے ہزاروں معجزات دیکھے مگر ہر بار یہی کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے، جیسے جب

معجزہ شق القمر ہوا تو کفار نے کہا یہ مسلسل جادو ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (قمر:۱) حالانکہ آسمان پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا۔

[6] کفار مکہ کہتے تھے اور آج بھی منکرینِ قیامت کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جائے گا؟ اور کیا صدیوں پہلے مرنے والے ہمارے باپ دادا بھی دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول! آپ فرمادیں کہ ہاں ایسا ہی ہوگا اور اے کفار! تم ذلیل ہو کر وہاں حاضر کئے جاؤ گے، قیامت صرف ایک جھڑک ہوگی یعنی دوسرے صور کی آواز ایک جھڑک بن کر اُبھرے گی اور سب انسان دوبارہ جی اٹھیں گے اور کفار کہیں گے کہ افسوس ہم جس روز انصاف کو نہ مانتے تھے آج وہ دن سامنے آ گیا ہے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ ہاں یہی وہ دن ہے جسے تم جھٹلاتے تھے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۲۲ مِنْ دُوْنِ

(قیامت میں کہا جائے گا کہ) ظلم کرنے والوں اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا

اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝۲۳ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝۲۴

عبادت کرتے تھے، سب کو جمع کرو پھر انہیں راہ جہنم کی طرف چلا دو [7] اور انہیں ٹھہراؤ، ان سے یہ پوچھا جانا ہے

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶

کہ تمہیں کیا ہے تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کر رہے ہو؟ بلکہ وہ آج سر جھکائے کھڑے ہیں [8]

روزِ قیامت کفار کی ذلت وخواری اور مومنوں کی کامگاری

[7] گزشتہ رکوع میں قیامِ قیامت کا ذکر تھا اب قیامت میں کفار کی ذلت اور مومنوں کی عزت بتائی جا رہی ہے تو فرمایا گیا کہ روزِ قیامت حکم ہوگا ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کے جھوٹے خداؤں کو جمع کرو یعنی جن ظالموں نے دوسرے لوگوں کو کفر و شرک جیسے ظلمِ عظیم میں مبتلا کیا انہیں ان کے پیروکاروں اور ان کے بتوں سمیت اکٹھا کرو اور سب کو جہنم میں پھینک دو۔ یاد رہے کہ ان کے جھوٹے خدا یعنی بت جہنم میں سزا پانے کے لئے نہیں جائیں گے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں بلکہ سزا دینے کے لئے جائیں گے یعنی جن پتھروں کو پوجا گیا وہی پتھر گرم کر کے ان سے ان کے پجاریوں کو داغا جائے گا، سورج کی پوجا کی جاتی ہے تو سورج بھی جہنم میں جائے گا تا کہ اپنی تمازت سے اپنے پجاریوں کو عذاب دے۔ یہ قانون عیسائیوں پر بھی صادق آتا ہے وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کے بت تراش کر ان کی پوجا

کرتے ہیں تو یہی بت ان کے لئے وجہ عذاب ہوں گے۔

گناہ کرنا یا اس کا ساتھ دینا ایک ہی چیز ہے

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ سے معلوم ہوا جو گناہ کرے اور جو اس کا ساتھ دے دونوں کا عذاب یکساں ہے۔کفر کرنے والا اور کفر کروانے والا دونوں برابر مجرم ٹھہرے۔لہٰذا رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں مجرم ہیں حدیث مبارکہ میں ہے: اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ۔ ''رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا (جو بُرے مقصد کے لئے خوشی سے رشوت دے) دونوں جہنم میں ہیں۔'' (ترمذی کتاب الاحکام باب ۹) اسی طرح قتل، چوری، ڈاکہ، فراڈ وغیرہ کرنا اور اس کام کی مدد کرنا دونوں برابر گناہ ہیں۔اور ایک مومن کو نہیں چاہیے کہ وہ کسی کے گناہ میں مددگار بن کر اپنی عاقبت کو خراب کرے۔لوگ رشتہ داریاں اور برادریاں پالنے کے لیے مجرم لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں، تو وہ منتخب ہو کر جو لوٹ گھسوٹ کریں گے، اس میں ووٹ دینے والے بھی شامل ہیں۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے الفاظ قرآن میں بتوں کے لئے ہیں انہیں انبیاء واولیاء پر لگانا الحاد ہے

وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے بعد فرمایا کہ انہیں جہنم میں ڈال دو معلوم ہوا یہ بتوں ہی کے لئے ممکن ہے تو جو لوگ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (یونس:۱۰۶) جیسے الفاظ کو انبیاء و اولیاء پر لاگو کرتے ہیں وہ گمراہی پر ہیں۔اگر ایسا نہیں تو پھر کیا معاذ اللہ انبیاء واولیاء کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا؟۔ویسے بھی کلمۂ ما غیر ذوی العقول کے لیے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بے جان بتوں کے حق میں اُتری ہیں، انہیں انبیاء واولیاء پہ چسپاں کرنا قرآنِ مجید کے ساتھ زیادتی ہے جو بعض لوگ دھڑلے سے ایسا کررہے ہیں، دراصل جب دل سے خوفِ خدا نکل جائے تو انسان جو چاہے کرے۔

[8] جب کفر کرنے اور کفر کروانے والے اور ان کے جھوٹے خداؤں سب لوگوں کو جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا اور وہ سب چل پڑیں گے تو حکم ہوگا انہیں ٹھہراؤ، وہ ٹھہر جائیں گے تب ان سے پوچھا جائے گا کیا وجہ ہے تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کررہے۔یعنی جھوٹے خدا آج اپنے پجاریوں کو کیوں نہیں بچاتے اور پجاری اپنے خداؤں کو تحفظ کیوں فراہم نہیں کرتے؟ مگر وہ سب خاموش سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا

اور ان میں سے کچھ لوگ (جو کمزور تھے) دوسروں کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے، کہیں گے تم ہمیں طاقت سے

عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ

دباتے تھے، وہ کہیں گے: نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے اور ہمیں تم پر

مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا

کوئی اختیار نہ تھا، بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے تو ہم پر ہمارے رب کا فیصلہ ٹھہر گیا ہے کہ ہم (سب) نے

لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ

عذاب چکھنا ہے، ہم نے تمہیں گمراہ کیا (کیونکہ) ہم خود گمراہ تھے تو وہ سب اس دن عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾

شریک ہوں گے ہم مجرموں سے یہی سلوک کرتے ہیں[9]

[9] جب کفر کرنے والے اور کروانے والے سب جہنم میں جمع ہو جائیں گے تو جنہیں کفر کی راہ پر ڈالا گیا وہ اپنے راہنماؤں سے کہیں گے تم نے ہمیں طاقت سے کفر پر مجبور کیا، تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ میں یمین بمعنی طاقت ہے۔ دائیں ہاتھ کو بھی اس لئے یمین کہتے ہیں کہ وہ قوت و طاقت کی علامت ہے۔ وہ کہیں گے: نہیں تم خود ہی ایمان نہیں لانا چاہتے تھے ہمارا تم پر کوئی دباؤ نہ تھا یعنی ہم نے تمہیں کفر کی دعوت دی، جبکہ انبیاء اور ان کے وارث علماء نے تمہیں ایمان کی دعوت دی، تم نے ان کی دعوت کو ٹھکرا کر اپنی مرضی سے ہماری دعوت قبول کر لی تو تم خود سرکش لوگ تھے۔ لہٰذا آج ہم سب پر اللہ کا فیصلہ ٹھہر گیا ہے کہ ہم سب دائمی عذاب کے مستحق ہیں ہم نے تمہیں اس لئے گمراہ کیا کیونکہ ہم خود گمراہ تھے (اور تم نے اس لئے ہماری پیروی کی کہ تم ایمان نہیں لانا چاہتے تھے) چنانچہ وہ سب ایک دوسرے کے عذاب میں شریک ہو جائیں گے۔ اور مجرموں سے یہی سلوک کیا جانا چاہیے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۙ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا

جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کیا ہم

لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾

اپنے خداؤں کو ایک مجنون شاعر کی وجہ سے چھوڑ دیں؟ بلکہ آپ تو سچ لے کر آئے ہیں اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی ہے

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾

بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو اور تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم عمل کرتے تھے [10]

[10] یعنی دنیا میں کفار کو جب کہا جاتا کہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لے آؤ مطلب یہ کہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر داخل اسلام ہو جاؤ تو وہ تکبر کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کیا ہم ایک مجنون شاعر کی وجہ سے اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ہمارے حبیب کریم ﷺ مجنون شاعر نہیں ہیں بلکہ ہماری طرف سے سچائی لے کر آئے ہیں اور انہوں نے سب رسولوں کی تصدیق کی ہے یعنی سب رسولوں نے ان کی آمد کی بشارت دی تھی تو ان کے آنے سے سب انبیاء کی صداقت ثابت ہوگئی، تو اے منکرو! جو ان کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے ہو تمہیں دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تمہیں تمہارے عمل ہی کی سزا دی جائے گی۔

دلیلِ ختم نبوت:

وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ میں الْمُرْسَلِيْنَ جمع مذکر سالم معرف باللام ہے جو قاعدہ نحویہ کے مطابق اپنے تمام افراد کو محیط ہے۔ جیسے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تمام انبیاء کے لئے مصدق ہیں اور مصدق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سب انبیاء کے بعد تشریف لائیں اسی لئے فرمایا گیا: ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (آل عمران:۸۱) اس سے آپ کا آخری رسول ہونا واضح ہو رہا ہے۔ اور آپ نے فرمایا: ''میں عمارت نبوت کا آخری پتھر ہوں۔'' (بخاری کتاب المناقب باب ۱۸، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۰، ترمذی کتاب الادب باب ۸۸) اس موضوع پہ میری تصنیف ''دلائل ختم نبوت مع ردّ قادیانیت'' لائق مطالعہ ہے۔

مقامِ محبوبیتِ مصطفیٰ ﷺ

کفار نے حضور ﷺ کو شاعر مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا: بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ گویا اعتراض آپ کی ذات پر ہوا آپ خاموش ہیں، آپ کا رب آپ کی طرف سے جواب دیتا اور اپنے محبوب کا دفاع

کرتا ہے، سبحان اللہ۔ کفار نے آپ کو ابتر کہا کہ ان کی نسل کٹ گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے جواب فرمایا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ اے حبیب ﷺ آپ کا دشمن ابتر ہے۔ ابولہب نے آپ کی شان میں بے ادبی کرتے ہوئے کہا: تباً لك۔ اے محمد تم ہلاک ہوجاؤ، اللہ رب العزت نے جواب دیا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ (سورہ لہب، آیت ۱)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ

سوا اللہ کے مخلص بندوں کے، ان کے لئے مقرر رزق ہے یعنی (جنتی) پھل،

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ

اور وہ نعمتوں کے باغات میں عزت یافتہ ہوں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے [11]۔ ان پر بہتی شراب کے جام

بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا

پھیر پھیر کر لائے جائیں گے، جو سفید رنگ ہے، پینے والوں کے لئے لذیز تر، نہ اس میں کوئی بیماری ہے اور نہ وہ اس سے

يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

بے عقل ہوں گے [12] اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی گویا وہ چھپے انڈے ہوں۔ [13]

[11] یعنی جن سعید روحوں کو ایمان کے لئے چن لیا گیا (مخلص کا معنی چُنا ہوا) وہ عذاب سے دور رہیں گے انہیں جنت کے باغات میں جنتی پھلوں سے نوازا جائے گا وہاں وہ بادشاہوں اور نوابوں کی طرح سنہری تختوں پر شاہانہ انداز میں ایک دوسرے کے سامنے براجمان ہوں گے اور حوران وغلمان جنت میں ان کے سامنے جنتی شراب کے جام پھیر پھیر کر لائیں گے (اے اللہ! تو اپنی رحمت سے ہمیں ان نعمتوں کا حقدار بنا۔ آمین) یاد رہے جنت میں ہمیشہ پھلوں ہی کا ذکر آیا ہے غذا کا ذکر نہیں آیا۔ حالانکہ پیٹ تو غذا سے بھرتا ہے پھل سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں بھوک اور پیاس کا تصور ہی نہ ہوگا۔ وہاں کے ماکولات ومشروبات صرف نئی سے نئی لذت کے لئے ہوں گے اور شائد اس کا سبب یہ ہے کہ حیات دنیا فنا ہونے والی ہے اس لئے محتاج غذا ہے اور حیاتِ آخرت دائمی ہے اس لئے محتاجِ غذا نہیں۔

[12] جنتی شراب کا رنگ سفید ہوگا اس میں پینے والوں کے لئے نئی سے نئی لذت ہوگی اور وہ وہاں وافر مقدار میں ہو گی حتیٰ کہ اس کی نہریں بہتی ہوں گی اس لئے فرمایا گیا: وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وہاں پینے والوں کے لئے لذیذ شراب کی نہریں ہوں گی۔ (سورہ محمد: ۱۵) اس شراب میں دنیوی شراب جیسی کوئی بیماری نہ ہوگی جیسے خرابی معدہ، کثرت

پیشاب اور بدبو، اور نہ اس سے عقل زائل ہو گی جیسے دنیوی شراب میں ہوتا ہے کہ شرابی کو بیوی اور بہن میں تمیز نہیں رہتی، بلکہ جنتی شراب صرف حصولِ لذت کے لئے ہو گی۔ اور دنیا میں شراب اسی لئے حرام ہوئی کہ جو دنیا میں شراب سے اجتناب کرے گا وہ جنتی شراب سے سیراب ہو گا اور جو دنیا میں شراب پیئے گا اس کے لئے آخرت میں عذاب ہو گا۔

[13] اہل جنت کو جنتی بیویاں اور حوریں عطا فرمائی جائیں گی جو اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں گی یعنی ان کے دلوں میں کبھی گناہ کا خیال نہ گزرے گا نہ آنکھ بہکے گی، کیونکہ جنت میں شیطان نہ ہو گا جو شیطانی و شہوانی خیالات پیدا کرتا ہے۔ معلوم ہوا یہ جنتی عورت کی نشانی ہے کہ اس کی نظر کبھی نہ بہکے۔ اور جنتی بیویوں کی آنکھیں موٹی اور خوبصورت ہوں گی، آنکھ کا موٹا ہونا خوبصورتی ہے کیونکہ آنکھ پہلے آنکھ ہی کو دیکھتی ہے اور جنتی بیویوں کا رنگ ایسا ہو گا جیسے چھپے ہوئے انڈے کا رنگ، یعنی سرخی مائل سفید جو بہت جمیل ہوتا ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ

تب اہل جنت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے، ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا، میرا

كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

ایک ساتھی ہوتا تھا جو مجھے کہتا تھا کہ کیا تم بھی (قرآن کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ کیا جب ہم مر جائیں گے

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا و سزا ہو گی؟ وہ (اپنے ساتھیوں سے) کہے گا کیا تم (جنت سے اس پر) جھانکو گے؟ پھر وہ

فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ

جھانکے گا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا، کہے گا: اللہ کی قسم! یقیناً قریب تھا کہ تم مجھے تباہ کر دیتے۔ اور اگر میرے رب کا انعام نہ ہوتا تو میں

رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾

(بھی تمہارے ساتھ جہنم میں) حاضر کیا گیا ہوتا۔ [14]

[14] جب اہل جنت سنہری تختوں پہ آمنے سامنے بیٹھے خوش گپیاں کرتے ہوں گے ایسے میں ان میں سے ایک کو یاد آئے گا کہ اس کا ایک ساتھی دنیا میں اسے کہتا تھا کہ کیا تم بھی یہ تصدیق کرتے ہو کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ہماری جزا و سزا ہو گی؟ وہ کدھر ہے؟ جب وہ جنت میں نہ ملے گا تو

یقین کرلیا جائے گا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ تب وہ جنتی آدمی اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم میرے ساتھ اس شخص کو جہنم میں دیکھنا چاہو گے؟ تب وہ جنت سے نیچے جھانکے گا تو اسے اس کا وہ ساتھی وسط جہنم میں مبتلائے عذاب نظر آئے گا، تب وہ اسے جنت سے پکار کر کہے گا او فلاں آدمی! قریب تھا کہ تم مجھے تباہ کر دیتے۔ اگر اللہ کا انعام میرے شامل حال نہ ہوتا تو میں تیری باتوں میں آ کر قیامت سے انکار کر دیتا اور آج میں تیرے ساتھ جہنم میں حاضر کیا گیا ہوتا۔

اہلِ جنت کی تیزیٔ سماعت و بصارت

وہ جنتی جنت سے اس شخص کو جہنم میں دیکھ لے گا حالانکہ جنت و جہنم میں کتنے ہزار برس کا فاصلہ ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے معلوم ہوا اگر اللہ چاہے تو دور و دراز سے بات سنی سنائی جا سکتی ہے۔ اسی لئے انبیاء و اولیاء کا دور سے سننا اور دیکھنا ان کے لئے معجزہ و کرامت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سن لی: فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ (نمل:۱۹) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: یا ساریة الجبل۔ (دلائل النبوة لابی نعیم جلد دوم حدیث ۵۱۳ تا ۵۱۶) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ”جب بھی کوئی شخص (سارے جہان میں سے) مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو اللہ رب العزت میری توجہ اس کی طرف لوٹاتا ہے تو میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“
(ابوداؤد کتاب المناسک باب ۹۶)

بُرے ساتھی سے ساتھ چھوٹ جانا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے

اگر وہ جنتی اس بُرے ساتھی کا ساتھ نہ چھوڑتا تو وہ اسے جہنمی بنا دیتا تو ضروری ہے کہ اچھی صحبت اختیار کی جائے بُری صحبت سے بچا جائے۔ کئی لوگ بُرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مرزائی ہو گئے، گستاخ صحابہ ہو گئے اور دیگر کئی بد اعتقادیوں کا شکار ہو گئے، یعنی جہنم کے حقدار بن گئے، تو بُرا ساتھی بہت بڑی مصیبت ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اچھے ساتھیوں کی دعاء کرنا چاہیے۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا
اب کیا ہم مرنے والے تو نہیں ہیں سوا ہماری پہلی موت کے؟ اور ہمیں عذاب تو نہ ہو گا؟ بے شک یہ
لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾
عظیم کامیابی ہے، ایسے ہی نیک انجام کے لئے کام کرنے والوں کو کام کرنا چاہیے۔[15]

[15] جب اہل جنت اس جہنمی کو جہنم میں جلتا دیکھیں گے تو اپنی سلامتی پر اللہ کا شکر بجا لائیں گے اور کہیں گے کیا یہی بات نہیں کہ اب ہمیں کبھی موت نہ آئے گی سوا اس موت کے جو ہمیں ایک بار آ چکی، اور نہ ہی ہمیں کبھی ایسے عذاب کا منہ

دیکھنا پڑے گا، یقیناً یہ بڑی کامیابی ہے۔ تو ایسی ہی کامیابی کے لئے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾
کیا یہ (مہمانی) بہتر ہے یا درخت زقوم (کا کھانا)؟ ہم نے اسے ظالموں کے لئے آزمائش بنایا ہے
اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾
وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ میں نکلتا ہے اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں
فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾
تو جہنمی لوگ اس سے کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔[16]

[16] یعنی کہاں جنت کی یہ نعمتیں اور کہاں اہل جہنم کے لئے درخت زقوم کا خوفناک کھانا۔ یہ درخت کفار کے لئے آزمائش ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ میں درخت کہاں سے آگیا، حالانکہ جہنم میں ہر جگہ آگ نہیں ہے، جہنم میں مختلف طبقات ہیں، کسی جگہ کوئی عذاب ہے کسی جگہ کوئی اور عذاب۔

جہنم کے درختِ زقوم کا بیان

اہل جہنم جب آگ میں جل جل کر بدحال تر ہو جائیں گے تو کھانا مانگیں گے تب انہیں آگ سے نکال کر کسی دوسری جگہ لے جایا جائے گا اور زقوم کھانے کو دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جہنم کی جڑ سے نکلنے والا درخت ہے اس کے شگوفے ایسی خوفناک شکل کے ہیں جیسے شیطان کے سر، اہل جہنم یہ شگوفے کھائیں گے پھر اس کے بعد انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ ''بے شک درخت زقوم مجرم (کافر) کا کھانا ہے جو پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہے اور پیٹوں میں کھولتے پانی کی طرح جوش مارتا ہے۔'' (دخان: ۴۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو تمام اہل زمین کی زندگی تباہ ہو جائے تو اس کا کیا حال ہوگا جسے یہ زقوم کھانا ہوگا۔

(ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۲)

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاۡ اِلَى

پھر اس پر انہیں کھولتا پانی پینا ہو گا پھر انہیں نار جہنم کی طرف

الْجَحِيْمِ ۝ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝

پلٹنا ہو گا [17] انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تو وہ انہی کے نقش ہائے قدم پر دوڑے جا رہے ہیں۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝

بلاشبہ ان سے پہلے بھی اکثر لوگ گمراہ ہی تھے اور ہم نے ان میں ڈرانے والے (انبیاء) بھیجے تو دیکھئے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

کہ جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیا؟ ہوا سوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے [18]

[17] زقوم کا کھانا کھانے کے بعد کفار کو کھولتا پانی پلایا جائے گا، پھر انہیں واپس نار جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی لئے قرآن مجید میں ہے: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ ''کفار آگ اور کھولتے پانی کے درمیان پھیرنے لگائیں گے۔'' (رحمان: ۴۴)

[18] یعنی کفار کی یہ حالت ہے کہ وہ گمراہی کے جس راستہ پر اپنے باپ دادا کو پاتے ہیں اسی پر آنکھیں بند کر کے دوڑے جاتے ہیں اور چونکہ ان سے قبل بھی اکثر لوگ گمراہ تھے تو وہ بھی گمراہی کا راستہ ہی پسند کرتے ہیں حالانکہ انسان کو سچائی کا معیار اپنے باپ دادا اور اپنے ماحول کو نہیں بنانا چاہیے، بلکہ سچائی کا معیار اس کے خالق کا کلام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں انبیاء کرام بھیجے جو لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈراتے تھے تو اس کے باوجود انہوں نے شیطان کا راستہ کیوں اپنایا لہٰذا ان کا انجام بہت بھیانک ہو گا سوا ان مومنین کے جنہیں اللہ نے ایمان کے لئے چن لیا۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو ہم کیا ہی اچھے دعا کے قبول کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو
الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝
بڑی تکلیف سے نجات دے دی اور ہم نے انہی کی نسل کو باقی رکھا اور پچھلوں میں ان کی تعریف باقی رکھی [19]
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ
سلام ہو نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں، بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں، بے شک
مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝
وہ ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں [20] پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا [21]

حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے لئے اللہ کی مدد

[19] گزشتہ رکوع کے آخر میں بتایا گیا کہ ہم نے گزشتہ قوموں میں انبیاء بھیجے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ اب اس کی چند مثالیں دی جا رہی ہیں۔ تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر لایا گیا تو ارشاد ہوا کہ نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا یعنی جب ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود قوم نے انہیں مسلسل جھٹلایا تو انہوں نے اللہ سے فریاد کرتے ہوئے کہا اے اللہ! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ، اگر تو نے انہیں چھوڑا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور آئندہ جو پیدا ہوں گے وہ بدکردار و کفار ہوں گے (نوح: ۲۷) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''ہم نے ان کی فریاد خوب سنی کیونکہ ہم خوب فریاد سننے والے ہیں، تو ہم نے نوح اور ان کے اہل (یعنی گھر والوں اور متبعین) کو بڑی تکلیف (یعنی کفار کی صحبت) سے نجات دے دی اور ہم نے نوح کی نسل ہی کو باقی رکھا اور پچھلے لوگوں میں ان کی تعریف و توصیف جاری کر دی۔''

طوفان نوح کے بعد صرف نوح علیہ السلام کی نسل چلی

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ کے تحت فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام

کشتی سے باہر آئے تو آپ کے بیٹوں (اوران کی بیویوں) کے سوا کوئی زندہ نہ رہا، (باقی سب اہل کشتی آہستہ آہستہ بے نسل فوت ہو گئے) (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۹۹ بروایت ابن جریر وابن منذر) یعنی حضرت نوح علیہ السلام ہی کی نسل سے آگے دوبارہ انسانیت آباد ہوئی۔ اسی لئے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ کے تحت فرمایا کہ اس سے نوح علیہ السلام کے تین بیٹے مراد ہیں سام، حام اور یافث اور حضرت سمرہ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سام تمام عربوں کا باپ ہے۔ حام تمام حبش (اہل افریقہ) کا باپ ہے اور یافث تمام اہل روم کا۔'' (ترمذی کتاب التفسیر سورہ صافات حدیث 1981) ممکن ہے اہل یورپ و امریکہ اہل روم کی نسلیں ہوں کیونکہ انکی شکلیں ملتی جلتی ہیں اور تمام مشرقی ممالک بشمول جاپان و انڈونیشیا اہل عرب میں سے ہوں اور تمام افریقی لوگوں کا اہل حبشہ کی نسل سے ہونا واضح ہے۔

[20] حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر پچھلی قوموں میں باقی رکھا گیا جسے آج قرآنِ مجید میں ان کا جا بجا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتا ہے کہ پچھلی نسلوں میں ان کا نام روشن کر دیتا ہے آج بادشاہوں کی قبروں پہ کوئی نہیں جاتا مگر اللہ والوں کی قبور پہ قرآن پڑھنے والوں کا ہر وقت ہجوم ہے۔ آگے فرمایا کہ نوح علیہ السلام ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔ یعنی ان کے زمانہ میں ایمان انہی سے وابستہ تھا اور جو ان پر ایمان نہ لایا وہ ہلاک ہو گیا۔

[21] یاد رہے حضرت نوح علیہ السلام عراق میں مبعوث ہوئے یعنی جزیرۃ العرب میں، اور انسانوں کی آبادی اس وقت تک اس جزیرہ ہی میں پھیلی تھی تو قرین قیاس ہے کہ اسی علاقہ میں طوفان آیا اور کشتی نوح کے مسافروں کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ کفار اور دشمنانِ خدا اور رسول تھے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾
اور ان کے مددگاروں میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں [22]

[22] لفظ شیعہ کا معنی مددگار گروہ ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ پھر ہم ہر شیعہ (گروہ) میں سے نکال لائیں گے کہ کون ان میں سے رحمان کا زیادہ نافرمان ہے۔ (مریم:۶۹) اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا ''فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اہل زمین کو گروہوں میں بانٹ دیا۔'' (قصص:۴) اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ''جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کئے اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔'' (انعام:۱۵۹) تو آیت کا یہ معنی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے مددگار گروہ (گروہ انبیاء) میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی جس دین کو

وقف لازم

حضرت نوح علیہ السلام لے کر آئے اس دین کے مددگار گروہ میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

لفظ شیعہ اکثر کفار کے لیے بولا گیا ہے، اس کی بجائے لفظ اہل سنت ہونا چاہیے

معلوم ہوا لفظ شیعہ فی ذاتہٖ قابل تعریف لفظ نہیں، کیونکہ یہ کافروں اور مومنوں سب پہ بولا جاتا ہے بلکہ عموماً کفار ہی کے لئے بولا گیا ہے۔ اس کی بجائے لفظ اھلُ السنۃِ والجماعۃ کا نام قابل تعریف ہے کیونکہ اس کا مفہوم ہے کہ وہ لوگ جو سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جماعت صحابہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ۔ ''تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔''

(ترمذی کتاب العلم باب ۱۶ حدیث ۲۶۷۶)

اور خود کتب شیعہ میں موجود ہے کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ علٰی حُبِّ اٰلِ مُحمدٍ مَاتَ علٰی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ۔ ''جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر مرا وہ سنت و جماعت پر مرا۔'' (جامع الاخبار ص ۱۸۹ فصل ۱۳۱ فی الموت مطبوعہ نجف اشرف)

اور احتجاج طبرسی میں مشہور شیعہ مصنف ابو منصور طبرسی کہتا ہے کہ ایک شخص نے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اہل سنت کون ہیں، اہل فرقت کون ہیں اور اہل جماعت کون؟ آپ نے فرمایا:

اما اھل الجماعۃ فانا ومن تبعنی واھل الفرقۃ المخالفون لی ولمن تبعنی واما اھل السنۃ فالمستمسکون بما سنہ اللہ لھم و رسولہ۔

یعنی ''اہل جماعت تو میں اور میرے پیروکار ہیں اہل فرقت میرے اور میری جماعت کے مخالفین ہیں اور اہل سنت وہ ہیں جو اس راستہ پہ چلیں جو ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاری کیا۔''

(احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾

یاد کرو جب وہ اپنے رب کے پاس سلامتی والے دل کے ساتھ آئے، جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ

کیا تم بہتان تراش کر اللہ کے سوا خدا بنانا چاہتے ہو؟ تو بتاؤ کہ رب کائنات کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ [23] پھر

نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

ابراہیم (علیہ السلام) نے ستاروں میں دیکھا تو کہا میں بیمار ہوں تو لوگ ان سے پیٹھ پھیر کر چل دیئے [24]

[23] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے (جو عرفی طور پر آپ کا باپ کہلاتا تھا کیونکہ اسی نے آپ کو پالا پوسا تھا) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کے سوا دوسرے خداؤں کو پوجتے ہو اور انہیں اپنی طرف سے گھڑتے ہو بتاؤ رب کائنات تم پر کس قدر غضبناک ہوگا؟

[24] حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ بتوں کے خلاف تبلیغ فرماتے تھے۔ ایک بار ساری قوم نے کسی میلہ پر شہر سے باہر جانا تھا انہوں نے آپ کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، آپ نے ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا پھر فرمایا میں بیمار ہوں۔ تو لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِنِّيْ سَقِيْمٌ کیوں کہا، اور توریہ کا جواز

اس جگہ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ کے تحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ایک عربی محاورہ ہے جب کوئی شخص کسی معاملہ میں غور وفکر کرے تو کہتے ہیں نَظَرَ فِي النُّجُوْمِ یعنی اس نے اپنے معاملہ میں غور کیا جیسے ستاروں میں دیکھنے والے غور کرتے ہیں۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۱۹ حدیث ۱۸۲۱۶) گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معاملہ میں غور وفکر کیا اور کہا میں بیمار ہوں یعنی اے کافرو! میں تمہارے کفر کی وجہ سے قلبی طور پر سخت تکلیف میں ہوں لہٰذا میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اس کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نے ستاروں میں دیکھا یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور کیا مگر لوگ سمجھے آپ ستاروں سے راہنمائی لے رہے ہیں اور ستارے آپ کو بتا رہے ہیں کہ آپ پر بیماری آنے والی ہے، تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تاہم حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ والا مفہوم زیادہ مناسب ہے۔

اس جگہ اِنِّيْ سَقِيْمٌ سے معلوم ہوا کسی مصیبت میں پھنس کر برے لوگوں سے بچنے کے لئے توریہ کرنا (پہلو دار لفظ بولنا) جائز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں بیمار ہوں لوگ سمجھے آپ جسمانی بیمار ہیں اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ قلبی طور پر بیمار ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت میں بھی توریہ ہی جائز کہا گیا ہے نہ کہ صریح جھوٹ۔

یہ اسی طرح ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شاہِ مصر سے اپنی عزت بچانے کے لئے اپنی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کے بارہ میں

فرمایا: هٰذِهٖ اُخْتِي۔ یہ میری بہن ہے یعنی دین کے اعتبار سے بہن ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق باب ۱۰، ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۱۶)

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ

چنانچہ حضرت ابراہیم ان کے خداؤں کی طرف نظر بچا کر جا پہنچے تو (انسے) کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہے کہ بولتے نہیں ہو۔

عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا

پھر وہ چھپ کر پوری قوت سے ان پر ضربیں لگانے لگے۔ تب لوگ آپ کی طرف دوڑتے آئے، ابراہیم نے کہا کیا تم انہیں

تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ

پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو، جبکہ اللہ نے تمہیں اور جو تم کرتے ہو اسے پیدا کیا۔ لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ

فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ

پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ یوں انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے داؤ کرنا چاہا تو ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔ [25] اور ابراہیم (علیہ السلام)

ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ

نے کہا میں اپنے رب کے پاس جاتا ہوں وہ میری راہنمائی کرے گا۔ [26] اے میرے رب! مجھے صالح بیٹا عطا فرما۔ تو ہم نے

بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

آپ کو بُردبار بیٹے کی بشارت دی۔ [27]

جب ابراہیم علیہ السلام نے رضاء الٰہی کیلئے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی

[25] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے اس عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب آپ نے بلاخوف وخطر پوری قوم کے بت کدہ کو پاش پاش کر دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس جرأت وبہادری کو قرآنِ مجید میں ایک سے زائد بار بیان فرمایا ہے، مگر بائبل کا دامن اس واقعہ سے خالی ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے بت پاش پاش کر ڈالے

جب ساری قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر میلے پر شہر سے باہر چلی گئی تو آپ کو موقع مل گیا آپ ان کے بت خانہ میں گئے جہاں لوگوں نے بتوں کے سامنے کھانے رکھے ہوئے تھے تاکہ وہ ان کے گمان میں بابرکت ہو جائیں اور وہ

فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِھَتِھِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَکُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ
چنانچہ حضرت ابراہیم ان کے خداؤں کی طرف نظر بچا کر جا پہنچے تو (انسے) کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہے کہ بولتے نہیں ہو۔
عَلَیْھِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَیْہِ یَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا
پھر وہ چھپ کر پوری قوت سے ان پر ضربیں لگانے لگے۔ تب لوگ آپ کی طرف دوڑتے آئے، ابراہیم نے کہا کیا تم انہیں
تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَہٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْہُ
پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو، جبکہ اللہ نے تمہیں اور جو تم کرتے ہو اسے پیدا کیا۔ لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ
فِی الْجَحِیْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّیْ
پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ یوں انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے داؤ کرنا چاہا تو ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔[25] اور ابراہیم (علیہ السلام)
ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰہُ
نے کہا میں اپنے رب کے پاس جاتا ہوں وہ میری راہنمائی کرے گا۔[26] اے میرے رب! مجھے صالح بیٹا عطا فرما۔ تو ہم نے
بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾
آپ کو بُردبار بیٹے کی بشارت دی۔[27]

جب ابراہیم علیہ السلام نے رضاءِ الٰہی کیلئے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی

[26] جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرود سے زندہ سلامت نکل آئے تو آپ نے بحکم الٰہی عراق (بابل) چھوڑ کر فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اور فرمایا میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ میری راہنمائی کرے گا یعنی میں اس کے حکم پر ہجرت کر رہا ہوں وہ مجھے کامیابی دے گا۔

حیاتِ ابراہیم علیہ السلام کے چند نقوش

چنانچہ فلسطین میں آپ کی تبلیغ بہت کامیاب رہی اور ہزاروں لوگ ایمان لائے۔ جبکہ عراق میں دس سالہ تبلیغ کے باوجود صرف آپ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اور آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے۔ تو انہی دو افراد کے ساتھ آپ

نے ہجرت فرمائی۔ چالیس برس کی عمر میں آپ نے اعلان نبوت فرمایا، پچاس برس کی عمر میں آپ نے ہجرت فرمائی۔ آپ کے عراق چھوڑنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں کے لوگوں پر مچھروں کا عذاب مسلط کیا، اتنے مچھر آئے کہ آسمان چھپ گیا مچھران کی چمڑیاں اور ہڈیاں کھا گئے ایک مچھر نمرود کے دماغ میں چلا گیا جو ایک لمبا عرصہ اس کا دماغ چاٹتا رہا اس نے لوگ مقرر کر رکھے تھے جو اس کے سر پر جوتے مارتے تھے تاکہ اسے دماغ میں ہونے والی درد سے کچھ سکون ملے۔ ایک دن تنگ آ کر اس نے اپنے سر پر کوئی بھاری چیز مروائی تاکہ مچھر کے دماغ میں پھڑکنے کی درد سے نجات مل سکے، اسی ضرب سے اس کی موت مواقع ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان چلے گئے۔ پھر تلاش معاش کے لئے قحط کے زمانہ میں اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مصر آئے وہاں کے حاکم نے حضرت سارہ کو پکڑ لیا، مگر جب وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو اس کے ہاتھ شل ہو جاتے۔ وہ کہنے لگا یہ کوئی جنات میں سے ہے۔ اُن کی لونڈی ہاجرہ تھی، وہ جب بھی ہاجرہ کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو اس کا ہاتھ شل ہو جاتا تھا، اس نے کہا میرے پاس ایک جناتی عورت پہلے بھی ہے۔ اس نے حضرت ہاجرہ کو سیدہ سارہ کی ملکیت میں دے دیا اور بہت سا مال دے کر اور معذرت کر کے رخصت کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام اور ہاجرہ علیہا السلام کو لے کر واپس کنعان تشریف لے گئے۔

[27] بائبل کتاب پیدائش باب 16 آیت 15 کے مطابق آپ کی عمر 86 برس ہوگئی مگر حضرت سارہ سے آپ کو اولاد نہ ملی، آخر حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنی لونڈی ہاجرہ کو آزاد کر کے اس کا نکاح آپ سے کیا تاکہ کسی طرح آپ کو اولاد ملے تو اگلے ہی برس حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

روایت بخاری کے مطابق حضرت سارہ اور جناب ہاجرہ کے مابین بحکم الٰہی کچھ مخاصمت پیدا ہوئی تو آپ حکم الٰہی سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل (علیہ السلام) کو لے کر کنعان سے سوئے حجاز روانہ ہوئے اور وہاں آئے جہاں آج کعبۃ اللہ ہے۔ اس وقت وہاں کوئی آبادی نہ تھی صرف صحراء تھا۔ آپ دونوں ماں بیٹا کو وہاں چھوڑ کر واپس چل دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی ٹھوکر (یا بروایتے اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ) سے یہاں پتھر سے چشمۂ زمزم پیدا کیا اس کے بعد وہاں قبیلہ بنو جرہم آ کر آباد ہوا اور بستی مکہ مکرمہ وجود میں آئی۔ اس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (بُردبار لڑکا) کہا گیا۔ کیونکہ انہوں نے واقعتاً بردباری کا وہ عظیم مظاہرہ کیا کہ ان کے گلے پر حکم الٰہی سے چھری چلائی گئی مگر انہوں نے جنبش تک نہ کی۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ

پھر جب وہ آپ کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا تو آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب دیکھو تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے

مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ۙ

اسے کر گزریں۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ ضرور مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ پھر جب دونوں (باپ بیٹا ہمارے حکم پر) جھک گئے

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

اور آپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا لیا تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا ہے، بے شک ہم نیکوکاروں کو

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔[28] بے شک یہ بڑی آزمائش تھی[29]

[28] حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے گاہے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لئے کنعان سے ارضِ مکہ آیا کرتے تھے۔ (مروی ہے کہ ایک براق آپ کو کنعان سے مکہ اور مکہ سے کنعان لاتا لیجاتا تھا) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر دس برس (اور بعض روایت میں اس سے زائد برس بھی مروی ہے) ہوئی اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کوئی انہیں کہہ رہا ہے کہ اپنے اس بیٹے کو ذبح کر دو یہ آٹھ ذی الحجہ کا دن تھا آپ نے یہ دن غور و فکر میں گزار دیا کہ (کیسے ذبح کیا جائے) اسی لئے آٹھ ذی الحجہ کو یوم الترویہ کہا گیا (غور و فکر کا دن)۔ دوسری رات یعنی ۹ ذی الحجہ کی رات کو پھر یہی خواب آیا تو آپ پہچان گئے کہ معاملہ کس طرح انجام دیا جائے تو اسے یوم عرفہ کہا گیا یعنی پہچان کا دن۔ پھر اگلی رات یعنی دس ذی الحجہ کی رات کو آپ کو پھر یہی خواب آیا تو آپ صبح ہی (دس ذی الحجہ کو) بیٹے کے ذبح کے لئے مستعد ہو گئے۔ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۱۲۹ بروایت بیہقی فی شعب الایمان)

چنانچہ آپ نے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں تجھے ذبح کرتے دیکھتا ہوں، تم کیا رائے رکھتے ہو؟ بیٹے نے کہا ابا جان آپ کا رب آپ کو جو حکم فرما رہا ہے اسے جلدی پورا کریں ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

اطاعتِ والدین کی اہمیت:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خود کو ذبح کے لئے پیش کرنا ایک بیٹے کی طرف سے باپ کی اطاعت کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت بالکل چھوٹے بچے نہ تھے کہ کوئی رائے ہی نہ رکھتے ہوں بلکہ آپ سمجھدار ہیں، اپنی رائے رکھتے ہیں اور آپ کی رائے یہ ہوئی کہ باپ جو کہہ رہا ہے اسے پورا کردو، خواہ اس میں جان چلی جائے۔ اطاعتِ والد کی اس سے بڑی مثال تاریخ عالم میں نہیں دکھائی جاسکتی۔ اس موقع پر علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

نبی کا خواب وحیِ الٰہی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بیٹے! میں خواب میں تجھے ذبح کرتے دیکھتا ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: یٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۡ ابا جان آپ کو جو حکم ہو رہا ہے اسے کر گزریں۔ معلوم ہوا نبی کا خواب امرالٰہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کا خواب شیطانی اثر سے محفوظ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ انبیاء کی یہ شان ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل بیدار ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تَنَامُ عَيۡنَایَ وَ لَا يَنَامُ قَلۡبِیۡ۔ ''میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔'' (مسلم کتاب المسافرین حدیث ۱۲۵)

بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے واضح حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رُؤۡیَا الۡاَنۡبِیَاءِ وَحۡیٌ ''انبیاء کا خواب وحی ہے۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲۱ حدیث ۱۸۲۳۱)

عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام

مگر غیر انبیاء کے خواب کا یہ حکم نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی غیر نبی کو خواب میں دکھائی دے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہے تو اسکے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے بلکہ وہ شیطانی خواب ہے۔ بلکہ یہاں سے انبیاء کرام کے معصوم عن الخطا ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے، جب شیطان حالتِ خواب میں ان کے خیالات کو مکدر نہیں کرسکتا تو حالت بیداری میں ان کی طبع نفیس کو برائی کی طرف کیسے مائل کرسکتا ہے؟

بلکہ شیطان نے تو روز اول ہی کہہ دیا تھا: لَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۸۳﴾ ''میں سب انسانوں کو گمراہ کروں گا، مگر اے اللہ! ان میں سے تیرے مخلص بندوں کو میں گمراہ نہیں کرسکوں گا۔'' (ص، ۸۳) اب انبیاء سے بڑے مخلصین کون ہوسکتے ہیں، ان کے مخلصین ہونے پہ نص قرآن موجود ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا گیا: اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۲۴﴾ ''وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔'' (یوسف، ۲۴)

مرزا قادیانی کے چند شیطانی خواب

تاہم یہ سچے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ہے۔ جھوٹے دعویداران نبوت کا کام ہی جھوٹے اور شیطانی خوابوں کے ذریعہ چلتا ہے، جیسے مرزا قادیانی کے شیطانی خواب مشہور ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

اول: مرزا کہتا ہے: ورأیتنی فی المنام عین الله وتیقنت اننی هوولم یبق لی ارادةولا خطرة ولا عمل من جهة نفسی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ ہوں اور میں نے یقین کرلیا کہ میں اللہ ہی ہوں اور میرا کوئی ارادہ، گمان اور عمل میری طرف سے باقی نہ رہا۔ (آئینۂ کمالات اسلام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۶۴ مطبوعہ لندن)

دوم: خدا تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی وشیرینی اور حرکت وسکون سب اسی کا ہوگیا، اس حالت میں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں گے۔
(کتاب البریہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)

یقیناً یہ شیطانی خواب ہے رحمانی نہیں، شیطان بندے میں سما کر اس سے یہ کہلوا سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں۔

سوم: مسیح موعود (یعنی مرزا) نے ایک بار اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پہ اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا، سمجھنے والے کے لیے اشارہ کافی ہے۔
(اسلامی قربانی ٹریکٹ نمبر ۳۴ ۱۳ از قاضی یار محمد مرید مرزا غلام احمد قادیانی)

ظاہر ہے کہ ایسا گندہ خواب رحمانی نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ومنزہ ہے۔ یقیناً یہ شیطانی خواب تھا، مرزا قادیانی کا جو حال کیا وہ شیطان نے کیا، یعنی شیطان نے اس کے ساتھ وہ عمل کیا جو ایک طاقتور مرد ایک عورت سے کرتا ہے، مگر مرزا نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیا۔ بہرحال اس سے مرزا قادیانی کی ہمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ شیطان کی طاقت برداشت کرگیا۔ اندازہ کیجیے ایسے غلیظ خیالات کا حامل شخص دعویٰ نبوت کر رہا ہے، لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ مگر اس میں تعجب کی بات نہیں، سب سے غلیظ تر شیطانی خیال تو یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کیا جائے، تو ایسے لوگ شیطان کا تختۂ مشق بننے ہی کے لائق ہیں۔

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہنے کی فضیلت

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ سے معلوم ہوا مستقبل کے بارہ میں ارادہ یا فیصلہ کرتے ہوئے: اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہنا سنت انبیاء ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ کسی چیز کے بارہ میں جب کہو کہ میں اسے کل کروں گا تو اس کے ساتھ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ضرور کہو۔ (کہف: ۲۳) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا: سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا (کہف: ۶۹)

عبادت کے لئے ارادہ ضروری ہے

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کا معاملہ بیٹے پر پہلے پیش کیا تا کہ بیٹے کا ارادہ

اور نیت بھی شامل ہو جائے کیونکہ آدمی کا عمل اسی وقت عبادت بنتا ہے جب عبادت کا ارادہ ہو۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو زبردستی پکڑ کر ذبح کرنے کے لئے لٹا لیتے تو آپ کو ذبح کرنے کا ثواب مل جاتا مگر اسماعیل علیہ السلام ذبح ہونیکا ثواب نہ پا سکتے۔ اگر کوئی شخص سارا دن کچھ نہ کھائے، مگر روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو روزہ نہ ہوا، اگر کسی کا مال گم ہو جائے اور وہ کہے کہ چلو زکوٰۃ نکل گئی تو اسطرح زکوٰۃ نہ نکلے گی، کیونکہ عبادت کا ارادہ نہ تھا۔

[29] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے گھر سے لے گئے تو شیطان انسانی شکل میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس آیا کہنے لگا: تم جانتی ہو یہ باپ بیٹا کہاں گئے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں، شیطان نے کہا اللہ کی قسم! وہ بیٹے کو ذبح کرنے لے گیا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے کہا، ہرگز نہیں۔ کسی باپ کو اپنے بیٹے سے وہ محبت نہیں ہو سکتی جو ابراہیم علیہ السلام کو ہے (کیونکہ یہ بیٹا انہیں 86 برس کی عمر میں حاصل ہوا اور بچپن میں ان کی آنکھوں سے دور کر دیا گیا) شیطان نے کہا اسے اللہ نے بیٹے کے ذبح کا حکم دیا ہے، حضرت ہاجرہ نے کہا: تو پھر اللہ کی اطاعت سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے (سبحان اللہ)

یہاں سے شیطان مایوس ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا کہا اے لڑکے! کہاں جا رہے ہو؟ کہا میں اپنے باپ کے ساتھ لکڑیاں لینے جا رہا ہوں (اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ابھی نہیں بتایا تھا کہ اللہ نے انہیں بیٹے کے ذبح کا حکم دیا ہے) شیطان نے کہا اللہ کی قسم! وہ تمہیں ذبح کرنے لے جا رہے ہیں، کہا: کیوں؟ کہا: اس لئے کہ انہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: پھر جو حکم ان کے رب نے انہیں دیا ہے وہ انہیں ضرور کرنا چاہیے میں اللہ کے حکم پر سر جھکانے والا ہوں۔ (سبحان اللہ)

یہاں سے مایوس ہو کر شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر کہا باز آ جاؤ ممکن ہے تمہارے خواب میں شیطان آیا ہو یہ اللہ کا حکم نہ ہو، آپ سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا: او شیطان! تمہارا مجھ سے کیا واسطہ، بخدا میں اللہ کا حکم ضرور پورا کروں گا۔ تب شیطان غصے میں چیختا ہوا واپس بھاگ اٹھا۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۹) یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ہاجرہ، اسماعیل علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام تینوں نے شیطان کو سات سات کنکریاں ماریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سنت کو تا قیامت زندہ کر دیا کہ حجاج کرام کو دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو انہی مقامات پر کنکریاں مارنے کا حکم دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ تین بار شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آیا اور آپ کو ذبح سے روکنے کی کوشش کی اور تینوں بار آپ نے شیطان کو کنکریاں ماریں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا واقعہ

پھر جب آپ نے بیٹے کو ذبح کے لئے لٹایا تو بیٹے نے کہا ابا جان آپ میرے ہاتھ پاؤں باندھ لیں ایسا نہ ہو کہ میں تڑپوں اور میرے چھینٹے آپ پر پڑیں اور میری والدہ آپ کے کپڑوں پہ یہ چھینٹے دیکھ کر تڑپ اٹھے، البتہ میری قمیص اتار

لیں وہ میری والدہ کو دے دینا، شائد وہ میری نشانی سے تسلی پکڑیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھ لئے اور بیٹے کو بوسہ دیا۔ اس وقت دونوں باپ بیٹا کی آنکھوں سے (تشکر کے) آنسو گر رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ بھی کہا ابا جان مجھے اوندھا لٹالیں تا کہ آپ کی نظریں میری نظروں سے نہ ٹکرائیں کہیں آپ کو مجھ پر رحم نہ آ جائے، آپ نے بیٹے کو اوندھا لٹا لیا اور اس کے گلے پر چھری چلانے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی: یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۹)

مروی ہے کہ اس وقت آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا جبرائیل علیہ السلام ایک دنبہ لے کر اتر رہے ہیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی جگہ یہ دنبہ ذبح کر دیں۔ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دنبہ ذبح کیا یہ وہی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل نے پیش کیا تھا۔ (تفسیر مظہری جلد ۸ صفحہ ۱۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجہ نظام کائنات ہونا

اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح سے اس لیے بچایا گیا کہ انکی نسل سے ہمارے آقا و مولا امام الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لانے والے تھے، بلکہ آپ کی تشریف آوری کے لیے ہی کے انتظامات کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو یہاں لائے جہاں آج کعبہ شریف ہے۔ پھر اسی سلسلہ میں باپ بیٹا دونوں نے کعبۃ اللہ تعمیر کیا اور تعمیر کے بعد آپ کی آمد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، بلکہ نار نمرود کا ابراہیم علیہ السلام پہ سرد ہونا بھی اسی لیے تھا کہ ان کی پیشانی میں نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چمک رہا تھا، کئی دیگر انبیاء کرام کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے، آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عین وقت پہ بچانے میں کوئی تو حکمتِ ربانی شامل تھی اور وہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں جلوہ گری تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کی شان میں نعتیہ اشعار کہے، جن میں یہ بھی تھا: ؎

وردت نار الخليل مستترا

فی صلبه انت کیف یحترق

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ خلیل اللہ علیہ السلام کی پشت میں چھپ کر نارِ نمرود میں داخل ہوئے، تو پھر آگ ان کو کیسے جلا سکتی تھی۔ (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ہی کے لیے ساری کائنات معرض وجود میں آئی ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تو آپ کے وسیلہ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف فرمائی اور فرمایا: "اے آدم! اگر تمہاری اولاد میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ آنا ہوتا تو میں تمہیں

بھی پیدا نہ کرتا۔'' (طبرانی صغیر ج ۲ ص ۸۲، مستدرک ج ۲ ص ۶۷۲)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اور ہم نے آپ کو ایک عظیم ذبح کا بدلہ دے دیا اور پچھلوں میں آپ کی تعریف باقی رکھی، سلام ہو

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ

ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں [30]

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ

اور ہم نے آپ کو اسحاق کی بشارت دی جو نبی ہیں سزاواران انعام میں سے اور ہم نے آپ اور اسحاق پر برکت ڈالی،

وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع

اوران کی نسل میں سے کوئی نیکوکار ہے تو کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا۔ [31]

ع ۳

[30] اس ذبح عظیم کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے بیٹے کی جگہ دنبے کی قربانی قبول کر لی اور فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ یعنی ہم نے جانور کی قربانی کی عبادت آپ کی سنت کے طور پر آپ کے بعد جاری کر دی اور لوگ تا قیامت آپ کی یہ سنت جاری رکھیں گے اور آپ کی تعریف ہوتی رہے گی اور ان تمام کروڑوں قربانیوں کا ثواب جو ہر سال ہوتی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملتا رہے گا اس لئے یہ ذبح عظیم ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطور بدلہ دی گئی اور اللہ رب العزت نے بطور انعام فرمایا سلام ہو ابراہیم پر، ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں، وہ ہمارے کامل الایمان بندوں میں سے ہیں۔

عید قربان پہ جانور کی قربانی کا اجر و ثواب

یہاں وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سے عید قربان پر جانور کی قربانی کی فضیلت معلوم ہوئی اور وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ میں بھی اس قربانی کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے ذبح عظیم قرار دیا گیا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عید قربان والے دن ابن آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں جانور کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے روز قیامت یہ جانور اپنے سینگوں، بالوں اور ناخنوں کے ساتھ آئیں گے (اور نیکی والے پلڑے میں ڈالے جائیں گے) اور یہ خون زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔ (ترمذی کتاب الاضاحی باب ۱، ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ۳)

یہ حدیث منکرین قربانی کے لئے چشم کشا ہے وہ کہتے ہیں کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت غرباء کو دے دینی چاہیے، مگر حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ عید قربان پر جانور کا خون بہانے سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ کو محبوب نہیں ہے۔اور اس کے ہر بال اور ناخن کے بدلے ثواب ملتا ہے۔اب اندازہ کیا جائے کہ ایک جانور کے جسم پر کتنے ارب اور کھرب بال ہوتے ہیں تو اتنا ہی ثواب ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: سُنَّةُ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔عرض کیا گیا اس کا ثواب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔صحابہ نے عرض کیا: صوف (اون) کے بارہ میں کیا حکم ہے (کیونکہ اون کے بال بہت باریک اور بہت زیادہ ہوتے ہیں) آپ نے فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ہے۔(ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ۳ حدیث ۳۱۲۷) اور امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے خوش دلی سے جانور کی قربانی دی اور طالب ثواب ہوا تو وہ قربانی اس لئے نارِ جہنم سے آڑ بن جائے گی۔''
(طبرانی کبیر جلد ۳ صفحہ ۸۴ حدیث ۲۷۳۶)

جانور کی قربانی کے متعلق چند فقہی احکام

یاد رہے جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے اس پر قربانی واجب ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس گنجائش ہو (صاحب نصاب ہو) اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔'' (ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ۲ حدیث ۳۱۲۳) منکرین قربانی کہتے ہیں کہ قربانی صرف حج میں لازم ہے اور کہیں نہیں۔مگر اس حدیث میں فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے، کے الفاظ قابل غور ہیں کہ حجاج تو نماز عید نہیں پڑھتے نہ ان پر نماز عید لازم ہے، معلوم ہوا اس سے حج والی قربانی مراد ہی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے نماز سے قبل قربانی کرلی وہ دوبارہ قربانی کرے اور جس نے نماز کے بعد جانور ذبح کیا اس کی قربانی ادا ہوگئی۔'' (بخاری کتاب الاضاحی باب ۱ حدیث ۵۵۴۶) اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نماز عید سے قبل قربانی ادا نہیں ہوتی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قربانی کا حج سے کوئی تعلق نہیں۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لنگڑا، کانا، بیمار اور لاغر جانور قربانی کے لئے جائز نہیں ہے۔'' (ترمذی کتاب الاضاحی باب ۵ حدیث ۱۴۹۷) یاد رہے کہ ایک گائے یا ایک اونٹ میں سات افراد شامل ہوسکتے ہیں، جب کہ سب کا ارادہ عبادت کا ہو، اگر ان میں سے کسی کا ارادہ صرف گوشت کا ہو تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوئی۔

عید قربان پر جانور قربان کرنے کا فلسفہ

اول: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے اس غیر معمولی جذبہ قربانی کو یاد رکھا جائے اور زندہ قومیں اپنے

اسلاف کے کارناموں کو یاد رکھتی ہیں۔

دوم: یہ قربانی ہمیں سبق دیتی ہے کہ حکم خداوندی پر جان اولاد سب کچھ قربان کر دینا ہی مومن کا شیوہ ہے، اس میں یہ درس بھی ہے کہ حکم ربانی پر عقل کو قربان کر دینا چاہیے۔ اور وہی فوج کامیاب ہوتی ہے جو اپنے کمانڈر کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کرے، جو فوج چہ میگوئیاں کرنے لگے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہم اللہ رب العزت کی فوج ہیں ہمارا کام حکم کی تعمیل ہے بس، ہمارا کام وجہ تلاش کرنا نہیں ہے۔

سوم: جانور کی قربانی میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہر جان کا مالک اللہ ہے، جانور میں اللہ نے جان ڈالی ہے تو وہی حکم دے رہا ہے کہ اس کے نام پر جانور قربان کرو۔ اگر اس کا حکم ہو تو جانور کا مارنا حرام ٹھہرے جیسے حدود حرم میں جانور کا مارنا حرام ہے اور اسی کا حکم ہو تو انسان کا مارنا لازم ہو جائے جیسے زانی کا سنگسار، قاتل کا قتل اور ڈاکو کی پھانسی۔ الغرض اس قربانی میں یہ درس ہے کہ ہر جاندار کی جان اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

چہارم: عید قربان پر غریب سے غریب تر شخص کو بھی گوشت کھانے کو مل جاتا ہے اور جانوروں کی کھالوں سے دینی و رفاہی اداروں کی مدد ہو جاتی ہے۔

پنجم: یہ قربانی جانور پرستوں کا رد بھی ہے۔ ہندو گائے کی پوجا کرتے اور اس کا پیشاب پیتے ہیں جبکہ مسلمان ہندوؤں کے خدا کو قربان کر کے کھا جاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی ہے اور جانور ہماری خدمت و خوراک کے لئے بنے ہیں ہمارے سجدوں کے لئے نہیں۔

[31] جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں آپ کو دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی اور بتایا کہ وہ نبی ہوگا اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم و اسحاق پر برکت ڈالی کہ ان سے نسلیں چلائیں جن میں سے کوئی نیکوکار یعنی مومن و صالح ہے اور کوئی اپنی جان کا ظالم یعنی کافر و فاجر۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۞ اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کی بیوی کو اسحاق اور اسحاق کے بعد اس کے بیٹے یعقوب کی بشارت دی۔ (ھود: ۷۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، کیونکہ پہلے قربانی اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہوا بعد میں بشارت اسحاق علیہ السلام کا۔ بائبل میں لکھا ہے ابراہیم علیہ السلام کی چھیاسی برس کی عمر میں ان کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور سو برس کی عمر میں اسحاق علیہ السلام۔ (کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱، باب ۱۷ آیت ۱۵) پھر جس بچے کی پیدائش سے قبل بتا دیا جائے کہ وہ نبی ہوگا اور آگے اس کی نسل چلے گی اس کے متعلق کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس کی قربانی کا حکم دیا جائے گا۔

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلٰى مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيۡنٰهُمَا وَقَوۡمَهُمَا مِنَ الۡكَرۡبِ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر احسان فرمایا اور انہیں اور ان کی قوم کو بڑی تکلیف سے

الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرۡنٰهُمۡ فَكَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيۡنٰهُمَا الۡكِتٰبَ

نجات دی اور ان کی مدد کی تو وہی غالب ٹھہرے۔ اور ہم نے دونوں کو

الۡمُسۡتَبِيۡنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيۡنٰهُمَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِمَا فِى

روشن کتاب دی [32] اور انہیں سیدھے راستہ پر چلایا اور پچھلے لوگوں میں ان کی

الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾

تعریف باقی رکھی، موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں،

اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں۔[33]

حضرت موسیٰ و ہارون اور الیاس علیہم السلام کا ذکر خیر

[32] گزشتہ رکوع میں حضرت نوح، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کا ذکر خیر ہوا اب مزید چند انبیاء کا ذکر مبارک ہو رہا ہے، تو فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر احسان فرمایا کہ انہیں ان کی قوم (بنی اسرائیل) سمیت فرعونیوں کی چیرہ دستیوں سے نجات عطا فرمادی اور ان کی مدد کر کے انہیں غالب کیا یعنی ان کے دشمنوں کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اس کے بعد انہیں (طور پر) روشن کتاب دی۔ کتاب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی مگر چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام اس کتاب کے سب سے بڑے مبلغ تھے تو کتاب کے دیئے جانے کی نسبت ان کی طرف بھی کر دی گئی۔

[33] بنی اسرائیل کو تورات دے کر انہیں سیدھی راہ پر چلایا گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح امت محمدیہ کو بھی روشن کتاب بصورتِ قرآن دی گئی ہے اگر وہ اس پر عمل کریں تو یہ ان کی ہدایت کے لئے کافی وشافی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تعریف پچھلے لوگوں میں باقی رکھی۔ چنانچہ آج قرآن مجید ان کے تذکرہ سے بھرا پڑا ہے اور مساجد کے محراب و منبر ان کے ذکر خیر سے گونج رہے ہیں لہٰذا موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر ہمارا سلام ہو، ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں حتیٰ کہ

ان کے زمانہ میں ایمان انہی سے وابستہ تھا۔

وَ اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ
اور بے شک الیاس (علیہ السلام) رسولوں میں سے ہیں۔ جب آپ نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم
بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾
بعل (بت) کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر خالق اللہ کو چھوڑتے ہو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے؟[34]
فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا
تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو اب وہ (دوزخ میں) حاضر کئے گئے ہیں، سوا اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے، اور ہم نے
عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی
پچھلے لوگوں میں آپ کی تعریف باقی رکھی [35] سلام ہو الیاس (علیہ السلام) پر ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی
الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾
جزا دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں۔[36]

[34] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت الیاس علیہ السلام حضرت الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں۔حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا نسب یہ ہے الیاس بن فنحاص بن عیزار بن ہارون علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد جب بنی اسرائیل نے بیت المقدس فتح کیا تو شام کا علاقہ بھی ان کے زیرنگیں آ گیا۔شام میں ایک شہر بعلبک تھا جو آج کل حدود لبنان میں ہے، یہاں کے لوگ بت پرست چلے آ رہے تھے یہاں ایک بت تھا جسے بعل کہتے تھے اور بک وہاں کا ایک بادشاہ گزرا تھا جس نے یہ شہر بسایا اور وہاں بعل بت نصب کیا اس لئے یہ شہر بعلبک کے نام سے معروف ہو گیا۔ یہاں بنی اسرائیل نے بھی کچھ عرصہ بعد بت پرستی شروع کر دی۔تب ان میں حضرت الیاس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے لوگوں کو دعوت توحید دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم بعل کو پوجتے اور اللہ کو چھوڑتے ہو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے؟ یاد رہے بعل بت کے چار سو خصوصی حواری تھے، اس بت میں ایک جن (شیطان) داخل تھا جو ان حواریوں کو پیش گوئیاں دیتا تھا۔(بغوی جلد ۶ صفحہ ۳۲)

انہی حواریوں کے بارہ میں بائبل میں لکھا ہے کہ یہ چار سو انبیاء تھے، انہوں نے بادشاہ کو فتح کی بشارت دی جو جھوٹی

نکلی۔ان حواریوں کو یہ الہام شیطان نے کیا تھا۔(بائبل کتاب سلاطین ا باب ۲۲ آیت ۱۰ تا ۲۴)

[35] مگر مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریف دیکھئے، اس نے کہا کہ بائبل میں لکھا ہے چار سو انبیاء کی پیش گوئی جھوٹی نکلی۔ (ضرورۃ الالہام صفحہ ۴۸۸ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۳)

چونکہ مرزا قادیانی مدعی نبوت تھا اور اس کی تمام جعلی پیش گوئیاں جھوٹی نکلیں۔(جیسے پادری آتھم کی موت، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ہلاکت اور محمدی بیگم سے نکاح وغیرہ کی پیش گوئیاں) تو اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے کہا کہ بائبل کے مطابق چار سو انبیاء کی پیش گوئی جھوٹی نکلی، حالانکہ بائبل نے جن چار سو افراد کو بطور انبیاء پیش کیا ہے وہ چار سو افراد بت پرست تھے اور شیطان انہیں الہام کرتا تھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے بارہ میں مستدرک کی ایک ضعیف حدیث

یاد رہے حضرت الیاس علیہ السلام کے بارہ میں امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے وہ آسمان میں زندہ ہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غزوہ میں ملے تھے اور آپ کے ساتھ کھانا بھی کھایا تھا پھر ایک بادل اُترا اور وہ اس میں داخل ہو کر آسمان کی طرف بلند ہو گئے۔(مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۷۴ حدیث ۴۲۳۱) مگر امام ذہبی نے فرمایا یہ حدیث موضوع ہے اور اسے امام حاکم کا صحیح کہنا حیرتناک لاعلمی ہے۔(تلخیص المستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۷۴)

امام ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امام بیہقی نے بھی اسے شدومد سے ضعیف کہا ہے۔ (البدایہ جلد ا صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ دار الریان مصر)

حق یہی ہے کہ انبیاء سابقین میں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور قرب قیامت میں زمین پر اتریں گے۔اس موضوع پر راقم الحروف کی کتاب ''حیات مسیح ابن مریم اور مسیح موعود کی پہچان'' قابل مطالعہ ہے۔حضرت الیاس علیہ السلام نے عرصہ تبلیغ فرمائی مگر لوگ نہ مانے تو آپ پہاڑ کی گھاٹی میں جا چھپے کیونکہ بادشاہ نے ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی۔پھر ان کی جگہ حضرت الیسع نے تبلیغی کام شروع کیا تو اس میں بہت برکت ہوئی اور ہزاروں لوگ ایمان لائے۔

[36] قرآء سبعہ میں سے امام نافع مدنی اور ابن عامر شامی رحمہ اللہ نے اسے آل یاسین پڑھا ہے اور باقی پانچ قراء (ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، عاصم، حمزہ اور کسائی) کی قراءت اِلْ یَاسِیْنَ ہے۔اِلْ یَاسِیْنَ لفظ الیاس کی دوسری لغت ہے جیسے طور سینا کو طور سینین، اسماعیل کو اسماعین اور میکائیل کو مکائین پڑھا جاتا ہے۔(تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۳۶)

جبکہ آل یاسین لفظ الیاس ہی کی دوسری لغت بھی ہو سکتی ہے۔(قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۹) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یاسین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں جیسا کہ سورہ یٰسٓ کے آغاز میں ہم بتا چکے ہیں۔تو سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ کا معنی ہوا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، اس توجیہہ کو کئی مفسرین نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَؕ ﴿۱۳۳﴾ اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَۙ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى

اور بے شک لوط (علیہ السلام) رسولوں میں سے ہیں جب ہم نے آپ کو اور آپ کے کے تمام گھر والوں کو

الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَۙ ﴿۱۳۷﴾

نجات دی سوا ایک بڑھیا کے، جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور تم ان پر صبح و شام

وَبِالَّيۡلِ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

گزرتے ہو تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔[37]

[37] حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہم جنس پرستی میں مبتلا تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو اس بستی سے بحفاظت نکال کر اس بستی کو تباہ کر دیا مگر آپ کے اہل خانہ میں سے آپ کی بیوی کو جو ایک بوڑھی عورت تھی ہلاک ہونے والوں میں شامل کر دیا کیونکہ وہ کافرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل مکہ! تم شام و فلسطین کے اسفار میں قوم لوط کے تباہ شدہ مقام پر صبح و شام گزرتے ہو، تو تم اس سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ آج بھی اُردن میں بستی سدوم کے تباہ شدہ کھنڈرات موجود ہیں۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ

اور بے شک یونس (علیہ السلام) رسولوں میں سے ہیں جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے پھر وہ قرعہ میں شامل ہوئے تو وہی

فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ

(کشتی سے) دھکیلے جانے والے تھے [38] تب انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود کو ملامت کر رہے تھے۔ چنانچہ اگر وہ

كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ

تسبیح کہنے والے نہ ہوتے تو اس وقت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے جب لوگ اٹھائے جائیں گے [39] تب ہم نے انہیں

بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ

چٹیل میدان میں پھینکا اور وہ بیمار تھے اور ہم نے ان پر کدو کی بیل اُگا دی [40] اور انہیں ایک لاکھ افراد کی طرف بھیجا

اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

بلکہ وہ اس سے زیادہ تھے، وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے انہیں ایک مدت تک متاع دنیا دیدی۔ [41]

واقعۂ حضرت یونس علیہ السلام

[38] اب آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر خیر ہے جو حضرت الیاس علیہ السلام ہی کے زمانہ میں تشریف لائے۔ حضرت الیاس علیہ السلام شام میں تھے اور حضرت یونس علیہ السلام عراق کی بستی نینوا میں جو موصل کے قریب ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو قرآن میں صاحب الحوت اور ذوالنون بھی کہا گیا ہے دونوں کا معنی مچھلی والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اہل بستی نے حضرت یونس علیہ السلام کی مخالفت جاری رکھی اور ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی فرمائی کہ میں فلاں دن ان لوگوں پر عذاب اُتار رہا ہوں۔ آپ نے انہیں بتا دیا کہ فلاں دن تم پر عذاب آنے والا ہے، لوگوں نے آپس میں کہا کہ نگاہ رکھو اگر اس دن یونس تمہارے درمیان سے نکل جائے تو سمجھو کہ عذاب آنے والا ہے۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو عذاب کا وعدہ تھا تو حضرت یونس علیہ السلام رات پڑتے ہی وہاں سے روپوش ہو گئے، جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ سب کھلے میدان میں نکل آئے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور عذاب روک دیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲۶ حدیث ۱۸۲۷۶)

حضرت یونس علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو آپ کو ندامت آئی کہ میں اللہ کے حکم کے بغیر بستی سے کیوں نکل پڑا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کشتی میں سوار ہوئے، کشتی دوران سفر چلنے سے رک گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کشتی بان نے مسافرین سے کہا: ضرور تم میں سے کوئی شخص اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے، جب کشتی میں ایسا شخص آجائے تو وہ چلنے سے انکار کر دیتی ہے حضرت یونس علیہ السلام نے کہا ہاں میں اپنے رب سے بھاگا ہوا غلام ہوں (کہ میں اس کے حکم کا انتظار کئے بغیر بستی سے نکل کھڑا ہوا) اہل کشتی نے کہا: قرعہ ڈالو، جس کے نام قرعہ نکلے اسے کشتی سے پھینک دو تاکہ دوسرے بچ جائیں۔ قرعہ آپ کے نام نکلا، پھر مزید دو دفعہ قرعہ ڈالا گیا تو بار بار آپ ہی کا نام نکلتا رہا۔ تب آپ نے بحکم الٰہی پانی میں چھلانگ لگا دی۔ آگے ایک بڑی مچھلی اللہ تعالیٰ کے امر سے آپ کی منتظر تھی اس نے آپ کو نگل لیا، مچھلی کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ یونس کا بال بیکا نہ ہونے پائے نہ ہڈی ٹوٹے نہ کوئی عضو خراب ہو اور وہ اتنے دن (ایک روایت میں ہے کہ چالیس دن) آپ کو پیٹ میں رکھے۔

(ابن ابی حاتم جلد ١٠ صفحہ ٣٢٢)

یہاں فَسَاهَمَ سے معلوم ہوا کہ قرعہ ڈالنا جائز ہے، تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر جاتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اسے آپ اپنے ساتھ لے جاتے۔

[39] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مچھلی آپ کو لے کر سمندر کی تہہ میں چلی گئی حتیٰ کہ یونس علیہ السلام نے زمین کی تسبیح سنی تب آپ نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٧ یعنی ''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے میں ہی خود پر زیادتی کرنے والا ہوں۔'' (انبیاء:٨٧) آخر مچھلی نے بحکم الٰہی آپ کو سمندر کے کنارے اُگل دیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ١٠ صفحہ ٣٢٢٧ حدیث ١٨٢٧٨)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ تسبیح نہ کہتے تو روز حشر تک جب لوگ اٹھائے جائیں گے، آپ مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پڑھنے کی فضیلت

اس جگہ اس تسبیح کی خصوصی اہمیت واضح ہوئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی پکار ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٧ جب کوئی مسلمان ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی فریاد ضرور سنتا ہے۔

(ترمذی کتاب الدعوات باب ١٨، مسند احمد جلد ١ صفحہ ١٧٠)

امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ جو مریض اپنے مرض میں چالیس بار لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٧ پڑھے، اگر وہ اس مرض میں مرجائے تو شہید کا درجہ پائے گا اور اگر صحت یاب ہو گیا تو پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔

حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام

لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام تسبیح نہ کہتے تو روز قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ گویا آپ کی برکت سے وہ مچھلی ہمیشہ کے لئے زندہ وسلامت رہتی۔ جب مچھلی کی زندگی کا یہ عالم ہے تو جس کی وجہ سے مچھلی کو زندگی ملتی اس کی زندگی کا کیا عالم ہوتا؟ یہ اسی طرح ہے جیسے حضرت عزیر علیہ السلام سو برس تک سوئے رہے اوران کی برکت سے ان کے پاس پڑا ہوا ان کا کھانا اور پانی بھی سو سال میں خراب نہ ہوا۔ (بقرہ،۲۵۹)

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کی برکت صحبت اس کے پاس پڑے ہوئے کھانے میں ایسی حیات ڈال دیتی ہے کہ وہ ایک صدی میں خراب نہیں ہوتا نہ سوکھتا ہے اس کی اپنی حیات کا کیا عالم ہوگا؟۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے۔ تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

(ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵ حدیث ۱۶۳۷)

[40] یعنی یونس علیہ السلام کے تسبیح کہنے سے مچھلی نے ہمارے حکم سے آپ کو پانی سے باہر میدان میں پھینک دیا اس وقت آپ بیمار تھے، تب ہم نے ان پر کدو کی بیل اُگا دی جس نے آپ پر سایہ کیا۔ کدو کی بیل زمین پہ بچھی ہوتی ہے مگر جو بیل حضرت یونس علیہ السلام پر اُگائی گئی ممکن ہے وہ زمین سے درخت کی طرح بلند ہو تا کہ آپ پر سایہ کرے، اسی لئے فرمایا گیا: شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ آپ اس کے سائے میں کچھ دیر پڑے رہے، جب آپ کی طبیعت بہتر ہوئی تو اپنی قوم میں واپس آئے۔

مروی ہے کہ آپ کے قریب سے آپ کی قوم کا ایک چرواہا گزرا، آپ نے اسے بتایا کہ آپ یونس (علیہ السلام) ہیں۔ اس نے جا کر اپنی قوم کو آگاہ کیا۔ ساری قوم دوڑی آئی اور معافی مانگنے لگی، یوں آپ اپنی قوم میں واپس گئے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲۷ حدیث ۱۸۲۸۰)

یہاں شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ سے کدو کی فضیلت معلوم ہوئی، کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک رسول کی خدمت کے لئے چنا اور حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو سے محبت رکھتے تھے اور یہ آپ کی سب سے پسندیدہ سبزی تھی۔

(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا آپ شوربے میں سے کدو کی ڈلیاں ڈھونڈھ کر نکال رہے تھے۔ میں نے یہ دیکھ کر آپ کو ڈلیاں نکال کر دینا شروع کر دیں، اس کے بعد مجھے بھی کدو محبوب ومرغوب ہوگیا۔

(بخاری کتاب الاطعمہ حدیث ۵۴۲۰)۔

[41] جن لوگوں کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا گیا ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی پہلے وہ آپ کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ان پر عذاب آنے والا تھا جب وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید کچھ عرصہ تک دنیا میں رہنے کی اجازت دے دی۔

اہل تشیع کا سمجھنا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو امامتِ علی سے انکار کی وجہ سے شکم ماہی میں ڈالا گیا

اس جگہ اہل تشیع یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے حضرت سیدنا علی اور دیگر ائمہ اہل بیت کی امامت کے ماننے سے انکار کیا تو اللہ نے انہیں شکم ماہی میں ڈال دیا جب انہوں نے توبہ کی تو انہیں باہر نکالا۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے: حضرت امیر المؤمنین علی سے سند معتبر کے ساتھ مروی ہے کہ اللہ نے میری امامت کو اہل ارض وسما پر پیش کیا پھر کسی نے اسے مانا کسی نے نہ مانا۔ یونس قبول نہ کردتا آنکہ خدااورادر شکم ماہی حبس کردتا قبول کرد چنانچہ شرط قبول بودیعنی یونس نے میری امامت کو نہ مانا تو اللہ نے اسے شکم ماہی میں حبس کر دیا اور تب نکالا جب اس نے اچھی طرح اسے قبول کرلیا۔

(حیات القلوب جلد اول صفحہ ۴۵۹ در بیان قصۂ یونس مطبوعہ تہران)

اہل تشیع ایک طویل روایت میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وہ مچھلی دکھائی تھی۔ جب اس نے سمندر سے سر نکالا تو وہ پہاڑ نما تھا، مچھلی نے کہا اے امام! اللہ نے تم اہل بیت کی امامت کو سب انبیاء پر پیش کیا جس نے اسے قبول کیا وہ نجات پا گیا جس نے توقف کیا اس پر مصیبت آ گئی، جیسے آدم پر مصیبت آئی، نوح پر خطرۂ غرق آیا، ابراہیم کو نار نمرود میں ڈالا گیا، یوسف کو چاہ کنعان میں پھینکا گیا، داؤد سے غلطی ہوئی اور یونس کو مصیبت آئی۔ یونس نے آپ لوگوں کی امامت سے انکار کیا اللہ نے اسے میرے پیٹ میں ڈال دیا تب اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پڑھا اور یہ بھی کہا: قَبِلْتُ وِلَايَةَ عَلِيِ بنِ ابِی طَالِبٍ وَالْائِمَةِ. میں علی بن ابی طالب اور دوسرے ائمہ کی ولایت قبول کرتا ہوں، تب اللہ نے مجھے حکم دیا کہ اسے باہر پھینک دوں۔ (انوار نعمانیہ صفحہ ۸ مطبوعہ ایران طبع قدیم بحث تعداد حروف اسم اعظم) ایسی من گھڑت روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل تشیع غلو میں کہاں تک چلے گئے ہیں، اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے: لعنة الله علی الکاذبین السابین انبیاء الله الکرام۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا

تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کفار سے پوچھیں کہ کیا آپ کے رب کی بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ کیا (جب) ہم نے فرشتوں کو

وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ

عورتیں بنایا تھا تو وہ وہاں موجود تھے؟ یاد رکھو وہ افتراء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، اور وہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنٰتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ

جھوٹ کہتے ہیں، کیا اللہ نے بیٹے چھوڑ کر بیٹیاں پسند کر لیں؟ تمہیں کیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ کیا تم نصیحت

تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ

نہیں پکڑتے؟ کیا تمہارے پاس کوئی کھلی دلیل ہے؟ تو اپنی تحریر لاؤ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

اگر تم سچے ہو [42]

[42] کفار عرب کے دو قبائل بنو جہنیہ اور بنو عبدالدار فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ کفار اپنے لئے بیٹے پسند رکھتے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں، کیا وہ اس وقت موجود تھے جب اللہ نے فرشتوں کو عورتوں کی صورت میں پیدا کیا تھا؟ اگر نہیں تو پھر وہ اپنی طرف سے جھوٹ کیوں گھڑتے ہیں اور اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے، اور اے کفار! اگر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی تحریر ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اگر تمہارے پاس ایسی تحریر ہو تو وہ لاؤ پیش کرو۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ﴿۱۵۸﴾
کفار نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ داری بنا دی، حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے،
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا
اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں، سوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے [43] تو اے کفار! تم اور جنہیں تم پوجتے ہو
تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۙ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾
وہ اللہ کے خلاف (کسی کو) فتنہ میں نہیں ڈال سکتے۔ سوا اس کے جو خود ہی جہنم میں جانے والا ہے۔ [44]

[43] حضرت کلبی سے مروی ہے کہ کفار کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنات سے (معاذ اللہ) نکاح کیا اس سے فرشتے پیدا ہوئے۔ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کو یہی بات کہتے سنا تو پوچھا: پھر فرشتوں کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا وہ چند بڑی شان والی جنیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت اتاری: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۳۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار نے اللہ کے اور جنات کے درمیان رشتہ بنا دیا ہے حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ یہ کفار دوزخ میں حاضر کئے جائیں گے کیونکہ وہ اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں اور اللہ اس سے پاک ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو ایمان کے لئے چن لیا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔

[44] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے کفار! تم اور جن شیاطین کی تم پوجا کرتے ہو یعنی ان کی اطاعت میں اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہو، تم سب مل کر بھی کسی کو فتنہ میں نہیں ڈال سکتے، ہاں تمہاری کوشش سے وہی شخص گمراہ ہوگا جس کے نصیب میں جہنم میں جانا لکھا ہوا ہے اور وہ وہاں جا کر رہے گا۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ

اور (فرشتے کہتے ہیں) ہم میں سے ہر کسی کے لئے ایک مقرر جگہ ہے اور ہم صف بستہ کھڑے اللہ کی

الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ

تسبیح کہتے رہتے ہیں [45] اور بے شک کفار کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلوں جیسا کوئی ذکر

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾

(آیا) ہوتا تو ہم اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے، پھر انہوں نے قرآن سے انکار کر دیا تو وہ جلد جان لیں گے۔ [46]

[45] یعنی کفار فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر کسی کے لئے ایک جگہ مقرر ہے جہاں کھڑے ہو کر اسے اللہ کی عبادت کرنے کا حکم ہے اور ہم صف بستہ اللہ کی تسبیح کہتے رہتے ہیں یعنی ہمیں اپنی مرضی سے صف سے نکلنے اور اپنی جگہ چھوڑنے یا تسبیح کے موقوف کرنے کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا کفار کا ہمیں اللہ کی اولاد بتانا اور ہماری عبادت کرنا کس قدر ظلم ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور جو میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سن سکتے، آسمان چڑ چڑاتا ہے اور اسے چڑ چڑانا چاہیے، کیونکہ اس میں چار انگشت ایسی جگہ خالی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو'' (محو عبادت نہ ہو) (ترمذی کتاب الزہد باب ۹، ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۱۹)

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ سے معلوم ہوا کہ صف بستہ عبادت میں کھڑے ہونا یعنی باجماعت نماز ادا کرنا اللہ کے ہاں محبوب طریقۂ عبادت ہے۔ اسی لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم فرشتوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے وہ پہلے اگلی صفیں مکمل کرتے ہیں اور صفوں میں کہیں خلاء نہیں چھوڑتے۔''
(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ۲۷ حدیث ۱۱۹)

[46] کفار مکہ ظہور اسلام سے قبل کہتے تھے اگر ہمارے پاس کوئی ذکر (یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ کلام) ہوتا تو ہم یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے، مگر جب ان کے پاس قرآن اُتر آیا جو اللہ کا عظیم ذکر ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ۔ (حجر:۹) تو وہ اس کی تکذیب کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب وہ اس کا انجام جان لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٧١ ۚ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝١٧٢

اور بالتحقیق ہمارا فیصلہ اپنے مرسل بندوں کے حق میں پہلے سے ہو چکا ہے کہ وہی مدد یافتہ ہیں

وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝١٧٣ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝١٧٤ ۙ وَّأَبْصِرْهُمْ

اور بلاشبہ ہمارے سپاہی ہی غالب ہیں [47] تو آپ ایک مدت تک کفار سے درگزر کریں اور انہیں دیکھتے رہیں

فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝١٧٥ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝١٧٦ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ

جلد وہ بھی دیکھ لیں گے ،کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد چاہتے ہیں؟ پھر جب وہ ان کے صحن میں اُترے گا

فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝١٧٧ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝١٧٨ ۙ وَّأَبْصِرْ فَسَوْفَ

تو جن کو ڈرسنادیا گیا تھا ان کی صبح کیا ہی بُری ہوگی [48] آپ ان سے ایک مدت تک درگزر کریں اور دیکھیں، جلد وہ بھی

يُبْصِرُوْنَ ۝١٧٩ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٨٠ ۚ وَسَلٰمٌ عَلَى

دیکھ لیں گے، آپ کا رب جو ہرعزت کا مالک ہے ہراس چیز سے پاک ہے جو کفار (اس کے بارہ میں) کہتے ہیں اور سلام ہو

الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٨١ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٨٢ ع

رسولوں پر اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رب کائنات ہے۔[49]

ع ۵

[47] دوسری جگہ فرمایا گیا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آنے والے ہیں۔'' (مجادلہ: ۲۱) اگر کہا جائے کہ کئی رسولوں کو شہید کیا گیا پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ رسولان گرامی ہی کامیاب ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جماعت مرسلین مراد ہیں یعنی بطور جماعت انبیاء کرام ہی غالب رہے اور ان کے مخالفین مغلوب۔ اگر کسی لشکر کے بعض افراد شہید ہو جائیں اور لشکر غالب رہے تو بعض کی شہادت سے لشکر کے غلبہ میں فرق نہیں آتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا: وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝١٧٣

[48] کفار مکہ کہتے تھے کہ عذاب کب آئے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ آئے گا تو وہ صبح ان کے لئے بہت بُری ہو گی۔ یہ اس لئے فرمایا کہ منکر قوموں پر صبح کے وقت ہی عذاب آتا تھا جیسے قوم لوط کے بارہ میں فرمایا گیا: اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ ''ان کے عذاب کا مقرر وقت صبح ہے۔'' (ھود: ۸۱) چنانچہ کفار مکہ پر صبح کے وقت حملہ کیا گیا اور مکہ فتح ہوا۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ اے پیارے رسول! کچھ وقت تک ان سے درگزر کریں اور دیکھیں۔

[49] یعنی کفار اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں جبکہ اللہ رب العزت اس سے پاک ہے اور رسولوں پر سلام ہو کہ انہوں نے اللہ کی یہ پاکیزگی بیان کرنے میں زندگیاں وقف کر دیں اور سب تعریف رب کائنات، اللہ کے لئے ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھ لئے: سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۞ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۞ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ وہ روز قیامت اجر کا پورا پیمانہ حاصل کرے گا (طبرانی کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۹۵ حدیث ۱۱۲۲۱) وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۞ سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا چاہئے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا چاہیے کیونکہ آپ کے لئے فرمایا گیا: صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۞ تاہم اگر کسی نبی کا نام آپ کے نام کے تابع کر کے ذکر کیا جائے تو پھر یوں کہا جا سکتا ہے: علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

الحمد للہ آج 13 جمادی الثانی 1429ھ بمطابق 17 جون 2008ء بروز منگل نماز فجر کے بعد سورہ صافات کی تفسیر مکمل ہوئی۔
و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ سیدنا و مولانا محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورہ صٓ

یہ سورت ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 38 ویں سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے 37 ویں سورت ہے۔ یہ سورۂ قمر کے بعد اور سورہ اعراف سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اسے سورہ صٓ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حرف صٓ سے شروع ہوتی ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ اسے سورہ داوٗد علیہ السلام بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں حضرت داوٗد علیہ السلام اور ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کا ذکر خیر ہے اور ان کے ایسے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جو دوسری سورتوں میں نہیں ملتے اگرچہ ان انبیاء کا ذکر کثیر سورتوں میں ہے۔

اس سورت میں پانچ رکوعات، اٹھاسی آیات، سات سو بتیس کلمات اور تین ہزار ستتر حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں ردشرک اور مشرکین کا انجام مذکور ہے۔ چنانچہ اس سورت کے پہلے رکوع میں قوم نوح، قوم عاد، فرعون، قوم ثمود، قوم لوط اور دیگر منکرین کی تباہی بتائی گئی، دوسرے رکوع میں حضرت داوٗد علیہ السلام پہ ہونے والے انعامات الٰہیہ کا بیان ہے اور ان پہ آنے والے ایک امتحان کا ذکر ہے۔ تیسرے رکوع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے کہ کس طرح ان کو حکومت دی گئی اور انہوں نے اطاعتِ خداوندی کا حق ادا کیا۔ چوتھے میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ابتلاء اور ان کا صبر اور صبر کا اجر بیان کیا گیا، پھر چند دیگر انبیاء کا تذکرہ ہے اور آخری رکوع میں تخلیقِ آدم، سجود ملائکہ اور انکارِ ابلیس کا بیان ہے۔

سورہ صٓ ماقبل والی سورت کا تسلسل ہے۔ صافات میں بعض انبیاء سابقین کا ذکر خیر تھا، اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے صٓ میں بھی متعدد انبیاء گرامی کا ذکرِ جمیل ہے۔ انہوں نے توحید خداوندی کی جس مدلل وحکیمانہ انداز میں دعوت دی اس کا خوبصورت بیان ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ۸۸ ۳۸ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ
صاد[1] قسم ہے ذکر والے قرآن کی، (بات وہ نہیں جو کفار کہتے ہیں) بلکہ کفر کرنے والے لوگ تکبر اور جھگڑے میں مبتلا ہیں۔
اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا
ہم نے ان سے قبل کتنی ہی قومیں تباہ کر دیں، تب وہ چلّائے اور وہ وقت فرار نہ تھا۔ [2] انہیں تعجب ہوا
اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴
کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا (نبی) آیا ہے اور کافر بولے کہ یہ جھوٹا جادوگر ہے۔
اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵
کیا اس نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنالیا ہے؟ یہ بہت عجیب چیز ہے[3]

توحید و رسالت کے متعلق کفار کے باطل نظریات کا رد

[1] یہ حروف مقطعات میں سے ہے، اس کی حقیقی مراد اللہ ہی جانتا ہے البتہ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے اسم صمد اور صادق الوعد سے اشارہ ہے (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم صبور اور صانع سے بھی اشارہ ہوسکتا ہے)

[2] یعنی ذکر والے قرآن کی قسم بات وہ نہیں جو کفار کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک جھوٹا جادوگر ہے، بلکہ وہ تکبر اور جھگڑے میں مبتلا ہیں کیونکہ اعلانِ نبوت سے قبل وہ آپ کو صادق و امین کہتے تھے اب وہ کس منہ سے آپ کو ساحر و کذاب کہنے لگے ہیں؟ اور ہم نے ان جیسی کئی منکر قومیں ان سے قبل تباہ کر دی ہیں، جب ان پر عذاب آیا تو وہ چیخے چلائے مگر وہ فرار کا وقت نہ تھا۔ قرآن کو ذکر والا اس لئے کہا گیا کہ اس میں اللہ کا ذکر ہے اسے پڑھ کر اللہ یاد آتا ہے

اور یا یہ معنی ہے کہ قرآن کا ذکر ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔اس کا چرچا ہر زبان پر ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ تلاوت کی جانے والی کتاب ہے۔

[3] کفار عرب کو تعجب تھا کہ انہی میں سے ایک شخص کو اچانک کس طرح نبوت کے لئے چن لیا گیا ہے،نہیں، بلکہ یہ جھوٹا ہے اور اس کے معجزات اس کی جادوگری ہے۔ پھر اس نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا کی عبادت کا نعرہ لگایا ہے یہ بہت عجیب بات ہے یعنی ایک خدا سارے نظام کائنات کو کیسے چلا سکتا ہے؟ اس کے لئے کئی خدا ہونے چاہئیں۔

کفار عرب کا عقیدہ کہ ایک خدا سارا نظام کائنات کیسے چلا سکتا ہے؟

مروی ہے کہ یہ آیت اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر نازل ہوئی۔آپ کے ایمان لانے پر کفار مکہ بہت سٹپٹائے اور سخت گھبرائے کہ اب ان کی بت پرستی کا کیا بنے گا، تو وہ ابو طالب عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا گیا۔ کفار نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے خداؤں کے بارہ میں کچھ کہنا چھوڑ دیں ہم آپ کے خدا کو کچھ نہ کہیں گے۔ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم میری ایک بات مان لو تو تم سب عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے، وہ یہ کہ لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پر ایمان لے آؤ۔ یہ سنتے ہی کفار غصے سے کھڑے ہو گئے، کہنے لگے: اس نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا لیا ہے بھلا ایک خدا ساری مخلوق کو کیسے سنبھال سکتا ہے؟ (تفسیر بغوی جلد ٦ صفحہ ۴۲)

دراصل کفار عرب نے کئی خدا بنا رکھے تھے کوئی بارش برسانے والا، کوئی اولاد دینے والا، کوئی دشمنوں کو ہلاک کرنے والا وغیرہ۔ جیسا کہ آج ہندوؤں نے ہر کام کے لئے علیحدہ بھگوان اور دیوتا بنا رکھا ہے وہ سمجھتے تھے کہ ایک خدا سارا نظام کائنات نہیں چلا سکتا اسے مددگاروں کی ضرورت ہے اور ان کے دوسرے خدا نظام کائنات کے چلانے میں اللہ کے شریک ہیں اس لئے ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ''اور اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ عجز کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔'' (اسراء:۱۱۱)

شرک کی حقیقت

اس سے شرک کی حقیقت معلوم ہوئی کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو اُس کے نظام اور اس کی قدرتوں میں یوں شریک و دخیل ماننا کہ اس کے بغیر اللہ تدبیر کائنات میں بے بس ہو، یہ شرک ہے۔ اس کو شرک فی القدرۃ، شرک فی التصرف اور شرک فی الاختیار بھی کہا جا سکتا ہے۔ رہا یہ سمجھنا کہ اللہ رب العزت بعض انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کو اختیار دیتا ہے

کہ وہ اہل مصیبت کی باذن اللہ مدد کریں اور وہ جب چاہے ان سے اختیار واپس لے سکتا ہے اور اس نظریہ کے تحت انہیں مدد کے لئے پکارنا، اس کا شرک سے کوئی تعلق نہیں بلکہ حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اجنبی جگہ پر ہو تو اسے تین بار پکارنا چاہیے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو کیونکہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔'' (طبرانی کبیر جلد ۱۷ صفحہ 118 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) امام ہیثمی نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۲)

اس حدیث کو علامہ شوکانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ غیر مرئی مخلوق جیسے ملائکہ اور نیک جن وغیرہ سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ (تحفۃ الذاکرین صفحہ ۱۵۶) حیرت ہے، اگر ملائکہ اور نیک جنات کو مدد کے لیے پکارنا شرک نہیں ہے تو انبیاء و اولیاء کو پکارنا شرک کیسے ہو گیا؟

وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ هٰذَا

اور ان میں سے ایک گروہ (نفرت سے) چل دیا کہ چلو (چھوڑو) اور اپنے خداؤں پر پکے رہو، اس چیز (تبلیغ قرآن) کا

لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۚۖ ﴿۶﴾ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۚۖ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا

کوئی ذاتی مقصد ہے، ہم نے یہ بات آخری ملت میں بھی نہیں سنی۔ یہ محض من گھڑت

اخۡتِلَاقٌ ۚۖ ﴿۷﴾ ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ بَلۡ هُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡ

چیز ہے۔[4] کیا اس شخص پر ہم سب کو چھوڑ کر ذکر اتارا گیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا) بلکہ کفار میرے ذکر کے بارہ میں

ذِکۡرِیۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ﴿۸﴾ ؕ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَةِ رَبِّکَ

شک میں ہیں۔ بلکہ انہوں نے ابھی میرا عذاب نہیں چکھا۔ کیا ان کے قبضہ میں تمہارے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب ہے

الۡعَزِیۡزِ الۡوَهَّابِ ۚ ﴿۹﴾ اَمۡ لَهُمۡ مُّلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا ۟ قف

اور عطا فرمانے والا ہے؟ [5] کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے مابین ہے کی بادشاہی ان کے لیے ہے؟

فَلۡیَرۡتَقُوۡا فِی الۡاَسۡبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنۡدٌ مَّا هُنَالِکَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ﴿۱۱﴾

پھر تو انہیں رسیوں کے ساتھ اوپر چڑھنا چاہیے۔ یہ بھی لشکروں میں سے ایک شکست خوردہ حقیر لشکر ہے،

کَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ﴿۱۲﴾ ۙ وَثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ

ان سے قبل قوم نوح، عاد، میخوں والے فرعون، ثمود،

لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ لۡـَٔیۡکَةِ ؕ اُولٰٓئِکَ الۡاَحۡزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنۡ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ

قوم لوط اور ایکہ والوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ یہ وہ گروہ ہیں جن میں سے ہر کسی نے رسولوں کو جھٹلایا۔ تو ان پر

فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ ع

میرا عذاب ٹھہر گیا[6]۔

[4] کفار عرب کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) نے جو دعوت توحید شروع کی ہے اس میں ان کا کوئی ذاتی سیاسی مقصد ہے۔لہٰذا چھوڑو اسے اور اپنے خداؤں کی عبادت پر پکے رہو اور یہ دعوت ہم نے آخری ملت میں بھی نہیں سنی، اس سے مراد ان کے اپنے باپ دادا ہیں جو گزشتہ لوگوں میں سے آخری نسل تھے یعنی کفار نے کہا یہ بات ہم نے اپنے باپ دادا سے تو نہیں سنی۔ یا اس جگہ الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد نصرانیت ہے یعنی گزشتہ مذاہب میں سے آخری مذہب نصرانیت ہے اور وہ بھی توحید کی بجائے تین خداؤں کی دعوت دیتے ہیں تو یہ دعوت توحید کہاں سے آ گئی؟ آج بعض لوگوں کو اگر کوئی شرعی مسئلہ بتایا جائے تو وہ کہتے ہیں ہم نے یہ مسئلہ پہلے تو کبھی نہیں سنا تھا، کفار مکہ نے بھی جب دعوت توحید سنی تو یہی کہا کہ پہلے تو ہم نے یہ دعوت کبھی نہیں سنی تھی تو کسی شرعی مسئلہ کا پہلے سے نہ سنا ہونا اس کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیا لوگوں نے ساری شریعت پہلے سے سن رکھی ہے؟

[5] کفار مکہ کہتے تھے کہ ہم سب اہل دولت و ثروت کو چھوڑ کر اس شخص (محمد مصطفیٰ ﷺ) پر ذکر یعنی قرآن کیوں اتارا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کفار میرے ذکر (قرآن) کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، وجہ یہ ہے کہ ابھی انہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا اور جب موت آنے پر یہ عذاب چکھیں گے تو انہیں قرآن کی صداقت معلوم ہو جائے گی اور سب شک دور ہو جائے گا مگر اس وقت ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی رحمت کے خزانے ان کفار کے قبضہ میں ہیں کہ جسے چاہیں دیں جسے چاہیں نہ دیں؟ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانے اپنے پیارے رسول کو دیئے ہیں اور انہیں نبوت، کتاب، عظمت اور رحمت سے نوازا ہے تو اس پر کفار کے اعتراض کا کیا معنی ہے؟ یاد رہے اگر اللہ تعالیٰ کسی مالدار یا کسی سردار کو نبوت دیتا تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ اس کی دعوت اس کی دولت اور سرداری کی وجہ سے پھیلی ہے۔مگر اللہ تعالیٰ نے حضور سید کائنات ﷺ کے سر پہ تاج نبوت سجا کر بتایا کہ آپ کی دعوت آپ کی صداقت سے پھیلی ہے آپ کی دولت سے نہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) حضور ﷺ کو رحمت کے خزانے دیئے گئے:

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزائن رحمت دیئے ہیں تو درست کیا ہے کیونکہ ان پر کفار کا نہیں رب غفار کا قبضہ ہے۔اور حدیث ہے: اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ ''مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں۔''

(بخاری کتاب الجہاد باب ۱۲۲، مسلم کتاب المساجد باب ۶، نسائی کتاب الجہاد باب ۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

(۲) آپ کا مقام محبوبیت:

آپ پر اعتراض ہوتا ہے تو آپ کا رب آپ کی طرف سے جواب دیتا اور دفاع کرتا ہے۔

(۳) حسد کی بُرائی:

کفار نے کہا ہم سب کو چھوڑ کر اس شخص پر ذکر کیوں اتارا گیا، گویا انہوں نے حسد کیا اور کفر میں بڑھ کر دائمی جہنم کے مستحق بن گئے۔ اللہ حسد سے بچائے۔

[6] یعنی کیا آسمان وزمین کی بادشاہی کفار کے پاس ہے؟ نہیں، اللہ کے پاس ہے اگر ان کے پاس ہے تو پھر انہیں اسباب و وسائل اختیار کر کے آسمان میں چڑھنا چاہئے تا کہ وہ وہاں سے رحمت اور کتاب لے آئیں مگر وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتے بلکہ وہ ایک شکست خوردہ حقیر لشکر ہے جو جلد ذلت سے دوچار ہوگا (چنانچہ بدر میں یہ وعدۂ شکست پورا ہو گیا) اور ان جیسی کئی منکر قومیں پہلے گزری ہیں جیسے قوم نوح علیہ السلام، قوم عاد، میخوں والا فرعون، قوم ثمود، قوم لوط علیہ السلام اور ایکہ والے (یعنی قوم شعیب علیہ السلام) ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر اللہ کا عذاب واقع ہو گیا۔ اس میں تا قیامت اسلام دشمن قوتوں کے لئے وارننگ ہے کہ وہ اس روش سے باز رہیں ورنہ ان جیسی قومیں ہمیشہ سے ہلاک ہوتی آئی ہیں اور دور حاضر کی اسلام دشمن مغربی طاقتوں کا بھی یہی انجام دکھائی دے رہا ہے۔ فرعون کو میخوں والا اس لئے کہا گیا کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں پاؤں میں میخیں گڑوا دیتا اور انہیں تڑپ تڑپ کر مرنے پر مجبور کر دیتا تھا مگر اس کی قوت اسے بچا نہ سکی اور ظلم ہمیشہ نہیں چل سکتا۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا

اور یہ کفار صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جس میں کوئی وقفہ نہ ہو گا [7] اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ

ہمارا حصہ جلد دے دے، یوم حساب سے قبل۔ اے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کی باتوں پر صبر رکھیں اور ہمارے قوت والے

عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ

بندے داؤد کو یاد کریں۔ [8] وہ (ہمارے سامنے) جھکنے والا تھا، ہم نے پہاڑ اس کے تابع کر دیے تھے کہ اس کے ساتھ شام

بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا

اور دن چڑھے تسبیح کہیں۔ اور پرندے اس کے گرد جمع کر دیے گئے تھے سب اس کی اطاعت کرتے تھے۔ [9] اور ہم نے اس کا

مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

ملک مضبوط کیا اور اسے حکمت اور دوٹوک بات کہنے کا طریقہ دیا۔ [10]

حضرت داؤد علیہ السلام پر انعامات الٰہیہ کا بیان

[7] یعنی جب کفار کو گزشتہ اقوام کی تباہی سے عبرت دلائی جا رہی ہے مگر وہ عبرت نہیں پکڑتے تو پھر وہ اس چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو کسی وقفہ کے بغیر مسلسل چلے گی، یعنی جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو اس کی آواز حدیث کے مطابق پہلے مدہم ہو گی جسے سن کر لوگ تعجب کریں گے پھر وہ آہستہ آہستہ تیز ہوتی جائے گی پھر اس قدر بلند ہو گی کہ لوگ دیوانوں کی طرح بھاگنے لگیں گے۔ قرآن مجید میں ہے: وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى. ''تم لوگوں کو دیوانے دیکھو گے اور وہ دیوانے نہ ہوں گے۔'' (حج:۲) پھر اس کی دہشت سے آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ یعنی کفار قیام قیامت کا انتظار کر رہے ہیں تب وہ ایمان لائیں گے مگر اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہو گا۔

[8] کفار مکہ نے قیامت کے بارے میں ازراہِ تمسخر کہا اے ہمارے رب جس عذاب آخرت کا تو ہم سے وعدہ کر رہا ہے وہ ہمیں دنیا میں دے دے، جیسے انہوں نے کہا تھا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے سچی کتاب ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے (انفال:۳۲) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول! آپ کفار کے اس تمسخر اور انکار پر صبر رکھیں اور ہمارے قوت والے بندے داؤد علیہ السلام کو یاد کریں کہ وہ ہماری بارگاہ میں بہت جھکنے والے تھے۔ اس

کے باوجود یہود نے انہیں جادوگر، شہوت پرست اور قاتل قرار دیا (معاذ اللہ) مگر داؤد علیہ السلام نے صبر کیا تو آپ بھی صبر کریں۔ ذَا الْاَيْدِ کا معنی قوت والا ہے جیسے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ۔ ''ہم نے آسمان کو قوت سے بنایا۔'' (ذاریات: ۴۷) حضرت داؤد علیہ السلام کو قوت والا اس لئے کہا گیا کہ وہ ایک قوی حکومت کے فرماں روا تھے اور وہ عبادت میں بھی بہت قوی تھے اسی لئے کہا گیا: اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکالیف پر صبر کی اہمیت:

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ہر نبی کو برے الزامات کے ذریعے ذہنی صدمات پہنچائے گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جادوگر، کاہن، مجنون اور شاعر کہا گیا، مگر سب انبیاء نے صبر سے کام لیا۔ صبر سے مصیبت کی تکلیف گھٹتی اور اجر بڑھتا ہے اور بے صبری سے تکلیف بڑھتی اور اجر گھٹتا ہے۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کی کثرت عبادت:

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ کہہ کر آپ کی کثرت عبادت بتائی گئی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا ہے وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے تھے اور سب سے پسندیدہ نماز بھی ان کی ہے وہ آدھی رات سوتے، پھر تہائی رات عبادت کرتے اور آخر میں پھر کچھ سو لیتے۔''

(ابن ماجہ کتاب الصیام باب ۳۱)

[9] حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت آواز دی تھی جب آپ اپنی پیاری آواز کے ساتھ شام کو اور دن چڑھے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کہتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح کہتے اور آپ ان کی تسبیح سنتے اور پرندے آپ کی آواز پر آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور وہ آپ کا ہر حکم بجا لاتے تھے۔

یہاں سے نماز اشراق کی فضیلت معلوم ہوئی

کیونکہ دن چڑھے تسبیح کہنے کو حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت بتائی گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب دن خوب چڑھ آتا تو اشراق کی نماز پڑھتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نماز فجر پڑھی پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہا تا آنکہ سورج بلند ہو گیا پھر اس نے دو رکعت (نیت نماز اشراق) پڑھیں تو وہ اس کے لئے ایک حج اور ایک عمرہ کے برابر ہیں۔'' (ترمذی کتاب الجمعہ باب ۵۹ حدیث ۵۸۶) نماز اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد سے لے کر زوال سے قبل تک ہے۔

[10] چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت انسانوں کے علاوہ پرندوں، جانوروں اور جنات پر بھی تھی۔ اور انہیں حکمت (یعنی نبوت) اور فیصلہ کن بات کہنے کا سلیقہ بھی دیا گیا چنانچہ آپ اعلیٰ پایہ کے خطیب تھے اور حمد و ثناء کے بعد اما بعد کہنے کا بھی آپ نے آغاز کیا۔

وقف لازم

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝۲۱ لا اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى

اور کیا آپ کے پاس ان جھگڑا کرنے والوں کی خبر آئی ہے جب وہ دیوار پھلانگ کر محراب میں آ گئے، جب وہ داود (علیہ السلام) پر

دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ج خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ

داخل ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے، انہوں نے کہا ڈرو نہیں۔ ہم دو فریق ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝۲۲ اِنَّ

زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان حق کا فیصلہ کریں اور حق سے نہ ہٹیں اور ہمیں سیدھے راستہ کی راہنمائی کریں (ان میں سے

هٰذَآ اَخِيْ قف لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ قف فَقَالَ

ایک نے کہا) یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے اس نے مجھے کہا

اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝۲۳ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ

یہ دنبی مجھے دے دو اور گفتگو میں مجھ پر دباؤ ڈالا [11] داود نے کہا اس نے تم پر زیادتی کی کہ تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ

اِلٰى نِعَاجِهٖ ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا

ملانے کا سوال کیا اور کئی شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ سوا ان کے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ط وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا

جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں۔ اور وہ بہت ہی کم ہیں۔ اسی حال میں داود (علیہ السلام) سمجھ گئے

السجدۃ ۱۰

فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ۝۲۴ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَاِنَّ لَهٗ

کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے تو وہ اپنے رب سے بخشش مانگنے لگے اور وہ سجدے میں گر گئے اور رجوع لائے،

عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۲۵ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ

تب ہم نے ان کی یہ خطا بخش دی اور انہیں ہمارے ہاں قرب اور بہتر مقام حاصل ہے [12]۔ اے داود (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین میں

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ

خلیفہ بنایا ہے تو آپ لوگوں کے مابین حق کا فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، ورنہ یہ چیز آپ کو اللہ کی راہ سے

اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا

ہٹا دے گی بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ

نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

روز حساب کو بھول گئے۔ [13]

[11] ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام سے ایک معمولی خطاء ہوئی جو خلافِ اولیٰ کے زمرہ میں تھی وہ یہ کہ آپ کی ننانویں بیویاں تھیں۔ آپ کے ایک ساتھی اوریا نامی شخص کی بیوی حسن و جمال فہم وفراست اور علم وتدبر میں بہت باکمال تھی، آپ نے چاہا کہ اگر وہ اسے طلاق دے دے تو آپ اس سے نکاح کرلیں اور کہا گیا ہے کہ وہ عورت بھی کسی گھریلو وجہ سے اس سے آزادی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے اس شخص سے کہا اگر تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو میں اس سے نکاح کرسکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ عمل ناپسند آیا۔ آپ اپنے محراب (مقام عبادت) میں محوِ عبادت تھے کہ دو فرشتے انسانی شکل میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، آپ گھبرا گئے کہ یہ بند دروازے سے اندر کیسے آگئے ہیں؟ انہوں نے کہا آپ گھبرائیں نہیں، ہم آپ سے فیصلہ کروانے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا یہ میرا بھائی (ساتھی) ہے اس کی ننانویں دنبیاں (بکریاں) ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے یہ مجھ سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ میں اپنی دنبی اسے دے دوں۔

[12] حضرت داوٗد علیہ السلام نے بات سن کر فرمایا کہ تمہارے ساتھی نے تم سے تمہاری دنبی کا مطالبہ کر کے تم سے زیادتی کی ہے اور کئی شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کر جاتے ہیں مگر ایمان اور حسن عمل والے لوگ ایسا نہیں کرتے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ یہ کہتے ہی حضرت داوٗد علیہ السلام کو احساس ہوگیا کہ یہ سارا معاملہ خود آپ پر صادق آرہا ہے تو آپ فوراً سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے لگے۔ روایات کے مطابق آپ بہت روئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خطاء معاف فرمائی اور آپ کو مزید قرب اور بلند مرتبہ عطا فرما دیا۔ اور انبیاء سے کسی خلافِ اولیٰ کام (کہ جس کا نہ کرنا بہتر ہے اور کرنا گناہ نہیں ہے) کا صدور اسی لئے کروایا جاتا ہے تا کہ وہ اللہ کی طرف مزید جھکیں اور انہیں مزید بلندی درجات ملے۔

تورات میں حضرت داوٗد علیہ السلام کی ذات پہ غلیظ الزامات

اس جگہ یہود نے بائبل میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارہ میں اس قدر غلاظت بھری ہے کہ الامان۔ انہوں نے جو

کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ داؤد (علیہ السلام) نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نہارہی تھی۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔ داؤد (علیہ السلام) نے اسے بلایا اور اس سے (معاذ اللہ) برائی کی اور وہ حاملہ ہوگئی تب داؤد نے اس کے شوہر کو مروانا چاہا تو اسے ایک محاذ جنگ پر بھیج دیا اور امیر لشکر کو خط لکھا اور کہا کہ اسے اگلی صف میں کھڑا کر دیوں وہ مارا گیا، پھر عدت گزرنے پر داؤد (علیہ السلام) نے اس عورت سے نکاح کر لیا۔ اس سے سلیمان (علیہ السلام) کی ولادت ہوئی۔ خدا کو داؤد (علیہ السلام) کا یہ عمل پسند نہ آیا اور کہا اے داؤد! میں نے تمہیں حکومت دی مگر تم نے بدی کی اور ایک شخص کو مروا کر اس کی بیوی لے لی، اب میں تیری بیویاں تیرے ہمسائے کو دوں گا اور وہ دن دھاڑے تمہارے سامنے ان سے صحبت کرے گا۔

(بائبل کتاب سموئیل باب ۱۱ آیت ۲ تا باب ۱۲ آیت ۱۲)

یہود کا بیان کردہ یہ قصہ اس قدر غلیظ ہے کہ اللہ کے ایک نبی کی طرف اس کی نسبت کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے پھر مقام افسوس ہے کہ یہود سے سن کر اسی مفہوم کی اسرائیلی روایات کتب تفسیر میں آ گئیں۔ اسی مضمون کی ایک اسرائیلی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: داؤد علیہ السلام نے ایک عورت کو دیکھا تو اس سے نکاح کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے اس کے شوہر کو جنگ پر بھیج دیا اور امیر لشکر کو حکم دیا کہ اسے تابوت سے آگے کھڑا کر دیوں وہ شخص شہید ہوگیا۔ تب دو فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے وہ ساری بات کہی (جو قرآن میں مذکور ہے) تب داؤد علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور اتنا روئے کہ آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی اور آپ کی پیشانی کو زمین نے کھا لیا تب آپ پر جبرائیل علیہ السلام اترے اور خطاء کی معافی کی خبر سنائی۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۵۷۴ حدیث ۲۹۸۵۹)

مگر اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے اس کا مرکزی راوی جس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی، وہ یزید رقاشی ہے، امام شعبہ فرماتے ہیں اگر مجھ پر زنا کا الزام آئے تو وہ اس سے آسان تر ہے کہ مجھ پر یزید رقاشی سے روایت لینے کا الزام آئے، امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۹۶ راوی ۸۸۶۴) اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارہ میں قصہ خوانوں کا یہ قصہ بیان کرے میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا (یعنی دوہری حد قذف) اور یہ انبیاء پر قذف کرنے کی سزا ہے۔ (تفسیر خازن جلد ۶ صفحہ ۴۹)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سارا قصہ من گھڑت ہے اور قرآن کے الفاظ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے تقاضا کیا تھا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے تا کہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عمل پسند نہ آیا اور فرشتوں کے ذریعے آپ کو خوبصورت انداز میں تنبیہ فرما دی۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعدد ازواج پر اعتراض کا جواب:

یہود ونصاری حضور ﷺ کی نو یا گیارہ ازواج پر اعتراض کرتے ہیں۔کیا انہیں حضرت داوٗد علیہ السلام کی ننانویں بیویاں نظر نہیں آتیں؟ پھر تورات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔
(تورات کتاب سلاطین باب ۱۱ آیت ۳ ص ۳۴۰ مطبوعہ بائیبل سوسائیٹی انارکلی لاہور)

(۲) بزرگوں کی خطا پر انہیں ادب سے آگاہ کرنا چاہیے:

حضرت داوٗد علیہ السلام کے ایک خلافِ اولیٰ کام پر متنبہ کرنے کے لئے دو فرشتے اُترے اور انہیں اس انداز میں معاملہ پیش کیا کہ آپ کے احترام میں فرق نہ آئے اور آپ متنبہ بھی ہو جائیں۔گویا اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کا احترام سکھاتا ہے۔

(۳) مقربین کی معمولی خطاء پر بڑی پکڑ آتی ہے:

حضرت داوٗد علیہ السلام کی خطا خلافِ اولیٰ کے زمرہ میں ہے مگر آپ نے اس کی بخشش کے لئے طویل عرصہ استغفار اور گریہ وزاری فرمائی، تب اللہ تعالیٰ نے خطا معاف فرمائی۔اسی لئے کہا جاتا ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین۔

[13] یعنی اے داوٗد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلافت (حکومت) دی ہے لہٰذا آپ لوگوں میں عادلانہ فیصلہ کریں کیونکہ جو لوگ غیر عادلانہ فیصلے کرتے ہیں وہ راہِ حق سے بھٹک جاتے ہیں اور ان کے لئے عذاب شدید ہے کیونکہ وہ روز حساب کو بھول گئے۔

اس سے عدل کی اہمیت اور ناانصافی کی بُرائی معلوم ہوئی۔چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت اللہ کے ہاں سب سے محبوب اور مقرب انسان عادل حاکم ہوگا اور سب سے بڑھ کر قابلِ نفرت اور راندۂ درگاہ انسان ظالم حاکم ہوگا۔'' (ترمذی کتاب الاحکام باب ۴)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ط ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے بیکار نہیں بنایا، یہ کافروں کا گمان ہے، تو کفر کرنے والوں کے لئے

كَفَرُوْا ج فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

آگ کی ہلاکت ہے [14] کیا ہم ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو زمین میں

الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح بنا دیں گے؟ (ہرگز نہیں) [15]

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

یہ وہ مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تا کہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل والے نصیحت پکڑیں [16]

یہ کائنات بیکار نہیں بنائی گئی

[14] گزشتہ رکوع میں قصۂ داؤد علیہ السلام بیان کر کے عقیدۂ نبوت پر روشنی ڈالی گئی اب عقیدہ آخرت بیان کیا جا رہا ہے کہ منکرینِ آخرت کے خیال میں یہ کائنات بیکار بنائی گئی ہے بس یونہی انسان پیدا ہوتے اور مر جاتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کافروں کا غلط گمان ہے اور ان کے لئے نار جہنم کی ہلاکت تیار ہے، یہ کائنات بیکار نہیں بنائی گئی اس کا عظیم مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان کا شامیانہ لگایا، پھر زمین کا بچھونا بچھایا، پھر اسے شمس و قمر کے چراغوں سے پُرنور بنایا، پھر اس گھر میں انسان کو بسایا اور اس کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرما کر اسے راستۂ حق دکھایا۔ کہ اگر وہ راہ حق پر چلے تو مرنے کے بعد قیامت میں حقدار جنت بنے اور اگر اپنے خالق و مالک سے انکار کرے تو مستحقِ نار ٹھہرے۔ تعجب ہے کہ منکرینِ آخرت خود تو ایک قدم بھی بیکار نہیں اٹھانا چاہتے اور اللہ کے بارہ میں سمجھتے ہیں کہ اس نے اتنی بڑی کائنات بیکار بنا دی۔

[15] اگر قیامت نہیں آنے والی، بلکہ یہ سلسلۂ زندگانی اسی طرح ہمیشہ کے لئے چلتا رہے گا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ ایمان اور حسن عمل والے لوگوں اور زمین میں فساد پھیلانے والے انسانوں کا انجام ایک ہی جیسا ہو گا اسی طرح پرہیزگار اور بدکار لوگ سب ایک جیسے ہو گئے، یہ کیسے جائز ہے؟ ضروری ہے کہ ایک دن ایسا آئے جب کائنات کے خالق پر ایمان لانے اور اس کے حکم پر عمل صالح کرنے والوں کو جزا اور کفر و بدعملی کے ذریعے زمین میں فساد پھیلانے والوں کو سزا

دی جائے۔ایک شخص دنیا میں دوسروں پر ظلم کرتا رہا دوسرے اس کا ظلم سہتے رہے اب کیا عدل کا یہی تقاضا ہے کہ مرنے کے بعد دونوں کا انجام ایک جیسا ہو جائے؟ ہرگز نہیں۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ط سے معلوم ہوا کائنات کی کوئی چیز بیکار نہیں بنی، ہر چیز کا مقصد ہے۔حتیٰ کہ کفر اور کافرین کی تخلیق کا بھی مقصد ہے۔اگر کفر نہ ہو تو ایمان کی حقیقت کیسے واضح ہو یعنی اگر بدبو نہ ہو تو خوشبو کی عظمت کیسے معلوم ہو، اندھیرا نہ ہو تو روشنی کی قدر کون جانے؟

[16] جب تخلیق کائنات کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس کی اطاعت بجا لائے تو اس مقصد کے لئے قرآن اتارا گیا ہے جو برکت والی کتاب ہے۔عقل والوں کو چاہیے کہ اس کی آیات میں غور کر کے نصیحت و عبرت پکڑیں۔قرآن ہر لحاظ سے بابرکت کتاب ہے۔اس کی تلاوت سے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، جس کھانے پر اسے پڑھا جائے وہ بابرکت ہو جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت کی کامیابی ملتی ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ط نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) جیسا فرزند دیا سلیمان (علیہ السلام) کیا ہی اچھے بندے ہیں بے شک وہ رجوع لانے والے ہیں[17]

بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ

یاد کرو جب ان پہ تیسرے پہر تین پاؤں پہ کھڑے ہونیوالے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے کہنے لگے مجھے مال کی محبت اپنے

رَبِّيْ ج حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ط فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ

رب کی یاد کیلیے پسند آئی، حتی کہ گھوڑے روپوش ہوگئے، انہیں مجھ پہ لوٹا لاؤ تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پہ

وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ہاتھ پھیرنے لگے[18]۔

[17] حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک عظمت یہ بھی ہے کہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا نبی بیٹا دیا گیا۔معلوم ہوا نیک اولاد والدین کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث عظمت ہے۔

[18] امام فخر الدین رازی، امام قرطبی اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ان آیات کی بہتر تفسیر وہ ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہاد کے لئے تیار کئے جانے والے تیز رفتار صف بستہ گھوڑے پیش کئے گئے، انہیں دیکھ کر آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا اے اللہ! میں نے تیری یاد ہی میں (جہاد کے لئے) اس مال سے محبت کی ہے، وہ گھوڑے آپ کے سامنے سے گزرتے گئے حتیٰ کہ آڑ میں چلے گئے یعنی نظروں سے

اوجھل ہو گئے، آپ نے فرمایا انہیں واپس لاؤ، تو انہیں واپس لایا گیا۔ تب آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵۷۹ حدیث ۲۹۸۹۲) امام ابن جریر طبری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہا: یہ تفسیر الفاظ قرآن سے بہت قریب تر ہے۔

ایک غلط تفسیر کی تردید

جبکہ اس کی دوسری تفسیر اسرائیلی روایات کے مطابق یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر صف بستہ تیز رو گھوڑے پیش کئے گئے آپ ان کے دیکھنے میں اس قدر مگن ہوئے کہ سورج آڑ میں چھپ گیا (غروب ہو گیا) اور آپ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ آپ نے غصے میں فرمایا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ کہ ان کی وجہ سے میں اپنے رب کے ذکر سے غافل ہو گیا ہوں۔ تب آپ تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حکومتی خزانہ میں ایک ہزار تیز رو گھوڑے ملے۔ آپ ان کے دیکھنے میں اس قدر مگن ہوئے کہ نماز عصر رہ گئی، آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ نو سو گھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹ ڈالیں باقی صرف ایک سو گھوڑا رہ گیا۔ اور آج دنیا کے تمام گھوڑے انہی سو گھوڑوں کی نسل سے ہیں۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۵۴)

مگر یہ تفسیر الفاظ قرآن کے خلاف ہے مثلاً الفاظ قرآن میں کہیں نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز فوت ہو گئی، پھر تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ کی ضمیر ھی کا مرجع شمس کو بنایا گیا حالانکہ یہاں شمس کا کوئی لفظ نہیں جبکہ اس سے قبل الصّٰفِنٰتُ الۡجِیَادُ صف بستہ تیز رو گھوڑوں کا ذکر ہے تو کیوں نہ اسے مرجع مانا جائے؟ پھر فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ میں مَسۡحًا کا معنی قطعاً کرنا بھی ناقابل فہم ہے۔ علاوہ ازیں بے زبان و بے گناہ گھوڑوں کے ہلاک کرنے کا کیا مطلب؟ کیا اللہ کا نبی سرکاری خزانے کو یوں برباد کرتا ہے؟

جہاد کے لئے گھوڑے پالنے کی فضیلت

جیسا کہ اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ ۚ سے ظاہر ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے ایمان و اخلاص کے ساتھ جہاد کے لئے گھوڑا پالا تو اس کا کھانا پینا بلکہ اس کی لید اور پیشاب بھی روز قیامت اس شخص کے نیکی والے پلے میں رکھ دیا جائے گا (یعنی ہر چیز کے وزن کے بدلے نیکی ملے گی۔)“ (بخاری کتاب الجہاد باب ۴۵ صفحہ ۲۸۵۳)

یاد رہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جب گھوڑا ہی جہاد کی سب سے اہم سواری تھا، اب ٹینکوں توپوں آبدوزوں اور جنگی طیاروں کا زمانہ ہے تو آج کفار کے خلاف گھوڑے پالنے کا ثواب ان چیزوں کی تیاری میں مل سکتا ہے۔ بلکہ آج کفار کے مقابلہ میں ایٹمی پاور کا حاصل کرنا مسلم حکومتوں پر لازم ہے۔ آج بھارت کو پاکستان پر حملہ کرنے کی جرأت اس لیے نہیں

ہو رہی کہ اسکے پاس ایٹمی پاور ہے اگر یہ نہ ہوتی تو وہ پاکستان پر کب کا حملہ کر چکا ہوتا۔ عراق کو تباہ کرنے سے قبل امریکہ نے اسرائیل کے ہاتھوں عراق کا ایٹمی پلانٹ تباہ کیا اگر عراق ایٹمی پاور حاصل کر لیتا تو امریکہ کو اس پہ حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝۳۴

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کی کرسی پہ ایک بیجان جسم ڈالدیا، تب وہ رجوع لائے [19]

[19] اس کی بہترین تفسیر اس حدیث صحیح سے ہوتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بار کہا میں آج رات (یعنی آج رات سے شروع ہو کر) اپنی نوے بیویوں کے پاس جاؤں گا تا کہ ہر بیوی سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا مجاہد پیدا ہو، مگر آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ چنانچہ آپ سب بیویوں کے پاس گئے مگر کسی بیوی کو حمل نہ ہوا، صرف ایک بیوی نے آدھا بچہ (بے روح جسم) جنا (جو آپ کی کرسی پر ڈالا گیا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آپ ان شاء اللہ کہتے تو سب بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ۲۳ حدیث ۲۸۱۹، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵، نسائی کتاب الایمان باب ۴۰)

تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے سلیمان کو آزمائش میں ڈالا کہ وہ ان شاء اللہ نہ کہہ سکے، تو ہم نے ان کی کرسی پر ایک بے جان بچہ ڈالا۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر اللہ سے بخشش مانگنے لگے، اس سے ان شاء اللہ کہنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝۲۳ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ‘‘اور کسی چیز کے بارہ میں مت کہو کہ میں اسے کل کروں گا مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہو۔’’ (کہف: ۲۳)

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو غیر معمولی جسمانی طاقت وصحت دی جاتی ہے کہ وہ سو بیویوں کے جسمانی حقوق بھی ادا کر سکتے ہیں۔ ابھی گزشتہ رکوع میں گزرا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانویں بیویاں تھیں گویا وہ ہر بیوی کے جسمانی حقوق پورے کرتے تھے۔ اس لئے حدیث نبوی ہے کہ مجھے چالیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۵) اس کے باوجود انبیاء کا تقویٰ وطہارت ان کے زہد وورع کی اعلیٰ دلیل ہے۔

بعض اسرائیلی روایات کی تردید

اس آیت کی تفسیر میں بعض اسرائیلی روایات بھی ہیں کہ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا سے یہ مراد ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر شیطان نے قبضہ کر لیا جو بے جان جسد ہے۔ اس نے کسی طرح آپ کی وہ انگوٹھی چرالی جس کی طاقت سے آپ کی حکومت قائم تھی، یوں وہ آپ کا مکمل روپ دھار کر آپ کے اقتدار پر قابض ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ چالیس دن تک

آپ کی بیویوں سے جماع کرتا رہا (معاذ اللہ) اور سلیمان علیہ السلام بے یار و مددگار پھرتے رہے۔ جب آپ کہتے کہ اصل سلیمان بن داؤد میں ہوں تو لوگ مذاق کرتے۔ آخر شیطان کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی سمندر میں گر گئی جو ایک مچھلی نے نگل لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مچھیروں کے پاس کام کرنے لگے تھے یوں وہ مچھلی حضرت سلیمان کے ہاتھ لگی تو آپ کو اس کے اندر سے اپنی انگوٹھی مل گئی جس کے ملتے ہی شیطان بھاگ اٹھا اور آپ واپس اپنے اقتدار پر قابض ہوئے۔

یہ واقعہ بغوی، خازن، ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری نے ابن عباس، قتادہ اور وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، مگر یہ مکمل غلط اور اسرائیلی روایت ہے اس کے رد میں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ شیطان کا انبیاء کی صورت میں آنا محال ہے۔ (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۱) اور امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں اگر یہ ممکن ہو تو انبیاء کی تعلیمات کا اعتبار نہ رہے، یعنی یہ کیسے یقین کیا جائے کہ یہ بات کہنے والا نبی ہے یا شیطان (معاذ اللہ) پھر شیطان کا ازواج سلیمان علیہ السلام پر قابض ہونا سخت دل آزاری والی اور حکمتِ الٰہیہ کے خلاف بات ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۹۳)

اسی طرح اس آیت کے تحت طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نومولود بچے کو جنات کے سپرد کیا تاکہ وہ موت سے محفوظ رہے۔ انہوں نے بچے کو بادلوں میں چھپنک دیا مگر ملک الموت نے اسے وہاں سے جا ڈھونڈا اور مار کر سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا مگر یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ اس کے راوی یحییٰ بن کثیر کو تمام ائمہ رجال نے متروک قرار دیا ہے۔ (حاشیہ طبرانی) لہٰذا اس آیت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم ابتداء میں بخاری، مسلم اور نسائی کی روایت صحیحہ سے لکھ چکے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ
کہنے لگے اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بیشک
اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۳۵ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ۝۳۶ۙ
تو ہی عطا فرمانے والا ہے تو ہم نے ہوا ان کے تابع کردی جو ان کے حکم سے خراماں خراماں چلتی تھی جدھر وہ چاہتے۔
وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝۳۷ۙ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝۳۸
اور جنات تابع کر دیے جو ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور تھے اور دوسرے بیڑیوں میں جکڑے ہوئے
هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۳۹ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی
یہ میری عطاہے، تو احسان کرو یاروک لو کوئی حساب نہیں اور ان کو ہمارے ہاں یقینا قرب
وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۰ ع
اور بہتر مقام حاصل ہے۔[20]

ع ۱۲ ۳

[20] حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی دوسرے بادشاہ کو نہ ملے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ہوا ان کے تابع کردی جو آپ کے حکم سے آپ کا تخت اُڑا کر وہاں لے جاتی جہاں آپ چاہتے اور عمارتیں بنانے والے اور سمندروں میں غوطہ زنی کرنے والے جنات آپ کے تابع کردیئے اور آپ جنات کو ان کی سرکشی پر زنجیروں سے باندھ دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے سلیمان! یہ ہماری عطاء ہے اب تم ہمارے خزانوں میں سے جس کو جو چاہو دو یا روک لو کوئی حساب نہیں یا جس شیطان جن کو چاہو چھوڑ دو یا روکے رکھو آپ کی مرضی۔ اس طرح سلیمان علیہ السلام کو اللہ کے ہاں بڑا قرب اور عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک نبی کی بجائے ایک بڑے جادوگر بادشاہ کے طور پر پیش کرتے اور مانتے ہیں۔ گویا اگر قرآن نہ آتا تو کئی انبیاء کی نبوت واضح نہ ہو پاتی اور ان کی سیرت مسخ شدہ رہتی جیسے حضرت داؤد، سلیمان، اسماعیل اور لوط علیہم السلام۔

سلطنتِ سلیمان علیہ السلام اور سلطنت سیاح لامکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق

یاد رہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمانا کہ اے اللہ! مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی کو نہ ملے، یہ بادشاہوں کے حوالے سے ہے یعنی میرے بعد کسی بادشاہ کو ایسی حکومت نہ ملے۔ جبکہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حکومت وسلطنت

دی گئی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بہت بڑھ کر ہے۔ سلیمان علیہ السلام کا تخت زمین ہی پہ اُڑتا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا براق ساتوں آسمانوں کو طے کر گیا، تو کہاں سلیمان علیہ السلام کی سیر زمینی اور کہاں صاحب معراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیر لامکانی۔ آپ کے حکم سے سورج پھر جاتا اور چاند چر جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میرے دو وزیر زمین میں ہیں دو آسمان میں۔
(ترمذی کتاب المناقب باب ۱۶)

گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت زمین کے کچھ حصہ پر ہے اور سید المرسلین کی حکومت فرش وعرش پر ہے، مگر اتنی عظمت کے باوجود آپ نے ازخود فقر اختیار فرمایا: آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے مَلک (بادشاہ) رسول یا عبد رسول بننے کا اختیار دیا گیا تو میں نے عبد رسول بننا پسند کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ حدیث ۵۲۹) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ نے فقر اختیار فرمایا تو آپ بھی تخت پر بیٹھ کر ہواؤں میں اڑتے اور جنات کو ستونوں سے باندھتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آج رات مجھ پر ایک بڑے جن نے نماز میں حملہ کیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم صبح اسے دیکھ لو، مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی کہ اے اللہ! مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی کو نہ ملے تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔'' (بخاری کتاب التوحید باب ۳۷) گویا جو چیز حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کریں جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے

وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ؕ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا

تکلیف اور ایذاء پہنچائی ہے۔ (کہا گیا) اپنا پاؤں زمین پہ مارو یہ ٹھنڈا چشمہ ہے یہ نہانے اور پینے کے لیے ہے [21] اور ہم نے

لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ

انہیں ان کے اہل خانہ دیدیے اور اتنے اور بھی یہ ہماری رحمت ہے اور عقل والوں کے لیے نصیحت [22]۔ اور

بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ

اپنے ہاتھ میں جھاڑو پکڑو اور اسے ماردو اور قسم نہ توڑو بیشک ہم نے ان کو صابر پایا، ایوب کیا ہی اچھے

الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

بندے ہیں، وہ رجوع والے ہیں [23]

حضرت ایوب اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک

[21] حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ 1500 قبل مسیح ہے آپ شام کی ایک بستی میں بھیجے گئے۔ آپ کا نسب یہ ہے ایوب بن آحوص بن رازح بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام)، آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی اولاد سے تھیں، آپ کی بیوی رحمۃ بنت افراثیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق علیہم السلام تھیں۔ آپ پر صرف تین آدمی اسلام لائے آپ کی عمر 93 برس تھی۔ (روح البیان جلد ۸ صفحہ ۴۰) دمشق کے قریب ایک بستی نوئی میں آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے یہیں ایک چٹان ہے جس پر آپ نے اپنی آزمائش کے سات برس گزارے اور وہ چشمہ بھی ہے جو آپ کے زمین پر پاؤں مارنے سے پیدا ہوا اور اس سے غسل کرکے آپ صحت یاب ہوئے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۳۱۳ مطبوعہ لاہور)

صبر ایوب علیہ السلام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شیطان نے کہا اے اللہ! تیرا بندہ ایوب اس لئے تیری عبادت بکثرت کرتا ہے کہ تم نے اسے بہت سی اولاد و اموال سے نوازا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات نہیں۔ اگر اس کے پاس

اولاد و اموال نہ رہیں تو وہ پھر بھی ہماری عبادت میں کمی نہ لائے گا تو شیطان کو اختیار دیا گیا کہ ان کے اموال و اولاد کو تباہ کر دے۔ چنانچہ اس نے ان کے اونٹ، گائیں اور کھیتی سب کو برباد کر دیا مگر آپ ہر حال میں صبر و شکر ادا کرتے رہے۔ پھر اس نے آپ کے سات بچوں پر مکان کی چھت گرا دی اور انہیں ہلاک کر دیا آپ نے یہ خبر سنی تو اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لائے۔ شیطان یہ دیکھ کر افسوس سے چیخنے چلانے لگا۔ پھر اس نے آپ کے قدموں میں پھونکا، تو آپ کے جسم پر چھالے نکل آئے مگر آپ کے صبر میں فرق نہ آیا۔ اسی حالت میں سات برس گزر گئے آخر آپ نے مرضی مولیٰ پا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ تب آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور ایک جگہ لے گئے، پھر کہا یہاں آپ پاؤں ماریں۔ آپ نے پاؤں مارا تو اس سے چشمہ ابل پڑا آپ نے اس سے غسل کیا پھر ایک اور جگہ لے جا کر کہا کہ یہاں پاؤں ماریں۔ آپ نے مارا تو اس سے ایک اور چشمہ نکل آیا، کہا اس سے پئیں۔ آپ نے پیا تو سب بیماری جاتی رہی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۴۵ حدیث ۱۸۳۶۰)

[22] بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے زندہ کر دیئے گئے اور سات بیٹے مزید عطا فرمائے گئے (ابن ابی حاتم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایوب علیہ السلام (صحت کے بعد) نہا رہے تھے کہ آپ پر سونے کی مکڑی گری پھر سونے کی مکڑیاں بارش کی طرح برسنے لگیں آپ انہیں کپڑے میں لپیٹنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا اے ایوب! کیا تم سیر نہیں ہوئے؟ آپ نے عرض کیا اے میرے رب! تیری رحمت سے کون بے نیاز ہو سکتا ہے۔ (بخاری کتاب الانبیاء حدیث ۳۳۹۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت، مال اور اولاد سب کچھ لوٹا دیا۔

[23] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابلیس حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی سے طبیب حاذق کی صورت میں ملا۔ انہوں نے اس سے ایوب علیہ السلام کی بیماری کے لئے دوا طلب کی۔ اس نے کہا میری دوا کی قیمت صرف یہ ہے کہ ایوب مجھے کہہ دے: تم نے مجھے شفا دی ہے۔ بیوی نے آپ سے آ کر کہا کہ ایسا کر لینے میں کیا حرج ہے؟ آپ کو غصہ آیا آپ نے فرمایا بخدا جب اللہ مجھے صحت دے گا تو میں تمہیں ضرور سو کوڑے ماروں گا۔ جب آپ شفا یاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایوب! تم اپنی قسم نہ توڑو بلکہ اسے یوں پورا کر لو کہ سو تنکوں والا جھاڑو لے کر اس سے ایک بار بیوی کو مار لو، یوں سو کوڑے مارنے کی قسم پوری ہو جائے گی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۴۵) مفسرین کہتے ہیں ان کی شریعت میں قسم توڑنے کا کفارہ نہ تھا، ورنہ ایوب علیہ السلام کو حکم ہوتا کہ قسم کا کفارہ دے دیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایوب علیہ السلام کیا ہی اچھے بندے ہیں ہم نے انہیں صابر پایا، وہ ہمارے حضور جھکنے والے ہیں۔

اس سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) صبر کا پھل میٹھا ہے:

حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمام مصائب دور کر دیئے۔ پہلے سے بڑھ کر صحت، دولت اور اولاد ملی

گئی۔ لہٰذا مومن کو مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے، اسی میں سکون اور دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو صابر آدمی محبوب ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ ہم نے ایوب کو صابر پایا وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے۔ گویا اللہ رب العزت کو صابر بندے سے محبت ہے۔

(۲) شرعی حیلے کا جواز:

حضرت ایوب علیہ السلام کو حیلہ بتایا گیا کہ بیوی کو سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والا جھاڑو مار دیں۔ یہیں سے علماء نے فرمایا جس شخص کی بہت سی نمازیں اور روزے رہ جائیں اگر وہ وصیت کرے کہ اس کے مال سے ہر نماز اور روزہ کے بدلے اتنا صدقہ دے دیا جائے تو امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے نرمی فرمائے گا کہ یہ ایک حیلہ ہے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾
اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کو یاد کرو جو قوت والے اور علم والے ہیں۔
اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ
بیشک ہم نے ان کو خصوصی بات کے لیے چن لیا، یعنی دار آخرت کی یاد اور وہ ہمارے ہاں بیشک برگزیدہ و پسندیدہ
الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾
لوگوں میں سے ہیں [24]

[24] حضرت ابراہیم اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر خیر فرمایا گیا کہ وہ قوت و بصیرت والے تھے: اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ۔ یعنی وہ عبادت و ریاضت، تبلیغ و دعوت اور راہِ حق میں تحمل مصائب کی عظیم قوت بھی رکھتے تھے۔ اور انہیں بصیرت یعنی چشم نبوت دی گئی جو غیب کے پردے ہٹا کر عالم بالا کا نظارہ کرتی ہے اور انہیں ذکرِ آخرت جیسی خصوصی صفت عطا فرمائی گئی، کیونکہ انبیاء کی توجہ دنیا سے ہٹا دی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ چنے ہوئے اور سب سے افضل لوگ ہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) عصمت انبیاء:

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ سے معلوم ہوا کہ ذکر آخرت انبیاء کا خصوصی وصف ہے جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہے اور دوسروں میں جو ذکر آخرت ہے وہ انبیاء کا پرتو ہے اور ان کی تعلیمات کا اثر ہے لہٰذا جب ان کے دلوں میں محض ذکر آخرت ہے اور حب دنیا کا گزر ہی نہیں تو پھر گناہ کا ان سے کیا تعلق رہا۔ البتہ ان سے جو کچھ صادر ہوا وہ

زائدازز ائد خطاء اجتہادی ہے۔

(۲) انبیاء کرام غیر انبیاء سے افضل ہیں:

لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ کہہ کر جماعت انبیاء کو غیر انبیاء سے افضل قرار دیا گیا اور اگلی آیت میں وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ کا بھی یہی مفہوم ہے اور یہ بھی فرمایا گیا: وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ "اور ہم نے سب انبیاء کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔" (انعام:۸۶) لہٰذا کسی غیر نبی کو انبیاء سے افضل کہنا جیسے اہل تشیع ائمہ اہل بیت کو سب انبیاء سے افضل مانتے ہیں، قرآن سے تصادم ہے جسے کفر قرار دیا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا
اور اسماعیل اور یسع اور ذو الکفل کو یاد کرو، وہ سب پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔ [25]
ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ
یہ قرآن ایک یاد ہے اور بیشک پرہیز گاروں کے لیے بہتر انجام ہے یعنی بسنے کے باغات ہیں، ان کے لیے
الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾
دروازے کھولے گئے ہیں۔ وہاں وہ تکیہ زن ہونگے، بہت سا پھل اور شراب مانگیں گے
وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ
اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہیں ۔[26] یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے حساب کے دن۔
الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾
یہ ہمارا رزق ہے، جو ختم نہیں ہونے والا [27]

[25] حضرت اَلْيَسَعَ علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، حضرت الیاس علیہ السلام پر صرف ایک شخص ایمان لایا اور وہ حضرت الیسع علیہ السلام تھے وہ دونوں شہر بعلبک میں مبعوث ہوئے جو لبنان میں ہے۔ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ قبل کا ہے اور حضرت ذَا الْكِفْلِ علیہ السلام کا ذکر انبیاء کے ساتھ کیا گیا لہٰذا ان کا نبی ہونا مرجح ہے۔ وہ شام میں مبعوث ہوئے ان کے بارے میں مزید کلام سورہ انبیاء، آیت 58 کے تحت گزر چکا ہے۔

[26] یعنی انبیاء کا تذکرہ جو گزشتہ آیات میں ہوا عظیم نصیحت ہے اور جو لوگ اس نصیحت سے اثر لے کر تقویٰ اختیار

کریں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین مقام ہے یعنی ہمیشگی کے باغات، جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہیں یعنی جنت اپنے دروازے کھول کر ان کا انتظار کر رہی ہے بس ان کے وصال کی دیر ہے۔ جنتی باغات میں ان کے لئے ہر طرح کا پھل اور مختلف مشروبات ہیں اور ان کے پاس پست نگاہ بیویاں ہیں یعنی دنیوی بیویاں اور جنتی حوریں اور وہ بیویاں ہم عمر ہیں یعنی آپس میں اور اپنے شوہروں کے ساتھ، کیونکہ جنت میں ہر کوئی مرد و عورت تیس سالہ جوان ہوگا اور یہ جوانی دائمی و لازوال ہوگی، جنتی بیویوں کو پست نگاہ کہا گیا کیونکہ وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ کریں گی گویا شرم وحیا اہل جنت کی صفت ہے۔ جسے یہ دنیا میں ملے وہ دنیا میں جنتی ہے۔

[27] اے انسانو یا اے مومنو! یہ جنتی نعمتیں ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یہ نعمتیں لازوال ہیں لٰہذا دنیا کی عارضی شیطانی لذتوں میں پڑ کر آخرت کی لازوال لذتوں سے محروم ہونا خسارہ عظمٰی ہے۔

هٰذَا ۚ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

ان کے لیے تو یہ ہے اور سرکشوں کے لیے برا ٹھکانہ ہے، یعنی جہنم ، جس میں وہ جائیں گے تو وہ کیا ہی برا بچھونا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ

تو اسے چکھو یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے اور اسی کے ہم شکل دوسرے عذاب ہیں[28] یہ ایک فوج ہے

مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا

تمہارے ساتھ گھسنے والی (کہیں گے) انہیں کوئی مرحبا نہیں ہے۔ وہ جہنم میں جانے والے ہیں۔ وہ کہیں گے: نہیں بلکہ تمہیں

مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ

کوئی مرحبا نہیں ہے۔ تم نے یہ جہنم ہمارے لیے بنائی تو وہ کیا برا ٹھکانا ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے

قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾

یہ جہنم ہمیں پیش کی اسے دوزخ میں دوہرا عذاب عطا فرما[29]

[28] حَمِيْمٌ جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے جس کی تیز گرم بھاپ ہی کفار کے چہرے بھون ڈالے گی۔ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ (کہف:۲۹) اور غساق اہل جہنم کے جسموں سے بہنے والی غلاظت ہے (بغوی جلد ۶ صفحہ ۶۲) اور جہنم میں ایسے دیگر کئی عذابات ہوں گے۔

[29] کفار کے سیاسی اور مذہبی لیڈرز جب جہنم میں جائیں گے تو ان کے پیچھے ان کے پیروکاروں کی فوج بھی گھستی آئے گی جو دنیا میں ان کے نقش قدم پر چلی تھی اور ان کے کہنے پر راہ کفر پہ گامزن ہوئی تھی۔ اس فوج کو دیکھ کر وہ کہیں گے انہیں ہماری طرف سے کوئی خوش آمدید نہیں ہے کیونکہ انہیں جہنم میں جلنا ہوگا یعنی ہم انہیں بچا نہیں سکتے۔ تو وہ فوج انہیں کہے گی، تمہارا برا ہو تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم نے ہمارے لئے عذاب جہنم کا راستہ ہموار کیا تو اے اللہ! ان کو دوگنا عذاب دے ان کا اپنا بھی اور ہمارا بھی۔

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ

وہ کہیں گے ، کیابات ہے ہم وہ لوگ نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم برے لوگ سمجھتے تھے۔ کیا ہم نے

سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ ع

ان کا مذاق اُڑایا یا ان سے آنکھیں پھر گئیں [30] بیشک اہل جہنم کا باہم جھگڑا حق ہے۔ [31]

[30] کفار دنیا میں مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے جیسے ابوجہل و ابولہب اور دوسرے بڑے کفار غریب صحابہ (جیسے بلال حبشی، عمار یاسر، صہیب رومی وغیرہم رضی اللہ عنہم) کا مذاق اُڑاتے تھے اور جیسے آج ہر داڑھی والے مسلمان کو امریکی گورنمنٹ، دہشت گرد اور انتہاء پسند وغیرہ کہتی ہے۔ ایسے کفار جہنم میں کہیں گے کہ جن مسلمانوں کا ہم دنیا میں مذاق اڑاتے تھے وہ ہمیں یہاں جہنم میں کیوں نظر نہیں آرہے کیا ہماری آنکھیں ان سے پھیر دی گئی ہیں یا ان کا مذاق اڑانے کی وجہ سے ہم گرفتار عذاب ہوئے ہیں؟

[31] یعنی کفار کے بڑے لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کا یہ باہمی جھگڑا جہنم میں ضرور ہوگا اس میں کوئی شک نہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ﴿۶۵﴾ رَبُّ

آپ فرمائیں میں تو بس ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا اور غالب ہے وہ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ﴿۶۷﴾

اور زمین کا اور جو ان کے مابین ہے کا رب ہے، عزت والا بخشنے والا [32] آپ فرمائیں، وہ بڑی خبر ہے

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ

جس سے تم منہ موڑتے ہو [33] مجھے عالم بالا کی کیا خبر تھی جب وہ باہم جھگڑتے تھے

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

مجھے تو بس یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں بس ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔[34]

رسالتِ محمدیہ اور فرشتوں کا سجودِ آدم

[32] اس سورہ ص میں حضرت داؤد، سلیمان، ایوب، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکرِ خیر ہوا۔ اب آخر میں سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ تو کہا گیا اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرما دیں کہ میں کھلے طور پر تمام انسانیت کو ڈرانے والا نبی ہوں اور بتاتا ہوں کہ اللہ ہی معبود ہے۔ وہ واحد وقہار رب کائنات اور عزیز وغفور ہے۔ لہٰذا صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت بجالائی جائے۔

[33] یعنی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی فرما دیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے عظیم خبر ہے جس سے اے منکرو! تم منہ موڑتے ہو کیونکہ قرآن گزشتہ انبیاء کی خبر دیتا ہے اور آنے والے زمانہ میں قیامت اور اس کے مابعد کی خبریں دیتا ہے۔

[34] مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا اے اللہ! کیا تو اسے بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا (جیسا کہ اگلی آیات میں واقعہ تخلیق آدم کا ذکر آ رہا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے نبی! آپ فرما دیں کہ مجھے فرشتوں کے اس اختلاف کا ازخود کوئی علم نہیں تھا بلکہ اللہ نے مجھے بتایا اس لئے مجھے وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلا ڈرانے والا ہوں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ فرشتے اہل ایمان کے اعمال صالحہ کے اٹھانے میں باہم اختلاف کرتے ہیں ہر کوئی چاہتا ہے کہ یہ سعادت اسے ملے کہ وہ یہ اعمال اٹھا کر اللہ کے حضور لے جائے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ فرشتے درجات اور کفارات میں جھگڑتے ہیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ ص)

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ

یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا: میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے برابر کردوں

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

اور اس میں اپنی پیدا کردہ روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا [35] تو سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا۔

اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ

سوا ابلیس کے، اس نے تکبر کیا اور منکروں میں سے ہوگیا اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تمہیں اسے سجدہ کرنے سے

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ

کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ کیا تم نے تکبر کیا یا تم تھے ہی

الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

مغروروں میں سے؟ [36] اس نے کہا میں آدم سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے [37]

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

اللہ نے فرمایا: تم یہاں سے نکل جاؤ، بیشک تم مردود ہو اور تم پہ روز انصاف تک میری لعنت ہے [38]

[35] گویا فرشتوں کو تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل ہی کہہ دیا گیا تھا کہ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہو جائے اور ان میں روح پھونک دی جائے تو سب فرشتے ان کے آگے سجدہ میں گر جائیں پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور انہیں علم الاسماء سکھایا گیا جس کے آگے فرشتے بے بس ہو گئے تو فرشتوں کو بطور یاددہانی سجدہ کا حکم دوبارہ دیا گیا۔ اس جگہ مِنْ رُّوْحِيْ کا معنی من الروح المخلوقة منی ہے، یعنی آدم علیہ السلام میں اللہ کی پیدا کردہ روح پھونکی گئی یہ نہیں کہ ان میں معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی روح کا کوئی حصہ ڈالا گیا کیونکہ اللہ رب العزت جسم و روح سے پاک ہے، گویا رُّوْحِيْ میں روح کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت برائے تعظیم و تکریم ہے، جیسے نَاقَةُ اللّٰهِ (اللہ کی اونٹنی) (اعراف: ۷۳) میں اللہ کی طرف اونٹنی کی اضافت برائے تکریم ہے یہ نہیں کہ اللہ اس اونٹنی پہ سواری کرتا تھا۔ (معاذ اللہ)

[36] اللہ تعالیٰ کے حکم پر سب فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر گئے۔ ابلیس اگرچہ فرشتہ نہ تھا مگر اس کا رہن سہن اس وقت فرشتوں کے ساتھ تھا تو ملکوتی صفات ہونے کی وجہ سے اسے بھی حکم سجدہ ہوا مگر اس نے سجدے سے

انکار کر دیا اور تکبر سے کام لیا نتیجتاً کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! میں نے آدم (علیہ السلام) کو اپنے دست قدرت سے بنایا پھر تم کو اس کے آگے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا تم نے تکبر سے کام لیا یا تم مزاجاً ہی سرکش ہو؟ یعنی تم میں یہ دونوں باتیں ہیں، تکبر بھی اور سرکشی بھی یعنی تم نے آدم علیہ السلام کی نسبت سے تکبر کیا اور اللہ کی نسبت سے سرکشی کی۔

یاد رہے خَلَقْتُ بِیَدَیَّ میں اللہ کے لئے ایسے ہاتھ مراد نہیں ہیں جیسے ہمارے جسمانی ہاتھ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے بلکہ ید (ہاتھ) کا لفظ عربی میں بمعنی اختیار بھی استعمال ہوتا ہے جیسے الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ؕ ''جس کے اختیار میں نکاح کی گرہ ہے۔'' (بقرہ:۲۳۷) اور بمعنی نعمت بھی مستعمل ہے جیسے غُلَّتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ۔ ان کی نعمتیں ختم ہوں۔ (مائدہ:۶۴) اور بمعنی قوت بھی جیسے کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ۔ ''اپنی قوت کو روکے رکھو۔'' (نساء:۷۷) تو خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ کا یہ معنی ہوا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے اختیار یا اپنی نعمت یا اپنی قوت کے ساتھ پیدا کیا۔

[37] یعنی شیطان نے کہا میں آگ سے بنا ہوں اور آدم مٹی سے۔ اور آگ مٹی سے افضل ہے، کیونکہ آگ کو اگر گڑھے میں جلاؤ تو وہ بلندی کی طرف آتی ہے اور مٹی کو بلندی پہ رکھو تو وہ نیچے گرتی ہے، لہٰذا میں آدم سے افضل ہوں اور میں اسے سجدہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ شیطان کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔

شیطان کا یہ دعوی غلط ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے

حقیقت یہ ہے کہ مٹی آگ سے افضل ہے کیونکہ آگ کی طبیعت میں فساد و اتلاف ہے اور مٹی کی طبیعت میں پرورش وافزائش ہے آگ میں بیج ڈالا جائے تو جل جاتا ہے مٹی میں ڈالا جائے تو درخت بن جاتا ہے۔ آگ میں طیش و تیزی ہے مٹی میں سکون وثبات ہے۔ مٹی سے انسان کا رزق، لباس، آلات و اسباب پیدا ہوتے ہیں، آگ سے کچھ نہیں پیدا ہوتا۔ مٹی سے حیات وابستہ ہے آگ سے نہیں۔ چنانچہ کوئی جانور مٹی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا مگر کسی جانور کو آگ کی ضرورت نہیں۔ آگ اپنے قیام میں مٹی کی محتاج ہے مٹی اپنے قیام میں آگ کی محتاج نہیں۔ مٹی میں معادن، انہار، چشمے، ثمرات، باغات، کھیت اور آبشاریں ہیں اور آگ میں دھواں، تپش، جلانا اور دوسری خوفناک چیزیں ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود مٹی میں عجز ہے کہ اوپر رکھو تو نیچے گرتی ہے اور آگ میں تکبر ہے کہ نیچے جلاؤ تو اوپر جاتی ہے اور اللہ کو عجز پسند ہے کبر نہیں۔

[38] جب شیطان نے تکبر اور خود کو اللہ کے نبی سے افضل جانا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ جنت سے یا آسمان سے نکل کر زمین کی طرف اتر جا۔ دوسری جگہ فرمایا گیا فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا۔ ''اے ابلیس یہاں سے اتر جا۔'' (اعراف:۱۳) اور اے ابلیس! تم پر روز انصاف (قیامت) تک لعنت پڑے گی اس سے غائبانہ لعنت مراد ہے یعنی لوگ تم پر تمہیں دیکھے بغیر قیامت تک لعنت کریں گے پھر جب روز قیامت تمہیں دیکھ لیں گے تو مزید لعنت کریں گے اور جہنم میں کفار شیطان پر تاابد لعنت کرتے رہیں گے مگر وہ غائبانہ لعنت نہ ہوگی۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) تکبر کی مذمت:

شیطان نے تکبر کیا تو ملعون بن گیا تو تکبر کا نتیجہ لعنت ہے اسی لئے حدیث میں ہے کہ ''جس کے دل میں رائی برابر تکبر ہو وہ جنت میں نہ جائے گا۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۴۸)

(۲) حسد کی برائی:

شیطان کو آدم علیہ السلام کے مسجود ملائکہ ہونے پر حسد ہوا تو حسد نے اس کا سر نیچا کر دیا اور ہمیشہ حسد کا یہی انجام ہوتا ہے۔

(۳) نص کے مقابلہ میں قیاس پیش کرنا کفر ہے:

شیطان نے نص الٰہی اسْجُدُوْا کے سامنے اپنا قیاس پیش کیا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝۷۶ تو وہ کافر ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف قرآن اور حدیث صحیح کے مقابلہ میں حدیث ضعیف کو بھی قبول نہیں کرتے چہ جائیکہ قیاس کو قبول کریں بلکہ وہ مجتہد صحابی کے قول کو بھی حدیث کا درجہ دے کر اس کے مقابلہ میں قیاس کو رد کر دیتے ہیں۔ (نور الانوار: صفحہ ۱۸۲) اس کے باوجود احناف کو اہل رائے ہونے کا طعنہ دیا جانا باعث حیرت و افسوس ہے۔

(۴) نبی کی شان میں گستاخی کفر ہے:

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ وہ کافر ہو گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی غیر نبی کو نبی سے افضل ماننا کفر ہے۔ خواہ وہ عبادت میں کتنا ہی بڑا درجہ رکھے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝۷۹ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۝۸۰

اس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دیدے جب لوگ اٹھائے جائیں گے، اللہ نے فرمایا: تمہیں ایک مقرر

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ۝۸۱ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۸۲ اِلَّا

وقت کے دن تک مہلت دی جاتی ہے، اس نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا، سوا ان میں سے

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۝۸۳

تیرے برگزیدہ بندوں کے۔ [39]

[39] شیطان کو آسمان سے زمین کی طرف اتر جانے کا حکم ہوا۔ مگر اس نے معذرت اور توجہ کی بجائے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ اس نے کہا اے اللہ! مجھے تا قیامت زندگی دے دے (جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور لوگ اٹھائے جائیں گے) تا کہ میں انسانوں کو گمراہ کروں۔ البتہ میں تیرے مخلص یعنی چنے ہوئے بندوں کو گمراہ نہ کر سکوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مقرر وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ یعنی تمہیں پہلی بار صور کے

پھونکے جانے تک مہلت دی جاتی ہے اور جب پہلی بار صور پھونکے جانے سے سارا جہان تباہ ہو جائے گا اور ہر جاندار کو موت آ جائے گی اس وقت شیطان کو بھی مار دیا جائے گا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت

شیطان نے کہا: اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴿۸۳﴾ اے اللہ! میں تیرے مُخۡلَص (چنے ہوئے) بندوں کو گمراہ نہ کرسکوں گا یعنی ان سے گناہ نہ کراسکوں گا، وہ مخلص بندے انبیاء ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا گیا: اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴿۲۴﴾ ''وہ ہمارے مُخۡلَص بندوں میں سے ہیں۔'' (یوسف:۲۴) معلوم ہوا انبیاء شیطان کے بہکانے میں نہیں آسکتے نہ شیطان کو ان پر قابو ہے اور جو لوگ انبیاء کے بعد ہیں یعنی صدیقین، شہداء اور صالحین وہ انبیاء کے پیروکار اور ان کی تعلیمات پر چلنے والے ہیں ان پر انبیاء کا پرتو ہوتا ہے لہٰذا وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں البتہ گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ قرآن نے کہا: فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ کہ آدم وحوا کو شیطان نے پھسلا دیا۔ (بقرہ:۳۶) تو انبیاء پر شیطان کا قابو نہ ہونا کیسے درست ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے شیطان کے کہنے پر شجرۂ ممنوعہ سے قصداً نہیں کھایا تھا بلکہ بعد میں کسی وقت بھول کر کھا لیا تھا کیونکہ قرآن فرماتا ہے: فَنَسِيَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا﴿۱۱۵﴾ ''آدم (علیہ السلام) بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد نہ پایا'' (طٰہٰ:۱۱۵) اور بھول جانا گناہ نہیں۔ اور انبیاء گناہ سے معصوم ہوتے ہیں نہ کہ بھول سے، بھول ایک بشری تقاضا ہے جیسے بھوک، پیاس، نیند اور اونگھ وغیرہ لہٰذا بھول انبیاء کو بھی لاحق ہے۔

قَالَ فَالۡحَقُّ ۫ وَالۡحَقَّ اَقُوۡلُ﴿۸۴﴾ۚ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ

اللہ نے فرمایا: یہ حق ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں، میں جہنم کو تم سے اور ان سب سے بھروں گا جو تیری

مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ﴿۸۵﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ

پیروی کریں گے [40] آپ فرمائیں میں اس پہ تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ

الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴿۸۷﴾ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ﴿۸۸﴾ع

کرنے والا ہوں۔ یہ قرآن تو نہیں ہے مگر تمام جہانوں کے لیے ذکر اور ایک مدت کے بعد تم اسی خبر کو ضرور جان لوگے [41]

[40] یعنی شیطان کی بات نہ ماننے والوں اور رحمٰن کے کہنے پر چلنے والوں سے جنت کو بھرا جائے گا اور رحمٰن کا حکم ٹھکرا کر شیطان کا کہا ماننے والوں سے جہنم کی بھرائی ہوگی اور یہی مقصد تخلیق شیطان ہے یعنی انسان کا امتحان۔

[41] سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد اب سب سے آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر لایا گیا ہے۔ یہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول! آپ فرما دیں کہ اے لوگو! میں اپنی اس تبلیغ و دعوت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا نہ میں کوئی تکلف کرتا یعنی بناوٹ بناتا ہوں بلکہ قرآن ہی کو تم تک پہنچاتا ہوں جو کہ تمام عالمین کے لئے ذکر ہے۔ یعنی قیامت تک آنے والی تمام اقوام عالم کے لئے قرآن ہی ذریعہ ہدایت ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی کتاب نازل نہ ہوگی اور نہ ہی صاحب قرآن کے بعد کوئی نبی آئے گا۔ اور اے منکرو! عنقریب تمہیں قرآن کی خبریں مل جائیں گی یعنی موت کے بعد تمہیں قرآن کی کہی باتوں کی صداقت خوب معلوم ہو جائے گی۔

الحمدللہ آج 19 جمادی الثانی 1429ھ بمطابق 23 جون 2008ء بروز پیروار بعد نماز فجر سورہ صٓ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الزمر

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 39 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 58 ویں سورت ہے۔ یہ سورۂ سبا کے بعد اور سورۂ مومن سے قبل نازل ہوئی، یہ مکمل مکی سورت ہے البتہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ (آیت:۵۳) کے بارہ میں ایک روایت ہے کہ یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ اسے سورۂ زمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی آیت 71 اور 73 میں دوبار لفظ زُمَرًا آیا ہے جو کسی دوسری سورت میں نہیں آیا، اسی مناسبت سے یہ نام دیا گیا۔ اسے سورۃ الغرف بھی کہتے ہیں۔

اس سورت میں آٹھ رکوعات، پچھتر آیات، ایک ہزار بیاسی کلمات اور چار ہزار نو سو آٹھ حروف ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک سورہ زمر اور سورہ بنی اسرائیل نہ پڑھ لیتے۔ (ترمذی) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص چاہتا ہے کہ بندوں میں اللہ کی قضا دیکھے وہ سورۂ زمر پڑھے۔ (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۲)

مضامین

سورہ زمر کے پہلے رکوع میں ردّ شرک، اللہ کی شان تخلیق اور اس کی بعض اہم نعمتیں مذکور ہیں۔ دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص عبادت کا حکم ہے، اہل جنت کے جنتی بالا خانوں کا بیان ہے۔ تیسرے رکوع میں عظمتِ قرآن کا بیان ہے، ایسے ہی دیگر رکوعات کے مضامین ہیں۔

اس سے پہلے سورہ صاد میں انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے اور سورہ زمر میں بھی اسی بیان کا تسلسل برقرار رکھا گیا ہے اور یہی ان دونوں کے درمیان مناسبت و مشابہت ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۷۵ ۳۹ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ رکوعاتها ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

یہ کتاب کا اتارا جانا خدائے غالب و دانا کی طرف سے ہے [1] ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ؕ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ

کتاب اتاری ہے۔ تو آپ اللہ کے لئے دین کو خالص رکھ کر اس کی عبادت کریں، خبردار اللہ ہی کے لئے خالص بندگی ہے [2]

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ

اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے مددگار بناتے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے

زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ ③ اِنَّ اللّٰهَ

کچھ قریب کر دیں [3]۔ بے شک اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں، جو شخص (عادی)

لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ④

جھوٹا اور منکر ہو اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا۔

وقف لازم

اللہ کی توحید، اس کی خالقیت اور ردِّ شرک

[1] یعنی کفار قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب نہیں مانتے، مگر اللہ رب العزت ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ کتاب، اللہ ہی کی طرف سے اتاری گئی ہے اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے اسے حق کے ساتھ آپ کی طرف اتارا ہے، یعنی اس کی ہر بات سچی ہے اور اسی کی پیروی میں انسان کی نجات ہے۔

[2] یہاں الدِّیْنَ سے مراد عبادت ہے۔ یعنی خالص بندگی جس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو، اللہ کا حق ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کی جائے کہ صرف اسی کی بندگی و پرستش مقصود ہو، کسی غیر کا پوجنا اس میں ہرگز شامل نہ ہو۔ اس

میں کفارعرب کا رد ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے ساتھ اپنے بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے بلکہ بتوں ہی کی عبادت کرتے تھے اور اللہ کا نام صرف دھوکہ دہی کے لئے لیتے تھے۔ یہاں الدِّیْنَ کا معنی اطاعت بھی ہوسکتا ہے یعنی اللہ کی عبادت یوں کی جائے کہ صرف اللہ کی اطاعت مقصود ہو اور اس کی رضا پیش نظر ہو اس میں دکھاوا کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

[3] یعنی کفار اللہ کے سوا دوسرے خداؤں کو اپنا مددگار بناتے ہیں اور بہانہ یہ گھڑتے ہیں کہ ہم دوسرے خداؤں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے کچھ قریب کردیں۔ دوسری جگہ یوں فرمایا گیا: وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ ''وہ اللہ کے سوا ان چیزوں (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں کچھ نفع یا نقصان نہیں دے سکتیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے لئے سفارشی ہیں۔'' (یونس:۱۸)

کفار مکہ بتوں کو صرف وسیلہ نہیں بلکہ مستقل خدا مانتے تھے

اس آیت کو دلیل بنا کر خوارج زمانہ کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اللہ سے مانگنے کے لئے کفار بتوں کو وسیلہ بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت ہمیں اللہ کے قریب کردیتے ہیں، اب نبیوں ولیوں کو وسیلہ بنایا جاتا ہے اور یہ سب شرک ہے، یعنی وسیلہ پکڑنا ایک شرک ہے، خواہ بتوں کا وسیلہ ہو یا نبیوں ولیوں کا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ تفسیر قرآن کا یہ انداز سخت خطرناک اور گمراہ کن ہے اس سے امت میں انتشار اور تفرقہ بڑھ رہا ہے۔ بتوں کے وسیلہ اور انبیاء واولیاء کے وسیلہ کو ایک جیسا کہنا اور مشرکین ومومنین کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنا کتنی خطرناک جسارت ہے۔ یہاں چند امور ملاحظہ ہوں۔

اول: کفار مکہ اللہ تعالیٰ کو صرف مسلمانوں کا خدا سمجھتے تھے، اپنا نہیں

کفارعرب کا یہ کہنا کہ ہم اپنے خداؤں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے کچھ قریب کر دیں، محض ان کا دھوکہ وفریب دہی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے جھوٹے خداؤں ہی کی عبادت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کو وہ مسلمانوں کا خدا سمجھتے تھے۔ ان کے اپنے خدا وہی تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے اور ان کی پوجا وہ ہرگز اس لئے نہیں کرتے تھے کہ وہ انہیں اللہ سے قریب کردیں بلکہ وہ انہی کو اپنا معبود گردانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ان کے مقصد میں شامل ہی نہیں تھی۔ ہم قرآن کریم سے اس حقیقت پر چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ﴿۳﴾ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ﴿۶﴾ ''اے محبوب! آپ فرمادیجئے اے کافرو! جن خداؤں کی تم عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ تم اس خدا کی عبادت کرتے ہو جس کی میں

عبادت کرتا ہوں۔اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس خدا کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرا لئے میرا دین۔'' (سورہ کافرون)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ کفار عرب اللہ تعالیٰ کی عبادت ہرگز نہیں کرتے تھے وہ صرف اپنے دوسرے خانہ ساز خداؤں کی عبادت کرتے تھے لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ ہم صرف اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے بتوں کو پوجتے ہیں محض غلط اور دھوکہ دہی تھا۔اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہ کہنے کا دوبار حکم نہ فرماتا: وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ کہ جس خدا کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے۔

(۲) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۞ ''اور جب ان سے کہا جائے کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: رحمٰن کون ہے؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ (ہرگز نہیں) اور اس سے ان کی نفرت مزید بڑھ جاتی ہے۔'' (فرقان:۶۰) معاملہ کس قدر صاف ہے کہ کفار عرب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا تو کجا اللہ کا نام سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔اور اللہ کو سجدہ کرنے کی بات سن کر ان کے دلوں میں اللہ سے نفرت مزید بڑھ جاتی تھی لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ ہم اپنے بتوں کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں محض فریب کاری و مکاری تھا۔اسی لئے اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۞ یہ کفار کے اسی جھوٹ اور دھوکہ دہی کی طرف اشارہ ہے۔اس لئے خوارج زمانہ یعنی نجدی وہابی علماء کا انبیاء و اولیاء سے مسلمانوں کے توسل کو کفار عرب کی بت پرستی سے تشبیہ دینا اور مسلمانوں کو عقیدۂ توسل کی وجہ سے مشرک قرار دینا پرلے درجے کی گمراہی ہے۔

(۳) وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ ''جن خداؤں کو کفار اللہ کے سوا پوجتے ہیں تم انہیں گالی مت دو ورنہ وہ سرکشی و جہالت کے سبب اللہ کو گالی دیں گے۔'' (انعام:۱۰۸) اس سے خوب واضح ہو رہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کو اپنا خدا سمجھنے کی بجائے اسے مسلمانوں کا خدا سمجھتے تھے اسی لئے اگر کوئی مسلمان ان کے خداؤں کو گالی دیتا تو وہ بدلے میں اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے تھے (معاذ اللہ) اگر وہ اللہ کو اپنا معبود سمجھتے ہوتے تو اللہ کو گالی کیوں دیتے؟ گالی تو دشمن کو دی جاتی ہے۔اس لئے ان کا اپنے بتوں کو تقرب الی اللہ کے لئے وسیلہ کہنا محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے تھا تاکہ وہ اپنی بت پرستی کا کوئی ٹیڑھا میڑھا بہانہ تراش سکیں اور مسلمانوں کے تابڑ توڑ دلائل توحید کے سامنے کوئی ڈھال پیش کر سکیں مگر قرآن نے ان کی اس بہانہ سازی و دھوکہ بازی کی حقیقت کھول دی ہے لیکن خوارج زمانہ پر افسوس ہے کہ وہ جان بوجھ کر مقصد قرآن کو سمجھنا نہیں چاہتے اور کفار کی اس مکارانہ گفتگو کی بنیاد پر انبیاء و اولیاء سے توسل کو کفار عرب کی بت پرستی سے مشابہ قرار دے کر ملتِ اسلامیہ کو مشرکوں کے زمرے میں ڈالتے اور اہل ایمان کو ابوجہل و ابولہب کی صف میں کھڑا کرتے ہیں۔امت مسلمہ پر اس سے بڑا ظلم کیا روا رکھا جا سکتا ہے؟

(۴) وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِذَا هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ ''جب اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جائے تو آخرت پہ یقین نہ رکھنے والوں کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب دوسرے خداؤں کا ذکر آئے تو وہ کھل اٹھتے ہیں۔'' (زمر: ۴۵) یہ آیت بھی صاف بتا رہی ہے کہ مشرکین عرب کو اللہ وحدہٗ سے کچھ محبت و دل بستگی نہ تھی بلکہ اللہ کے ذکر ہی سے ان کے دل منقبض ہو جاتے تھے جبکہ اپنے خداؤں کا نام سنتے ہی ان کے چہرے تمتمانے لگتے۔ اس کے باوجود ان کا کہنا کہ وہ اپنے خداؤں کی عبادت صرف اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں کتنا بڑا جھوٹ اور عیاری ہے۔ پھر اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر گمراہ لوگوں کا انبیاء کرام واولیاء عظام سے توسل کرنے کو کفار عرب کی بت پرستی جیسا قرار دینا ظلم بالائے ظلم ہے۔ علامہ اقبال نے خوب فرمایا: ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
کس قدر ہیں یہ فقیہان حرم بے توفیق

شیخ عبداللہ مبارک پوری اور قاضی شوکانی کی زبانی اس آیت کی تفسیر

(۵) اس جگہ اہل حدیث عالم دین مولانا عبداللہ مبارک پوری کی تشریح کر دینا بہت ضروری ہے جو انہوں نے اہل حدیث کے سند المحدثین قاضی شوکانی کی زبان سے نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''انبیاء واولیاء کے توسل سے منع کرنے والے لوگ اس آیت مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی ؕ سے دلیل پکڑتے ہیں اور اس آیت سے بھی دلیل پکڑتے ہیں: وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا یَسۡتَجِیۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَیۡءٍ ''جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ ان کی فریاد نہیں سن سکتے۔'' (رعد، ۱۴) حالانکہ ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ سوورہ زمر کی آیت 3 میں تصریح ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے (مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی ؕ) اور جو شخص کسی نبی ولی سے وسیلہ پکڑتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کو اللہ کے ہاں ایک وجاہت حاصل ہے، تو وہ اس وجاہت کے وسیلہ سے اللہ سے دعاء کرتا ہے اسی طرح اس آیت سے بھی دلیل پکڑی جاتی ہے: وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ ''مساجد اللہ کے لیے ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ کسی کو مت پوجو۔'' (جن، ۱۸) حالانکہ اس کا معنی یہ ہے کہ مثلاً کوئی کہے: میں اللہ کی اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں، لیکن جو شخص کسی عالم (نبی یا ولی) کے وسیلہ سے دعاء کرتا ہے وہ تو صرف اللہ سے دعاء کرتا ہے اور اللہ کے بعض نیک بندوں کے اعمال کا وسیلہ پیش کرتا ہے، جیسے غار میں تین افراد نے اپنے اعمال صالحہ کے ساتھ وسیلہ پیش کیا تھا۔

(تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی جلد ۴ صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

اس عبارت کے آخری الفاظ کا یہ معنی ہے کہ جو شخص اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑتا ہے وہ اصل میں ان کے اعمال صالحہ کا وسیلہ پکڑتا ہے اور اعمال صالحہ کا وسیلہ پکڑنا تو اللہ کو محبوب ہے، جیسے غار میں پھنسنے والوں نے اپنے اعمال صالحہ کا

وسیلہ پیش کیا تو ان کو غار سے نجات مل گئی۔ کاش نجدی فکر کے لوگ یعنی غیر مقلد علماء عبد اللہ مبارک پوری اور قاضی شوکانی کا بتایا ہوا یہ نکتہ سمجھ جائیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ قرآن کے مطابق کفار عرب تو اللہ کو ارض و سماء کا خالق، آسمانوں سے بارشیں برسانے والا، سماعت و بصارت کا مالک اور زندگی و موت کا مختار سمجھتے تھے۔ (یونس: ۳۱) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی دوسری مکاری وعیاری تھی۔ کیونکہ جس منہ سے وہ اللہ رب العزت کو خالق ارض وسما، منزل المطر، مالک سمع و بصر اور مختار موت و حیات کہتے اسی منہ سے وہ یہ بھی کہتے: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۝ اس نے (حضور ﷺ نے) کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا لیا ہے؟ یہ تو بہت عجیب بات ہے۔ (ص: ۵) اور اس کے تحت امام بغوی، امام خازن اور امام قرطبی نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے تھے ایک خدا سارے نظام کو کیسے چلا سکتا ہے گویا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے بس کی بات نہیں کہ وہ یہ نظام چلا سکے وہ ان کے دوسرے معبود ہیں جو یہ نظام چلا رہے ہیں۔ الغرض اہل غلو انتہاء پسند لوگوں کا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (زمر: ۳) کی بنیاد پر توسل انبیاء و اولیاء کو کفار عرب کی بت پرستی سے تشبیہ دینا بڑی گمراہ گری ہے۔

دوم: بت پرستوں کے توسل اور اہل ایمان کے توسل میں فرق

کفار عرب بتوں کی عبادت کر کے انکا وسیلہ پکڑتے تھے اس لیے مشرک ٹھہرے، جبکہ اہل اسلام اہل سنت انبیاء واولیاء کا وسیلہ اس طرح لیتے ہیں کہ انکے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں اور اگر ان کو مدد کیلیے غائبانہ پکاریں تو کہتے ہیں اے اللہ کے بندو! اللہ کی دی ہوئی طاقت سے میری مدد کرو اور حدیث شریف میں اسکا واضح حکم ہے چنانچہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں اسکا کوئی انیس و مددگار نہ ہو تو اسے یوں پکارنا چاہیے: اَعِینونی یاعِبادَ الله۔ اَغِیثونی یاعباد الله، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری فریاد کو آؤ، کیونکہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنکو ہم نہیں دیکھ سکتے۔“ (معجم کبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) اس کے باوجود اہل غلو کا مومنین کے وسیلے کو اور کفار عرب کے وسیلے کو ایک جیسا کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔

سوم: بتوں کو وسیلہ ماننا کفار کا اللہ تعالیٰ کی ذات پہ افتراء تھا

کفار عرب کا اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ماننا اللہ پر انکا افتراء تھا کیونکہ اللہ نے تو بے جان بتوں کو یہ منصب نہیں دیا تھا کہ وہ اللہ کے ہاں کسی کی سفارش کر سکیں اور جو اللہ پہ افتراء کرے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جبکہ انبیاء واولیاء کو اللہ تعالیٰ نے یہ منصب عطا فرمایا ہے، فرشتوں کے لیے فرمایا گیا: وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ (مومن: ۷) اور

حضور ﷺ کے لیے فرمایا گیا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ (نساء: ۶۴) اور حدیث قدسی ہے: ولئن سئلنی لاعطینه۔ ''اگر میرا مقرب بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔''

(بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸)

چہارم: انبیاء واولیاء کے توسل کے دلائل

رہا نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء وصالحین سے توسل کے جواز کا معاملہ تو اس کے دلائل ہم پیچھے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے تحت اور دیگر مقامات پر دے چکے ہیں۔ منجملہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ''اور جب وہ اپنی جانوں پہ ظلم کرلیں تو آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول اللہ ﷺ ان کے لیے دعاء بخشش کردیں تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔'' (نساء، ۶۴) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ ''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈو۔'' (مائدہ، ۳۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم فرمایا ہے خواہ وہ اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ ہو خواہ اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ۔

اور رسول اللہ ﷺ نے نابینا صحابی کو خود وسیلہ سکھایا کہ یوں دعا کرو: اللهم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد ﷺ نبی الرحمة يامحمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی اللهم شفعه فیّ۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے رحمت والے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتا ہوں، اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہوجائے، اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔'' (ترمذی کتاب الدعوت باب ۱۱۸، ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب ۱۸۹، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۸) اور جواز توسل پہ قرآن وحدیث کے دلائل سے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود انبیاء واولیاء کے توسل کو اہل غلو نجدی علماء کا بت پرستی کے ساتھ تشبیہ دینا اور اس آیت مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى کے معنی میں تحریف سے کام لینا افسوس ناک ہے، یہی فرقہ واریت ہے۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

اگر اللہ (اپنے لیے) اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ وہ (اولاد سے) پاک ہے،

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ

وہ اللہ ہے تنہا غالب [4] اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو

الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

رات پر، اس نے شمس و قمر کو تابع فرمان کیا، ہر سیارہ مقررہ مدت تک چل رہا ہے،

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

جان لو کہ اللہ غالب اور بخشنہار ہے [5] اس نے تمہیں ایک جان سے

وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ

پیدا کیا، پھر اس سے اس کی بیوی بنائی [6] اور تمہارے لئے جانوروں کے آٹھ جوڑے

اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ

اتارے [7] وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں ایک شکل کے بعد دوسری شکل میں تمہاری تخلیق کرتا ہے، تین تاریکیوں کے اندر،

ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

یہ ہے اللہ تمہارا رب، اسی کے لئے بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو [8]

[4] کفار عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنے لیے اولاد بنانا ہوتی تو جس چیز کو چاہتا اولاد بنا لیتا، اس میں فرشتوں کی کیا خصوصیت ہے؟ مگر وہ اولاد ہی سے پاک ہے کیونکہ وہ واحد و قہار ہے۔ بالفرض اگر اس کی اولاد ہو تو وہ اس کی شریک ٹھہرے گی اور اللہ شرک سے پاک ہے۔ اور انسان اس لئے اولاد چاہتا ہے تا کہ اس کے ذریعے اپنے دشمنوں پر غالب آئے اور اپنے مقاصد پر غلبہ پائے اور اللہ وحدہٗ لاشریک از خود اپنی قدرت سے ہر چیز پر غالب ہے پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ اولاد بسا اوقات والد کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور اسے بے بس کر دیتی ہے اور اللہ بے بسی سے پاک ہے کیونکہ وہ قہار ہے لہٰذا اولاد سے بھی

پاک ہے۔

[5] اللہ تعالیٰ نے ارض وسما کو برحق اور بامقصد پیدا کیا ہے، بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے، جیسا کہ منکرین آخرت سمجھتے ہیں۔ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے کیونکہ اس نے شمس وقمر کو ایک نظام کے تابع کر دیا ہے اور جب تک یہ سیارے اس نظام کے تحت چلتے رہیں گے سلسلہ شب وروز چلتا رہے گا۔ لہٰذا اللہ ہی مستحق عبادت ہے اور جو شخص معبودانِ باطلہ سے منہ موڑ کر اللہ کی توحید کی طرف آ جائے تو اللہ اس کی سابقہ زندگی کا سارا کفر بخش دے گا کیونکہ وہ عزیز وغفار ہے۔

[6] جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے جواہر بھی تخلیق کر دیئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو سے ان کی بیوی حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا، پھر ان دونوں کے ملاپ سے وہ جواہر دنیا میں آنے لگے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی تردید

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک جان یعنی آدم (علیہ السلام) سے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس کے مقابلہ میں ڈارون کا یہ کہنا کہ انسان بندروں سے بدل کر بنے ہیں قطعی جھوٹ اور انسانیت کی تذلیل ہے۔ ڈارون برطانیہ کا ایک ملحد انسان تھا۔ اس نے 1859ء میں نظریہ ارتقاء پیش کیا کہ بندروں میں تبدیلی آئی اور وہ بدلتے بدلتے انسان بن گئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ بندر تو آج بھی دنیا میں موجود ہیں، آخر وہ کیوں نہیں بدلے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی مخلوق نہیں بدلتی۔ آج سے ہزار ہا برس قبل جس طرح کے گدھے ہوتے تھے آج بھی ویسے ہی ہیں، گھوڑے، بکریاں، گائے، بیل اونٹ، شیر، گیدڑ وغیرہ میں سے کسی میں ہزار ہا برس کے گزر جانے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں آئی تو صرف بندروں ہی میں ایسی تبدیلی کیسے آ گئی؟

[7] پھر انسانوں کی خوراک، لباس اور سفری ضرورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آٹھ نر و مادہ جانور اتارے، جو یہ ہیں: اونٹ نر و مادہ، گائے نر و مادہ، بکری نر و مادہ اور بھیڑ نر و مادہ دوسری جگہ اس کی وضاحت ہے: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ...... وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ آٹھ جوڑے ہیں بھیڑ سے دو اور بکری سے دو...... اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو۔ (انعام: ۱۴۴) اگرچہ مرغی اور مچھلی کا گوشت بھی انسان کی خوراک ہے مگر یہاں انہی چار اقسام کے جانوروں کا ذکر ہوا۔ اس لئے کہ ان چار جانوروں میں انسان کے لئے خوراک کے علاوہ لباس اور سواری کے منافع بھی ہیں۔ چنانچہ ان کے چمڑوں سے جوتے، موزے، دستانے، ٹوپیاں اور ڈھالیں بنتی ہیں اور ان کی اُون سے گرم کپڑے تیار ہوتے ہیں اور اونٹ سواری کے کام بھی آتا ہے۔ پھر ان جانوروں سے دودھ ملتا ہے اور دودھ سے دیگر سینکڑوں نعمتیں تیار ہوتی ہیں، تو ان منافع کی وجہ سے انہی چار جانوروں کا ذکر کیا گیا۔

یاد رہے یہاں بھینس کا الگ ذکر نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنے منافع اور احکام کے لحاظ سے گائے ہی میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جانور اللہ نے انسان کی خوراک وسواری وغیرہ کے لئے بنائے ہیں۔ انہیں انسان کا اپنے لئے معبود بنانا اس کی نااہلی و جہالت اور خود اپنی انسانیت کی تذلیل ہے۔

اس جگہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ کہ اللہ نے تمہارے لیے جانور نازل فرمائے حالانکہ جانور آسمان سے نازل تو نہیں ہوتے، وہ تو زمین ہی پہ پیدا ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانوروں کی تخلیق کے اسباب آسمان ہی سے نازل ہوتے ہیں، آسمان سے بارش برستی ہے، جس سے چارہ پیدا ہوتا ہے، جسے جانور کھاتے ہیں، اس سے ان کا خون بنتا ہے پھر خون سے نطفہ آتا ہے اور نطفہ سے آگے مزید جانور پیدا ہوتے ہیں۔ یوں ہر جانور کی تخلیق کے اسباب آسمان ہی سے آتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ۔ ''ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے۔'' (اعراف،۲۶) تو لباس کے اتارنے کا یہی معنی ہے کہ اس کی تخلیق کے اسباب آسمان سے اترتے ہیں۔

[8] پہلے پیٹ کی تاریکی، پھر رحم مادر کی تاریکی، پھر بچے کے اوپر چڑھی ہوئی جھلی کی تاریکی، ان تین تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ انسان کو خون سے لوتھڑے، لوتھڑے سے گوشت اور گوشت سے اعضاء جسم کی طرف درجہ بدرجہ لاتا ہے تو وہی رب اور بادشاہ ہے اور وہی مستحقِ عبادت، پھر انسان کدھر بھٹکتے پھرتے ہیں؟

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ قف وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ج وَاِنْ

اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ وہ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہے اور اگر تم شکر کرو

تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ

تو وہ اسے تمہارے لئے پسند رکھتا ہے اور بوجھ اٹھانے والی کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ پھر اپنے رب

مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ط اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾

ہی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے، وہ تمہیں بتائے گا تم جو عمل کرتے تھے۔ وہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے [9]

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ

اور جب انسان کو تکلیف آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اسے پکارتا ہے پھر جب وہ اسے اپنی طرف

نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ

نعمت دے دے تو وہ بھول جاتا ہے جو وہ اس سے قبل اللہ کو پکارتا تھا اور وہ اللہ کے لئے شریک بنانے لگتا ہے

سَبِیْلِهٖ ط قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ

تاکہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بھٹکائے۔ آپ اسے فرمائیں کہ تم اپنے کفر سے کچھ دیر مزے لے لو، بہرحال تم

هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآىِٕمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ

اہل جہنم میں سے ہو [10] تو جو شخص رات کے پہروں میں عاجزی کے ساتھ سجدہ و قیام کرتا ہے آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی

رَبِّهٖ ط قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا

رحمت کی آس رکھتا ہے (کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو سکتا ہے؟) آپ فرمائیں کہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے کیا وہ باہم

یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ ع

برابر ہو سکتے ہیں؟ بہرحال نصیحت تو عقل والے ہی پکڑتے ہیں۔ [11]

[9] اللہ تعالیٰ کی ذات کو کفار کے کفر سے کوئی نقصان نہیں ہے، تاہم وہ بندوں کے کفر سے خوش نہیں وہ تو اس پر خوش ہے کہ بندے اس کا شکر کر کے اس کی رحمت کے مستحق ہوں اور جو لوگ اپنے سیاسی و مذہبی لیڈروں کے کہنے پر کفر کرتے ہیں وہ جان لیں کہ کوئی لیڈران کا بوجھ نہیں اٹھائے گا نہ انہیں عذاب سے بچا سکے گا۔ لہٰذا وہ کسی انسان کی خوشنودی کے لئے اپنی عاقبت خراب اور اپنے رب کو ناراض نہ کریں کیونکہ تم سب نے اپنے رب کے پاس جانا ہے وہ تمہیں بتائیگا کہ تم دنیا میں کیا عمل کرتے رہے اس لئے کہ وہ تمہارے دلوں کے بھید سے بھی واقف ہے اور قیامت میں دلوں کی نیات کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور اس کی رضا میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ کہ اللہ کی یہ رضا نہیں کہ اس کے بندے کفر کریں، آگے فرمایا: وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ۚ کہ اس کی رضا تو یہ ہے کہ بندے اس کا شکر کریں۔ اب ہر شیء اس کی مشیئت سے ہے، وہ فرماتا ہے: اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ ثابت ہوا کہ ہر شیء میں اس کی مشیئت ہے مگر ہر شیء میں اس کی رضا نہیں ہے۔

[10] کفار عرب جب سمندری سفر میں مبتلائے گرداب ہو جاتے تو اپنے بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کو پوری توجہ سے پکارتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں کنارے پر لے آتا تو اللہ کو یوں بھول جاتے جیسے انہوں نے کبھی کسی تکلیف میں اللہ کو پکارا ہی نہ تھا پھر وہ اللہ کے لئے شریک بنانا شروع کر دیتے یعنی ان کے وہ جھوٹے خدا جن کے بارہ میں وہ سمجھتے تھے کہ وہ وہی اللہ کا نظام چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ تم چند دن اپنے کفر کے مزے لے لو، اس کے بعد تمہارا ابدی ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

[11] ایک طرف کفار عرب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کے آگے ماتھے رگڑ رہے تھے۔ دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور نماز تہجد میں کھڑے ہوتے اور سجدوں کے نور سے اپنی پیشانیاں چمکاتے تھے وہ آخرت کا خوف بھی رکھتے تھے اور رحمتِ خداوندی کی امید بھی۔ یاد رہے ابتداء اسلام میں صرف نماز تہجد فرض تھی پھر واقعہ معراج کے بعد جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی تو نماز تہجد کو نفل قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ دونوں جماعتیں کیسے برابر ہو سکتی ہیں؟ ایک اللہ کے بندے دوسرے بتوں کے پجاری، ایک علم والے لوگ ہیں دوسرے جاہل ہیں، تو عالم اور جاہل کیسے برابر ہو سکتے ہیں مگر جو لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آنے والی ان کے نزدیک عالم بھی مر کر ختم ہو گیا اور جاہل بھی، دونوں کا انجام ایک ہی ہو گیا، مگر یہ نظریہ خلافِ عدل ہے۔

صحابہ کی شب بیداری وعبادت گزاری

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت عبادت اور شب زندہ داری بیان کی گئی ہے کہ وہ رات کے پہروں میں اللہ تعالیٰ کے حضور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر عبادت گزاری کرتے ہیں۔ اس میں

ان کی نماز تہجد سے دلچسپی بیان کی گئی ہے۔اسی بارہ میں فرمایا گیا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ۔ ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھی ہیں وہ کفار پہ سخت اور باہم رحیم ہیں، آپ انہیں اکثر رکوع وسجود میں مشغول پاتے ہیں۔'' (فتح،۲۹)

نماز تہجد کی فضیلت

اس سے نماز تہجد کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ان کے پہلو بستروں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ (سجدہ،۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزانہ جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگے والا کہ میں اسے بخش دوں؟''

(بخاری کتاب التہجد باب ۱۴م،مسلم کتاب المسافرین حدیث ۱۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پہ رحم فرمائے جو رات کو نماز کے لیے اٹھے، نماز پڑھے پھر اپنی بیوی کو جگائے، اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پہ چھینٹے مارے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ اس عورت پہ رحم کرے جو رات کو نماز کے لیے اٹھے، نماز پڑھے پھر اپنے شوہر کو جگائے، اگر وہ جاگنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے۔'' (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات حدیث ۱۳۳۶، ابوداود کتاب الصلوۃ حدیث ۱۳۰۸)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

آپ فرما دیں اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو، اس دنیا میں بھلائی کرنے والوں کے لئے (آخرت میں)

حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ

بھلائی ہے۔ اور اللہ کی زمین وسیع ہے، بات یہی ہے کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب

حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ

دیا جائے گا [12] آپ فرما دیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے لئے دین کو خالص رکھ کر اس کی عبادت کروں اور مجھے

لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اطاعت کرنے والا بنوں [13] آپ فرما دیں اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا

نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے [14] آپ فرما دیں کہ میں اللہ کے لئے اپنے دین کو

شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

خالص رکھ کر اس کی عبادت کرتا ہوں۔ تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، آپ فرما دیں کہ اصل خسارے والے وہ ہیں جنہوں نے خود کو

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ

اور اپنے گھر والوں کو روز قیامت خسارے میں ڈالا، خبردار وہی کھلا خسارہ ہے [15] ان کے لئے

فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ

ان کے اوپر سے آگ کے طبقات ہیں اور ان کے نیچے بھی آگ کے طبقات، یہ ہے جس کے ذریعے اللہ نے اپنے

عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

بندوں کو ڈرایا ہے، تو اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو [16]

اللہ کی خالص بندگی کا حکم اور فرمان برداروں کے لئے جنتی انعامات

[12] مروی ہے کہ یہ آیت مہاجرینِ حبشہ کے حق میں اتری۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۶۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول! آپ مومنوں کو اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم فرمائیں اور انہیں بتائیں کہ اس دنیا میں بھلائی کرنے والوں کے لئے آخرت میں بھی بھلائی ہے۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جب فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا کا تعلق ماقبل اَحْسَنُوْا سے ہو، اور اگر اس کا مابعد سے تعلق ہو تو معنی یہ ہے کہ بھلائی کرنے والوں کے لئے اسی دنیا میں بھلائی ہے جیسا کہ مہاجرین حبشہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں حبشہ میں بہترین ٹھکانہ دے دیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ کی زمین وسیع ہے یعنی اگر کسی علاقہ میں مسلمانوں کو ان کے دین پر عمل کی اجازت نہ ہو تو انہیں ہجرت کر کے اللہ کی وسیع زمین میں کہیں اور جا بسنا چاہیے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ چھوڑ کر حبشہ میں جا بسے اور اللہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے اور بلاشبہ ہجرت کے لئے بڑے صبر کی ضرورت ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا کہ جب مکہ سے ہجرت واجب کی گئی تو جن لوگوں نے قدرت کے باوجود ہجرت نہ کی ان کی موت کے وقت یہ حالت تھی کہ فرشتوں نے ان سے کہا: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ ''کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔'' (نساء،۹۷)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) فضیلتِ ہجرت: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی بشارت دی گئی ہے اور دوسری جگہ فرمایا: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ ''ہم مہاجرین کو دنیا میں بہتر ٹھکانہ دیتے ہیں۔'' (نحل: ۴۱) چنانچہ مہاجرین حبشہ کو حبشہ میں بہت عزت اور رزق کی فراوانی ملی اور مہاجرین مدینہ کو مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ سے بڑھ کر دنیوی نعمتیں حاصل ہوئیں۔ ماضی قریب میں قیام پاکستان کے بعد جو لوگ انڈیا سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے وہ پہلے سے خوش حال ہو گئے۔

(2) دین کے لئے وطن قربان ہے: وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ سے معلوم ہوا جہاں دین پر عمل کی اجازت نہ ہو وہاں سے ہجرت لازم ہے کیونکہ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ دوسری جگہ واضح فرمایا گیا: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ ''کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔'' (نساء: ۹۷) اس میں وطن پرستی کا رد ہے۔

(3) مقام صبر: اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ سے معلوم ہوا کہ صبر کا اجر کسی حساب میں آنے والا نہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ، صوم، حج اور صدقہ سب کا اجر تول کر دیا جائے گا مگر اہل مصیبت کو (جو صبر کرنے والے تھے) کسی پیمانے کے بغیر دیا جائے گا حتیٰ کہ اہل عافیت (سکون سے

زندگی گزارنے والے) تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے اور انہیں بھی اہل مصیبت والا مقام ملتا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ⑩
(درمنثور بروایت ابن مردویہ جلد ۷ صفحہ ۲۱۵)

[13] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرما دیں کہ مجھے خالص اللہ کی بندگی و اطاعت کے جذبہ کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اللہ کی اطاعت بجالاؤں۔ اور حضور ﷺ نے ایسا ہی کر کے دکھایا کہ ہر حکم اطاعت پہلے خود بجالائے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) درسِ اخلاص:

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ میں یہ درس ہے کہ بندے کو ہر عمل اللہ کی بندگی و اطاعت کے جذبہ سے کرنا چاہیے جس میں دکھاوا نہ آئے۔

(2) عظمت سیرتِ مصطفیٰ ﷺ:

لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ سے معلوم ہوا کہ آپ نے امت کو جو حکم دیا پہلے خود اس حکم پر سر جھکایا۔ آپ نے عدل، رحم، صدق، امانت و دیگر جتنی باتوں کا حکم دیا پہلے اپنی ذات میں ان کا نمونہ دکھایا، اسی لئے فرمایا گیا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

[14] امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں مسلمانوں کے لئے تہدید ہے کہ جب حضور ﷺ اللہ کا خوف رکھتے ہیں تو امت کو بطریق اولیٰ خوف رکھنا چاہیے۔ (روح البیان جلد ۸ صفحہ ۸۷)

[15] کفارِ عرب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے جھوٹے خداؤں کی عبادت کرتے تھے اور آج بھی کئی خداؤں کی عبادت کی جاتی ہے اس کے رد میں کہا گیا کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرما دیں کہ مجھے تو خالص اللہ کی بندگی ہی کا حکم دیا گیا ہے تم جس خدا کی مرضی عبادت کرو مگر یاد رکھو کہ روز قیامت جس شخص نے خود کو بھی کفر کی وجہ سے دائمی خسارے میں رکھا اور اپنے گھر والوں کو بھی رکھا، وہی اصل بڑے خسارے والا ہے۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ سربراہ خانہ کا جو دین ہو وہی عموماً اس کے اہل خانہ کا ہوتا ہے۔ اگر وہ کفر پر ڈٹا رہے یا ایمان لے آئے تو بہرصورت اس کے اہل خانہ اس کی پیروی کرتے ہیں اس میں ہر انسان کو اس کے اہل خانہ کے بارہ میں ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے۔

[16] یعنی کفار کو جہنم میں آگ اوپر نیچے سے گھیر لے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ''ان کو عذاب اوپر نیچے سے گھیر لے گا۔'' (عنکبوت: ۵۵) لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ''ان کے لیے جہنم کا بچھونا اور جہنم کا اوڑھنا ہے۔'' (اعراف: ۴۱) معلوم ہوا مومنوں کی

جہنم میں یہ حالت نہ ہو گی انہیں کفار سے ہلکا عذاب ہو گا۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ

اور جو لوگ شیطان کی عبادت کرنے سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع لائے ان کے لئے بشارت ہے۔ تو آپ میرے ان بندوں کو

الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ

بشارت دے دیں جو (میری) بات سنتے پھر اس کے بہتر طریقہ پر چلتے ہیں [17] انہی لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ

اور یہی لوگ عقل والے ہیں تو کیا جس پر عذاب کی بات ہو چکی (وہ اہل جنت جیسا ہو سکتا ہے؟) پھر جس کا

عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ۚ﴿۱۹﴾

مقدر ہی آگ ہے کیا آپ اس کو بچا سکتے ہیں؟ [18]

[17] دراصل کفار عرب بتوں کی صورت میں شیاطین کی عبادت کرتے تھے کیونکہ ہر بت کے ساتھ ایک شیطان وابستہ تھا۔ چنانچہ جب فتح مکہ کے بعد بتوں کو گرایا گیا تو ان میں سے شیاطین کو بھاگتے دیکھا گیا۔ مروی ہے کہ مقام نخلہ میں عُزیٰ بت کو جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے توڑا تو اس میں سے ایک سیاہ رو برہنہ عورت بال بکھیرے نمودار ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اسکے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماجریٰ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہی عزیٰ تھی اور یہی قریش کی معبودہ تھی اب کبھی عزیٰ کی پوجا نہیں ہو گی۔ اسی طرح حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو علاقہ مشدّل کے بت خانہ کو گرانے کے لیے بھیجا گیا۔ جب وہ وہاں کے بڑے بت مناجات کو گرانے کے لیے بڑھے تو اسمیں سے ایک سیاہ رو عورت نمودار ہوئی جو سینہ پیٹتی ہوئی بھاگی۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے لپک کر اس کے ٹکڑے کر دیے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۴ ۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ۔ "انہوں نے جنات کو اللہ کے لئے شریک بنا لیا۔" (انعام: ۱۰۰) اور فرمایا گیا: بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ "بلکہ وہ جنات کی عبادت کرتے تھے۔" (سبا: ۴۱) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جو لوگ شیطان کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کی طرف آ گئے ان کے لئے بشارت ہے۔ انہوں نے اللہ کی بات سن کر اس پر بہتر طریقہ سے عمل کیا تو انہیں بشارت ہو، کیونکہ اللہ نے انہیں ہدایت دی اور وہی عقل والے ہیں۔ کیونکہ انہی نے عقل کو درست جگہ استعمال کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر حضرت عثمان غنی، عبد الرحمن،

طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو یہ آیت اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ ؕ ان کے حق میں نازل ہوئی۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۷۱) (اور یہ سارے صحابہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں)

مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اس جگہ مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا علم ہوا کہ ان کی دعوت پر عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جلیل القدر لوگ ایمان لائے۔ جب ایمان لانے والوں کی عظمت قرآن بتارہا ہے تو انہیں ایمان سے روشناس کرانے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہوگا۔ اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف بعض مورخین نے بھی کیا ہے، چنانچہ مشہور شیعہ مورخ علی بن حسین مسعودی متوفی 346ھ لکھتا ہے کہ سب سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسلام لائے، پھر ابوبکر نے اسلام قبول کیا، پھر انہوں نے اپنی قوم قریش کو دعوت اسلام دی تو ان کے ہاتھ پر عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔ حضرت ابوبکر ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

تو اس شیعہ مورخ علامہ مسعودی کی زبانی معلوم ہوا کہ امت محمدیہ میں اسلام کے سب سے پہلے داعی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، گویا تحریک اسلامی کا آغاز انہی کی کوششوں سے ہوا۔ اسی لیے اس امت میں وہی سب سے افضل ہیں۔

[18] یعنی ایمان وہی لاتے ہیں جن کے نصیب میں ایمان ہو اور جن کی مسلسل سرکشی کے سبب ان پر عذاب مسلط ہو گیا ہے اسے جہنم سے کون نکال سکتا ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ

لیکن جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر دوسرے بالا خانے بنے ہیں۔ جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا [19] کیا تم نے نہ دیکھا

اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ

کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین میں چشمے چلا دیئے پھر وہ اس پانی کے ذریعے زمین سے کھیتی اُگاتا ہے

زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ

جس کے رنگ مختلف ہیں [20] پھر وہ سوکھ جاتی ہے تو تم اسے زرد پاتے ہو۔ پھر وہ اسے تنکا تنکا کر دیتا ہے۔ بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝۲۱ ع

اس میں عقل والوں کے لئے بڑی نصیحت ہے۔[21]

[19] یعنی جولوگ اللہ سے ڈر کر ایمان لے آئے اور بت پرستی چھوڑ دی ان کے لئے جنت میں بالا خانے ہوں گے پھران کے اوپر دوسرے بالا خانے ہوں گے یعنی ان کے محلات کی کئی منزلیں ہوں گی ہر منزل پہ بالا خانہ ہوگا جس کے چلمن سے وہ جنت کے نظارے کریں گے کبھی نچلی منزل میں بیٹھیں گے کبھی اوپر والی منزل میں اور اللہ کا وعدہ سچا ہے جس میں کوئی خلاف نہیں۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت کے بالا خانوں کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں جو کھانا کھلائیں۔ نرم گفتگو کریں، زیادہ روزے رکھیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ اس وقت اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھیں۔'' (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۶)

[20] مطلب یہ ہے کہ جو رب بارشیں برسا کر زمین سے چشمے جاری کرتا ہے (کیونکہ بارشیں نہ ہوں تو چشمے سوکھ جاتے ہیں) پھر اس پانی سے رنگارنگ فصلیں اناج اور پھل اُگاتا ہے کیا اس کے سوا کوئی دوسری ہستی مستحق عبادت ہو سکتی ہے؟

[21] یہ کافر کی مثال ہے کہ جس طرح کھیتی ایک بار لہلہائی پھر اس پر کوئی خدائی آفت آ گئی (جیسے سخت سردی، برف باری وغیرہ) اور وہ کھیتی سوکھ کر زرد ہو گئی پھر تنکا تنکا ہو کر اُڑ گئی، یہی کافر کا حال ہے اس کی دنیا خوب چمکی، پھر موت کی آندھی نے اس کی فصل حیات کو تباہ کر ڈالا اور قبر میں اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر اُڑ گئیں۔ یوں اس کی زندگی رائیگاں چلی گئی جبکہ

مومن اللہ کے لئے جیتا ہے اس کے عمل کی کھیتی ہمیشہ بارآور رہتی ہے وہ نیکی کا جو بیج بوتا ہے اس کا ثمر اسے دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ

تو کیا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے (وہ کسی منکر اسلام کی طرح ہوسکتا ہے؟)

لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ

تو جن کے دل ذکر الٰہی کے قبول کرنے سے سخت ہو گئے ان کے لئے ہلاکت ہے وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ [22] اللہ نے سب سے

اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ

عمدہ کلام اتارا ہے یعنی وہ کتاب جس کی آیات ملتی جلتی ہیں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ اس (قرآن کے پڑھنے سننے) سے ان لوگوں کے

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں پھر ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم پڑ جاتے ہیں، یہ اللہ کی

هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾

ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے [23] اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

عظمتِ قرآن اور صداقت اسلام کا بیان

[22] گزشتہ رکوع میں دین اسلام کے قبول کرنے والوں کی عظمت اور نہ قبول کرنے والوں کی خفت بتائی گئی۔ اب اسی بارہ میں مثال دی جا رہی ہے کہ ایک وہ شخص ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور اس میں اللہ کی طرف سے نور ایمان آ گیا۔ اور دوسرا وہ ہے جس کا دل اس کے مسلسل انکار کے سبب پتھر بن گیا ہے اور اللہ کا ذکر (قرآن) اس میں کچھ اثر نہیں کرتا کیا وہ دونوں برابر ہیں؟ نہیں، دوسرے شخص کے لئے ہلاکت ہے کیونکہ وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو آپ سے پوچھا گیا یہ سینہ کیسے کھلتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس میں نور آ جاتا ہے۔ پوچھا گیا اس کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: اس کی علامت یہ ہے کہ آخرت کی طرف جھکاؤ بڑھ جائے اور دنیا سے دوری ہونے لگے اور آدمی موت سے قبل اس کی تیاری میں لگ جائے۔ (درمنثور جلد ۷

صفحہ ۲۱۹)اور بلاشبہ آخرت کا فکر اور موت کا ذکر کافر کو ایمان لانے اور گناہ گار کو گناہ چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

دل کی سختی اور اس کا علاج

فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ مِّنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ آیت سے معلوم ہوا کہ دل کی سختی اللہ کا عذاب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ذکر اللہ سے خالی گفتگو کی کثرت سے دل سخت ہو جاتے ہیں (کیونکہ ایسی گفتگو میں عموماً غیبت، جھوٹ اور استہزاء ہوتا ہے)۔ (ترمذی عن عبداللہ بن عمر کتاب الزہد باب ۶۲) لہٰذا ہمیں فضول گوئی سے بچنا چاہیے۔ ضرورت کی بات کہی جائے نہیں تو خاموش رہا جائے اور اپنی آخرت کے بارہ میں غور کیا جائے۔

[23] اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں بہترین کلام اتارا ہے جس کی آیات باہم ملتی جلتی ہیں یعنی ان میں کچھ تضاد نہیں اور قرآنی آیات مثانی ہیں یعنی بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اب دہرائے جانے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ان میں مضامین کو دہرایا گیا ہے جیسے توحید، رسالت، قیامت، قرآن، جنت و نار کے مضامین سارے قرآن میں پھر پھر کر آتے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآنی آیات کو بار بار پڑھا جاتا ہے اور ہر بار نئی لذت ملتی ہے۔ اس کے بار بار پڑھنے سے دل نہیں اُکتاتا۔

قرآن کریم کی تلاوت کا دلوں پہ اثر کرنا

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کے پڑھنے سننے سے خوفِ خدا رکھنے والے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکر اللہ (قرآن) سے ان کے جسم اور دل نرم پڑ جاتے ہیں اور یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ﴿۲﴾ ''مومنین تو وہ ہیں کہ جب ان پہ اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پہ بھروسہ کرتے ہیں۔'' (الانفال، ۲)

چنانچہ قرآن سن کر بڑے سخت دل لوگوں کا پتہ پانی ہو گیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حالت کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے نکلے مگر راستہ میں اپنی بہن سے قرآن سن کر ایسے بدلے کہ رونے لگے اور فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ایمان لے آئے۔ پورا واقعہ ہم انفال 64 کے تحت لکھ آئے ہیں۔ حضرت ضماد رضی اللہ عنہ ایک معالج تھے انہیں کفار نے (بزعم خود) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کے لئے بلایا، وہ آپ کے پاس آئے آپ نے انہیں قرآن سنایا تو وہ ایمان لے آئے (یعنی ان کے اپنے مرض کفر کا علاج ہو گیا) (دلائل النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۸۰)

مشہور عرب شاعر طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ مکہ آئے، کفار نے انہیں حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہنے اور آپ کی بات نہ سننے کی تاکید کی۔ وہ حرم کعبہ میں آئے تو انہوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ آپ کی آواز ان کے کانوں میں نہ پڑے مگر پھر بھی انہیں آپ کی زبان سے کچھ قرآن سنائی دے گیا تو وہ کھنچے آئے اور آخر ایمان لے آئے۔
(دلائل النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۱ حدیث ۱۹۱)

حال ہی میں امریکہ کے نومسلم امام سراج نے ایک محفل میں قرآن سنا تو مفہوم سمجھ میں نہ آنے کے باوجود ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ رونے لگے پھر جب اس کا معنی سمجھا تو دل کی دنیا ہی بدل گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ الغرض یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے جس پر فرمادے اور یہ کرم اس پر ہوتا ہے جو دل میں ضد نہ لائے اور انصاف سے اللہ کا کلام سنے اور جو دل میں ضد لے آئے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر تالہ لگا دیتا ہے پھر اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ کا یہی معنی ہے۔

قرآن دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے:

لفظ مثانی میں اس طرف اشارہ ہے۔ اور بلاشبہ جس قدر قرآن پڑھا جاتا ہے دنیا کی کوئی کتاب نہیں پڑھی جاتی، یہ قرآن کی عظمت وخصوصیت ہے۔ ساری دنیا میں چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹے میں مختلف مقامات پہ پانچوں نمازیں بیک وقت پڑھی جارہی ہیں اور ہر نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے، تو اور کونسی کتاب ہے جو اس قدر پڑھی جاتی ہے۔ اور دنیا کی ہر مسجد میں روزانہ بیسیوں سینکڑوں بچے قرآن پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔

ہمارے ہاں یہاں برطانیہ میں قریباً دو ہزار مسجدیں ہیں، اوسطاً ہر مسجد میں ایک سو بچہ قرآن پڑھنے آتا ہے۔ گویا دو لاکھ بچے روزانہ قرآن پڑھنے آتے ہیں۔ جبکہ برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد اس وقت بیس لاکھ سے زائد ہے۔ اس تناسب سے اگر دیکھا جائے تو ہر ایک لاکھ کے لیے ایک سو مسجد ہے۔ گویا ہر دس مسلمانوں کے پیچھے ایک بچہ مسجد میں قرآن سیکھنے آتا ہے، اسی حساب کو سامنے رکھیں تو دنیا میں اس وقت دو ارب مسلمان ہیں اور ان کا دس فی صد بیس کروڑ بنتا ہے۔ گویا بیس کروڑ مسلمان بچے دنیا میں روزانہ قرآن سیکھتے ہیں۔ دکھاؤ ہمیں کہ قرآن کے سوا کونسی کتاب ہے جو اس قدر روزانہ پڑھی جاتی ہو اور اپنے بچوں کو قرآن سکھانے کا جو اہتمام اہل اسلام میں ہے کوئی اہل مذہب اپنی کتاب کے بارہ میں یہ اہتمام نہیں کرتے۔ اس لیے بجا طور پہ قرآن کا نام مثانی رکھا گیا، یعنی دوہرائی جانے والی کتاب، بلکہ خود لفظ قرآن کا معنی پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ کیونکہ اس کا مادۂ اشتقاق قرأ بھی کہا گیا ہے، وجہ یہی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں پڑھی جاتی۔

قرآن سن کر بعض لوگوں کا بیہوش ہو جانا بناوٹ ہے

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ میں اس جگہ قرآن سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جانا بتایا گیا ہے اور یہی قرآن کی حقیقی تاثیر ہے اس سے زیادہ بناوٹ ہے۔ (قرطبی) یعنی کئی لوگ محافل قراءت ونعت میں چیخنے چلانے لگتے ہیں وہ اپنے گریبان پھاڑ ڈالتے اور حال سے بے حال ہو جاتے ہیں۔ امام قرطبی کے مطابق ایسے لوگ بناوٹ کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تاثیر یہ بتائی ہے کہ اسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں یعنی جسم پہ کپکپی طاری ہو جائے

اور آنکھیں بہہ پڑیں اوراس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر قرآن سے اثر پذیر ہونے والا کوئی نہیں۔انہوں نے قرآن پہ یوں عمل کیا کہ اس کے سانچے میں ڈھل گئے،مگر کہیں مروی نہیں کہ کسی صحابی نے قرآن سن کر اپنا گریبان پھاڑ لیا ہو اور بیہوش ہو کر گر پڑا ہو۔امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جو لوگ وجد میں گریبان پھاڑتے اور بیہوش ہوتے ہیں،ان کو کسی دیوار یا منڈیر پہ بٹھاؤ اور ٹانگیں نیچے لٹکا دو، پھر قرآن یا ذکر کرو اور دیکھو کہ وہاں ان پہ بیہوشی آتی ہے یا نہیں، یقیناً نہیں آئے گی۔امام قرطبی کی یہ باتیں بالکل درست ہیں۔ہم نے یہاں برطانیہ میں ایک محفل نعت میں ایک صوفی کو وجد میں جلیاں مارتے اور اُچھلتے پھڑکتے دیکھا،اس نے ہاتھ میں پیسے بھی پکڑ رکھے تھے۔اس سارے عالم وجد میں پیسوں پہ اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑی۔گویا وہ وجد و بیہوشی کی اداکاری کر رہا تھا اور یہ منظر ٹی وی پہ براہِ راست لاکھوں لوگوں نے دیکھا۔

قرآن کے بعد کسی آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ میں قرآن کو ہادی کامل قرار دیا گیا ہے۔گویا قیامت تک قرآن ہی کی ہدایت کو نجات کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے، اسکی موجودگی میں کسی آسمانی کتاب یا وحی کی ضرورت نہیں ہے اور یہ قرآن والے نبی کے آخری نبی ہونے کی دلیل ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ

تو جو شخص روز قیامت اپنے چہرے کے ساتھ بُرے عذاب سے بچاؤ کرے (کیا وہ اہل جنت کی طرح ہو سکتا ہے؟) اور ظالموں سے

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

کہا جائیگا کہ تم اپنی کمائی کا مزہ چکھو [24] ان سے پہلے لوگوں نے (دین کو) جھٹلایا تو ان پر

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اس طرح عذاب آیا کہ انہیں شعور تک نہ تھا پھر اللہ نے انہیں دنیوی زندگی میں ذلت چکھائی

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور آخرت کا عذاب یقیناً بڑا ہے، اگر وہ جانتے (تو کفر نہ کرتے) [25]

وقف لازم

[24] حضرت مقاتل نے اس آیت کے تحت فرمایا کہ کفار کے ہاتھ گردنوں سے باندھ کر انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اپنے باقی جسم کو جہنم سے بچانے کے لیے ہاتھوں کی جگہ اپنے منہ کو آگے کریں گے (استغفر اللہ) اس

لئے اللہ نے فرمایا جو شخص اپنے چہرے کے ساتھ خود کو جہنم کے عذاب سے بچائے اس کا کیا برا حال ہے۔ ایسے لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنی بری کمائی (کفر و شرک) کا مزہ چکھو۔

[25] جن گزشتہ اقوام نے انبیاء و مرسلین سے دشمنی کی اور اللہ کے دین کا راستہ روکا، ان پر اللہ کی پکڑیوں آئی کہ انہیں تصور بھی نہ تھا ان کو دنیا میں ذلت و رسوائی کا نشان بنا دیا گیا اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے۔ اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن طاقتوں کے لئے وارننگ ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾
اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر مثال بیان کر دی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں [26]
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا
یہ عربی قرآن ہے، اس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں [27] اللہ نے ایسے غلام کی مثال دی ہے
فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ
جس میں کئی جھگڑالو آقا شریک ہیں اور ایک غلام ایک شخص کے لئے خالص ہے۔ کیا وہ دونوں برابر ہیں؟
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾
سب تعریف اللہ کے لئے ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے [28] بے شک آپ نے فوت ہونا ہے اور انہوں نے بھی فوت ہونا ہے۔
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾
پھر روز قیامت تم اپنے رب کے پاس جھگڑا کرو گے [29]

ع ٣ / ١٧

[26] قرآن میں کھیتی، غلاموں، مکھی، مچھر، بارش وغیرہ کی مثالوں سے توحید و رسالت، آخرت اور رد شرک پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کسی عقل مند کے لئے کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

[27] قرآن کی زبان عربی ہے اور اس کا انداز بیان اس قدر سادہ و عام فہم ہے کہ اس میں کوئی کجی اور الجھاؤ نہیں۔ پھر اگر کوئی کہے کہ اسے قرآن کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا تو یہ بہانہ قابل قبول نہیں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا سے معلوم ہوا کہ قرآن کی زبان صرف عربی ہے اور غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ ہو سکتا ہے مگر وہ قرآن نہیں ہے۔ اسی لئے نماز میں ترجمہ قرآن نہیں پڑھا جا سکتا۔

[28] ایک غلام وہ ہے جس کو کئی جھگڑالو افراد نے مل کر خریدا۔ اب ان میں سے ہر کوئی اس پر اپنا حکم چلاتا ہے مثلاً کوئی اسے کہتا ہے میرے لئے بازار سے کھانا لاؤ، دوسرا کہتا ہے نہیں میرے کپڑے دھوؤ، تیسرا کہتا ہے نہیں میرے بچوں کو مدرسہ لے جاؤ، تو بتایئے اس غلام کا کیا بُرا حال ہوگا؟ وہ پاگل ہو جائے گا جبکہ ایک غلام وہ ہے جو صرف ایک مالک کی ملکیت میں ہے، سوچئے وہ کس قدر پُرسکون ہے۔ اسی طرح اگر اس کائنات میں کئی خدا ہوں تو وہ اسے اپنے اختلافات کے سبب توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے۔ کائنات کی سلامتی اسی لیے ہے کہ اس کا ایک رب ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ایک کہتا آج سورج سات بجے نکلے گا، دوسرا کہتا نہیں دس بجے نکلے گا اور اس جھگڑے میں سورج کا کباڑا ہو جاتا بلکہ ساری کائنات کا بھرکس نکل جاتا۔ اسی لئے فرمایا گیا: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ؕ ''اگر آسمان وزمین میں کئی خدا ہوتے تو آسمان وزمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔'' (انبیاء:۲۲) مگر مشرکین یہ باتیں نہیں جانتے یعنی سمجھنا نہیں چاہتے۔

[29] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ بھی دنیا سے چلے جائیں گے اور کفار بھی۔ پھر اللہ کے ہاں حاضر ہو کر کفار کو جواب دینا پڑے گا یعنی وہاں اللہ انہیں دیکھ لے گا لہٰذا آپ ان کی دشمنی سے پریشان نہ ہوں۔ اس جگہ یوں بھی کہا جاسکتا تھا: اِنَّكَ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ، اس کی بجائے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کہا گیا، یعنی حضور ﷺ کو الگ مَيِّتٌ کہا گیا اور کفار کو الگ، کیونکہ نبی کی موت اور غیر نبی کی موت میں فرق ہے۔

انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی شہداء سے بہت اعلیٰ ہے

انبیاء کا حال شہداء سے بہت اعلی ہے۔ شہداء انبیاء کے مطیع ہیں وہ ان کے مطاع ہیں۔ جب شہداء بقول قرآن قتل کے باوجود زندہ ہیں تو انبیاء بطریقِ اولی زندہ ہیں۔ انبیاء کی موت صرف ظاہری طور پہ ہے، بلکہ حیات برزخی تو ابوجہل جیسے کفار کے لیے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث مشہور ہے کہ بدر میں مارے جانے والے کفار کے لاشوں سے خطاب کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اپنا انجام دیکھ لیا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ تو بے جان لاشے ہیں آپ ان سے کلام فرمارہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون۔ ''تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے (یعنی وہ بھی تمہاری ہی طرح سن رہے ہیں) مگر جواب نہیں دے سکتے۔''

(بخاری کتاب الجنائز باب ۸۶ حدیث ۱۳۷۰، مسلم کتاب الجنۃ حدیث ۷۶، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

جب کفار کی برزخی زندگی کا یہ عالم ہے تو مومنین کی زندگی کا کیا عالم ہوگا اور جس کی روحانیت جسقدر اعلیٰ ہے، اس کی موت کے بعد زندگی بھی اسی قدر اعلی ہے، اسی لیے شہداء کو زندہ قرار دیا گیا۔ تو سب سے اعلیٰ روحانیت انبیاء کرام کی ہے تو ان کی حیات بعد الموت بھی سب سے اعلی ہے۔

اسی لئے حدیث میں صراحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھ پر جمعہ والے دن زیادہ درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود فوراً مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے،'' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بعد الموت؟ کیا موت کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا: ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حیّ یرزق۔ بیشک اللہ نے زمین پہ حرام قرار دیا ہے کہ انبیاء کے اجسام کو کھائے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵ حدیث ۱۶۳۵)

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے دنوں مین سے افضل دن جمعہ ہے، اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس میں ہی فوت ہوئے۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی، تو تم جمعہ والے دن مجھ پہ درود کی کثرت کرو، فان صلوتکم معروضۃ علیّ۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پہ پیش کیا جاتا ہے، بعض لوگوں نے (اپنی لاعلمی کے سبب) عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ کا جسم ختم ہو جائے گا تو پھر بھی آپ پہ درود پیش کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ اللہ نے زمین پہ انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔'' (ابوداود کتاب الصلوۃ ابواب الجمعۃ حدیث ۱۰۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی اردہ السلام۔ ''جب بھی کوئی شخص مجھ پہ سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف کرتا ہے، تب میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

(ابوداود کتاب المناسک باب زیارۃ القبور حدیث ۲۰۴۱۔ نسائی کتاب الجمعہ حدیث ۱۳۷۳۔ ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات ۱۰۸۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ ''انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔'' (مسند ابی یعلی حدیث ۳۴۲۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان للہ تعالی ملکا اعطاہ اللہ اسماع الخلائق قائم علی قبری فما من احد یصلی علیّ صلوۃ الا بُلّغتُھا۔ ''بیشک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ میری قبر پہ مقرر کیا گیا ہے (کیا جائے گا) جسے اللہ نے تمام مخلوق جتنی قوت سماعت عطا فرمائی ہے تو جو شخص بھی مجھ پہ درود پڑھے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے'' (وہ فرشتہ مجھ تک اسے پہنچا دیتا ہے)

(انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء مندرجہ الحاوی للفتاوی للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ بحوالہ تاریخ بخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بُلّغتہ۔ ''جس نے مجھ پہ میری قبر کے پاس درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پہ دور سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔'' (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ الانباء بحیاۃ الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر انور کے پاس پڑھے جانے والے درود کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصی توجہ سے

سنتے ہیں اور ابھی سنن ابی داود کی روایت سے حدیث گزری ہے کہ جو بھی مجھ پہ سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری توجہ ادھر کرتا ہے اور میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مررت لیلة اسری بی علی قبر موسی وھو یصلی فی قبرہ۔ ''جس رات مجھے معراج کروائی گئی میں موسی علیہ السلام کی قبر کے قریب سے گزرا میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔''

(مسلم کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ علیہ السلام حدیث ۱۶۵)

ان تمام احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں ایسے زندہ ہیں جیسے زمین کے اوپر لوگ ظاہری طور پہ زندہ ہیں، یعنی وہ جسمانی طور پہ زندہ ہیں، جب وہ قبروں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو یہ ان کے جسموں کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔

حیاتِ انبیاء کے بارہ میں ائمہ دین کے اقوال

اور ائمہ دین کے نزدیک انبیاء کو صرف تھوڑی دیر کے لیے موت آتی ہے پھر انہیں ہمیشہ کے لیے حیات جسمانی دیدی جاتی ہے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حیات النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلك و تواترت به الاخبار۔ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کی ان کی قبور میں حیات ہمیں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہے، کیونکہ اس پہ قطعی دلائل قائم ہیں اور اخبار متواترہ وارد ہیں۔''

(انباء الاذکیاء بحیات الانبیاء مندرجہ الحاوی للفتاوی جلد ۲ صفحہ ۱۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام سیوطی فرماتے ہیں: قال البیھقی فی کتاب الاعتقاد: الانبیاء بعد ما قُبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء۔ یعنی امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں فرمایا: ''انبیاء کی ارواح جب قبض کی گئیں تو ان کی ارواح کو واپس ان کی طرف لوٹا دیا گیا، تو وہ اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔''

(الانباء بحیاۃ الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایں مبنی بر ثبوت حیات است مر آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات حقیقی ودنیاوی بخلافِ شہداء کہ بحیاتِ معنوی مشرف اند، ''یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حیاتِ حقیقی ودنیاوی ثابت ہے جبکہ شہداء حیاتِ معنوی سے مشرف ہیں۔'' (اشعۃ اللمعات ج ۲ کتاب زیارۃ القبور ص ۳۹۹ مطبوعہ سکھر پاکستان) آگے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ کو جذب القلوب میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اسی لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی ترجمانی کرتے

منصب نہ دیا ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کے بعد باب نبوت و رسالت بند کر دیا گیا ہے۔ اب جو بھی دعویٰ نبوت کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والا پکا جہنمی و کافر اور اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ کا مصداق ہے، خواہ وہ مسیلمہٴ کذاب ہو یا مسیلمہٴ پنجاب۔

جھوٹی حدیث گھڑنے کا عذاب

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا یہ بھی ہے کہ جھوٹی حدیث گھڑ کر اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ نبی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا حقیقت میں اللہ کی طرف جھوٹ کا منسوب کرنا ہے اور حدیث نبوی ہے ''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا (میری طرف جھوٹی حدیث منسوب کی) وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ پکا سمجھے۔'' (بخاری کتاب العلم باب ۳۸، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۱۲) اس لیے علماء و خطباء کو حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور ان میں اس قدر اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ صحیح اور ضعیف و موضوع حدیث میں فرق کر سکیں تا کہ حضور ﷺ کی طرف غلط بات منسوب نہ ہو سکے۔

[31] قرآن کی تکذیب کرنے والوں کا عذاب بتانے کے بعد اس کی تصدیق کرنے والوں کا ثواب و خطاب بتایا جا رہا ہے تو فرمایا کہ جو رسول سچائی (قرآن) لے کر آیا (یعنی رسول اللہ ﷺ) اور جس بھی شخص نے سچائی کی تصدیق کی، یہ لوگ پرہیزگار ہیں انہیں جنت میں ہر وہ نعمت ملے گی، جو وہ چاہیں گے نیکوکاروں کی یہی جزا ہے اور اس سچائی کی تصدیق کرنے والوں نے اس سے قبل (زمانہ کفر میں) جو بھی عمل بد کیا ہو اللہ اسے مٹا دے گا اور انہیں ان کے اچھے اعمال کی بہترین جزا دے گا۔

عظمتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، کہ وہ سب سے پہلے مصدقِ رسول ﷺ ہیں

اب کون سچائی یعنی قرآن لایا ہے اور کس نے اس کی تصدیق کی ہے تو بلاشبہ سچائی لانے والے حضور ﷺ ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والا تا قیامت ہر وہ شخص ہے جو اس پر ایمان لائے۔ تاہم یہ آیت خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری ہے۔ کیونکہ جب حضور ﷺ قرآن لے کر آئے تو سب سے پہلے اس کی تصدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے کی۔ چنانچہ حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ محمدٌ وَالَّذِیْ صَدَّقَ بِهٖ ابوبکر۔ سچائی لانے والے محمد ﷺ ہیں اور تصدیق کرنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵ حدیث ۳۰۱۴۴ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

اس جگہ مشہور شیعہ مفسر علامہ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی متوفی 548ھ نے بھی لکھا ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى الله عليه وسلم وَصَدَّقَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍ۔ سچائی لانے والے رسول اللہ ﷺ ہیں اور تصدیق کرنے والے ابوبکر ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۳ جز ۵ صفحہ ۶۵ مطبوعہ تہران) گویا وَصَدَّقَ بِهٖ

سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مراد ہونا شیعہ سنی مفسرین کا متفق علیہ ہو گیا۔
یاد رہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان والے بالاتفاق چار افراد ہیں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ خدیجہ الکبریٰ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔ مگر جب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اہل مکہ کے کان کھڑے نہ ہوئے کیونکہ وہ اس وقت نو یا دس برس کے بچے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پالا پوسا تھا۔ لوگوں نے سمجھا اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا پالا ہوا لڑکا آپ پر ایمان لایا ہے تو کوئی بڑی بات نہیں، وہ ان کا بیٹا ہے اور ان کے زیر کفالت ہے۔ جب سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں تو لوگوں نے کہا اگر بیوی اپنے شوہر پر ایمان لائی ہے تو کیا ہوا؟ یونہی جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو لوگوں نے کہا اگر آپ کا غلام ایمان لایا ہے تو کیا ہوا غلام کا تو کام ہی آقا کی ہر بات ماننا ہے۔ مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو پورے اہل مکہ کے کان کھڑے ہو گئے اور ہر شخص مجبور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت حق پر غور کرے۔ کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں چوٹی کے دانا، مدبر اور پنچائتی آدمی تھے۔ لوگ اپنے مالی، معاشی اور فوجداری مسائل میں آپ سے مشورہ اور فیصلہ لیتے تھے۔
چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد جو بھی ایمان لایا وہ انہی کے ایمان سے متاثر ہوا تھا، چنانچہ اس کے بعد چھ افراد ایمان لائے، حضرت عثمان غنی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اور ابھی پیچھے فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ۔ (آیت:۱۸) کے تحت گزر چکا ہے کہ یہ چھ افراد (جو عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان لائے پھر ان چھ افراد سے متاثر ہو کر مزید لوگ ایمان لانے لگے اور اسلام کی تحریک چل پڑی اور ساری دنیا پر پھیل گئی اور قیامت تک پھیلتی رہے گی۔ گویا قیامت تک ایمان لانے والے ہر شخص کے ایمان کے پیچھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ کے بجا طور پر مصداق اول ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل نبی کی زبان سے

اسی لئے ان کا لقب صدیق مشہور ہوا یعنی سب سے پہلے صدق کی تصدیق کرنے والا اور یہ لقب انہیں زبان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ میں جنبش ہوئی (وہ خوشی سے جھوما) آپ نے فرمایا: اُثۡبُتۡ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ نَبِیٌّ وَ صِدِّيۡقٌ وَ شَهِيۡدَانِ۔ اے احد ٹھہر جا! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہی تو کھڑے ہیں۔
(بخاری کتاب الفضائل باب ۵ حدیث ۳۶۷۶)

اور اس حدیث کو مشہور شیعہ مورخ و سیرت نگار شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی نے بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پہاڑ پہ تشریف لے گئے تو وہ حرکت کرنے لگا۔ تب آپ نے فرمایا: قرّ اُحدُ فانه ليس عليك

الا نبی و صدیق و شہیدان، اے احد! قرار پکڑو، تم پہ ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۳۲۶ مطبوعہ نجف اشرف) اب اس حدیث میں نبی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو شہیدوں سے مراد عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما ہیں۔

اور مشہور شیعہ مفسر ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی (جو صاحب اصول کافی محمد بن یعقوب کلینی کا استاذ ہے) لکھتا ہے کہ غار ثور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو انہیں حبشہ کے مہاجرین اور مدینہ طیبہ کے انصار نظر آنے لگے۔ تب آپ نے فرمایا: اَنْتَ الصِّدِّيْقُ۔ اے ابوبکر! تم صدیق ہو۔ (تفسیر قمی صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ تہران)

اسی طرح مشہور شیعہ سیرت نگار شیخ ہاشم اربلی لکھتا ہے کہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا تلوار کے دستے پر سونا لگانا جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں جائز ہے کیونکہ ابوبکر "صدیق" نے ایسا کیا تھا۔ کسی (کوفی) نے کہا آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ امام باقر غصے سے کھڑے ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر فرمایا:

نعم الصديق نعم الصديق نعم الصديق ومن لم يقل له الصديق فلا صدق الله له قولا فى الدنيا ولا فى الآخرة۔ ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ دنیا و آخرت میں اس کی کوئی بات سچی نہ کرے۔ (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ تبریز)

اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ابوبكر الصديقُ جَدِّى فَهَلْ يَسُبُّ اَحَدٌ آباءَهٗ۔ ابوبکر "صدیق" میرے جد اعلیٰ ہیں تو کیا کوئی شخص اپنے باپ دادا کو بھی برا کہہ سکتا ہے اور پھر فرمایا: وَلَدَنِى الصِّدِّيقُ مَرَّتَيْنِ میں دو طرح سے ابوبکر صدیق کی اولاد ہوں۔
(احقاق الحق مصنفہ نور اللہ شوستری شیعہ صفحہ ۷ مطبوعہ تبریز)

یاد رہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم ہیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم ہیں یعنی امام جعفر صادق کی والدہ حضرت ام فروہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اولاد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہونے پر فخر ہے اور وہ آپ کو بار بار لقب صدیق سے یاد کرتے ہیں۔

الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ایسا مسلم و معتبر ہے کہ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم بھی اس کے منکر پر پھٹکار ڈالتے ہیں۔ لہٰذا اہل تشیع کو اس پھٹکار سے بچنا چاہیے، کیونکہ جسقدر اہل تشیع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تبرا کرتے ہیں اسی قدر ان پہ ائمہ اہل بیت کی پھٹکار پڑتی ہے۔

ان آیات سے پانچ فوائد حاصل ہوئے۔

(1) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اول المصدقین اور افضل المتقین ہیں:

جیسا کہ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾ سے واضح ہوا۔

(2)　آپ اعلیٰ درجہ کے جنتی ہیں:

جیسا کہ لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ سے واضح ہے۔یعنی جنت میں آپ جو چاہیں گے اللہ آپ کو عطا فرمائے گا، کیونکہ آپ نے اللہ ورسول کی رضا کے لیے سب کچھ قربان کیا تو جنت میں ان کی رضا چاہی جائے گی۔

(3)　آپ خیر محسنین ہیں:

جیسا کہ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِیۡنَ سے واضح ہے۔کیونکہ امت میں سے اسلام پہ ان کا احسان سب سے زیادہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے وصال سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ بیٹھے اور فرمایا: انہ لیس من الناس احدٌ امنّ عَلیّ فی نفسه وماله من ابی بکر بن ابی قحافة۔ مجھ پہ اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ احسان کرنے والا ابوبکر بن ابی قحافہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔آگے فرمایا: اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر اسلام کی خلت ہی بہتر ہے، اس مسجد کی طرف کھلنے والی ہر کھڑکی کو بند کر دو سوا ابوبکر کی کھڑکی کے۔
(بخاری کتاب الصلوۃ باب ۸۰ حدیث ۴۶۷، ترمذی کتاب المناقب باب ۱۵)

(4)　آپ کی ہر خطاء معاف ہے:

لِیُکَفِّرَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام لانے سے قبل کی ہر خطاء اسلام کی برکت سے ختم ہوجاتی ہے۔

(5)　آپ کی ہر نیکی اعلیٰ درجہ کی ہے:

وَیَجۡزِیَهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی کی جزا اسی قدر ہوتی ہے جس قدر اس میں اخلاص ہو۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لوگو! میرے صحابہ کو برا مت کہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے کسی صحابی کے ایک مد یا آدھا مد جو خرچ کرتے کے برابر نہیں ہوسکتا۔“ (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب اول) اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو صحابہ کے سردار ہیں، تو ان کی نیکی کی جزا کا کیا عالم ہوگا؟

بہرحال یہ آیت اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری مگر اس کا مفہوم پوری امت کو محیط ہے، یعنی جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی سچائی کی تصدیق کرے وہ اہل ایمان ہے۔اسے جنت کی یہ نعمتیں اپنے اعمال اور اپنے درجہ کے مطابق ضرور حاصل ہوں گی۔

دیے۔(قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۲۵۸)

[33] جب کفار مکہ نے حضور سید عالم ﷺ کو اپنے جھوٹے خداؤں سے ڈرانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خالقِ ارض وسماوات کون ہے تو یہ کہیں گے کہ اللہ خالق ارض وسماوات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول! ان سے فرمائیں جب اللہ ہی خالق کائنات ہے تو پھر ان جھوٹے خداؤں کی کیا حیثیت ہے، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ جھوٹی دیویاں اس تکلیف کو دور کر سکتی ہیں اور اگر اللہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا یہ دیویاں اسے روک سکتی ہیں؟ وہ کیا روکیں گی؟ انہیں کوئی توڑ دے تو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا آپ فرما دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر ہر بھروسہ کرنے والے کو بھروسہ کرنا چاہیے، یعنی جب میرا رب میرے ساتھ ہے تو مجھے کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور اے کافرو! تمہیں بھی ان جھوٹی دیویوں کی بجائے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

کفار مکہ کا فرشتوں کو دیویوں کی شکل میں ماننا

یہاں مشرکین کے جھوٹے خداؤں کے لیے عورتوں کے صیغے لائے گئے، جیسے هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اور هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل کفار مکہ نے اپنے بتوں کے نام عورتوں والے رکھے تھے۔ چنانچہ لفظ لات لفظ اللہ سے، منات لفظ منان سے اور عزیٰ اللہ کے نام الاعز سے مونث تھی۔ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات ماننے کے ساتھ اپنی ان دیویوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اللہ کے نظام میں دخیل مانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اکیلا اللہ سارا نظام نہیں چلا سکتا لہٰذا یہ دیویاں اللہ کی مددگار ہیں اور اس کی خدائی میں شریک ہیں۔ اسی لئے انہوں نے کہا تھا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۝ ''کیا اس شخص نے (حضور ﷺ نے) کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنالیا ہے یہ تو بہت عجیب بات ہے۔'' (ص:۵) اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا: وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ۔ ''اس کی حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے عاجزی کی وجہ سے کوئی مددگار نہیں بنایا۔'' (بنی اسرائیل:۱۱۱)

دراصل کفار مکہ نے دیویاں اس لیے بنائیں کہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ رکھا تھا اور انہی کو انہوں نے دیویاں بنا لیا، جیسے فرمایا گیا: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ ''انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے بندے ہیں عورتیں سمجھ لیا ہے۔'' (زخرف،۱۹) چونکہ فرشتے اللہ کے حکم سے نظام کائنات کی تدبیر کرتے ہیں تو کفار نے سمجھ لیا کہ یہ ایسی دیویاں ہیں جو از خود کائنات کو چلاتی ہیں۔

بندے کا ہر نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے:

اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ

اللّٰہُ ؕ عَلَیۡهِ یَتَوَکَّلُ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۳۸﴾ سے خوب واضح ہوا کہ ہر نفع ونقصان کا خالق و مالک اللہ ہے اور کسی حکیم وڈاکٹر کی دوا یا کسی نبی وولی کی دعا سے ہمیں جو نفع یا مدد ملے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور حکماء واطباء اور انبیاء واولیاء سب وسیلے ہیں۔ حکماء دواء دیتے ہیں مگر شفاء اللہ دیتا ہے، اسی طرح انبیاء واولیاء دعاء دیتے ہیں مگر عطاء خدا کرتا ہے، نہ حکیموں سے دواء لینا شرک ہے اور نہ انبیاء واولیاء سے دعاء لینا شرک ہے، کیونکہ یہ سب وسیلے ہیں، مالک ومختار صرف اللہ کی ذات ہے۔ اگر اللہ شفاء نہ دینا چاہے تو کوئی حکیم کچھ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اگر اللہ مشکل دور نہ کرنا چاہے تو کوئی اللہ کا مقابلہ کر کے کسی کی مشکل دور نہیں کرسکتا، حکم الٰہی کے سامنے سب بے بس ہیں۔

توکل کی فضیلت

قُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ؕ عَلَیۡهِ یَتَوَکَّلُ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۳۸﴾ سے فضیلتِ توکل معلوم ہوئی اور ارشادِ ربانی ہے: وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ ''جو اللہ پر بھروسہ کرلے اللہ اسے کافی ہوجاتا ہے۔'' (طلاق:۳)

قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ مَنۡ
آپ فرمائیں اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں، عنقریب تم جان لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے
یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡهِ وَیَحِلُّ عَلَیۡهِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ
رسوا کر دے اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے [34] بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے
الۡکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا
برحق کتاب اتاری ہے، تو جس نے ہدایت پائی اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ ہوا
یَضِلُّ عَلَیۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۴۱﴾ ع
اس کا وبال اسی پر آئے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ [35]

ع ۴

[34] جب گزشتہ آیات کے دلائل سے کفار پر اثر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! کفار سے فرما دیں کہ تم اپنے عقیدے پر کام کرو میں اپنی تبلیغ ودعوت میں لگا ہوں۔ عنقریب واضح ہوجائے گا کہ کس پر دنیا میں رسوا کن عذاب اور قیامت میں دائمی وابدی عذاب آتا ہے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد مقام بدر میں کفار پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسوا کن پکڑ آئی اور جو وہاں قتل ہوگئے یا اس کے بعد کفر پر مرے ان کے لئے قیامت کا دائمی عذاب الگ ہے اور کفر پہ مرنے والے ہر کافر کا یہی انجام ہے۔ معلوم ہوا آخرت میں جہنم کا دائمی عذاب صرف کفار کے لئے ہے۔ اگر کوئی مومن

وہاں گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا۔

[35] یعنی قرآن تمام نسل انسانی کے لئے کامل ہدایت کے ساتھ حضور ﷺ پر اتارا گیا ہے اب اس سے ہدایت لینے والے کا اپنا فائدہ ہے اور گمراہی میں رہنے والے کا اپنا نقصان۔ اور اے پیارے رسول! آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ کفار کو ہر صورت طوعاً و کرہاً مومن بنائیں۔ آپ کا کام یہ ہے کہ آپ پر نازل ہونے والے پیغام کو کفار تک پہنچا دیں یہاں اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَـقِّ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۴۱﴾ سے معلوم ہوا قرآن ساری نسل انسانیت کے لئے ہدایت بن کر آیا ہے۔ لہٰذا قرآن کے بعد کسی آسمانی کتاب اور صاحب قرآن ﷺ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ
اللہ (انسانی) جانوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور اس جان کو بھی جو اپنی نیند میں مرتی نہیں ہے۔ تو
الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىۡ
جس جان پر وہ (نیند ہی میں) موت کا فیصلہ کر دے اسے روک لیتا ہے اور دوسری کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾
اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔ [36]

[36] پہلے کہا جا رہا تھا کہ ہدایت دینا نہ دینا اللہ کے قبضہ میں ہے، اب فرمایا جا رہا ہے کہ موت و حیات بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تو فرمایا گیا کہ جب انسانوں کی موت آتی ہے تو اللہ ان کی جان نکالتا ہے یعنی ان کے جسم سے فرشتے جان نکالتے ہیں۔ اور اللہ اس جان کو بھی ایک طرح کی موت دیتا ہے جو اپنی نیند میں ہوتی ہے اور باقاعدہ مرتی نہیں ہے تو جس جان کے لئے وہ نیند میں موت کا فیصلہ کر لے اسے وہ روک لیتا ہے (یعنی اسے نیند سے اٹھنے نہیں دیتا اور نیند ہی میں ہمیشہ کے لئے سلا دیتا ہے) اور دوسری جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے (اور وہ نیند کی موت سے بیدار ہو جاتی ہیں اور مقرر وقت زندہ رہتی ہیں) اس میں فکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

نیند کو ایک موت قرار دیا گیا

گویا اس آیت میں نیند کو بھی ایک موت قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مُردوں کی ارواح کو قبض کر لیتا ہے جب وہ مرتی ہیں اور زندوں کی ارواح کو بھی قبض کر لیتا ہے جب وہ سوتے ہیں تو وہ سوتے ہوئے کئی چیزوں سے متعارف ہوتی ہیں۔ پھر جس روح پر اللہ (اسکی نیند میں) موت کا فیصلہ کر لے اسے اللہ

روک لیتا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیتا ہے یعنی واپس جسم میں لوٹا دیتا ہے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سونے والے کی روح قبض کر کے آسمان کی طرف لیجائی جاتی ہے تو جو کچھ وہ زمین کی طرف بھیجے جانے سے قبل دیکھے وہ سچا خواب ہوتا ہے اور جو وہ واپس جسم میں آنے کے بعد دیکھے اس میں شیاطین داخل ہوتے اور جھوٹی باتیں ڈالتے ہیں تو وہ جھوٹا خواب ہوتا ہے۔
(تفسیر قرطبی ج ۱۵ ص ۲۶۰)

روحِ حیوانی اور روحِ سلطانی

یاد رہے انسان میں دو طرح کی روح ہوتی ہے روح حیوانی اور روح سلطانی۔ نیند کے وقت اللہ تعالیٰ روح سلطانی کو نکال لیتا ہے اور انسان کی حالت مردے جیسی ہو جاتی ہے مگر روح حیوانی باقی رہتی ہے جبکہ موت کے وقت یہ دونوں روحیں نکل جاتی ہیں اور انسان پر باقاعدہ موت آ جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ روح سلطانی کا مرکز دماغ ہے اور روح حیوانی کا مرکز دل ہے، اسی لیے نیند میں دماغ کام نہیں کرتا اور دل کرتا رہتا ہے کیونکہ نیند میں روح سلطانی نکل جاتی ہے اور روح حیوانی موجود رہتی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روحِ حیوانی کو نفسِ حیات سے تعبیر کیا ہے اور روحِ سلطانی کو نفسِ تمیز سے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یوں سمجھایا کہ نیند کے وقت روح نکل جاتی ہے مگر اس کی شعاع بدن پر رہتی ہے اور موت کے وقت وہ شعاع بھی ختم ہو جاتی ہے۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۷۸) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

نیند کا آغاز و اختتام اللہ کے ذکر سے ہونا چاہیے

اس آیت سے معلوم ہوا نیند موت کی ایک صورت ہے اگر اللہ چاہے تو ہمیں نیند سے اٹھنے نہ دے اور ابدی نیند سلا دے۔ جیسا کہ اس نے اس آیت میں فرمایا: فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ اور ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ لوگ بالکل صحت مند سوتے ہیں انہیں کچھ بیماری نہیں ہوتی، مگر نیند ہی میں ہمیشہ کے لیے مر جاتے ہیں۔ عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ رات کو اس ارادہ کے ساتھ سویا کہ صبح وہ نئے دار الخلافہ سامرا کا افتتاح کرے گا اور نیا دربار سجائے گا، ساری دنیا سے مہمان آئے بیٹھے تھے تا کہ نئے دار الخلافہ کے افتتاح میں شریک ہوں، مگر صبح بادشاہ اپنے بستر میں مردہ پایا گیا۔ چنانچہ سب افتتاح دھرے کا دھرا رہ گیا۔ (تاریخ الامم والملوک) تو یہ اللہ ہی ہے جو اپنی رحمت سے ہمیں ایک موت کے بعد نئی زندگی دے دیتا ہے اور نیند میں اترنا گویا وادی موت میں اترنا ہے تو اللہ کے ذکر سے اس میں اترنا چاہیے اور اٹھنے کے بعد اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

سونے سے قبل اور سونے کے بعد کیا پڑھنا چاہیے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سونے کے لیے بستر پہ جائے تو پہلے بستر کو جھاڑ لے پھر یہ دعا پڑھے: اللهم باسمك ربي وضعتُ جنبي وباسمك ارفعُه اِنْ اَمسكتَ

نفسی فارحمها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به الصالحین۔ ''اے اللہ! میرے رب میں تیرے نام سے اپنا پہلو بستر پہ ڈالتا ہوں اور تیرے ہی نام سے اٹھاتا ہوں، اگر تو نیند ہی میں میری جان کو روک لے تو اس پہ رحم فرما، اور اگر اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔'' (بخاری کتاب الدعوات باب ۱۲، مسلم کتاب الذکر حدیث ٦٢) اس حدیث مبارکہ میں قرآن کے الفاظ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى کی تشریح بھی ہو جاتی ہے۔

حدیث مبارکہ کے مطابق جو شخص آیت الکرسی اور قرآن کی آخری دو سورتیں پڑھ کر سوتا ہے اللہ اسے شیاطین سے محفوظ رکھتا ہے اور حضور ﷺ نیند سے بیدار ہو کر یہ پڑھتے تھے: الحمدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُور ''سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد پھر زندگی دے دی اور اسی کی طرف دوبارہ اٹھنا ہے۔'' آج کئی مسلمان بیکار اور بُری فلمیں دیکھتے ہوئے رات گئے سوتے اور دن چڑھے اٹھتے ہیں، یعنی نہ سونے سے قبل اللہ کا ذکر ہے نہ اٹھنے کے بعد یہ کافرانہ طرزِ زندگی ہے۔ اگر ایسی نیند میں موت آجائے تو وہ سخت بُری موت ہے۔

نیند موت کی یاد دلاتی ہے

نیند چھوٹی موت ہے اور کوئی خود کو چھوٹی موت سے نہیں بچا سکتا۔ نیند کانٹوں کی سیج پر بھی آ جاتی ہے تو بڑی موت سے کوئی خود کو کیسے بچا سکتا ہے، لہٰذا موت سے قبل موت کی تیاری لازم ہے۔ نیند بڑے بڑے طاقتور پہلوانوں اور بڑے بڑے جابر حکمرانوں کو پچھاڑ کے رکھ دیتی ہے اسی طرح جب موت آئے گی تو سب انتظامات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ موت نے بڑے بڑے جابر و قاہر سلاطین کے نام و نشان مٹا کر رکھ دیے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں۔ آپ فرما دیں خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور کچھ نہ جانتے ہوں

وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

(پھر بھی وہ سفارشی ہیں؟) آپ فرمائیں کہ سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے [37] اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ

بادشاہی ہے، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب اللہ وحدہٗ کا ذکر کیا جائے تو آخرت پہ ایمان نہ لانے والوں کے دل

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا (جھوٹے خداؤں) کا ذکر کیا جائے تو پھر وہ خوش ہوتے ہیں

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ

آپ فرما دیں کہ اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے خالق اور ہر چھپی اور ظاہر چیز کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے مابین

تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ [38]

[37] کفار مکہ اپنے جھوٹے خداؤں کے بارہ میں سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کا نظام کائنات چلانے والے ہیں، لہٰذا وہ اللہ سے اپنی بات زبردستی منوا سکتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی تکلیف آ جائے تو ان کے جھوٹے خدا اللہ پر دباؤ ڈال کر اللہ سے وہ تکلیف دور کروا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر اکیلا اللہ اپنا نظام نہیں چلا سکتا اسی لئے انہوں نے کہا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ "کیا اس شخص نے (محمد ﷺ نے) کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا لیا ہے؟ یہ تو بہت عجیب بات ہے۔" (ص، ۵)

اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار نے اللہ کے مقابلہ میں زبردستی کے سفارشی بنا لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو: خواہ تمہارے جھوٹے خدا کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور کچھ عقل نہ رکھتے ہوں (جیسا کہ بتوں کا حال ہے) تو کیا پھر بھی وہ تمہارے سفارشی ہیں؟ جبکہ سفارش کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے یعنی وہ جسے چاہے اذن

شفاعت دیتا ہے کوئی اس پر اپنی سفارش زبردستی نہیں ٹھونس سکتا۔ کیونکہ اللہ ہی کے پاس آسمان وزمین کی بادشاہی ہے اور تم سب نے بھی اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، تو پھر اس سے کوئی زبردستی اپنی بات کیسے منوا سکتا ہے۔

انبیاء واولیاء کی شفاعت

یہاں قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں اللہ کے اذن سے شفاعت ہو سکتی ہے اور یہ انبیاء و اولیاء کا مرتبہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ''اللہ کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے۔'' (بقرہ:۲۵۵) اور رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں فرمایا گیا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ''اور اگر لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کر لیں تو آپ کے پاس آ جائیں، پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول اللہ (ﷺ) ان کی سفارش کر دیں تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحیم پائیں گے۔'' (نساء، ٦٤) یہ حضور ﷺ کی شفاعت دنیا میں ہے اور آخرت میں آپ کی شفاعت ہی سے سب کا بیڑہ پار ہوگا، اس پہ کثیر احادیث متفق علیہ وارد ہیں۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا معنی

اس جگہ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ سے معلوم ہوا کہ قرآن میں من دون اللہ کے الفاظ جب غیر اللہ کی شفاعت یا مدد کی نفی کے لیے آئیں تو ان کا معنی اللہ کے مقابلہ میں کسی کی شفاعت یا مدد کی نفی ہوتا ہے، کیونکہ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ کا معنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے سوا کسی کو شفیع نہ مانا جائے اسلیے کہ جو اللہ کو شفیع مانے گا وہ اللہ سے اوپر کسی کو خدا مانے گا جس کے دربار میں اللہ شفیع بنے اور یہ کفر ہے۔ لہٰذا اسکا یہی معنی ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کسی کو شفیع نہ مانا جائے۔ اسی طرح وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (بقرہ:۱۰۷) کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی کسی کا حمائتی اور مددگار نہیں، یہ معنی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کا مددگار نہیں ہے۔ لہٰذا اس مفہوم کی آیات کو انبیاء واولیاء سے استغاثہ کی حرمت پر بطور دلیل لانا غلط استدلال ہے۔

[38] کفار مکہ کو اللہ وحدہٗ لاشریک سے کوئی محبت یا دلچسپی نہ تھی۔ انہیں صرف اپنے جھوٹے خداؤں سے تعلق تھا۔ لہٰذا جب ان کے سامنے اللہ وحدہٗ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے دل تنگ اور چہرے افسردہ ہو جاتے اور جب ان کے جھوٹے خداؤں کا نام لیا جاتا تو وہ کھل اٹھتے۔

کفار مکہ کا شرک کیسا تھا؟

معلوم ہوا کفار مکہ کا کہنا مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ کہ ''ہم اپنے خداؤں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے کچھ قریب کر دیں۔'' (زمر:۳) یہ محض دھوکہ دہی تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے بتوں کو اہمیت دیتے تھے اور اللہ کا نام وہ صرف خانہ پری کے لئے اور بامر مجبوری لیتے تھے۔ اسی لئے وہ جنگوں میں صرف اپنے بتوں کا نام بلند کرتے تھے جیسے غزوہ احد میں ان کا نعرہ تھا: اُعۡلُ هُبُلُ ہبل کی جے ہو۔ اس کے جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعرہ لگایا: اللہ اعلیٰ و اَجَلّ۔ اسی طرح کفار نے احد میں نعرہ لگایا: ان لنا العزی ولا عزی لکم، ہمارا عزیٰ ہے تمہارا کوئی عزی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نعرہ سکھایا: اللہ مولٰینا ولا مولیٰ لکم، اللہ ہمارا مولا ہے، اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ۱۶۴) اگر کفار عرب اللہ تعالیٰ کی ذات کو کچھ اہمیت دیتے ہوتے تو جنگوں میں اللہ کا نام کیوں بلند نہ کرتے۔ یہی ان کا وہ شرک تھا جس کے رد میں قرآن کا بڑا حصہ اترا، تو جو شخص مسلمانوں پہ اس شرک کا الزام رکھتا ہے، وہ بڑا ملحد و زندیق ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ

اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہو تو وہ

مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

روز قیامت بُرے عذاب سے بچنے کے لئے اسے بدلے میں ضرور پیش کریں گے اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر

يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ہوجائے گا جس کا وہ گمان بھی نہ رکھتے تھے۔ ان کے لئے ان کے اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہوجائیں گی اور جس عذاب کو وہ جھٹلاتے تھے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً

وہ انہیں گھیر لے گا [39] جب انسان کو تکلیف آتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے

مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

نعمت دیتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے میرے علم کی وجہ سے دی گئی ہے مگر یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

نہیں جانتے [40] ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی بات کہی تھی تو انہیں وہ (مال) نہ بچا سکا جو وہ

يَكْسِبُوْنَ ۝۵۰ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ

کماتے تھے انہیں ان کے اعمال کی بُرائیاں پہنچ گئیں اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں ان کی

سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۱ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

کمائی کی بُرائیاں پہنچیں گی اور وہ (اللہ کو) بے بس نہیں کر سکتے تھے [41] کیا وہ نہیں جانتے کہ

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ ع

اللہ جس کے لئے چاہے رزق کو تنگ یا کشادہ کر دیتا ہے بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [42]

[39] روز قیامت کفار تمنا کریں گے کہ اے کاش! اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کے خزانے ہوں اور اتنے مزید خزانے انہیں مل جائیں تو وہ انہیں دے کر خود کو عذاب جہنم سے بچالیں، کیونکہ اس دن ان پر وہ خوفناک صورت حال واضح ہو گی جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ عذاب کی بات محض گپ ہے مگر وہی عذاب انہیں آ گھیرے گا۔

[40] جب انسان کو تکلیف آتی ہے تو اللہ کو رو رو کر پکارتا بہت نمازیں پڑھتا اور لمبی دعائیں کرتا ہے مگر جب اللہ اسے تکلیف کی جگہ راحت دے دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میرے علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم تھا فلاں دوائی سے میری بیماری جا سکتی ہے یا فلاں دوست کے ذریعے میری مشکل آسان ہو سکتی ہے تو اس کی وجہ سے میری پریشانی دور ہو گئی۔ یا یوں کہیے کہ جب انسان کے حالات تنگ ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتا ہے اور جب حالات اچھے ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں نے اپنے علم اور تجربہ سے یہ فراخی حاصل کی ہے، یعنی پھر اس کی توجہ اللہ سے ہٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ انسان کی آزمائش ہے کہ تکلیف دور ہونے کے بعد وہ اللہ کو یاد رکھتا ہے یا نہیں مگر اکثر لوگ اس آزمائش کو نہیں سمجھتے۔ اس میں ہمارے لئے درس ہے کہ ہم صرف تکلیف میں ہی اللہ کو یاد نہ کریں بلکہ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھیں اسے کبھی نہ بھولیں۔

[41] یعنی گزشتہ امتوں کے گمراہ لوگ بھی یہی کہتے تھے کہ ہماری نعمتیں ہماری محنت ولیاقت کا پھل ہیں مگر جب ان پر عذاب آیا تو ان کا کمایا ہوا مال انہیں بچا نہ سکا۔ کیونکہ اللہ سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا یہ اسی طرح ہے جیسے قارون نے کہا: اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ کہ ''یہ دولت مجھے میرے علم کی بنیاد پر دی گئی ہے۔'' (قصص:۷۸)

[42] یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ انہیں جو کچھ ملا ان کے علم سے ملا کیا وہ نہیں جانتے کہ رزق تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کے لئے چاہے رزق کھولے جس کے لئے چاہے تنگ کر دے۔ یاد رہے کہ اگر رزق علم کی بنیاد پر ہوتا تو پڑھے لکھے لوگ جاہلوں کے ہاں ملازم نہ ہوتے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ مگر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کم پڑھے لکھے یا بالکل ان پڑھ لوگوں کے پاس دولت کے انبار ہوتے ہیں اور ان سے بہت زیادہ پڑھے لکھے لوگ ان کے بزنسز کو چلاتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لانے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ

آپ فرما دیں اے میرے بندو! جنہوں نے خود پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

بے شک اللہ سب گناہ معاف فرما دیتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے[43]

اللہ کا اپنے بندوں کو توبہ کی طرف متوجہ کرنا

[43] اس سے قبل بتایا جا رہا تھا کہ رزق کی تنگی وکشادگی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا بھی اللہ کے اختیار میں ہے یعنی وہی بخشش کا مالک ہے تو فرمایا گیا اے میرے بندو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کئی اہل شرک نے کثرت سے لوگوں کو قتل کیا ہوا تھا اور وہ کثرت سے زنا کر چکے تھے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے آپ کی دعوت تو بہت اچھی ہے مگر جو گناہ ہم نے کئے ہیں کیا ان کا کوئی کفارہ بھی ہے؟ (اگر ہو تو ہم کفارہ ادا کر کے ایمان لے آئیں) تو یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ زمر باب احدیث ۴۸۱۰) مروی ہے کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بھی انہی لوگوں میں سے تھے بلکہ انہی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے شرک، قتل اور زنا جیسے جرائم کئے ہیں۔ تب وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ آیت اتری اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ بھی نازل ہوئی (درمنثور) تب وہ ایمان لے آئے۔

ایمان لانے سے زمانۂ کفر کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں

ظاہر ہے جب ایمان لانے سے کفر معاف ہو جاتا ہے تو دوسرے گناہ کیسے باقی رہ سکتے ہیں؟ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے: الاسلامُ يهدم ما قبلهٗ ''اسلام اپنے سے قبل والے سب گناہ منہدم کر دیتا ہے۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۶) لہٰذا جو لوگ حضرت عمر فاروق، خالد بن ولید، ابوسفیان اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے قبل از اسلام والے معاملات کی وجہ سے ان پر اعتراضات کرتے ہیں وہ بہت ظالم ہیں انہیں ایمان کی قدر و قیمت کا احساس نہیں۔

توبہ کی فضیلت

یاد رہے اللہ تعالیٰ اس آیت کے مطابق سب گناہ معاف کر دیتا ہے تاہم صغائر نیکیوں کی برکت سے بغیر توبہ معاف

ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث ہے کہ پانچ نمازیں اور نماز جمعہ اور روزۂ رمضان سے گناہ مٹ جاتے ہیں بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔ (مسلم کتاب الطہارت حدیث ۱۶) اور کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے اور سچی توبہ سے اللہ ہر گناہ معاف کر دیتا ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ ''جو شخص برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے (یعنی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کرے) پھر اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔'' (نساء:۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اپنے بندے کی توبہ کے سبب اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک خطرناک جنگل میں سفر کر رہا تھا، وہاں اس کی سواری کھو گئی اور اس پر سارا زادِ سفر اور کھانا پینا بھی جاتا رہا۔ وہ وہاں بھوکا پیاسا لیٹ گیا تاکہ اسے موت آجائے۔ اس کی آنکھ لگ گئی، مگر جب وہ اٹھا تو اس کی سواری اس کے پاس کھڑی تھی اور سارا زادِ سفر بھی اس پر موجود تھا، وہ جس قدر خوش ہوا اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔'' (مسلم کتاب التوبہ حدیث ۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو گے (اور اس پر توبہ نہ کرو گے) تو اللہ تمہیں دنیا سے اٹھا کر تمہاری جگہ دوسرے لوگ لائے گا، جو گناہ کریں گے (پھر توبہ کریں گے) تو اللہ انہیں بخشے گا۔'' (مسلم کتاب التوبہ حدیث ۱۱)

اس جگہ وہ حدیث بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بنی اسرائیل میں جس شخص نے ایک سو افراد کو قتل کیا تھا جب وہ سچی توبہ کے لیے گھر سے نکلا اور راستہ میں اسے موت آگئی تو اللہ نے اسے بخش دیا۔ اس لیے کہ وہ سچی توبہ کیساتھ گھر سے نکلا تھا۔ (مسلم کتاب التوبہ حدیث ۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص نے اپنے آپ پر اور زیادتی کی تھی (یعنی بہت گناہ کیے تھے) جب اسے موت آئی تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی: جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری خاک کو ہوا اور سمندر میں اڑا دینا، اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو ایسی سزا دیگا جو اس نے کسی کو نہ دی ہوگی، انہوں نے اسی طرح کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کی خاک کو جمع کر دے، تو اسے زندہ کر کے کھڑا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا اے اللہ! تیرے خوف سے ایسا کیا ہے، تو اللہ رب العزت نے اس کی بخشش فرما دی۔ (مسلم کتاب التوحید حدیث ۲۵)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کسی کو مایوس کرنا سخت جرم ہے

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا کسی کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ تمہیں اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں دو آدمیوں کے درمیان بھائی چارہ تھا۔ ایک بہت گناہ کرتا تھا اور دوسرا بڑا عابد و زاہد تھا۔ عابد شخص اپنے اس بھائی سے کہتا: باز آجاؤ۔ ایک دن اس نے اسے یہی بات کہی تو اس نے

کہا، میرا معاملہ میرے رب پر چھوڑو، کیا تم مجھ پر نگران لگے ہوئے ہو؟ اس نے غصے سے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی روحیں فوراً قبض کرلیں اور وہ دونوں اللہ کے حضور پیش کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے عابد سے فرمایا کیا تم میری تقدیر سے واقف تھے یا میری نعمتوں پر قابض تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے گناہگار سے فرمایا تم میری رحمت سے جنت میں چلے جاؤ اور عابد کے بارہ میں فرشتوں سے فرمایا کہ اسے دوزخ میں پھینکو (کیونکہ اس نے اللہ پہ افتراء کیا تھا)۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۴۳ صفحہ ۴۹۰۱)

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ

اور اپنے رب کی طرف توجہ کرو اور اس کے آگے سر جھکاؤ، اس سے قبل کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمہاری

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

مدد نہ کی جائے اور اس بہتر سے بہتر حکم کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اتارا گیا، اس سے قبل

يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى

کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں شعور تک نہ ہو [44] تاکہ کوئی جان یہ نہ کہے ہائے افسوس

عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ

اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے بارہ میں کی اور بے شک میں مذاق کرنے والوں میں سے تھا [45] یا کوئی جان کہے:

لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى

اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں پرہیزگاروں میں سے ہو جاتا یا یہ کہے جب عذاب دیکھے

الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ

کہ کاش مجھے واپسی ملے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں [46]۔ کیوں نہیں؟ تمہارے پاس

اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

میری آیات آئیں تو تم نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تم منکروں میں سے تھے [47]

[44] اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا اپنے بندوں سے فرمایا کہ موت کا عذاب آنے سے قبل اپنے رب

کی طرف توجہ کرلو یعنی توبہ کر کے بُرائی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کی طرف آ جاؤ۔ اور اللہ نے تمہاری طرف قرآن اتارا ہے اس پر بہترین طریقہ سے عمل کرلو۔ معنی یہ ہے کہ موت تک انسان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ جب بھی توبہ کر کے نیکی کے راستہ پہ آ جائے اللہ تعالیٰ اسے اپنا قرب عطا فرما دیتا ہے۔ اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو بہت بڑی امید دلائی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص ھشام بن عاص اسلام لایا، پھر ہجرت کے موقع پہ وہ میرے ساتھ ہجرت کے سفر پہ تیار تھا، مگر اسے ابو جہل نے گرفتار کرلیا اور ہجرت سے روک دیا۔ بعد میں اس کا عقیدہ خراب کر دیا گیا اور وہ دین سے پھر گیا۔ مجھے اس کا شدید افسوس تھا، جب یہ آیات اُتریں: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ .... وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ۔ الخ تو میں نے ہشام کو یہ آیات لکھ کر مکہ بھیجیں۔ ہشام کہتے ہیں جب یہ آیات مجھے مکہ میں ملیں تو میں انہیں لے کر سرگرداں پھرتا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے میری راہنمائی فرمائی اور میرے دل نے گواہی دی کہ یہ آیات میرے ہی جیسے لوگوں کی توبہ کے لیے اتری ہیں۔ تب میں نے اپنا اونٹ لیا اور سفر کرتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور ایمان لے آیا۔ (سیرت ابن ھشام صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

[45] اَنْ تَقُوْلَ اصل میں لِاَنْ لا تقول ہے جیسے اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (نحل:۱۵) اصل میں لان لا تميد بكم ہے، یعنی اے انسانو! آج توبہ کرلو تاکہ تم میں سے کوئی جان روز قیامت یہ نہ کہے کہ ہائے افسوس! میں اللہ کی اطاعت نہ بجالایا بلکہ اللہ کے احکامات کا مذاق اڑاتا رہا۔ جیسے آج کئی لوگ داڑھی کی تلقین سن کر داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں، نماز کا حکم سن کر کہتے ہیں نماز میں کیا پڑا ہے، سود سے بچنے کا کہا جائے تو کہتے ہیں یہ تو ایک تجارت ہے، رشوت سے بچنے کے کا حکم دیا جائے تو کہتے ہیں اس کے بغیر گزارا نہیں ہے، پردے کا حکم سن کر فیشن پرست عورتیں پردے کو دقیانوسیت قرار دیتی ہیں۔ یہ بہت خطرناک اندازِ فکر ہے کسی حکم الٰہی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

[46] روز قیامت مجرمین تمنا کریں گے کہ انہیں دنیا میں واپس بھیجا جائے تو وہ نیکوکار ہو جائیں گے مگر اس وقت کا واویلا بیکار ہوگا، آج وقت ہے مجرموں کو توبہ کر لینی چاہیے۔

[47] روز قیامت جب کفار کہیں گے کہ ہمیں دنیا میں واپس جانے دیا جائے تو ہم کبھی کفر نہ کریں گے۔ اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں، تمہارے پاس میری آیات آئیں تو تم نے انہیں جھٹلایا اور تکبر سے کام لیتے ہوئے انکار کی راہ اپنائی۔ لہٰذا اب تمہیں واپس نہیں جانے دیا جائیگا اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا۔ کہ "اگر کفار کو واپس دنیا میں بھیجا جائے تو وہ پھر وہی کام (کفر و شرک) کریں گے جس سے انہیں روکا گیا۔" (انعام:۲۸)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ
اور روز قیامت آپ دیکھیں گے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں کے چہرے سیاہ ہیں۔ کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کا
جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ
ٹھکانہ نہیں؟ [48] اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ ان کی کامیابی کے سبب بچا لے گا۔ انہیں برائی
السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
نہ پہنچے گی اور وہ غمزدہ نہ ہوں گے اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا
وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
کارساز ہے، اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اور جنہوں نے اللہ کی آیات سے انکار کیا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع
وہی خسارے والے ہیں۔ [49]

[48] روز قیامت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے (اس کے لئے جھوٹے شریک اور اولاد ماننے) والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا جبکہ اللہ سے ڈر کر ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو اللہ کامیابی دے گا اور وہ قیامت کی ہولناکی سے محفوظ رہیں گے۔ تو متکبروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''متکبروں کو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں لایا جائے گا مگر ان کے چہرے انسانوں والے ہوں گے۔ انہیں جہنم کی طرف ذلت سے گھسیٹا جائے گا اور اہل جہنم کے جسم سے نکلنے والی غلاظت پلائی جائے گی۔'' (ترمذی کتاب احوال القیامہ باب ۴۷، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

[49] اللہ رب العزت ہر چیز کا خالق ہے اور آسمان و زمین کے جملہ خزائن کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں وہ جس کو جس قدر چاہے دنیا و آخرت میں عطا فرمائے اور اسکی مخلوق میں اسے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔ اس لیے اس نے آپ کو تمام زمین کے خزائن کی چابیاں دیدی ہیں۔

چنانچہ حدیث مبارکہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے دے دی ہیں۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۲، مسلم کتاب المساجد حدیث ۶، نسائی کتاب الجهاد باب ۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶۴)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى

آپ فرما دیں اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو؟ جبکہ آپ کی طرف اور آپ سے قبل والے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ

انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم نقصان والوں میں سے

الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ

ہو جاؤ گے، بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزار رہو [50] اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی

حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ

جیسا اس کی قدر کا حق ہے اور ساری زمین روز قیامت اس کے قبضہ میں ہو گی اور سارے آسمان اس کے ہاتھ میں

بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

لپٹے ہوں گے، اللہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔ [51]

ردِ شرک اور احوالِ قیامت کا بیان

[50] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ہم آپ کو اتنا مال دے سکتے ہیں کہ آپ مکہ کے سب سے مالدار شخص بن جائیں گے اور ہم عرب کی سب سے حسین لڑکی سے آپ کی شادی کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ ہمارے خداؤں کو برا نہ کہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں بت پرستی کے رد سے رک نہیں سکتا، مشرکین نے کہا اگر یہ نہیں تو پھر آپ ایک برس ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں ہم ایک برس آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں گے۔ تب یہ آیت اتری: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ اور یہ سورت بھی اتری: قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۲۳۱) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ مشرکین سے فرمائیں کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کا کہتے ہو، حالانکہ مجھے اور مجھ سے قبل سارے انبیاء کو وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے، اس کی بجائے تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار رہو۔''

یاد رہے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ حکم فرمایا جانا کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضبط کر لیے جائیں گے، بفرضِ محال

کی صورت میں ہے جیسے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝۸۱ ''اگر بالفرض رحمن کی اولاد ہوتو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں گا۔'' (زخرف:۸۱) اور فرمایا گیا: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ ''اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا بالفرض کئی خدا ہوتے تو زمین وآسمان ٹوٹ پھوٹ جاتے۔'' (انبیاء، ۲۲)

رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی کا دروازہ بند ہونا قرآن کی روشنی میں

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ وحی کا نزول نبی اکرم ﷺ پہ ہوا اور آپ سے پہلے انبیاء پہ ہوا آپ کے بعد کوئی وحی نہیں اتاری جائے گی۔ اگر آپ کے بعد بھی نزولِ وحی کا سلسلہ جاری ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کے بعد یوں کہا جاتا: و الی الذین من بعدك۔ یعنی ان انبیاء کی طرف بھی وحی کی جائے گی جو آپ کے بعد ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ آپ کے بعد وحی کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

یہ وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم میں مزید کئی مقامات پہ یوں بیان کیا گیا:

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ ''یوں ہی آپ کی طرف وحی کی گئی اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی۔'' (شوریٰ، ۳)

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ''اور ایمان والے اس وحی پہ ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی اور جو آپ سے قبل اتاری گئی۔'' (نساء، ۱۶۲)

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ ''اور متقین وہ ہیں جو اس وحی پہ ایمان لاتے ہیں جو آپ پہ اتاری گئی اور جو آپ سے قبل اتاری گئی۔'' (بقرہ، ۴)

اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی وحی اتاری جانے والی تھی تو آخر اللہ تعالیٰ نے کسی مقام پہ اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یہ کیسے متصور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ وحی پہ ایمان کا حکم دیدیا اور آئندہ وحی کے بارہ میں لوگوں کو اندھیرے میں چھوڑ دیا؟

رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی کا انقطاع احادیث کی روشنی میں

پھر احادیث مبارکہ صراحت کر رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی وحی باقی نہیں رہی، صرف اچھی خوابیں باقی رہ گئی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لم یبق من النبوۃ الا المبشرات۔ ''نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوا مبشرات کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مبشرات کیا ہیں، فرمایا: اچھے خواب۔'' (صحیح بخاری کتاب التعبیر باب ۵ حدیث ۶۹۹۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے وصال سے قبل) اپنے دروازہ کا پردہ

اٹھایا۔ لوگ اس وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف بستہ کھڑے تھے (ایک روایت کے مطابق اس وقت آپ نے درد سر کی وجہ سے اپنا سر باندھا ہوا تھا) آپ نے فرمایا: اے لوگو! انه لم یبق من مبشرات النبوة الا الرؤیا الصالحة۔ نبوت کی مبشرات میں سے کچھ باقی نہیں رہا (وحی کی اقسام میں سے کچھ باقی نہیں رہا) البتہ اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں۔ (مسلم کتاب الصلوۃ حدیث ۲۰۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: النبوة والرسالة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ ''نبوت اور رسالت میرے بعد منقطع ہوگئی ہے تو اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ کوئی نبی۔ یہ بات سن کر صحابہ پریشان ہوگئے۔ تب آپ نے فرمایا: الا المبشرات۔ ہاں صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مسلمان کا خواب ہے اور یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الرؤیا، باب ۲)

اس مضمون کی احادیث بیشمار ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ وحی کے وہ تمام ذرائع جن سے کسی نبی یا رسول کو غیب کی خبریں ملتی تھیں وہ سب ذرائع مسدود کر دیے گئے ہیں اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے کچھ ہی دیر پہلے ارشاد فرمائی، یعنی جب آپ کے وصال سے کچھ دیر قبل وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تو آپ بستر علالت سے اٹھ کر لوگوں کو بتانے آئے اور فرمایا کہ چونکہ اب وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس لیے اب کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ البتہ اچھے خوابوں کا سلسلہ جاری رہے گا، مگر صرف اچھے خوابوں کے ساتھ کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ نبوت کا ایک جزء ہے اور ایک جزء کے ملنے سے کُل کا ملنا لازم نہیں آتا۔ ورنہ جس کے پاس ایک اینٹ ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس محل ہے، جس کے پاس گاڑی کا ایک ویل ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس گاڑی ہے۔ جب ایسا نہیں ہوسکتا تو صرف اچھے خواب کے ملنے سے نبوت کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تو یہ تمام احادیث بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے، اس لیے اب کوئی رسول یا نبی نہیں آسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا دروازہ بند ہونا اقوالِ صحابہ کی روشنی میں

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کہا کہ ابھی آپ منکرین زکوٰۃ سے قتال شروع نہ کریں تو انہوں نے فرمایا: انه قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حیّ۔ بیشک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور دین مکمل کر دیا گیا ہے۔ تو کیا اب میرے ہوتے ہوئے دین کو ناقص کیا جائے گا؟ (مشکوٰۃ شریف کتاب المناقب باب مناقب ابو بکر الصدیق فصل سوم)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو آپ نے جو خطبہ دیا اس کے بعض الفاظ یہ تھے: الا وان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قد انطلق ورُفع الوحی۔ خوب سن لو کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اور وحی کا سلسلہ اٹھا لیا گیا ہے۔
(مستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۴۸۶ کتاب الفتن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے فرمایا تم فلاں گناہ نہ کیا کرو۔ ایک صحابی رسول ﷺ نے سن کر کہا: کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی اترنے لگی ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا: اب وحی تو نازل نہیں ہوگی مگر فراست تو باقی ہے۔ (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۴۷۰)

نہج البلاغہ میں حضرت مولیٰ علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے ایک خطبہ کے بعض الفاظ یہ ہیں: ارسلہ علی فترۃ من الرسل، فقفّٰی بہ الرسل وختم بہ الوحی، اللہ نے رسول اکرم ﷺ کو ایک زمانہ فترت کے بعد بھیجا اور انہیں اللہ سب انبیاء کے پیچھے لایا اور ان کے ذریعہ سلسلہ وحی کو ختم کر دیا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۳ صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے بعد باب وحی کا بند ہو جانا مرزا قادیانی کی تحریرات سے

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ابتدائی تصانیف میں بڑے شد و مد کے ساتھ کہتا تھا کہ اب وحی اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور ایسے دعوے کرنے والا شخص کافر ہے۔ مگر بعد میں اس نے خود ہی دعویٰ نبوت و رسالت کر دیا، تو اس کی بعض پرانی تحریرات یہ ہیں:

''کیونکہ حسب تصریحات قرآن کریم اور رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد دین جبرائیل کے ذریعہ حاصل کیے ہوں، لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے، کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟''
(ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ لندن)

''ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ فرمایا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرائیل کو بعد وفات رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کے لیے وحی نبوت کے لانے سے منع کیا گیا ہے تو پھر کوئی شخص بحیثیتِ رسالت ہمارے نبی ﷺ کے بعد ہرگز نہیں آسکتا۔''
(ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۱۲)

''اے لوگو اے مسلمانوں کی ذریّت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔''
(آسمانی فیصلہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۳۵ مطبوعہ لندن)

مرزا قادیانی کا بعد میں دعویٰ نبوت و رسالت وحصول وحی کرنا

مگر اس کے بعد مرزا قادیانی اپنے فیصلہ کے مطابق قرآن کا دشمن بھی بنا اور اس نے تمام تر شرم خدا کو بالائے طاق رکھ کر علی الاعلان حصولِ وحی کا دعویٰ کیا اور خود کو رسول و نبی قرار دیا، اس نے کہا:

''میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہونگے، مگر بعد میں خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور مجھے صریح طور پر نبی کا لقب دیا گیا، تو میں اس کی اس پاک وحی پر ویسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔''

(حقیقۃ الوحی مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۵۴)

''آنچہ من بشنوم ز وحی خدا، بخدا پاک دانمش ز خطا۔ ہمچو قرآن منزہ اش دانم، از خطاہا ہمیں ست ایمانم۔ بخدا ہست ایں کلام مجید از دہان خدائے پاک ووحید۔ یعنی میں جو وحی خدا سنتا ہوں، اسے میں ہر خطا سے پاک جانتا ہوں۔ میں اسے قرآن کی طرح ہر خطا سے مبرا مانتا ہوں، خدا کی قسم یہ بھی قرآن مجید ہے جو خدا پاک و یکتا کے منہ سے نکلا ہے''۔ (یہ مرزا کے فارسی اشعار کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے) (نزول مسیح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۷۷)

اب قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ قرآن وحدیث، اقوالِ صحابہ اور خود مرزا قادیانی کے اپنے اقوال کی روشنی میں مرزا قادیانی کا دین و ایمان اور خدا اور رسول سے کیا تعلق ہے؟

مشرکین عرب کا تصورِ شرک:

اس آیت قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴿۶۴﴾ اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو اپنا نہیں مسلمانوں کا معبود سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ایک برس ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے ایک برس آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کریں۔ معلوم ہوا کہ ان کے معبود صرف ان کے بنائے ہوئے بت یا ان سے تعلق رکھنے والے شیاطین تھے اور وہ انہیں اللہ کا مدمقابل جانتے تھے لہٰذا ان کا کہنا: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ کہ ''ہم صرف قرب الٰہی کے حصول میں اپنے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں۔'' (زمر: ۳) محض دھوکہ دہی تھا کیونکہ اپنے جھوٹے خداؤں کے مقابلہ میں وہ اللہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا انبیاء و اولیاء سے توسل کرنے کو مشرکین عرب کی بت پرستی سے تشبیہ دینا جیسا کہ بعض انتہاء پسند لوگوں کا طریقہ ہے، محض غلط اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا ہے۔

[51] مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھوٹے خدا ملا کر اللہ کی بے قدری کی اور اللہ کا حق نہ جانا، جبکہ اللہ کی یہ عظمت ہے کہ روز قیامت اس نے سب زمین و آسمان کو لپیٹ کر اپنے دست قدرت میں لے لیا ہوگا ایسے عظیم رب کے ساتھ کسی کو کیسے شریک کیا جا سکتا ہے؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ ''ہم اس دن آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے فرشتہ سجل اعمال نامے لپیٹ دیتا ہے۔'' (انبیاء، ۱۰۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ، بتاؤ زمین کے دوسرے بادشاہ کہاں ہیں؟ (بخاری کتاب التفسیر سورہ زمر حدیث ۴۸۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پہ فرمایا: اللہ جبار سب آسمانوں اور زمین کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لے گا اور فرمائے گا میں جبار ہوں میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں ظلم وتکبر کرنے والے بادشاہ؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ۖ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ ؕ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ منبر رسول ﷺ (اس خطبہ کے جلال سے) دائیں بائیں جھولنے لگا حتی کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ اس سے گر نہ جائیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۶ حدیث ۳۰۲۲۴) اور بلاشبہ لکڑیوں اور پتھروں میں بھی احساس ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کچھ پتھروں سے پانی بہہ پڑتا ہے اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (بقرہ، ۷۴)

وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین میں جو بھی ہے ہلاک ہو جائے گا سوا اس کے

شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ ۞ وَاَشۡرَقَتِ

جسے اللہ چاہے پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو سب لوگ کھڑے دیکھتے ہوں گے [52] اور زمین

الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِاىْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ

اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور اعمال نامہ لایا جائے گا اور انبیاء و شہداء کو لایا جائے گا اور لوگوں میں

وَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡحَـقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۞ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا

حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔ اور ہر جان کو پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے

عَمِلَتۡ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ۞ ع

عمل کیا اور اللہ جانتا ہے لوگ جو عمل کرتے ہیں۔ [53]

[52] گزشتہ آیت میں روز قیامت آسمانوں کا لپیٹ دیا جانا مذکور ہوا اب قیام قیامت کا حال بتایا جارہا ہے کہ پہلے ایک بار صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز ہلاک ہو جائے گی، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے یعنی چار بڑے فرشتے جبرائیل، میکائیل، عزرائیل و اسرافیل اور حاملین عرش فرشتے، پھر وہ بھی حکم الٰہی سے مرجائیں گے۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب انسان دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے۔

صور کیسے پھونکا جائے گا؟ حدیث کی روشنی میں

صور کیسے پھونکا جائے گا اور قیامت کیسے قائم ہوگی اس کی مکمل تفصیل تو طویل ہے، مختصراً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صور کی شکل سینگ جیسی ہے اس کی آواز سے آسمان وزمین کی ہر مخلوق مرجائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ زمین پہ چالیس دن بارش برسائے گا جس کی وجہ سے لوگ زمین سے یوں اُگیں گے جیسے زمین سے پودے اُگتے ہیں اور انسان میں ایک ہڈی ہوتی ہے جسے زمین نہیں کھاتی اسے عجب الذنب کہا جاتا ہے اسی سے دوبارہ ہر شخص کا جسم بنایا جائے گا۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور دونوں بار کے صور میں چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔ (درمنثور بروایت ابوداود فی البعث جلد ۷ صفحہ ۲۵۲) اس حدیث کا مفہوم بخاری ومسلم میں بھی مروی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں چین سے کیسے بیٹھوں جبکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور کو منہ میں رکھ لیا ہے اور حکم پہ کان لگائے کھڑا ہے وہ منتظر ہے کہ اسے کب صور پھونکنے کا حکم ملتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر ہمیں کیا کہنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: کہو: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، علی اللہ توکلنا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ زمر باب ۷)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جمعہ سب سے افضل دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی میں ان کی روح قبض کی گئی، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں سب مخلوق ہلاک ہوگی۔''
(ابوداود کتاب الصلوۃ باب ۲۰۱)

[53] جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق اللہ کے حضور حاضر ہو جائے گی اور قیامت کی زمین اللہ کے عدل سے چمک اٹھے گی، وہ اس طرح کہ ہر شخص کا عمل نامہ پیش کر دیا جائے گا۔ پھر انبیاء آئیں گے وہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے دنیا میں اپنی اپنی قوم کو پیغام حق پہنچا دیا تھا، کفار کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی پیغام نہیں پہنچا تھا۔ تب امت محمدیہ کے صلحاء کو بطورِ شہداء لایا جائے گا اور وہ انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے، تو یہ معنی ہے انبیاء اور شہداء کے لائے جانے کا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ''یونہی ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔'' (بقرہ: ۱۴۳)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
اور کافروں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا[54] حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھولے جائیں گے
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ
اور اس کے چوکیدار کہیں گے: کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے جو تم پر تمہارے رب کی
رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ
آیات پڑھتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے، کیوں نہیں۔ مگر کافروں پر
كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
عذاب کا فیصلہ ٹھہر گیا تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، وہاں ہمیشہ
فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾
رہنے کے لئے، تو متکبروں کا ٹھکانہ کیا ہی بُرا ہے۔[55]

کفار کے دوزخ میں اور مومنین کے جنت میں جانے کا حال

[54] قیامت کے دن کفار کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا مثلاً گروہ یہود، گروہ نصاریٰ، گروہ ہنود وغیرہ۔ اسی طرح ہر امت کے کفار کا الگ گروہ ہوگا۔

[55] کفار کو جہنم کی طرف ذلت و خواری کے ساتھ لایا جائے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ ''جب کفار کو جہنم کی طرف دھکے دے دے کر بلایا جائے گا۔'' (طور:۱۳) وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ ''ہم کفار کو روز قیامت چہروں کے بل گھسیٹ کر اندھے، گونگے اور بہرے کر کے لائیں گے۔'' (اسراء:۹۷) جب کفار جہنم کے دروازوں تک پہنچیں گے تو وہاں کے پہریدار انہیں رسوا کرنے کے لئے جھڑکتے ہوئے کہیں گے، تمہارے پاس تم میں سے رسولان گرامی آئے، جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی گرفت سے ڈراتے تھے پھر تم نے ان کی بات کیوں نہ مانی؟ وہ اعتراف کرتے ہوئے کہیں

گے ہاں ہمارے پاس رسول آئے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی کیونکہ کافروں پر عذاب کا فیصلہ ٹھہر چکا تھا یعنی ہمارا مقدر ہی یہی تھا۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

علماء نائبین انبیاء ہیں

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کا سوال تا قیامت آنے والے سارے کفار سے ہوگا۔ حالانکہ حضور ﷺ کے بعد تو کوئی رسول نہیں آ سکتا، مگر چونکہ علماء نائبین مصطفیٰ ﷺ ہیں تو ان کا قیامت تک موجود ہونا اور کفار کو دعوت اسلام پہنچانا حقیقت میں نبی کریم ﷺ کا موجود ہونا اور دعوت کا پہنچانا ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا: العلماءُ ورثةُ الانبیاء۔ (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹، ابوداؤد کتاب العلم باب ۱، ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۷)

بعثتِ رسول کے بغیر عذاب جہنم نہیں ہے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعثتِ رسول کے بغیر عذاب جہنم نہیں ہے۔ لہٰذا زمانہ فترت میں توحید کے ماننے والوں کے لئے بخشش ہے جیسا کہ حضور ﷺ کے والدین کا حال ہے۔ انہیں بعض لوگوں کا جہنمی کہنا ایذاء رسول ﷺ ہے۔ حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین نہ صرف اہل ایمان ہیں بلکہ افضل ایمان کے حاملین ہیں۔ یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے والدین سے لیکر آدم علیہ السلام اور اماں حوا تک تمام آباء و امہات اہل ایمان ہیں، یہ تحقیق ہم وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (شعراء، ۲۱۹) کے تحت کر آئے ہیں۔

اہل تشیع کی تیار کردہ امامتِ منصوصہ کا رد

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ سے معلوم ہوا کہ روزِ قیامت کفار سے صرف رسولوں کے بارہ میں کہا جائے گا کہ جب تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے ان کی اتباع کیوں نہ کی؟ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے صرف انبیاء و مرسلین ہی کو مقرر و منصوص فرمایا ہے اور انہی کے بارہ میں روز قیامت سوال کیا جائے گا، مگر اس کے باوجود اہلِ تشیع انبیاء کے بعد بارہ اماموں کے لیے بھی یہی منصب مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بارہ امام بھی اللہ کی طرف سے منصوص ہیں اور ان کا منکر بھی انبیاء کرام کے منکر کی طرح کافر ہے، اور روز قیامت ان کے بارہ میں بھی سوال ہوگا، بلکہ وہ اپنے اسی من گھڑت عقیدہ کی بنیاد پہ تمام صحابہ واہل بیت کو کافر قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے بقول انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق کی بیعت کر لی۔

مگر ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ کیا پورے قرآن میں کسی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ روز قیامت کفار سے کہا

جائے گا: الم یأتکم ائمة منکم یتلون علیکم آیات ربکم۔ جب ایسا کہیں نہیں ہے تو پھر وہ قرآن پہ اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ پھر جس عقیدہ کی وجہ سے تمام صحابہ واہل بیت رسول کافر ٹھہریں (معاذ اللہ) اس سے بڑھ کر ملحدانہ وکافرانہ عقیدہ کونسا ہوسکتا ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ
اور جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں انہیں جنت کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ وہاں آئیں گے اور اس کے
أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾
دروازے کھلے ہوں گے تو وہاں کے پہریدار کہیں گے، تم پر سلام ہو، تم اچھے رہے، تو اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ [56]
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ
اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کے لئے، جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا کہ ہم
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ
جنت میں جہاں چاہیں رہیں، تو عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہے [57] اور تم فرشتوں کو عرش کے گرد
مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ
حلقہ زن دیکھو گے، کہ رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کہتے ہیں اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا
وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾ ع
اور کہا جائے گا کہ سب تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے [58]

ع ۸ الربع ۵

[56] اللہ تعالیٰ سے ڈر کر جولوگ کفر سے اسلام اور گناہگاری سے پرہیزگاری کی طرف آ گئے انہیں جنت کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا، یعنی وہ ہدایت کے جس سلسلہ سے وابستہ ہوں گے اسی سلسلہ کے گروہ میں وہ جنت کی طرف جائیں گے مثلاً گروہ صحابہ، گروہ تابعین، گروہ تبع تابعین، گروہ شہداء، گروہ صالحین وغیرہ، پھر ہر گروہ میں کئی گروہ ہوسکتے ہیں چنانچہ صالحین میں نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی، احناف، شوافع، حنابلہ، مالکیہ وغیرہ۔ یونہی ہر امت کے اہل ایمان کا اپنا گروہ ہوگا۔

امتِ محمدیہ کے لیے روزِ قیامت بخشش کی فراوانی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ میری امت کے ستر ہزار ایسے افراد کو جنت میں بھیجے گا جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد کی جماعت ہوگی (ستر ہزار کو ستر ہزار سے ضرب دی جائے تو چار ارب نوے کروڑ بنتا ہے) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے تین لپ اٹھا کر جنت میں ڈال دے گا'' (اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اللہ کا لپ کتنا بڑا ہے) (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب ۳۱ باب ۱ حدیث ۷۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا سے معلوم ہوا کہ اہل جنت جب جنت کے قریب آئیں گے تو وہاں کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے یعنی جنت اپنی آغوشِ رحمت کھولے ان کا انتظار کر رہی ہوگی، وہاں کے چوکیدار آگے بڑھ کر انہیں سلام پیش کریں گے کہیں گے آپ پر سلام ہو۔آپ کا حال کتنا عمدہ ہے۔اب آیئے ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیے۔اے اللہ! تو اپنی رحمت سے ہمیں جنت کا داخلہ عطا فرما۔

جن خوش نصیبوں کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے پکارا جائے گا

یاد رہے بعض خوش نصیبوں کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے پکارا جائے گا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل نماز (جنہیں نماز سے زیادہ الفت ہے) کو باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا۔اہل جہاد کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔اہل صدقہ کو باب الصدقہ سے دعوت دی جائے گی اور اہل صیام کو باب الصیام سے پکار پڑے گی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا کسی کو جنت کے سب دروازوں سے بھی بلایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وارجو ان تکون منهم۔ اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہو۔''

(بخاری کتاب الفضائل باب ۵ حدیث ۳۶۶۶)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اچھی طرح وضوء کرے پھر یہ پڑھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اسے جنت کے آٹھوں دروازوں سے پکارا جائے گا جس سے چاہے داخل ہو۔'' (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص پانچ نمازیں پڑھے، روزۂ رمضان رکھے، زکوٰۃ دے اور سات بڑے گناہوں سے بچے، اسے جنت کے آٹھوں دروازوں سے بلایا جائے گا۔'' (نسائی کتاب الزکوٰۃ باب ۱) ایک حدیث مبارکہ میں ہے جس کے تین بچے بلوغت سے قبل فوت ہو گئے وہ اسے جنت کے آٹھوں دروازوں سے بلایا جائے گا۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری امت کو چالیس

احادیث حفاظت سے پہنچائیں اسے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔''
(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۶۶ بروایت ابونعیم)

[57] اس میں اشارہ ہے کہ ہر جنتی کو اس قدر وسیع جنت دی جائے گی کہ وہ کبھی اپنی ساری جنتی جائیداد کو دیکھ نہ سکے گا۔

[58] روز قیامت لوگ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش اعظم کے گرد یوں طواف کرتے ہیں جیسے کعبہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور دورانِ طواف فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بجالاتے ہیں۔ ایسے میں اللہ رب العزت سب لوگوں کے درمیان کا فیصلہ کرے گا اور ہر زبان پکارے گی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ اور یہی قرآن مجید کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ گویا تلاوتِ قرآن کریم کا آغاز ان الفاظ سے کیا گیا ہے جو روزِ قیامت اللہ کا انصاف دیکھ کر تمام اہل حشر کی زبان پر ہوں گے۔

الحمد للہ آج 28 جمادی الثانی 1429ھ بمطابق 2 جولائی 2008ء بروز بدھ نماز فجر کے بعد سورہ زمر کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ الغافر

اسے سورۂ مومن بھی کہا جاتا ہے۔ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 40 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 59 ویں سورت ہے۔ یہ سورۂ زمر کے بعد اور سورۂ حم سجدہ سے قبل نازل ہوئی۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۳) اسے سورۂ غافر اس لئے کہتے ہیں کہ حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ سے شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا اسم غافر اسی سورت میں ہے اور کہیں نہیں۔ اسی مناسبت سے اسے یہ نام دیا گیا اور اسے سورۂ مومن کہنا اس لئے ہے کہ اس کے چوتھے رکوع میں قوم فرعون کے ایک مومن کا ایمان افروز ذکر ہے۔

اس سورت میں نوں (9) رکوعات پچاسی (85) آیات، گیارہ سوننانویں (1199) کلمات اور چار ہزار نوں سو ساٹھ (4960) حروف ہیں۔ (خازن جلد ۶ صفحہ ۸۷)

فضیلت

سورۂ غافر (سورۂ مومن) سے سورہ احقاف تک سات مسلسل سورتیں حروف مقطعات حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں، انہیں حوامیم کہا جاتا ہے۔ ان کی فضیلت میں کثیر احادیث مروی ہیں۔ حضرت خلیل بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حوامیم سورتیں سات ہیں اور جہنم کے دروازے بھی سات ہیں۔ تو ان میں سے ہر سورت جہنم کے ایک دروازے پر کھڑی ہو جائے گی اور کہے گی: اے اللہ! جو شخص مجھ پر ایمان لایا اور مجھے پڑھتا تھا اسے اس دروازے میں داخل نہ فرما'' (اور قرآن کی دعا بہر حال مقبول ہے) (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۶۹ بروایت بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حوامیم سورتیں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے'' (انہیں پڑھنے والا جنت کا ایک باغ حاصل کرے گا) (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۶۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے سات لمبی سورتیں (بقرہ تا انفال) تورات کی جگہ عطا فرمائی گئیں۔'' (سورہ توبہ بھی تبعاً انہی میں شامل ہے) راءات سے طواسین سورتوں تک مجھے انجیل کے عوض دی گئیں اور طواسین سے حوامیم تک کا حصہ مجھے زبور کی جگہ دیا گیا اور حوامیم اور مفصل (سورہ حجرات تا سورہ ناس) سورتوں

سے مجھے سب انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۶۷ عن ابن مردویہ) یاد رہے کہ راءات وہ سورتیں ہیں جو الٓرٰ سے شروع ہوتی ہیں اور طواسین وہ جو طٰسٓ سے شروع ہوتی ہیں۔

مضامین

ابتداء میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ ہے، ساتھ میں اللہ رب العزت کی کبریائی وعظمت کا بیان ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوتا ہے جو نصف سورت تک گیا ہے۔ اس میں آل فرعون کے ایک مومن کا ذکر جمیل ہے۔ اس کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کا اخروی عذاب بھی بتایا گیا ہے، پھر اس کے آخری رکوعات میں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں، قدرتوں اور نعمتوں کا بیان ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۸۵ ۴۰ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۲ غَافِرِ الذَّنْۢبِ

حاء میم [1] یہ کتاب کا اتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب و دانا ہے ،گناہوں کا بخشنے والا

وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ

توبہ کا قبول کرنے والا سخت عذاب والا اور بڑی طاقت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبودنہیں [2] اسی کی

الْمَصِيْرُ ۝۳ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ

طرف (سب نے) پلٹنا ہے۔ صرف کفر کرنے والے ہی اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں، تو ان کا شہروں میں دندناتے پھرنا

تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ

تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے [3] ان سے قبل قوم نوح اور ان کے بعد والے گروہوں نے (بھی انبیاء کی)

بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ

تکذیب کی تھی۔ اور ہر امت نے اپنے رسول کو پکڑنا چاہا اور انہوں نے باطل دلیل کے ساتھ

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذٰلِكَ

جھگڑا کیا تاکہ اس سے حق کو جھٹلائیں تو میں نے انہیں پکڑ لیا تو میرا عذاب کیسا (سخت) تھا [4] اور اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

تمہارے رب کا فیصلہ کافروں پر ٹھہر گیا کہ وہی دوزخ والے ہیں [5]

وقف لازم
وقف النبی ﷺ

حقانیت قرآن اور مومنوں کے لئے فرشتوں کا بخشش مانگنا

[1] حٰمٓ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ الٓرٰ، حٰمٓ اور نٓ الرحمٰن کے جداگانہ اجزاء ہیں اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حاء سے اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کی طرف اشارہ ہے جو حاء سے شروع ہوتے ہیں جیسے حکیمٌ، حمیدٌ، حیٌّ، حلیمٌ، حنّانٌ، حَکَمٌ، حسیبٌ اور حفیظٌ اور میم سے اللہ کے وہ اسماء مراد ہیں جو میم سے شروع ہوتے ہیں جیسے مِلكٌ، مَجِیْدٌ، مَنَّانٌ، مُهَيمِنٌ، مُصَوِّرٌ، مُؤمِنٌ، مُتَكَبِّرٌ، مُحْصِ، مُبْدِئٌ، مُعِيْدُ، مُحْي، مُمِيتٌ، مُقْتَدِرٌ، مُقَدِّمٌ، مُؤَخِّرٌ، مُتَعَالی اور مَولیٰ۔ یہی وجہ ہے کہ حٰمٓ کو حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے طور پر یاد کیا گیا ہے۔ ایک جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو یہ نعرہ لگانے کا حکم دیا حٰمٓ لا یُنْصَرون، یعنی حٰمٓ کی قسم کفار کامیاب نہ ہوں گے۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۷۱)

[2] جملہ کفار قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں ارشاد فرماتا ہے کہ قرآن خدائے غالب و دانا کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور اس خدا کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سابقہ گناہ معاف کرنے والا اور آئندہ گناہوں کے لئے توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمانے والا ہے۔ تاہم توبہ نہ کرنے والوں پہ اس کی پکڑ سخت ہے کیونکہ وہ بڑی طاقت کا مالک ہے، طول کا معنی طاقت ہے جیسے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ ”جسے تم میں سے آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو۔“ (نساء، ۲۵)

ان آیات کی عظیم فضیلت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص حٰمٓ سے لے کر اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک اور اس کے ساتھ آیت الکرسی صبح کے وقت پڑھ لے وہ رات تک اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے اور جو رات کو پڑھ لے وہ صبح تک حفاظت میں رہتا ہے۔“ (ترمذی فضائل القرآن باب ۲) مروی ہے کہ مصر کا ایک صالح نوجوان بُری صحبت میں بیٹھنے سے برا ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس نوجوان کی اس صالحیت کی وجہ سے محبت تھی، اس کا حال بگڑنے کی بات سن کر آپ کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے اسے یہی آیات لکھ کر بھیجیں اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ پھر نیکی کے راستہ پر آ گیا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۷۱)

[3] یعنی جب قرآن اس رب کی نازل کردہ کتاب ہے جو غالب و دانا ہے غافر الذنب قابل التوب شدید العقاب اور بڑی طاقت والا ہے تو اس کی نازل کردہ آیات میں جھگڑا کرنا منکروں ہی کا کام ہے یعنی جن کا کام ہی انکار ہے ورنہ جس کے دل میں کچھ بھی انصاف ہے اسے قرآن کی صداقت میں کوئی شک نہیں ملتا۔ اس کے باوجود قرآن کے مخالفین کا دندناتے پھرنا مسلمانوں کو کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ قرآن مجید کا اتارنے والا رب بڑی طاقت والا ہے۔ اگر اس نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل جب امریکی فوجیوں کے ہاتھوں گوانتاناموبے کے قید خانہ میں مسلمان قیدیوں کے سامنے قرآن کی دانستہ بے حرمتی کے واقعات اخبارات میں شائع ہوئے تو پوری دنیا میں اس پر شدید احتجاج ہوا مگر امریکی حکومت نے معذرت تک نہ کی اس وقت یہی آیت ہماری زبان پر آئی: لَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ کہ دشمنان قرآن کا یوں دندناتے پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ اللہ بڑی طاقت والا ہے مگر اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے معلوم ہوا کہ قرآن کی کسی آیت کا منکر پورے قرآن کے منکر کی طرح کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

[4] حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جو کفار کی طرف مبعوث ہوئے، کفار نے ان کی تکذیب کی۔ اس کے بعد ہر نبی ورسول کو کفار نے پکڑ کر قتل یا زخمی کرنا چاہا تاکہ وہ اپنے باطل خیالات کی طاقت سے دین حق کو جھٹلا دیں۔ مگر دستِ قدرت نے انہیں پکڑ لیا چنانچہ قوم نوح کو پانی میں غرق کیا گیا اور دوسری قوموں پر مختلف عذابات آئے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ دشمنان اسلام کی سازشیں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ۔ ''اسلام غالب آتا ہے مغلوب نہیں رہتا۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۹) ہاں، اہل اسلام اپنی غلطیوں کے سبب وقتی طور پر مغلوب ہوسکتے ہیں۔

[5] یعنی کفار ہی اہل جہنم ہیں اگر کوئی مومن شامتِ اعمال سے دوزخ میں جائے تو وہ عارضی وقت کے لئے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مومنین اصحاب النار نہیں اصحاب الجنہ ہیں، ان کا دائمی ٹھکانہ جنت ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو (فرشتے) عرش کے گرد (طواف کرتے) ہیں وہ اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح کہتے ہیں اور اس پر ایمان

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہوئے (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کو رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا

تو تو ان لوگوں کی بخشش فرما، جو توبہ کریں اور تیری راہ پر چلیں اور انہیں عذاب جہنم سے بچا لے [6] اے ہمارے رب

وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ

انہیں ہمیشگی کے باغات میں داخل فرما جن کا وعدہ تو نے ان سے فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ

اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے ایمان والوں کو بھی، بیشک تو غالب حکمت والا ہے اور انہیں برائیوں سے بچا

وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع

اور جسے تو اس دن برائیوں سے بچا لے تو اس پر تیری رحمت ہوئی ہے اور وہ عظیم کامیابی ہے [7]

[6] ایک قول یہ ہے کہ حاملین عرش چار فرشتے ہیں اور قیامت میں ان کی تعداد آٹھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ہے: وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ ''اس دن آٹھ فرشتے آپ کے رب کے عرش کو اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔'' (الحاقہ، ۱۷) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی تعداد ہمیشہ سے آٹھ ہی ہے۔ جبکہ عرش کے گرد طواف کرنے والے فرشتوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے یہ حاملین و طائفین عرش فرشتے اللہ کی حمد وثنا کہتے اور زمین پہ بسنے والے مومنین کے حق میں استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے یعنی تو ان کے گناہوں سے واقف ہے اور تیری رحمت ان کے گناہوں پہ بھاری ہے۔ لہٰذا جو شخص کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے یا گناہوں سے توبہ کر کے نیکی کی طرف آجائے تو اے اللہ! تو اس کی بخشش فرما اور ایسے لوگوں کو عذاب جہنم سے بچالے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) شفاعت کا دروازہ آج بھی کھلا ہے:

جب ملائکہ آج بھی مومنوں کے لئے شفاعت کر رہے ہیں۔ تو بعض لوگوں کے یہ کہنے کا کیا معنی ہے کہ شفاعت صرف قیامت میں ہو گی اور یہ کہ انبیاء واولیاء کے مزارات پہ حاضری دیکر ان سے طلب شفاعت کرنا ممنوع ہے، خواہ رسول اللہ ﷺ ہوں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر فرشتے آج شفاعت کر سکتے ہیں تو انبیاء اولیاء جو فرشتوں سے افضل ہیں وہ آج شفاعت کیوں نہیں کر سکتے؟

(2) مومنین کی فضیلت:

فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ طالب علم کے لئے فرشتے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب العلم باب ۱، ترمذی کتاب العلم باب ۱۹، نسائی کتاب الطہارۃ باب ۱۱۲، ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۷، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

یہ سب ایمان کی برکت ہے۔

(3) دعا سے قبل اللہ کی حمد کہنی چاہیے تا کہ اللہ کی رحمت متوجہ ہو:

فرشتوں نے دعا سے قبل رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَةً وَّعِلۡمًا کہہ کر اللہ کی حمد وثنا کہی بعد میں دعا کی، اس میں ہمارے لیے درس عمل ہے۔

(4) فضیلت توبہ:

جیسا کہ فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا سے واضح ہے، تو فرشتوں کی دعا لینے کے لئے توبہ لازم ہے۔ اور اس سے قبل آیت 2 میں اللہ تعالیٰ نے خود کو غافر الذنب اور قابل التوب کے ناموں سے یاد فرمایا ہے، جو اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ کو بندے کا توبہ کرنا پسند ہے۔

[7] فرشتے دعا کرتے ہیں اے اللہ! نہ صرف توبہ کرنے والے مومنین کی بخشش فرما بلکہ ان کے باپ دادا، ازواج اور اولاد میں سے جو صالح ہوں یعنی ایمان کی وجہ سے بخشش کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کی بھی بخشش فرما اور انہیں قیامت کی سختیوں سے بچالے اور جو اس دن کی سختیوں سے بچ گیا وہی حقیقی کامیاب ہے۔

صالح مومن اپنے خاندان اور اپنی اولاد کے لئے باعثِ بخشش ہوتا ہے

وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ سے معلوم ہوا کہ نیک بندے کے والدین، اولاد اور اہل خانہ کے لیے بھی فرشتے دعاء کرتے ہیں۔ گویا وہ ان سب کے لیے باعثِ بخشش ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مومن جنت میں جائے گا تو اپنے باپ، بھائی اور بیٹے کے بارہ میں پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ اسے بتایا جائے گا کہ انہوں نے تمہارے جیسے اعمال نہ کئے تھے (لہٰذا وہ جنت میں نہیں ہیں یا تمہارے درجہ میں نہیں ہیں) تب وہ افسردہ ہو کر ان کے لئے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اقارب کو بھی اس کے درجہ میں پہنچا دے گا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۷۸)

ساداتِ کرام کے لئے خوش خبری

جب ہر صالح مومن اپنی ذریت کے لئے باعث برکت و بخشش ہے تو حضور سید المرسلین ﷺ کے اپنی ذریت کے لئے باعث بخشش ہونے میں کیا کلام ہے۔ یقیناً جہاں نبی اکرم ﷺ اپنی ساری امت کے لیے شفاعت فرمائیں گے وہاں اپنی ذریت کے لیے خصوصی شفاعت بھی فرمائیں گے۔ تاہم نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقارب کو خوف خدا بھی دلایا کہ اے میرے اقارب، اے فاطمہ! خود کو جہنم سے بچالو میں (ازخود) تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا: اِلَّا رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا۔ کہ میرا تم سے خونی رشتہ ہے میں اس کی تازگی برقرار رکھوں گا (یعنی تمہارے لیے شفاعت کرونگا) (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۴۸) لہٰذا سادات کرام کو جہاں نسبت مصطفیٰ ﷺ سے امید بخشش رکھنی چاہیے، وہاں آپ کے مذکورہ ارشاد کے باعث خوف مواخذہ بھی رکھنا چاہیے اور یہی مومن کی شان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں (قیامت میں) پکار کر کہا جائے گا کہ (آج) اللہ کی تم سے بیزاری خود تمہاری بیزاری سے بڑی ہے جب
تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا
تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے[8] وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ
اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ
زندہ کیا۔ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اب کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ [9] یہ اس لئے ہے کہ
اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ
جب تنہا اللہ کو پوجا جاتا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے تو اب حکم صرف خدائے
الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
بلند و برتر کے لئے ہے [10] اللہ وہ ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تم پر آسمان سے رزق
رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ
اتارتا ہے اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے جو (اللہ کی طرف) جھکے۔ تو تم اللہ کے لئے دین کو خالص رکھ کر اس کی عبادت کرو
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴
چاہے کافروں کو یہ برا لگے[11]

روز قیامت کفار کی حسرت وندامت کا بیان

[8] گزشتہ رکوع میں مومنین کے لئے فرشتوں کا دعاء بخشش کرنا مذکور ہوا۔ اب کفار کے لئے عدم مغفرت کا بیان ہو رہا ہے۔ تو فرمایا گیا کہ قیامت میں کفار کو فرشتے پکار کر کہیں گے کہ جب دنیا میں تمہیں دعوت ایمان دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے اس وقت اللہ کی تم سے بیزاری اس بیزاری سے بڑھ کر تھی جو آج تمہیں اپنے آپ سے ہو رہی ہے، یعنی جس طرح آج تم اپنے آپ کو کوس رہے اور لعنت کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر تم پر لعنت فرماتا تھا مگر اس نے تمہیں

ڈھیل دے رکھی تھی۔لیکن تم نے اُس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔

جہنم میں کفار کی حسرت و مایوسی کی کیفیت

اس جگہ محمد بن کعب قرظی (تابعی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جہنم میں کفار صدیوں تک خاموش رہ کر آگ میں جلتے رہیں گے۔جب خاموشی سے فائدہ نہ ہوگا تو رونا چلانا شروع کر دیں گے اور صدیوں تک چلاتے رہیں گے۔جب اس سے بھی فائدہ نہ ہوگا تو وہ کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ''خواہ ہم چلائیں یا صبر کریں برابر ہے ہمارا کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔'' (ابراہیم،۲۱) تب وہ شیطان کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، وہ کہے گا میں نے تو تمہیں دعوت دی تھی جو تم نے قبول کر لی میرا تم پر کوئی دباؤ نہ تھا، تو مجھ پر ملامت نہ کرو خود پر ملامت کرو۔ (ابراہیم،۲۲) تب کفار کی مایوسی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا اور وہ اپنے آپ کو کوسا کریں گے۔تب ان سے کہا جائے گا: لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ۔ الخ (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۲۹۷)

[9] کفار کہیں گے اے اللہ! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ کیا، تو کیا ایک بار مزید موت دے کر ہمیں جہنم سے نکالا نہیں جا سکتا تاکہ دنیا میں لے جا کر ہمیں زندہ کر دیا جائے اور ایک بار پھر ہمیں عمل کرنے کی اجازت دی جائے تو ہم اللہ کی نافرمانی ہرگز نہ کریں گے؟ مگر ان کی یہ بات نہیں مانی جائے گی۔

دو بار موت اور دو بار زندگی دیئے جانے کا معنیٰ

دو بار موت اور دو بار زندگی دینا یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کی صلب میں بے جان و مردہ نطفہ ہوتا ہے (یہ پہلی موت ہے) پھر اللہ تعالیٰ اسے رحم مادر میں لا کر زندہ انسان بنا دیتا ہے پھر اسے موت دیتا ہے۔پھر روز قیامت اسے دوبارہ زندہ کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ ''تم مردہ (بے جان نطفہ) تھے، اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (بقرہ،۲۸) دو بار موت اور دو بار حیات کے دیئے جانے کی یہی تفسیر اجلہ صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، ابو مالک اور قتادہ رضی اللہ عنہم۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[10] یعنی روز قیامت کفار کی اس بات کہ انہیں واپس دنیا میں جانے دیا جائے، کا جواب دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ تم ایک اللہ کی عبادت کا حکم سن کر منہ موڑتے تھے اور جب اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جاتا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے، اب دیکھ لو کہ صرف اللہ بلند و برتر ہی کا حکم جاری ہے۔

[11] مشرکین کو سمجھایا جا رہا ہے کہ دیکھو اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے مثلاً سورج کو روزانہ وقت پہ نکالتا اور غروب کرتا ہے اور چاند اس کے حکم پر گردش کر رہا ہے۔اللہ آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج اُگا کر تمہیں رزق دیتا ہے

پھر بھی تم اس کی عبادت میں جھوٹے خداؤں کو شریک کرتے ہو۔ تو سن لو نصیحت اسی کو مل سکتی ہے جو اپنے دل کو اللہ کی بات سننے کی طرف جھکائے اور جو ضد پر اڑ جائے اسے نصیحت نہیں مل سکتی۔ لہٰذا آج وقت ہے کہ اللہ ہی کے لئے عبادت کا حق مان کر اس کی عبادت کرلو اور جھوٹے خداؤں کی عبادت چھوڑ دو۔

یہاں فَادۡعُوا بمعنی فاعبدوا ہے جیسے قُلۡ اِنِّیۡ نُہِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ۔ (انعام،۵۶) میں تَدۡعُوۡنَ بمعنی تعبدون ہے یا جیسے لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۟ (قصص ۸۸) میں لَا تَدۡعُ بمعنی لا تعبد ہے۔

رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ ۚ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ
وہ درجات کا بلند کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے
مِنۡ عِبَادِہٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ ﴿ۙ۱۵﴾ یَوۡمَ ہُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۬ۚ لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ
وحی اتارتا ہے تاکہ (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے ڈرائے [12]۔ وہ دن کہ جب لوگ سامنے آجائیں گے، اللہ پر ان کی
مِنۡہُمۡ شَیۡءٌ ؕ لِمَنِ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ ؕ لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَہَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزٰی
کوئی چیز پوشیدہ نہ ہوگی۔ (وہ فرمائے گا) آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ واحد و قہار کی ہے۔ آج ہر جان کو
کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ ؕ لَا ظُلۡمَ الۡیَوۡمَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۷﴾
وہی بدلہ دیا جائے گا جو اس نے عمل کیا۔ آج کوئی ظلم نہ ہوگا۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے [13]۔

[12] کفار مکہ کہتے تھے کہ اس شخص (محمد مصطفیٰ ﷺ) کو نبوت کیوں دی گئی ہے ہم میں سے کسی کو کیوں نہیں دی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ درجات کا بلند کرنے والا ہے وہ جس پر چاہے رحمت فرمائے۔ وہ اپنی وحی جس پر چاہے نازل کرے تاکہ وہ لوگوں کو قیامت کی پکڑ سے ڈرائے۔ اس پر تمہیں اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

یہاں وحی کو الروح اس لئے کہا گیا کہ جس طرح روح سے مردہ جسم زندہ ہوجاتا ہے یونہی وحی الٰہی مردہ دلوں کو زندہ کردیتی ہے۔ کفار کے قلوب مردہ ہوتے ہیں جب ان پہ آیاتِ الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے تو وہ زندہ ہوجاتے ہیں، اور ان سے ایمان کا درخت پیدا ہوتا ہے جس پہ اعمال صالحہ کے پھل پھول لگتے ہیں۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ ''اور ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح کی وحی فرمائی۔'' (شوریٰ، ۵۲) اور جبرائیل علیہ السلام کو بھی اسی لیے روح کہا جاتا ہے کہ وہ روح یعنی وحی لے کر اترتے ہیں، اس لیے سراپا روح کہلائے۔

یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ سے مرزائیوں کا غلط استدلال، اور اس کا جواب

یہاں یُلۡقِی الرُّوۡحَ سے مرزائی استدلال کرتے ہیں کہ معلوم ہوا اللہ آج بھی جس پہ چاہے وحی اتارتا ہے، مگر یہ استدلال قطعی غلط ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی قدرت بتائی ہے کہ وحی کا اتارنا اللہ کا حق ہے وہ جس پر چاہے اتارے، اس پہ کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ اب بھی وحی اتارتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا، تو بادشاہ کہتا ہے کہ ولی عہد تو میں مقرر کرتا ہوں جسے چاہوں کروں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ مزید ولی عہد مقرر کرے گا، وہ تو اس نے جسے مقرر کرنا تھا کردیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار مکہ کے اعتراض کے جواب میں اپنا اختیار بیان فرمارہا ہے کہ وحی اتارنا میرا کام ہے جس پہ چاہوں اتاروں۔ لہٰذا اس آیت سے مرزائیوں کا یہ استدلال درست نہیں کہ اللہ آج بھی وحی نبوت اتارتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ نے کثیر احادیث میں اسکا معنی آخری نبی بتادیا تو اب وحی یا نبوت کا اجراء ماننا صریح کفر کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔

قرآن میں اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ ''آپ کی طرف اور آپ سے پہلے ابنیاء کی طرف اللہ غالب وحکیم ہی وحی فرماتا ہے۔'' (شوریٰ، ۲) تو کیا اللہ اب بھی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی فرماتا ہے؟ نہیں، بلکہ معنی یہ ہے کہ آپ کی طرف اور پہلے انبیاء کی طرف وحی فرمانا اللہ ہی کی شان اور اسی کا اختیار ہے، تو جیسے يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ میں ماضی کو مضارع سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح یلقی الروح میں ماضی کو مضارع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نبوت، وہبی درجہ ہے جو محنت سے حاصل نہیں ہوسکتا

اس جگہ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت وہبی درجہ ہے کسبی نہیں۔ بس اللہ جسے چاہے عطا کردے، نبوت محنت سے حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی اطاعت سے خود کو رنگ رسول میں رنگ لیا ہے لہٰذا میں ظلی طور پر نبی ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲) یہ محض کفر والحاد ہے۔ تو یہ آیت مرزائیوں کی کچھ مدد نہیں کرتی بلکہ ان کے مذہب کا صفایا کررہی ہے۔

[13] روز قیامت سب بادشاہ اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے ہر فرعون، نمرود، شداد، قیصر، کسریٰ، سکندر اور دارا خاموش مہر بلب تھرتھراتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے؟ کوئی جواب نہ دے سکے گا۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج صرف خدائے واحد وقہار کی بادشاہی ہے۔ آج کسی پر ظلم نہ ہوگا بلکہ ہر جان کو اس کے اعمال کا پورا

بدلہ دیا جائے گا یعنی کسی کو اس کے گناہ سے زیادہ یا بے گناہ سزا نہ ہوگی اور نہ کسی کی نیکی ضائع کی جائے گی اور اگر اللہ کسی کا گناہ معاف کر دے تو یہ اس کا فضل ہے یہ الگ بات ہے۔ مگر یاد رہے کہ اللہ اپنا حق معاف کرے گا بندوں کا نہیں اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یعنی قیامت دور نہیں۔

ظالم حکمرانوں کے لیے درسِ عبرت

اس آیت میں حکمرانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ وہ نشۂ اقتدار میں لوگوں پر ظلم مت کریں، ایک دن انہیں احکم الحاکمین کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ترکی کے عثمانی سلاطین میں سے سلطان مراد نے اپنا محل بنوایا، تو اس کے کارندوں نے ایک بڑھیا کی زمین بھی اس میں شامل کر لی۔ ایک دن سلطان مراد ایک پل کے اوپر سے گزر رہا تھا وہ بڑھیا اس کے پل کے نیچے چھپ کر کھڑی ہوگئی۔ جب سلطان کی سواری پل پہ پہنچی تو بڑھیا اچانک اس کی سواری کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ سلطان کے کارندوں نے بڑھیا کو ہٹانا چاہا تو سلطان نے کہا: اسے مت روکو اسے بات کرنے دو۔ بڑھیا نے کہا: اے سلطان عادل! تمہارے کارندوں نے میری زمین کو تمہارے شاہی محل میں شامل کر لیا ہے، مجھے بتاؤ کہ میرا حق کہاں دو گے؟ اس پل پہ دینا چاہتے ہو یا روز حشر پل صراط پہ دو گے؟ سلطان پہ کپکپی طاری ہوگئی، اسنے نہ صرف بڑھیا کی زمین کا پورا معاوضہ دیا بلکہ مزید بہت کچھ عطا کیا اور معافی بھی مانگی۔ وہ عادل باشاہ تھا، اس لیے ڈر گیا۔

آج ہمارے وطن عزیز کے حکمران سارا سرکاری خزانہ لوٹ کر کھا گئے ہیں مگر کسی کے دل میں خوفِ خدا نظر نہیں آتا۔

وقت حاضر میں پاکستان کے صدر نے سرکاری خزانہ میں سے ساٹھ ملین ڈالر (قریبا چھ سو ارب روپیہ) نکال کر سویٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع کروائے ہیں۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے حکمران جماعت پہ شدید زور ڈالا ہے کہ سویٹزرلینڈ حکومت کو خط لکھا جائے کہ یہ خطیر رقم تمہارے پاس کون لایا کب لایا؟ مگر حکمران جماعت خط لکھنے سے منکر ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ صدر پاکستان کو قانون سے استثناء حاصل ہے، اس لیے خط نہیں لکھا جائے گا۔ اس کا معنی تو یہ ہوا کہ صدر پاکستان اگر سارا خزانہ بھی لوٹ کر لیجائے تو اسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کیونکہ اسے استثناء حاصل ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ روز قیامت کون سا استثناء لاؤ گے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۵ مَا

اور آپ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائیں۔ جب کلیجے حلق تک آ جائیں گے۔ لوگ غم میں ہوں گے،

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۱۸ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا

ظالموں کا کوئی دوست اور سفارشی نہ ہوگا جس کی بات ضرور مانی جائے [14] اللہ خیانت کار آنکھوں کو اور جو کچھ سینوں نے

تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۱۹ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

چھپا رکھا ہے اسے خوب جانتا ہے [15]۔ اللہ انصاف کا فیصلہ فرماتا ہے اور جن (جھوٹے خداؤں) کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ

لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۲۰ ع

کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ ہی سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے [16]۔

[14] اٰزِفَةِ کا معنی قریب آنے والی ہے یہ قیامت کا ایک نام ہے کیونکہ قیامت قریب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ۔ ''قریب آنے والی قریب آ گئی ہے۔'' (نجم، ۵۷) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار عصر کے بعد غروب کے قریب تک خطبہ دیا پھر فرمایا ''دنیا کا وقت اتنا ہی باقی رہ گیا ہے جتنا اب سے غروب تک ہے اور اتنا وقت گزر گیا ہے جتنا دن گزر چکا ہے۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۹)

کفار مکہ کا شرک کیا تھا؟

آگے فرمایا گیا: مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۱۸ کہ روز قیامت ظالمین یعنی کفار کا کوئی ایسا دوست اور شفیع نہ ہوگا کہ جس کی اطاعت کی جائے یعنی اس کی بات ہر صورت مانی جائے۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ کفار عرب سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا انہیں اللہ سے زبردستی چھڑا لیں گے کیونکہ وہ اللہ کی خدائی میں شریک ہیں۔ تو ان کے رد میں فرمایا گیا کہ کفار کے لیے کوئی ایسا شفیع نہ ہوگا جس کی اطاعت کی جائے اور اس کی بات ضرور مانی جائے۔ معلوم ہوا کہ کفار مکہ اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ پہ حاوی سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے جھوٹے خدا اللہ کی خدائی میں دخیل ہیں اور اللہ ان کے بغیر اپنی خدائی کو نہیں چلا سکتا، یہی وہ شرک ہے جس کے رد میں قرآن کا بڑا حصہ نازل ہوا۔ آج بعض انتہاء پسند غلو پسند لوگ بات بات پہ مسلمانوں کو مشرک بنانے پہ زور لگا رہے ہیں، انہیں اس آیت کو غور سے پڑھنا چاہیے۔

اس جگہ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ میں یہ اشارہ ہے کہ روز قیامت جو بھی شفیع ہوگا اذنِ الٰہی سے ہوگا۔ یاد رہے ظالمین سے کفار کا مراد ہونا قرآن میں عام ہے جیسا کہ واضح فرمایا گیا: وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (بقرہ، ۲۵۴) لٰكِنِ

الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ۔ (مریم،۳۸)

[15] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: ''بعض لوگوں کے پاس سے ایک عورت گزرتی ہے ان میں سے ایک شخص یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس عورت کو نہیں دیکھ رہا مگر وہ نظریں چرا کر اسے دیکھ رہا ہوتا ہے یہ خائنۃ الاعین (خیانت کار آنکھ) ہے جو اللہ کو معلوم ہے اور اللہ سینوں کے چھپے راز جانتا ہے۔''
(ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۶۵ حدیث ۱۸۴۲۸)

بدنظری کی بُرائی

اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ۝۳۶ کہ ''کان، آنکھ اور دل کے بارہ میں ضرور سوال کیا جائے گا۔'' (بنی اسرائیل، ۳۶) اور مومن مردوں اور عورتوں کو نظریں پست رکھنے یعنی بُرائی اور بے حیائی کی طرف نظر نہ اٹھانے کا حکم فرمایا گیا۔ (نور، ۳۰) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لك الاولى وليس لك الثانية۔ ''تمہارے لئے پہلی نظر حلال ہے (جو بے قصد اٹھ جائے) اور دوسری نظر حلال نہیں۔'' (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۳)

[16] کفار عرب بتوں کو اور بتوں سے وابستہ جنات و شیاطین کی پوجا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تو حق کا فیصلہ کرتا ہے مگر جن جھوٹے خداؤں کو مشرکین پوجتے ہیں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر انہیں کیوں پوجتے ہیں جبکہ اللہ ہی سمیع و بصیر ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں، کہ دیکھیں ان (مجرموں) کا کیا انجام تھا جو ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ

پہلے تھے، وہ اپنی قوت اور زمینی اثرات (تعمیرات) میں ان سے سخت تر تھے، تو اللہ نے انہیں ان کے

اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

گناہوں کے سبب پکڑ لیااور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا [17] یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس

كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ

ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آتے تھے، مگر انہوں نے انکار کیا تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا [18] بے شک وہ طاقت ور ہے،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۲ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اِلٰى

سخت عذاب والا ہے۔ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور کھلی

فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ

دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا موسیٰ سخت جھوٹا جادوگر ہے [19] چنانچہ جب وہ ان کے پاس

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

ہماری طرف سے حق لائے تو انہوں نے کہا جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھو،

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ۝۲۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِىْٓ اَقْتُلْ

حالانکہ کافروں کا داؤ گمراہی ہی میں ہوتا ہے [20] اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں،

مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى

اور وہ اپنے رب کو پکار کر دیکھ لے، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا یا زمین میں فساد

الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ

بپا کر ڈالے گا اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبر سے

مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۲۷

جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا[21]

ع ۳ ۸

گزشتہ اسلام دشمن قوتوں کا عبرتناک انجام

[17] گزشتہ رکوع میں ان کفار کا ناقابل مغفرت ہونا بتایا گیا جو کفر سے توبہ نہ کریں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جو کفار اسلام کے خلاف کارروائیاں کرتے اور دین حق کا راستہ روکتے ہیں کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے گزرنے والے دشمنان دین حق کا کیا انجام ہوا۔ وہ اپنی قوت اور زمینی اثرات یعنی کھیتوں، باغات اور تعمیرات کے اعتبار سے کفار مکہ سے بہت بڑھ کر تھے جیسے قوم فرعون اور عاد وثمود۔ مگر جب انہوں نے اسلام کا راستہ روکنے اور اہل اسلام پر مظالم کا طریقہ نہ چھوڑا تو اللہ نے ان کے جرائم کے سبب انہیں پکڑ لیا اور انہیں اللہ کی پکڑ سے کوئی نہ بچا سکا۔

[18] اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بڑے بڑے معجزات دیئے۔ کفار نے انبیاء کو اور ان کے معجزات کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ جو لوگ آپ کے معجزات سے انکار کرتے ہیں ایک دن وہ بھی پکڑے جائیں گے۔

اس میں ان نام نہاد روشن خیال دانشوروں کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے جو احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت شدہ معجزات نبویہ سے بھی انکار کرتے ہیں اور قرآن کے علاوہ کوئی معجزہ نہیں جانتے اور انبیاء سابقین کے معجزات بھی نہیں مانتے اور قرآن میں مذکور معجزاتِ انبیاء کی باطل تاویلات کرتے ہیں جیسے مصر کے الاخوان المسلمون اور برصغیر کے ملاحدہ مثل پرویزی وقادیانی وغیرہ۔

[19] بطور مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا جا رہا ہے کہ وہ واضح معجزات اور کھلی دلیل لے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا موسیٰ تو جھوٹا جادوگر ہے یعنی جادوگر ہونے کے ساتھ جھوٹا مدعی نبوت ہے۔ یہاں آیات سے مراد عصاء اور ید بیضاء ہیں۔ جیسے فرمایا گیا: قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۰۶ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۷ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸ ''فرعون نے کہا اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو اسے پیش کرو، موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن گیا اور آپ نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچ کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمک رہا تھا۔'' (اعراف، ۱۰۶) اور سلطان مبین سے مراد وہ دلائل توحید ہیں جو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔

یہاں آیات سے تورات کی آیات مراد نہیں ہوسکتیں جیسا کہ منکرینِ معجزات کا خیال ہے کیونکہ تورات تو فرعون و ہامان کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہے کہ آپ جادوگر کے طعنہ سے پریشان نہ ہوں، پہلے انبیاء کو بھی یہی طعنہ دیا گیا بلکہ قرآن کے مطابق ہر نبی کو جادوگر کہا گیا۔ جیسے ارشاد ہے: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ ''اسی طرح پہلے لوگوں کے پاس جو بھی رسول آیا تو انہوں نے کہا یہ جادوگر ہے (یعنی اس کے معجزات جادوگری ہیں) یا یہ مجنون ہے۔'' (ذاریات، ۵۲)

یاد رہے ہامان فرعون کا وزیر اعظم تھا اور قارون بنی اسرائیل میں سے ایک غدار شخص تھا جسے فرعون نے انہی پر مسلط کر رکھا تھا اور اسے غداری کے بدلہ میں بے پناہ اموال دیتا تھا۔

[20] جب تمام بنی اسرائیل (جادوگروں کے ایمان لانے کے واقعہ کے بعد) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور فرعونی قوم فرعون کے ساتھ کھڑی ہوگئی تو انہوں نے باہم کہا کہ بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل اور ان کی بچیوں کے زندہ چھوڑنے کا وہ سلسلہ دوبارہ شروع کرو جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل ان پر جاری کیا گیا تھا تاکہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے باز آجائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے کی مہلت نہ دی اور ان پر طوفان، مکڑیوں، جوؤں، مینڈکوں اور خون کے عذابات آنا شروع ہو گئے اور آخر میں انہیں سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ (اعراف، ۱۲۷) اس لئے فرمایا گیا: وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

آج کا مغربی فرعون بھی یہی کہہ رہا ہے کہ عراق، ایران، افغانستان، کشمیر اور فلسطین میں مسلمانوں کا قتل عام جاری رکھو تا آنکہ سب مسلمان ہماری غلامی کو مکمل تسلیم کرلیں مگر تقدیر کہہ رہی ہے: وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ کہ کافروں کا داؤ نہیں چل سکتا۔

[21] فرعون نے بارہا کہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ وہ ہمارے لوگوں کے نظریات بدل رہا ہے اور کسی روز زمین میں بڑا فساد کر دے گا یعنی ہمارا تختہ اُلٹ دے گا۔ لہٰذا میں اسے ضرور قتل کروں گا، وہ اپنے رب کو پکار کر دیکھ لے (معلوم ہوا مسلمانوں کو فسادی اور دہشت گرد کہنا ہر دور کے فرعون کی بولی رہی ہے) مگر فرعون کی قوم کے کچھ لوگ اندر سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان پر قہرِ الٰہی نہ اترے، کیونکہ وہ دل سے آپ کی نبوت کو مانتے تھے مگر زبان سے اقرار نہ کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنی غلام قوم کے ایک فرد کی اتباع کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روکتے تھے اور ممکن ہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا تو ان کے دین کے بارہ میں لوگوں کی ہمدردیاں بڑھ جائیں گی، اس لیے وہ فرعون کو اس سے باز رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف سے قتل کی دھمکیوں کے جواب میں یہی فرماتے تھے کہ میں ہر متکبر اور منکرِ قیامت کے مقابلہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو میرا اور تمہارا

رب ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) ظالموں کے مقابلہ میں دعاء موسیٰ علیہ السلام کا نسخہ: اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّکُمۡ الخ یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شر فرعون سے بچنے کے لئے مانگی اور نبی کی دعا میں تاثیر ہے۔ اسے ظالم دشمنوں کے مقابلہ میں پڑھنا چاہیے۔

(2) تکبر کی مذمت: مِّنۡ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ کہہ کر بتایا گیا کہ فرعونیوں کا تکبر انہیں کفر اور ظلم پر اکساتا تھا۔ تکبر انسان سے بہت سے گناہ، بلکہ کفر تک کرواتا ہے۔

(3) فضیلتِ توکل: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرعون پر غلبہ دے دیا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ

اور فرعون کی قوم میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا، کہا: کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کردو گے کہ

يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا

وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس کھلی نشانیاں لایا ہے۔ اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے

فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ

تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو وہ جس عذاب سے تمہیں ڈراتا ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں پہنچے گا، بے شک

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝۲۸ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ

اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا جھوٹا ہو [22] اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے

ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ

تم زمین میں غلبہ رکھتے ہو، لیکن اگر اللہ کا عذاب آ جائے تو ہمیں کون بچا سکتا ہے؟ فرعون نے

فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۲۹

کہا میں تمہیں وہی رائے دیتا ہوں جسے بہتر سمجھتا ہوں اور تمہیں سیدھی راہ کے سوا کسی چیز کی ہدایت نہیں دیتا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۳۰ۙ

جبکہ (قوم فرعون میں سے) ایمان لانے والے شخص نے کہا اے میری قوم! مجھے تم پر گزشتہ قوموں جیسے عذاب کا ڈر ہے۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ

جیسے قوم نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والے لوگوں کا طریقہ تھا، اور اللہ اپنے

يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲ۙ يَوْمَ

بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا [23] اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار والے دن کا خوف ہے۔ جس دن

تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا، اور جسے اللہ گمراہ رکھے اسے
فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾
کوئی ہدایت نہیں دے سکتا[24]

قوم فرعون کے مومن شخص کی اپنی قوم کو ایمان افروز نصیحتیں

[22] جب فرعون نے قتل موسیٰ علیہ السلام کا منصوبہ بنایا تو اس کی قوم میں سے ایک شخص جو خفیہ ایمان لا چکا تھا، چپ نہ رہ سکا اور بے ساختہ و بے قرار ہو کر بولا کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر دو گے کہ وہ ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے یعنی فرعون کو رب نہیں مانتا اور وہ تمہارے پاس کھلے معجزات بھی لا یا ہے جو تم نے دیکھ لئے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بننا اور آپ کے ہاتھ کا چمکنا۔ اگر وہ بالفرض جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ ہی اسے ہلاک کر دے گا تمہیں اس کے ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ تمہیں ڈراتا ہے اس میں سے تمہارا حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا اور اللہ حد سے بڑھنے والے جھوٹے شخص کو ہدایت نہیں دیتا یعنی اسے کامیاب نہیں ہونے دیتا، بلکہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے یعنی جھوٹے مدعی نبوت کو اللہ کامیاب نہیں ہونے دیتا (جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور مرزا قادیانی کی عبرت ناک موت سے ظاہر ہے) یہ اس بندۂ مومن کا فرعون کی طرف اشارہ تھا کہ اس حد سے جھوٹے شخص کو اللہ ضرور ذلیل و خوار کرے گا اور موسیٰ علیہ السلام کو ضرور کامیاب کرے گا۔

مومن آل فرعون کا تعارف

حضرت سدی فرماتے ہیں یہ قوم فرعون کا مومن شخص فرعون کا چچازاد بھائی تھا، قوم فرعون میں سے یہی شخص نجات پا سکا تھا، باقی سب ہلاک ہو گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت مصر سے فرار ہونے میں مدد دی تھی جب ایام شباب میں آپ کے ہاتھوں ایک فرعونی مارا گیا تھا۔ اس وقت اسی شخص نے آ کر آپ سے کہا تھا: اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ کہ ''سرداران قوم تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہذا تم مصر سے نکل جاؤ، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔'' (القصص، ۲۰) ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام حبیب تھا (یہ کیسا حسن اتفاق ہے کہ شہر انطاکیہ میں تین انبیاء کی تصدیق کرنے والے شخص کا نام بھی حبیب تھا جسے صاحب یاسین کہتے ہیں) ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ صدیقین

یہ لوگ ہیں حبیب نجار یعنی صاحب یاسین، مومن آل فرعون اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور ابو بکر صدیق ان میں سے افضل تر ہیں۔ (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۶)

مومن آل فرعون کا کردار اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

یاد رہے حبیب نجار کو صاحب یاسین اس لئے کہا جاتا ہے کہ سورہ یاسین کے دوسرے رکوع میں حبیب نجار کے تین انبیاء کی تصدیق کرنے اور بدلے میں جام شہادت پینے کا واقعہ مذکور ہے۔ گویا صدیقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر انبیاء کا ساتھ دیا اسی لئے انبیاء کے بعد صدیقین کا درجہ ہے اور صدیقین کے امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کا کردار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں وہی تھا جو مومن آل فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں تھا بلکہ اس سے بھی تابناک۔ چنانچہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے پوچھا مجھے بتایئے کہ کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدتر سلوک کب کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں سے پکڑ لیا اور آپ کی چادر آپ کی گردن میں لپیٹ دی اور اس زور سے کھینچا کہ گویا وہ آپ کو شہید کر دے گا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھڑانے کے لیے لپکے اور اس مردود کو پکڑ کر پرے دھکیلا اور آپ کو چھڑایا، پھر کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ (کیا تم اس شخص کو قتل کر دو گے جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لایا ہے؟ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مومن، حدیث ۴۸۱۵)

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے لوگوں نے پوچھا: کفار کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچنے والی شدید تر اذیت کیا تھی؟ وہ کہنے لگیں: ایک بار مشرکین مکہ حرم کعبہ میں بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے بتوں کو بہت برا کہتے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں آ گئے۔ کفار آپ کی طرف لپک پڑے، وہ آپ سے جو پوچھتے آپ حقیقت ہی بیان کرتے۔ وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے خداؤں کے بارہ میں یہ یہ کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں کہتا ہوں، تو وہ آپ کو ایذاء دینے لگے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ دوڑتے ہوئے مسجد میں آئے۔ اس وقت ان کی زلفوں کی دولٹیں تھیں، وہ مسجد میں آ کر زور زور سے پکارنے لگے: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیا اور ابو بکر کو مارنے لگے اور سخت مارا۔ ابو بکر ہمارے پاس واپس آئے تو ان کے بال جہاں سے پکڑے جاتے اکھڑ آتے، اس وقت وہ کہہ رہے تھے تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۹، طبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کردار ان کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیتا ہے کیونکہ انہوں نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس

وقت دفاع کیا جب کوئی انسان دفاع کرنے والا نہ تھا، اکیلے وہی تھے۔

آغاز اسلام میں دفاع رسول ﷺ کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کی مالی وجانی قربانیاں

اسی لیے بخاری شریف میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: آج تمہارا ساتھی پریشان دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کوئی کلام ہوا میں نے ان پہ کچھ سختی کردی، پھر مجھے ندامت ہوئی میں نے ان سے معذرت کی انہوں نے قبول نہ کی۔ تب میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے تین بار فرمایا:

يغفر الله لك يا ابا بكر. اے ابوبکر! اللہ تمہاری بخشش کرے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نادم ہوکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، وہاں وہ نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ غصہ سے تمتمانے لگا، حتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ڈر گئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے گھٹنے دوہرے کر کے عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ﷺ! مجھی سے زیادتی ہوئی تھی، یہ دو بار عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنّ اللهَ بعثني اِلَيكُم فقُلتُم كَذَبتَ وقال ابو بكر صدقَ وواساني بنفسِه ومالِه فهَل انتم تاركو لي صاحبي؟ بیشک جب اللہ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تو تم نے مجھے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو مگر ابوبکر اسوقت کہتے تھے، آپ سچ کہتے ہیں اور اسوقت ابوبکر نے اپنی جان اور اپنے مال سے میری مدد کی۔ تو کیا تم میری وجہ سے میرے ساتھی کو چھوڑ دوگے یا نہیں؟ یہ حضور ﷺ نے دو بار فرمایا۔ راوی کہتے ہیں اس کے بعد کبھی کسی نے ان کو کوئی ایذاء نہ دی۔

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ۴ حدیث ۳۶۶۱)

گویا رسول اللہ ﷺ نے اس بات پہ نص فرمادی کہ ابتداء اسلام میں وہ وقت بھی تھا جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں ہر طرف شور مچا ہوا تھا۔ اس وقت ہمارے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں پورے مکہ میں صرف ایک ہی آواز گونجتی تھی اور وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز تھی اور رسول اکرم ﷺ نے اس بات پہ بھی نص فرمادی کہ جس شخص نے سب سے پہلے اپنی جان کو تکلیف میں ڈال کر آپ کا دفاع کیا وہ ابوبکر صدیق کی ذات ہے۔ اور جس نے سب سے پہلے دفاع رسول میں اپنا مال قربان کیا وہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہیں (اگرچہ حضرت علی المرتضی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بھی اسوقت مسلمان تھے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پروردہ بچے تھے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے غلام تھے۔ اس لیے ان کی تصدیق رسول ﷺ کی طرف اہل مکہ کی نظر نہ جاتی تھی، صرف ابوبکر صدیق ہی کی ایک طاقتور آواز تھی جس سے وادی مکہ کی فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہوتا تھا)۔ اس بارہ میں ایک اور نص رسول ﷺ بھی پڑھ لیجیے۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نص صریح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل منبر پہ جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ بھی تھا:

اِنّ امنّ الناسِ علیّ فی صُحبتِه ومالِه ابو بکرٍ ولو کنتُ متخذاً خلیلًا لا تّخذتُ ابا بکر خلیلا ولکن اخوۃُ الاسلام ومودتُه، لا یَبْقَینّ فی المسجد بابٌ الا سُدَّ الا بابُ ابی بکر۔

بیشک جس نے اپنی صحبت اور اپنے مال کے ساتھ مجھ پہ سب لوگوں سے زیادہ احسانات کیے وہ ابوبکر ہے اور اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر اسلام کی اخوت اور مودت ہی کافی ہے۔ مسجد میں کھلنے والے جو دروازے تھے سب بند کر دو، مگر ابوبکر کا درواز کھلا رہنے دو۔

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب ۲ حدیث ۳۶۵۴، ترمذی کتاب المناقب باب ۱۵، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۷۰)

اور خود مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی اس عظمت کا برملا اعلان فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے والا نہ تھا اسوقت تنے تنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی آپ کی مدد کرتے تھے۔ چنانچہ بزار نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''لوگو سب سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا: آپ۔ آپ نے فرمایا: نہیں، سب سے بہادر ابوبکر صدیق ہیں۔ میں نے دیکھا ایک بار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ رکھا تھا کوئی آپ کو ادھر کھینچ رہا تھا کوئی ادھر۔ وہ آپ سے کہہ رہے تھے کیا تم نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا لیا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم میں سے کوئی قریب نہ ہوا۔ ابوبکر آگے بڑھے، انہوں نے کسی کافر کو مارا، کسی کو دھکا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھڑایا۔ اس وقت وہ کہہ رہے تھے: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ (یہ وہی کلام ہے جو قوم فرعون کے مومن کی زبان پہ جاری ہوا) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ منہ پر چادر رکھ کر رونے لگے، پھر فرمایا: بتاؤ آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابوبکر؟ پھر خود ہی فرمایا آل فرعون کا مومن تو اپنا ایمان (شروع سے) چھپا رہا تھا (یکتم ایمانهٗ) مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایمان کبھی نہ چھپایا۔

(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۲۸۶)

معلوم ہوا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی قربانیوں کی وجہ سے نہ صرف خود سے بلکہ تمام صحابہ سے افضل بتاتے تھے۔ آج کچھ لوگ خود کو سنی کہلانے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل جانتے ہیں اور حیرت ہے کہ اس بارہ میں خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ ماننے کو بھی تیار نہیں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا: ایُّ الناسِ خیرٌ بعد رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قال ابوبکر۔ رسول اللہ

ﷺ کے بعد (اس امت میں) سب سے افضل کون ہے، انہوں نے فرمایا ابوبکر۔ میں نے عرض کیا: ثم من؟ اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا عمر۔ مجھے ڈر ہوا کہ شائد اس کے بعد آپ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے، تو میں نے کہا: ثم انت؟ کیا اس کے بعد آپ سب سے افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ۵ حدیث ۳۶۷۱) یہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی کسر نفسی ہے کہ خود کو ایک عام مومن قرار دے رہے ہیں، ورنہ ترتیب خلافت کے مطابق آپ کا درجہ چوتھے نمبر پہ سب سے اونچا ہے۔ افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہ مفصل کلام وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى۔ (سورۃ واللیل، ۱۷) کے تحت زیادہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا، ان شاء اللہ، وہاں دیکھ لیں۔

[23] قوم فرعون کے مومن نے کہا: اے میری قوم! آج تمہارے ہاتھ میں اقتدار ہے تو تم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے حکم کی اطاعت بجالاؤ، اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہمیں اس سے کون بچا سکے گا؟ فرعون نے اس مومن کی ان ناصحانہ باتوں کے جواب میں جاہلانہ ومتکبرانہ انداز میں کہا: اے میری قوم! میں جو رائے درست دیکھتا ہوں وہی تمہیں پیش کرتا ہوں اور میں تمہیں راہ ہدایت ہی دکھاتا ہوں۔ حالانکہ فرعون یہ باتیں جھوٹ سے کہہ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اس نے عصاء موسیٰ و ید بیضاء کے معجزات دیکھے تھے تو وہ دل سے صداقتِ موسیٰ علیہ السلام کا معترف ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۚ ان کے دل معجزات موسویہ کے معتراف تھے مگر انہوں نے ظلم وسرکشی کے ساتھ ان سے انکار کیا۔ (نمل، ۱۴) قوم فرعون کے مومن حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرعون کی بات کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور دین حق سے مقابلہ ترک نہ کیا تو مجھے ڈر ہے کہ تم پر پہلی اسلام دشمن قوموں جیسا عذاب آ جائے گا، مثلاً قوم نوح علیہ السلام اور عاد وثمود، اور ان کے بعد آنے والی قومیں (اس کی مثال قوم لوط علیہ السلام سے دی جاسکتی ہے) اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

[24] قوم فرعون کے مومن حضرت حبیب نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم! مجھے تم پر دنیوی عذاب کے علاوہ اخروی عذاب کا بھی ڈر ہے یعنی روز قیامت کا عذاب، جو چیخ وپکار کا دن ہے۔ دراصل قیامت میں چیخ پڑے گی کہ فلاں کامیاب ہو گیا، فلاں ناکام رہا، اس کے علاوہ جہنم میں کفار کی چیخ وپکار الگ ہو گی۔ اس دن تم حکم جہنم سن کر اُلٹے پاؤں بھاگو گے تاکہ جہنم سے بچ سکو، مگر تمہیں اس وقت اللہ کی پکڑ سے کوئی نہ بچا سکے گا اور جسے اللہ گمراہ رکھے یعنی اس کی اسلام دشمنی کے سبب بطور سزا اس کے دل پر مہر ضلالت لگا دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ آگے آیت 35 میں اس کی وضاحت آ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف حق کے مقابلہ میں تکبر وظلم کا طریقہ اپنانے والوں کے دلوں پہ ہی مہر لگاتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا

اور بلاشبہ تمہارے پاس اس سے قبل یوسف (علیہ السلام) واضح دلائل لے کر آئے مگر تم اس کے بارے میں

جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ

ہمیشہ شک میں رہے حتیٰ کہ جب اُن کا وصال ہوا، تو تم نے کہا اللہ ان کے بعد کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا،

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ

اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہو (یعنی) وہ لوگ جو اللہ کی

اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ

آیات میں جھگڑتے ہیں کسی دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو۔ اللہ اور مومنوں کے نزدیک یہ چیز بڑی

اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

قابل نفرت ہے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر ظالم کے دل پر مہر لگا دیتا ہے[25]

[25] قوم فرعون کے مومن حضرت حبیب نے فرعونی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم! تمہارا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے انکار کرنا نئی بات نہیں۔ اس سے قبل (قریباً نو سو برس پہلے) تم میں یوسف علیہ السلام بھی اسی مصر میں مبعوث ہوئے تھے، مگر تم اہل مصر کو ان کی نبوت پر بھی یقین نہیں آیا تھا بلکہ تم نے انہیں ایک بادشاہ ہی سمجھا اور جب ان کا وصال ہوا تو تم نے کہا چلو اس مدعی نبوت سے تو جان چھوٹی اب اور کوئی رسول ہم میں نہ آئے گا۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام آ گئے تو تم ان کے منکر ہو بیٹھے تو اللہ تعالیٰ ایسے حد سے بڑھ کر شک کرنے والے شخص کے دل پر اس کی ضد بازی و انتہا پسندی کے جرم میں بطور سزا مہر ضلالت لگا دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ کسی دلیل کے بغیر اللہ کی آیات یعنی نبی کے معجزات سے انکار کرتے ہیں اور یہ چیز اللہ اور اہل ایمان کے ہاں نہایت قابل نفرت ہے، تو اللہ کا حق ہے کہ ایسے ہر متکبر و ظالم شخص کے دل پر مہر لگا دے، یعنی اے میری قوم! اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو اپنا مزاج بدلو اپنے دلوں میں اللہ کے فرستادہ انبیاء کے لئے جذبۂ اطاعت پیدا کرو۔ کیونکہ ہدایت اسی کو مل سکتی ہے جو ہدایت لینا چاہے اور جو اپنی آنکھوں پہ تعصب و انکار کی پٹی باندھ لے اسے کون راہ دکھا سکتا ہے؟ سوتے کو جگایا جا سکتا ہے مگر جاگتے کو کون جگائے۔ یہاں تک قوم فرعون کے تنہا مومن شخص کا کلام اور اس کی شرح مکمل ہوئی۔ چونکہ اس شخص نے پوری قوم کے مقابلہ میں نعرۂ حق لگایا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کلام پسند آیا اور اسے قرآن کا حصہ بنا دیا گیا۔

حق کا ساتھ دینا چاہیے گمراہ قوم کا نہیں

اگر کسی شخص کی قوم کسی گمراہی میں مبتلا ہے مثلاً وہ قادیانی یا پرویزی یا رافضی وغیرہ ہیں اور اس شخص کو معرفت حق حاصل ہوگئی ہے تو اسے قوم وقبیلہ کا نہیں حق وصداقت کا ساتھ دینا چاہیے، خواہ اسکے لیے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ قوم فرعون کے مومن نے ساری قوم سے بغاوت کر کے حق کا ساتھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکی فضیلت قرآن میں بیان فرمائی۔ یہی سنت صحابہ ہے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے قبیلوں اور خاندانوں سے بغاوت کرتے ہوئے حق کا ساتھ نہ دیتے تو دنیا میں شمع اسلام کیسے فروزاں ہوتی۔

ظالم وجابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل جہاد ہے

اور حدیث مبارکہ ہے: اَفْضَلُ الجِھَادِ کلمةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلطانٍ جائرٍ۔ یعنی ''ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔'' (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۷) یہی طریقۂ انبیاء ہے یعنی سنت صحابہ ہے اور یہی کردارِ حسینی ہے اور امتِ محمدیہ میں ایسے مردانِ حق ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جیسے حضرت سعید بن مسیب، امام احمد بن حنبل، امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت مجدد الف ثانی ودیگر اکابر۔

اہل تشیع کے مزعومہ تقیہ کا رد

اگر تقیہ کرنا (یعنی اپنے عقیدہ کو چھپانا) افضل کام ہوتا یا تقیہ نہ کرنے سے اگر کسی کے ایمان میں فرق آجاتا تو اللہ تعالی مومن آل فرعون کے اس نعرہ حق کو اس قدر اہمیت کے ساتھ بیان نہ فرماتا؟ مگر اس کے برعکس شیعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جس نے تقیہ چھوڑ دیا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ (اصول کافی کتاب الکفر والایمان، صفحہ ۴۵۹) اس کا معنی یہ ہوا کہ آل فرعون کے جس شخص کو اللہ کے قرآن نے مومن کہا ہے وہ مومن نہیں تھا اور اس کا کوئی دین نہیں تھا۔ اہل تشیع سوچیں کہ ان کے غلط نظریات انہیں کہاں پہنچا رہے ہیں؟

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ يٰهَامٰنُ ابۡنِ لِىۡ صَرۡحًا لَّعَلِّىۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ۝۳۶ لا

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے بڑی عمارت بناؤ تاکہ میں راستوں یعنی آسمان کے

اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوۡسٰى وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ط

راستوں تک پہنچوں، پھر میں موسیٰ کے خدا پر اطلاع پاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں،

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيۡلِ ط وَمَا كَيۡدُ

اسی طرح فرعون کے لئے اس کا برا عمل آراستہ کیا گیا اور اسے سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کا

فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِىۡ تَبَابٍ ۝۳۷ ع

داؤ تو صرف تباہی ہی میں تھا[26]

[26] فرعون نے اپنے وزیر اعظم ہامان سے کہا کہ کوئی بہت اونچی عمارت (Tower) بناؤ جس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ میرا خیال ہے کہ موسیٰ جھوٹا ہے اور میں آسمانوں میں جھانک کر تسلی کروں گا کہ آیا وہاں کوئی خدا ہے؟ تو فرعون کے دل میں یہ بات آراستہ کی گئی اور یوں اس پر ہدایت کا راستہ بند کر دیا گیا اور فرعون کا داؤ محض بیکار و برباد تھا۔

فرعون کا ایک بلند ترین عمارت بنانا

چنانچہ پیچھے سورہ قصص آیت 38 کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ فرعون نے مصر کے سب سے اونچے پہاڑ پر اس قدر اونچی عمارت کھڑی کی کہ خلق خدا میں سے کسی نے اتنی بلند عمارت نہ دیکھی تھی۔ ہزاروں معماروں، مزدوروں نے کئی برس میں اسے تعمیر کیا۔ فرعون اس پر چڑھا وہاں سے اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکے جو خون آلود واپس گرے، فرعون نے کہا میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا ہے۔ (معاذ اللہ) تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اس عمارت کو اپنا پر مارا تو اس کے تین ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا فرعونیوں پہ گرا اور ہزاروں انسان مر گئے، ایک سمندر میں جا گرا اور ایک جانب مغرب گر گیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا

اور (قوم فرعون میں سے) جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو میں تمہیں

هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ

سیدھی پر لے چلوں گا۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (قلیل سا) سامان ہے اور آخرت ہی مستقل رہنے کی جگہ ہے[27] جو شخص

سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ

بُرا کام کرے اسے اس کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا اور جو نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَیٰقَوْمِ

وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب (رزق) دیا جائے گا [28] اور اے میری قوم

مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ

میری کیا حالت ہے کہ (میں) تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو

بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

کہ اللہ سے انکار کردوں اور اس کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جس کے بارہ میں مجھے کچھ علم نہیں اور میں تمہیں عزت والے بخشنہار خدا کی طرف

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ

بلاتا ہوں، بلاشبہ تم مجھے جدھر بلاتے ہو اس کے لئے کوئی صحیح دعوت نہیں ہے، دنیا میں نہ آخرت میں،

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ

اور ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے، اور حد سے بڑھنے والے لوگ ہی اہل دوزخ ہیں۔ [29] تو عنقریب تم یاد کرو گے

مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

جو میں تمہیں کہتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے [30]

النصف

قوم فرعون کے مومن کا انعام اور باقی قوم کی تباہی

[27] قوم فرعون کے اکیلے مومن حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا اے میری قوم! اگر تم میری بات مان لو تو ہدایت پا لو گے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ہی سیدھی راہ ہے، جو جنت میں لے جاتی ہے اور اے میری قوم! یہ دنیا چندروزہ ہے اور آخرت ہی دائمی و مستقل ہے تو دنیوی مفادات کے لئے اپنی آخرت مت برباد کرو۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) تقلید شخصی کا جواز:

مومن آل فرعون نبی و رسول نہ تھا مگر اس نے اپنی اتباع کو راہِ ہدایت قرار دیا (اتبعونی اهدکم) کیونکہ اس کی پیروی حقیقت میں رسول کی پیروی تھی۔ یونہی فقہ کے ائمہ اربعہ کی تقلید حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید ہے اسے بعض لوگوں کا شرک اور الحاد سے تعبیر کرنا انتہا پسندی ہے۔ چونکہ ہر آدمی قرآن و حدیث سے براہِ راست مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا تو اسے کسی فقہی امام کی تقلید کرنی پڑے گی۔

(2) فکر آخرت:

مومن آل فرعون نے کہا کہ آخرت ہی دائمی و مستقل جگہ ہے، بلاشبہ آخرت ہی ہمارا دائمی ٹھکانہ ہے۔ ہمیں دنیا کے عارضی ٹھکانے کی بجائے دائمی ٹھکانے کی بہتری پر ساری توجہ رکھنی چاہیے، ایک بار صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو کہا: اگر اجازت ہو تو ہم آپ کے لئے نرم بستر بچھا دیں۔ آپ نے فرمایا میرا دنیا سے کیا تعلق، میری حالت اس مسافر کی طرح ہے جس نے کسی درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کیا پھر وہاں سے چل دیا۔ (ترمذی کتاب الزہد باب ۴۴) مگر افسوس ہم نے دنیا ہی کو مستقل ٹھکانہ سمجھ لیا ہے۔

[28] قوم فرعون کے مومن نے کہا: اے میری قوم! جو شخص بُرا عمل کرے، اسے اس کی بُرائی کے برابر ہی پکڑ ہوگی، اس سے زیادہ نہیں اور اگر اللہ چاہے تو معاف فرما دے۔ لیکن جو شخص نیک عمل کرے اور وہ مومن ہو خواہ مرد ہو یا عورت تو اسے جنت میں بے حساب اجر دیا جائے گا (جو اس کے عمل سے بہت زیادہ ہوگا) یعنی اللہ کے ہاں تو وہ کسی حساب ہی کے ساتھ ہوگا مگر اس مومن کے لئے اتنا ہوگا کہ وہ اسے کسی حساب میں نہ لا سکے گا۔

قبولیت عمل میں عورت مرد کے برابر ہے

مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى کہہ کر مرد و عورت دونوں کو قبولیت عمل یعنی اخروی جزا میں برابر قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا اسلام پر یہ اعتراض غلط ہے کہ وہ عورت کو پست درجے کا انسان قرار دیتا ہے۔ البتہ اسلام نے مرد کو اپنے گھر میں فیملی کا

سر براہ قرار دیا ہے کیونکہ وہ اپنے حوصلہ، استقامت اور قوت ارادی کے سبب خانگی زندگی کی گاڑی کو بہتر چلا سکتا ہے اس لئے فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ گویا یہ ایک انتظامی ضرورت ہے۔ اہل یورپ وامریکہ نے اسکا احساس نہیں کیا، انہوں نے عورت کو مرد کے برابر بلکہ اس سے زیادہ حقوق دے دیئے اور آج وہ رو رہے ہیں انکے گھر ٹوٹ رہے ہیں، کیونکہ عورت جذباتی ہے۔ وہ بہت جلد جذبات میں آ کر خطرناک فیصلے کر دیتی ہے۔ اس لیے گھر کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئی، اس سے ہٹ کر عورت اللہ کے ہاں حسن عاقبت کے لحاظ سے مرد سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ کئی عورتیں وہ ہیں جو لاکھوں کروڑوں مردوں سے افضل ہیں، جیسے سیدہ مریم، سیدہ فاطمہ زہرا خاتون جنت، امہات المومنین، صحابیات اور ولیات کاملہ، جیسے رابعہ بصریہ، سیدہ سکینہ، وغیرہا۔

[29] قوم فرعون کے مومن نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ دیکھو میں تمہیں دعوت ایمان دیتا ہوں، تاکہ تم جہنم سے نجات پالو اور تم مجھے فرعون کو خدا ماننے کی دعوت دیتے ہو تاکہ میں نار جہنم میں جا گروں۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جس کی خدائی کی کوئی سند میرے پاس نہیں ہے یعنی میں کس دلیل سے فرعون یا تمہارے دوسرے تراشیدہ خداؤں کو معبود مان لوں؟ جبکہ میں تمہیں خدائے غالب وغفار کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں یعنی اگر تم آج ایمان لے آؤ تو وہ تمہاری سابقہ زندگی کا سب کفر وشرک بخش دے گا، کیونکہ وہ غالب وغفار ہے۔ تو ایسے سچے خدا کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی طرف دعوت کی کچھ حقیقت نہیں اور جب ہم نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو اس کے باوجود اسے چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی عبادت کرنا حد سے بڑھنا ہے اور ایسے ہی لوگ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔

[30] یعنی اے میری قوم! میری باتیں تمہیں آخرت میں بہت یاد آئیں گی مگر اس وقت حسرت کے سوا کچھ نہ ہو سکے گا۔ بہر حال میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو تمہارے دلوں میں میری باتوں کا اثر پیدا ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے بندوں کے جملہ ظاہری وباطنی احوال کا نگران ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوۡا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ ۚ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ

تو اللہ نے اس مومن کو فرعونیوں کے داؤ سے بچا لیا اور آل فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا [31] وہ صبح و شام

يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ

آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی (تو کہا جائے گا) آل فرعون کو شدید تر عذاب

اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذۡ يَتَحَآجُّوۡنَ فِى النَّارِ فَيَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيۡنَ

میں داخل کرو [32] اور جب وہ آگ میں باہم جھگڑا کریں گے، تو کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے

اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَـكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِيۡبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

کہیں گے ہم تو تمہارے ماتحت تھے، اب کیا تم ہمیں آگ کے کسی حصہ سے بچا سکتے ہو؟

قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُلٌّ فِيۡهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ ﴿۴۸﴾

تکبر کرنے والے کہیں گے: ہم سب ہی جہنم میں ہیں، بے شک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا

اور جولوگ آگ میں (جل رہے) ہوں گے وہ جہنم کے پہرہ داروں سے کہیں گے: اپنے رب سے دعا کرو وہ ہمارے عذاب سے

مِّنَ الۡعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوۡا

ایک دن کی کمی کر دے، وہ کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح نشانیاں نہ لاتے رہے تھے؟ وہ کہیں گے:

بَلٰى ؕ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

ہاں کیوں نہیں، پہرہ دار کہیں گے پھر تم خود ہی دعا کرو اور منکروں کی دعا بیکار ہی ہے [33]

[31] مروی ہے کہ قوم فرعون کے اس مومن کی گرفتاری کے لئے فرعون نے حکم جاری کر دیا تو وہ پہاڑوں میں کسی جگہ جا چھپا۔ فرعون نے پہاڑوں میں سپاہی بھیجے جنہیں فرشتوں نے مار بھگایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کی تو اس مومن کو بھی مطلع کیا۔ چنانچہ اس نے بھی آپ کے ساتھ ہجرت کی اور قوم فرعون میں سے صرف اسی نے نجات پائی،

باقی سب فرعون کے ساتھ ہی غرق ہو گئے۔ (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۸) اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اللہ نے فرعون کے داؤ سے بچالیا اور باقی تمام آل فرعون کو برے عذاب یعنی غرقابی نے آ گھیرا۔

لفظ آل متبعین پہ بھی بولا جاتا ہے

اس جگہ وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴿۴۵﴾ سے معلوم ہوا کہ لفظ آل متبعین پہ بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ فرعون کے ساتھ غرق ہونے والے لاکھوں لوگ سب کے سب نہ تو فرعون کی اولاد تھے نہ اس کے قریبی رشتہ دار، البتہ وہ سب فرعون کے متبعین تھے، اس لئے انہیں آل فرعون کہا گیا۔ یونہی اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد میں لفظ آل محمد کے تحت جہاں حضور سید کائنات ﷺ کی ذریت و اہل بیت شامل ہیں، وہاں آپ کی متبع امت بھی شامل ہے۔ پھر جس کی جس قدر اتباع ہے اسی قدر اسے درود شریف کی برکت پہنچتی ہے۔ اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا آل محمد کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: كُلُّ تَقِيٍّ، یعنی ہر متقی مومن آل محمد ﷺ ہے۔ (سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آلُ محمدٍ اُمَّتُهٗ۔ آل محمد آپ کی امت ہے۔
(حوالہ مذکورہ)

[32] جب ساری قوم فرعون سمندر میں ڈبو کر ہلاک کر دی گئی تو وہ برزخ میں عذاب سے دوچار کر دیئے گئے اور انہیں ہر روز صبح و شام نار جہنم پر پیش کیا جاتا ہے یعنی انہیں جہنم کے کنارے کھڑے کر کے دکھایا جاتا ہے کہ یہ ہے تمہارا جہنم میں مستقل ٹھکانہ، جہاں تمہیں روز قیامت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈالا جائے گا۔ گویا یہ بھی ان کے لئے عذاب ہے کہ انہیں صبح و شام جہنم دکھائی جاتی ہے اور وہ اس کی تپش اور بدبو محسوس کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قوم فرعون کو سیاہ پرندوں کی شکل میں صبح و شام جہنم پر پیش کیا جاتا ہے اور ان کا دائمی ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ (ابن جریر) تو آل فرعون کے لئے یہ عذاب عالم برزخ میں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز قیامت آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈالا جائے گا۔

عذاب قبر اور حیاتِ برزخی کا ثبوت

اس جگہ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا سے عذاب برزخ (جسے عذاب قبر بھی کہتے ہیں) ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمایا گیا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ گویا فرعونیوں کے لیے روز قیامت تک عذاب برزخ ہے۔ اس کے بعد انہیں عذاب آخرت کی طرف لوٹایا جائے گا اور قوم نوح کے بارہ میں فرمایا گیا: مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ ''وہ اپنی خطاؤں کے سبب غرق کیے گئے پھر ساتھ ہی جہنم میں داخل کیے گئے۔'' (نوح، ۲۵)

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عذابُ القبرِ حقٌّ ''عذاب قبر حق ہے۔''
(بخاری کتاب الجنائز باب ۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو اسے صبح وشام اس کا حقیقی ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، خواہ وہ اہل جنت سے ہو یا اہل جہنم سے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تمہارا حقیقی مقام جس میں روز قیامت تمہیں اللہ داخل کرے گا۔'' (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۱)

اور عذاب قبر کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وہ مشہور حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو قبروں سے عذاب کی آوازیں سنیں تو آپ وہاں اترے۔ پھر آپ نے ایک تر شاخ منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں قبروں پہ ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ پھر فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، ان میں سے ایک غیبت کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوتیں ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۵۵، مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۱۱، ابوداود کتاب الطہارۃ باب ۲۶)

اور کثیر احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرماتے تھے کہ عذاب قبر سے پناہ مانگو۔ (بخاری کتاب الکسوف باب ۷، مسلم کتاب المساجد حدیث ۱۲۳)

انبیاء واولیاء کی حیاتِ برزخیہ کی عظمت

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب فرعون جیسے کافر کے لیے حیات برزخی ثابت ہے تو مومنین کے لیے برزخی حیات کس قدر اعلیٰ ہوگی اور پھر انبیاء واولیاء کی برزخی حیات کا کیا کہنا۔ اسی لیے تو اہلِ قبور کو سلام کہنے کا حکم ہوا۔ اور حدیث کے مطابق ابوجہل اور دیگر مقتولین بدر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قتل کے بعد کلام فرمایا تو عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ بے جان لاشے آپ کی بات سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ما انتم باسمع منهم ولكنهم لا يجيبون، کہ تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے، مگر فرق یہ ہے کہ یہ جواب نہیں دے سکتے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب ۸۶، باب المغازی باب ۸، مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۶۷، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۱۷)

اور یاد رکھنا چاہیے کہ حیات برزخی کا روح سے تعلق ہے، جس کی روح جس قدر قوی ہو اس کی حیات برزخی اسی قدر قوی ہوگی۔ اور روح کی قوت روح کی غذا سے ہے، جیسے جسم کی قوت جسم کی غذا سے ہے اور روح کی غذا ذکر خدا ہے۔ تو جو جس قدر زیادہ ذکر خدا کرتا ہے اسکی روح اسی قدر قوت والی ہے اور اسی قدر اس کی حیات برزخی اقوی واعلیٰ ہے۔ تو سب سے قوی تر برزخی حیات انبیاء کرام کی ہے۔ اسی لیے حدیث وارد ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵) بلکہ ان کی برزخی حیات شہداء سے بھی قوی تر ہے۔ لہٰذا انبیاء واولیاء سے ان کے وصال کے بعد طلب دعا کرنا اور ان کی ارواح سے مدد چاہنا جائز ہے۔

[33] جہنم میں کفار کے مابین جھگڑا ہوگا۔ کفار اپنے متکبر مذہبی وسیاسی لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع فرمان تھے، تم نے کہا تو ہم نے کفر کیا۔ اب تم ہمیں عذاب جہنم سے بچاؤ، وہ کہیں گے کہ ہم خود تمہارے ساتھ جہنم میں

ہیں تمہیں کیا بچائیں؟ وہاں سے مایوس ہو کر کفار جہنم کے چوکیداروں سے کہیں گے کہ تم ہمارے لئے اللہ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں عذاب جہنم سے ایک دن ہی کی چھٹی دے دے، وہ انہیں جواب دیں گے کہ تمہارے پاس رسولان گرامی آتے رہے اور تمہیں واضح نشانیاں دکھا کر راہِ حق کی دعوت دیتے رہے پھر تم نے ان کی بات کیوں نہ مانی؟ اب خود ہی دعا کرو، مگر کفار کی دعا آج محض بیکار ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾
بلاشبہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد حیاتِ دنیا میں بھی کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
جب گواہ قائم ہوں گے، جس دن ظالموں کو ان کی معذرت فائدہ نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہے
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى
اور برا گھر، [34] اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو راہ حق دکھایا اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا جو عقل والوں کے لئے
وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ
ہدایت اور نصیحت ہے [35] تو (اے پیارے حبیب) صبر رکھیں، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اپنے (یعنی امت کے) گناہ کی
لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾
بخشش مانگیں اور صبح و شام اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح کہیں [36]

دنیا و آخرت میں مومنوں کی کامیابی اور کفار کی ناکامی

[34] مومن آل فرعون کی نجات اور قوم فرعون کی ہلاکت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم اپنے رسولوں اور اپنے مومن بندوں کی اس دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور روز قیامت میں بھی کریں گے، جب گواہ قائم ہوں گے تو پھر ظالموں (یعنی کافروں) کو معذرت کرنا فائدہ نہ دے گا کیونکہ ان کے خلاف گواہیاں قائم ہو چکی ہوں گی۔

اگر سوال کیا جائے کہ کئی انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا گیا اور کئی کو ہجرت کرنا پڑی، تو پھر ان کی مدد کس طرح کی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء من حیث الجماعۃ کامیاب رہے۔ اسی لیے رُسُلَنَا صیغہ جمع بولا گیا: کُلَّ رسول نہیں فرمایا گیا اگر بعض انبیاء کو شہادت یا ہجرت کا سامنا کرنا پڑا، تو انہی کے بعد آنے والے انبیاء کو غلبہ دے دیا گیا۔ جیسے

حضرت الیاس علیہ السلام شہید کئے گئے تو ان کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام کو غلبہ دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیہ کے دشت غربت میں واصل حق ہوئے۔ تو ان کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھ پر بیت المقدس کو فتح کر دیا گیا۔ یہی حال مومنین کا ہے کہ اگر وہ وقتی طور پر مغلوب بھی ہوں تو بہر حال آخر کار غلبہ انہی کے لئے ہے۔ اس میں امت مسلمہ کے لئے آنے والے وقت میں کامیابی کی خوشخبری ہے۔

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ میں قیامت کے دن قائم ہونے والے گواہوں سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو ہماری نیکی و بدی لکھتے ہیں اور انبیاء بھی مراد ہو سکتے ہیں، جو اپنی اپنی امت کے کفار و دشمنان دین حق کے خلاف گواہی دیں گے اور امت مسلمہ بھی مراد ہو سکتی ہے جو امم سابقہ کے کفار کے خلاف انبیاء کے حق میں گواہی دے گی جس کا بیان بقرہ آیت 143 کے تحت گزر چکا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز قیامت کفار کے لئے لعنت اور بُرا گھر ہے اور دوسری جگہ فرمایا گیا: ''جو لوگ کفر پہ مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔'' (بقرہ، ۱۶۱) معلوم ہوا کسی مومن پہ لعنت کرنا جائز نہیں۔

[35] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت یعنی نبوت اور اس کے علوم سے آراستہ کیا گیا جیسا کہ فرمایا گیا کُلًّا هَدَيْنَا ''ہم نے سب انبیاء کو ہدایت دی (علوم نبوت دیئے)'' (انعام، ۸۴) پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا سے چلے گئے تو ان کی قوم بنی اسرائیل ان کی کتاب کی وارث ہوئی جس میں عقل والوں کے لئے ہدایت (احکام) اور نصیحت (مواعظ) کا خزانہ تھا۔

انبیاء کی میراث ان کی کتاب و شریعت ہوتی ہے نہ کہ مال و دولت

وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ سے معلوم ہوا نبی کی میراث صرف اس کی کتاب اور اس کا دین ہوتی ہے ہے۔ لہٰذا اہل تشیع کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض بیجا ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو باغ فدک نہ لینے دیا، حالانکہ وہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور میراث ملتا تھا۔ اس لئے کہ نبی کی میراث صرف اس کا دین اور کتاب ہے نہ کہ مال و اسباب۔

چنانچہ مشہور شیعہ محدث شیخ محمد بن علی صدوق نے امام جعفر صادق سے، انہوں نے امام باقر سے، انہوں نے امام زین العابدین سے، انہوں نے امام حسین سے اور انہوں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ العلماءَ وَرَثَةُ الانبياءِ وَاِنَّ الانبياءَ لم يُوَرِّثُوا دِرهَماً وَلا ديناراً ولكن وَرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ حَظّاً وافِراً۔ علماء وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑتے وہ علم چھوڑتے ہیں، جس نے یہ لے لیا اس نے بڑی دولت پالی۔ (امالی صدوق صفحہ ۳۷ مجلس ۱۵)

[36] اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صبر رکھیں، اللہ نے غلبہ دین کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے اور آپ اپنی امت کے ہر قسم کے گناہ کے لئے

بخشش مانگتے رہیں اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہتے رہیں۔ جس کی بہترین صورت ادائیگی نماز ہے کیونکہ اس میں کثرت سے اللہ کی حمد بھی ہے اور تسبیح بھی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت ذنب کا مفہوم

اس جگہ اگر سوال ہو کہ لِذَنْۢبِكَ میں لفظ ذنب بمعنی گناہ کی اضافت (نسبت) نبی اکرم ﷺ کی طرف کیوں کی گئی ہے حالانکہ آپ تو معصوم ہی نہیں، امام المعصومین ہیں۔

تو پہلا جواب یہ ہے کہ بغوی، خازن، قرطبی و دیگر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد تعلیم امت ہے یعنی آپ سے کہا گیا کہ امت کو استغفار کا طریقہ بتائیں اسی لئے حضور ﷺ گناہوں سے استغفار کی دعائیں کرتے تھے (اور مقصد تعلیم امت تھا)

چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ایک طویل دعاء فرماتے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اعْتَرَفْتُ بِذَنْۢبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّاۤ اَنْتَ۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا رب ہے، میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے میں اپنی خطاء کا اعتراف کرتا ہوں، میری تمام خطائیں معاف کر دے کیونکہ تیرے سوا کوئی خطاءوں کا معاف کرنے والا نہیں ہے۔

(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث ۲۰۱، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۱۸، ترمذی کتاب الادعوات باب ۳۲)

ایسی مزید دعائیں کتب حدیث میں مروی ہیں۔ حالانکہ حضور کے دامن میں ایک بھی ذنب نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ تو ایسی دعاؤں کا مقصد تعلیم امت کے سوا کچھ نہیں اور یہی وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کا مقصد ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ استغفار فی ذاتہ ایک عبادت ہے اور اللہ کو اپنے بندے کا استغفار پسند ہے خواہ اس کے دامن میں کوئی گناہ نہ ہو، جیسے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ (آل عمران، ۱۹۴) میں موعود چیز کی دعا کی رغبت دلائی گئی ہے کیونکہ اللہ کو بندے کی دعا پسند ہے، یونہی اللہ کو بندے کا استغفار کرنا پسند ہے خواہ وہ بندہ مغفور ہو اور اس سے مغفرت کا وعدہ ہو۔ اور خواہ وہ ایسا بندہ ہو جو گناہ سے پاک ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں:

ھٰذا تعبدٌ من اللّٰہِ لیزیدہٗ بہٖ درجۃً و لیصیر سنۃً لمن بعدہٗ۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک حکم ہے تاکہ اس سے آپ کا درجہ بڑھایا جائے اور بعد والوں کے لئے سنت ہو جائے۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۹۷)

تیسرا جواب یہ ہے کہ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کا معنی استغفر لذنب امتك ہے یعنی اے رسول! آپ اپنی امت کے گناہوں کے لئے استغفار کریں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی لذنب امتك ہے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ کھڑا کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۳۲۴) یہی معنی ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔

چوتھا جواب امام فخر الدین رازی نے یہ دیا ہے کہ لِذَنۡۢبِكَ میں ذنب مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔امام رازی فرماتے ہیں: ای واستغفر لذنب امتك فی حقك یعنی آپ کی امت آپ کے حق میں جو گناہ کرتی ہے (یعنی آپ کی نافرمانی کرتی ہے) اس بارہ میں آپ استغفار کریں۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۵۲۵ مطبوعہ ملتان)
پانچواں جواب یہ ہے کہ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ میں رسول اللہ ﷺ کو نہیں بلکہ ہر سننے والے کو خطاب ہے، یعنی اے ہر سننے والے انسان! اپنے گناہوں کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ کیونکہ اس سے قبل فرمایا گیا فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ صبر رکھو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اب کیا نبی کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے؟ نہیں، بلکہ اس میں ہر سننے والے کو خطاب ہے، یونہی وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ میں بھی ہر سننے والے سے خطاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو، جھگڑتے ہیں ان کے

صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ

سینوں میں صرف تکبر ہے جسے وہ پا نہیں سکتے۔ تو تم اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا

الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ

دیکھنے والا ہے [37] یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے بڑا کام ہے مگر

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ۙ۬ وَالَّذِیْنَ

اکثر لوگ نہیں جانتے [38] اور اندھا و بینا باہم برابر نہیں ہیں، اور نہ ہی

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ

ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والے لوگ اور بدکردار لوگ برابر ہیں، تو تم کس قدر کم نصیحت پکڑتے ہو [39] بے شک

السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ؗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ

قیامت آنے والی ہے، اس میں شک نہیں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور

رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ

تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ میری عبادت کرو، میں تمہاری بات مانوں گا، جو لوگ میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ

سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع

رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔ [40]

ع ۶ / ۱۱

[37] یعنی جو لوگ اللہ کی آیات (آیاتِ قرآنیہ یا معجزاتِ محمدیہ) سے محض ضد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی علم نہیں آیا ان کے دلوں میں صرف تکبر ہے یعنی حق کے مقابلہ میں سینہ زوری ہے جو انہیں آیات خداوندی کے آگے جھکنے نہیں دیتی اور اس کبر سے انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا تو ایسے کبر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے

کیونکہ اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔ معلوم ہوا تکبر انسان کو کفر تک لے جاتا ہے۔

[38] منکرین قیامت کے دلوں میں یہ شبہ ہے کہ انسانوں کو دوبارہ کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اتنے بڑے آسمانوں اور اتنی وسیع زمین کا بنانا انسانوں کے بنانے سے بہت بڑی بات ہے۔ جس رب نے اتنی بڑی کائنات بنا دی اور اس میں ہزار ہا مخلوقات کو بسا دیا اس کے لئے انسانوں کا دوبارہ اٹھانا کیا مشکل ہے۔

[39] جس طرح اندھا و بینا برابر نہیں ہیں، اسی طرح مومن اور کافر برابر نہیں ہیں اور پرہیز گار اور بدکردار برابر نہیں ہیں۔ مومن اور پرہیز گار انسان بینا ہے جبکہ کافر اور بدکردار آدمی اندھا، کیونکہ اس کی آنکھوں پہ غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

[40] قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں مگر اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، حالانکہ عقیدۂ آخرت ہی انسان کو برائیوں سے روکتا ہے۔ لہٰذا اے انسانو! تمہارا رب تمہیں کہتا ہے کہ میری عبادت کرو یعنی میرے ہر حکم کی تعمیل بجالاؤ، میں تمہاری ہر دعا کو قبول کروں گا اور جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں یعنی میری عبادت کو اپنی شان سے کم تر جانتے ہیں، میں ایسے متکبروں کو ذلیل کر کے جہنم میں ڈالوں گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندے کی پرہیز گاری اس کی دعاؤں کو مقبول بناتی ہے اور بدکرداری نامقبول بناتی ہے۔ اس لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کا کھانا پینا، لباس اور بستر حرام ہو اس کی دعا کیسے قبول ہو۔ (ترمذی کتاب التفسیر، بقرہ باب ۳۶)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون کرو اور دن کو روشن بنایا بے شک اللہ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۶۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

انسانوں پہ بڑے فضل والا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں بجا لاتے [41] وہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے،

رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۲ كَذٰلِكَ

وقف لازم

ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اسی طرح

یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝۶۳ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

وہ لوگ بھٹکائے جاتے ہیں جو اللہ کی آیات سے انکار کریں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے

الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ

زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت بنایا۔ اور اس نے تمہاری صورت بنائی، تو تمہیں اچھی صورتیں عطا کیں اور تمہیں

مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۴ هُوَ

پاک چیزوں کا رزق دیا [42] وہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے، تو برکت والا ہے اللہ رب کائنات، وہ

الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۵

دائمی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم اسی کو پوجو، اس کے لئے دین کو خالص رکھو، سب حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ

آپ فرما دیں مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ ان (جھوٹے خداؤں) کو پوجوں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو جبکہ

الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ز وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۶

میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آ گئے ہیں اور مجھے رب کائنات ہی کے سامنے سر جھکانے کا حکم دیا گیا ہے [43]

اللہ کا ہر چیز کے لئے خالق و مالک اور رازق ہونا

[41] رات اس لئے باعثِ سکون ہے کہ اس میں تاریکی ہے جو نیند کے لئے معاون ہے۔ لوگ اس میں عمل چھوڑ کر گھروں میں دبک جاتے ہیں اور شور کم ہو جاتا ہے، یہ چیز بھی سکون پیدا کرتی ہے۔ پھر رات میں ٹھنڈک ہے جو جسم کی حرارت کو توڑتی ہے۔ اور یہ امر بھی باعثِ سکون اور نیند آور ہے۔ جبکہ دن میں روشنی ہے جو لوگوں کو عمل پر مائل کرتی ہے اور نیند میں مخل ہے اور جب ہر طرف شور ہو تو نیند کم آتی ہے۔ پھر دن کی حرارت اور روشنی بھی جسم کی حرارت کو بڑھاتی ہے جو سکون کے خلاف ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ مسلسل رات بنا دیتا تو لوگ ٹھنڈک سے مر جاتے اور اگر مسلسل دن بنا دیتا تو گرمی لوگوں کو مار دیتی۔ یہ اللہ رب العزت کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ اُس نے چوبیس گھنٹوں میں رات دن کو گھما دیا ہے، مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

رات اور دن کا آغاز ذکر الٰہی سے کرنا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن دونوں کو فضل قرار دیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ الخ لہٰذا دن کے آغاز میں نماز فجر رکھی گئی اور رات کے آغاز میں نماز مغرب وعشاء۔ یہ کس قدر ناشکری ہے کہ اللہ کا فضل تو لیا جائے مگر شکر کا سجدہ نہ کیا جائے اس لئے فرمایا گیا کہ اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے رات تین چیزوں کے لئے بنائی گئی ہے سکون کرنا تاکہ جسم دوبارہ عمل کے لئے تیار ہو جائے، سونے سے قبل دن بھر کے گناہوں سے توبہ کرنا اور رات کے آخری پہر اللہ کے حضور قیام کرنا۔ اور دن سات چیزوں کے لئے ہے نماز، والدین سے حسنِ سلوک، تلاشِ رزق، مریضوں کی عیادت، کسی جنازہ میں شرکت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اور جو شخص یہ کام نہ کرے روز قیامت رات اور دن دونوں اس سے جھگڑا کریں گے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۰۳)

[42] اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسانوں کے لئے فرش اور آسمان کو مثل عمارت بنایا اور اس عمارت میں شمس وقمر اور ستاروں کے قمقمے سجائے اور فرش پر سبزے کا قالین بچھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان زمین ہی پہ زندہ رہ سکتا ہے، چاند یا مریخ وغیرہ پہ نہیں۔ پھر اللہ نے انسانوں کو بہترین صورتیں عطا کیں، باقی ہر جنس کی مخلوق کی شکلیں ایک جیسی ہوتی ہیں مگر جنس انسان میں ہر انسان کی الگ شکل ہے، پھر انسانی چہرہ ایسا بنایا گیا ہے جو دل کے احوال کی عکاسی کرتا ہے۔ غمی، خوشی، سنجیدگی، عدم سنجیدگی، تکریم، تمسخر، محبت، نفرت الغرض ہر جذبہ چہرے سے عیاں ہو جاتا ہے، کیا یہ اللہ کی عظیم قدرت نہیں ہے؟ گویا انسان کی شکل اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتی ہے، پھر انسان کی قامت سیدھی رکھی گئی ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے اپنا لقمہ منہ میں ڈال لیتا ہے۔ باقی سب جانور اور پرندے رزق کے لئے اپنا منہ زمین پر رکھتے ہیں، اس میں یہ راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر کو اپنی عبادت اور سجدے میں جھکنے کے لئے بنایا ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) کسی کی شکل کا مذاق اڑانا جائز نہیں:

ہر شکل اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور اس کا تمسخر اللہ کی تخلیق کا تمسخر ہے۔

(2) چہرے کی پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہے:

مغربی تہذیب کی ایک بے راہ روی یہ بھی ہے کہ لوگ حسین بننے کے لئے اللہ کی بنائی ہوئی شکل کو تبدیل کر کے اپنا چہرہ بدلواتے ہیں یہ حرام ہے اور حدیث میں اس پر لعنت وارد ہے۔ البتہ اگر کسی حادثے میں چہرے پر زخم آ گیا ہو تو اس کے نشانات مٹانے کے لئے علاج کرنا جائز ہے۔

(3) داڑھی کا منڈوانا حرام ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جو بہترین تصویر بنائی ہے۔ اس میں مرد کے چہرے پر داڑھی بھی شامل ہے۔ اسے مونڈنا فطرت سے بغاوت اور تخلیقِ الٰہی سے تمسخر ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ کہ اللہ نے انسان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے۔ دیکھیں! جانور ہر گندی مندی چیز کھا لیتے ہیں مگر انسان پہلے اپنے ہاتھوں سے اپنے لقمے کی سختی نرمی اور گرمی سردی جانتا ہے۔ اگر لقمہ زیادہ سخت ہو یا زیادہ گرم و سرد ہو تو کھانے سے رک جاتا ہے۔ پھر منہ کے ساتھ ناک ہے اس سے انسان اپنے لقمے کی بو محسوس کرتا ہے، اگر بو اچھی محسوس نہ تو خبردار ہو جاتا ہے۔ پھر زبان سے اس کا ذائقہ چکھتا ہے تب جا کر اسے کھاتا ہے یہ انسان پر اللہ وحدہٗ لاشریک کی عنایات ہیں۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ سے معلوم ہوا کہ اسلام انسان کو پاکیزہ چیزوں کے کھانے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی لئے جن چیزوں سے انسان کے جسم یا اخلاق کو نقصان ہو، ان کا کھانا اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ ایسی چیزیں طیبات نہیں بلکہ خبائث ہیں۔ (وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ سورہ اعراف ۱۵۷) مگر اسلام سے آزاد ہو کر کئی انسان سانپ بچھو بھی کھا رہے ہیں جیسے چائنہ و فلپائن کے لوگ، ہندو گائے کا پیشاب پی رہے ہیں اور عیسائی خنزیر کا گوشت کھا رہے ہیں۔ ایک اسلام ایسا مذہب ہے جو انسان کو مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے، اسلام کے سوا کسی مذہب میں حلال وحرام کا قانون نہیں ہے جو کھانے، پینے، لباس، رہائش اور نکاح سب کو محیط ہو۔ اسلام وہ مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو اس کی زندگی کے ہر گوشہ میں راہنمائی عطا کرتا ہے۔

[43] جو قومیں اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا دوسرے جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتی ہیں ان کی راہنمائی کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ دائمی زندہ ہے بلکہ وہی زندہ ہے، باقی ہر چیز کی زندگی و موت اللہ کے قبضہ میں ہے، لہٰذا وہی مستحق عبادت ہے۔ تو اسی کے لئے اپنی عبادت و اطاعت کو خالص رکھ کر اس کے آگے سجدہ ریز ہونا چاہیے اور اسی کے لئے ہر حمد ہے کیونکہ وہی رب کائنات ہے۔ اس میں نماز کی طرف اشارہ ہے کہ نماز وہ عبادت ہے جس میں بار بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھا جاتا ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرما دیں کہ اے مشرکو! جن خداؤں کو تم

پوجتے ہو، مجھے ان کی پرستش سے منع کیا گیا ہے اور صرف اللہ رب کائنات کے آگے سر جھکانے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ لفظ دعا کا معنی عبادت کرنا آتا ہے، نہ کہ پکارنا

ان جگہ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (مجھے اس سے روکا گیا کہ تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت کروں) سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جہاں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ دعا کا لفظ ہے وہاں دعا بمعنی عبادت ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا گیا:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿۲۱۳﴾ ''تو تم اللہ کے سوا کسی خدا کو مت پوجو ورنہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔'' (شعراء، ۲۱۳) اور فرمایا گیا:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''تو تم اللہ کے سوا کسی خدا کو مت پوجو، اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔'' (قصص، ۸۸) اور فرمایا گیا:

لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ ''ہم اللہ کے سوا کسی خدا کی عبادت نہیں کریں گے، ورنہ ہم گمراہی کی بات کہیں گے۔'' (کہف، ۱۴) ان تمام آیات میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ لفظ دعا کا معنی عبادت ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ ان آیات کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو پکارا نہ جائے، لہٰذا یہ دعوی باطل ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ دعا بمعنی پکارنا ہی ہوتا ہے۔

لہٰذا درج ذیل آیات میں بھی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ لفظ دعا کا معنی عبادت ہی درست ہے، نہ کہ دعا بمعنی پکارنا۔ جیسے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ''اور اللہ کے سوا کسی چیز کی عبادت مت کرو، جو تمہیں کچھ نفع یا نقصان نہیں دے سکتی۔'' (یونس، ۱۰۶)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ''جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔'' (اعراف، ۱۹۴)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا ''بیشک جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔'' (حج، ۷۳)

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ﴿۱۳﴾ ''اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں۔'' (فاطر، ۱۳)

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا ''کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کریں، جو ہمیں کچھ نفع یا نقصان نہیں دے سکتیں۔'' (انعام، ۷۱)

ان تمام آیات میں دعا کا معنی پکارنا نہیں، بلکہ عبادت کرنا ہے اور یہ دعوی ہی غلط ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کیساتھ دعا کا معنی پکارنا ہی ہوتا ہے۔ پھر نجدی فکر کے لوگ اس غلط دعوی کی بنیاد پہ یا رسول اللہ، یا علی اور یا عباد اللہ اعینونی

وغیرہ کہنے پر شرک وکفر کا فتوی لگا دیتے ہیں۔ اگر وہ قرآن کریم کو نظر انصاف کے ساتھ پڑھیں، تو وہ اپنے عمل پہ خود ہی شرمندہ ہو جائیں گے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے بنایا، پھر وہ تمہیں بچے کی صورت میں

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

نکالتا ہے، پھر (تمہیں جلاتا ہے) تاکہ تم اپنی پختہ عمر کو پہنچو، پھر بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کچھ کو اس سے قبل ہی

مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٦٠ هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ

موت دے دی جاتی ہے اور تاکہ تم اپنی مقررہ مدت کو پہنچو اور تاکہ تم عقل پکڑو۔ [44] اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے،

وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٦١ ع

تو جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرے تو بس اسے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ [45]

[44] اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا۔ اس طرح کہ سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، پھر ہر انسان مٹی سے نکلنے والی غذا کھاتا ہے۔ اسی سے اس کی صلب میں مادہ منویہ بنتا ہے، جس سے مزید انسان پیدا ہوتے ہیں۔ (علاوہ ازیں حدیث کے مطابق رحم مادر میں نطفے پر وہ مٹی ڈالی جاتی ہے جہاں اس نطفے سے بننے والے انسان نے سپرد خاک ہونا ہوتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نطفے کو خون کا لوتھڑا بناتا ہے پھر لوتھڑے کو گوشت پوست کی شکل میں ڈھال کر اس پر انسان کی تصویر سجائی جاتی ہے اور ایک زندہ انسان دنیا میں آتا ہے، جو ایک بچہ ہوتا ہے پھر وہ جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا ہو جاتا ہے اور [illegible] انسان اس سے قبل ہی بحکم الٰہی موت سے [illegible] چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کیلئے اتنی ہی مدت مقرر ہوتی ہے، تو وہ اپنی مدت کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس میں انسان کو غور کر کے راہ عقل اختیار کرنی چاہیے۔

[45] موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے کوئی انسان بچپن میں فوت ہو جاتا ہے، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں بھی نہیں مرتا بلکہ طویل زندگی کے بعد دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ جب اس نے کسی چیز کو بنانا ہو تو اسے کہتا ہے کُنْ یعنی ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ لفظ کُنْ بولتا ہے کیونکہ کاف اور نون حادث حروف ہیں جبکہ اللہ اور اس کی صفات قدیم ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے ارادے ہی سے ہو جاتی ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٨٢ ''جب وہ ارادہ کرتا ہے کہ کسی چیز کو کُنْ کہے تو وہ (اس کے ارادہ ہی سے) ہو جاتی ہے۔'' (یٰس، ۸۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۚۛ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ

کیا تم نے وہ لوگ نہ دیکھے جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں وہ کہاں بھٹکتے

كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۷۰﴾ اِذِ

ہیں، جولوگ کتاب کو اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا، اسے جھٹلاتے ہیں، عنقریب وہ

الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي

جان لیں گے، جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں کھولتے پانی میں

النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ

کھینچا جائے گا، پھر آگ میں جھونکا جائے گا [46] پھر ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم اللہ کے ساتھ

اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ

شریک ٹھہراتے تھے؟ وہ کہیں گے: وہ ہم سے روپوش ہو گئے ہیں، بلکہ ہم تو اس سے قبل کسی کو نہیں

يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

پوجتے تھے، اسی طرح اللہ منکروں کو گمراہ رکھتا ہے یہ اس لئے ہے کہ تم زمین میں ناحق

الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۚ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

خوش ہوتے تھے اور اتراتے پھرتے تھے، اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، وہاں تم ہمیشہ رہو گے،

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

تو متکبروں کا ٹھکانہ کیا ہی برا ہے [47]

منکرین توحید و رسالت کا دنیوی و اخروی عذاب

[46] گزشتہ رکوع میں دلائلِ توحید کا بیان ہوا۔ اب عقیدہ رسالت پر بات ہو رہی ہے، پھر توحید و رسالت کے

منکرین کا عذاب بیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جولوگ اللہ کی نازل کردہ آیات (قرآن) اور رسولوں کے لائے ہوئے دین حق کے بارہ میں جھگڑتے ہیں، وہ کدھر بھٹکتے ہیں۔ عنقریب انہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ جب ان کے ہاتھوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر انہیں زنجیروں سے منسلک کیا جائے گا، پھر وہ زنجیر ان کی گردنوں میں ڈال دیئے جائیں گے، پھر انہیں گھسیٹ کر کبھی کھولتے پانی اور کبھی نار جہنم کی طرف کھینچا جائے گا یعنی جب انہیں جہنم میں پیاس ستائے گی تو کھولتے پانی کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔ وہاں سے انہیں واپس آگ کی طرف گھسیٹا جائے گا۔

اس جگہ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ معلوم ہوا کہ جہنم میں ذلت آمیز عذابات صرف کفار کے لئے ہیں اگر کوئی مومن جہنم میں گیا تو اس کی پردہ پوشی کی جائے گی تذلیل نہیں کی جائے گی۔

[47] مشرکین سے روز قیامت کہا جائے گا کہ اپنے جھوٹے خداؤں کو پکارو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ مشرکین ندامت سے کہیں گے کہ وہ تو ہم سے روپوش ہو گئے ہیں، پھر وہ عذاب سے بچنے کے لئے کہیں گے کہ ہم تو کسی جھوٹے خدا کو پوجتے ہی نہ تھے۔ جیسے دوسری جگہ کہا گیا کہ وہ کہیں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ ''ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم شرک نہیں کرتے تھے۔'' (انعام، ۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوں اللہ منکروں کو گمراہ رکھتا ہے یعنی ان کی ضد کی وجہ سے ان کے دلوں پر پکی مہر لگا دیتا ہے اور روز قیامت ان سے کہا جائے گا کہ یہ سزا تمہیں اس لئے دی گئی کہ تم حق کے مقابلہ میں اپنے کفر پر خوش ہوتے اور اتراتے تھے، اب ہمیشہ کے لئے جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور دیکھو کہ متکبرین کی کیا ہی بُری سزا ہے۔ معلوم ہوا تکبر انسان کو کفر تک لے جاتا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ

تو آپ صبر رکھیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، خواہ ہم آپ کو کچھ وہ (عذاب) دکھا دیں جو ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کو

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ

(اس سے قبل) وفات دے دیں، تو بہرحال وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے [48] بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل جو رسول بھیجے

مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ

ان میں سے کچھ کا قصہ ہم نے آپ کو سنا دیا ہے اور ان میں سے کچھ کا قصہ نہیں سنایا، اور کسی رسول کا

لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ

اختیار نہیں کہ حکم الٰہی کے بغیر کوئی نشانی لے آئے، پھر جب اللہ کا حکم آ جائے گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا،

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع

تب باطل پرست لوگ نامراد ہو جائیں گے۔ [49]

ع ۸ ۱۳

[48] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ صبر رکھیں وہ وقت آنے والا ہے جب کفار پہ وہ پکڑ آئے گی۔ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ آپ اسے اپنی وفات سے قبل دیکھ لیں یا وہ آپ کی وفات کے بعد آئے۔ بہرحال وہ پکڑ ضرور آئے گی۔ چنانچہ ہجرت کے بعد کفار مکہ پر وہ پکڑ شروع ہوگئی۔ بدر و احزاب اور فتح مکہ و غزوہ حنین میں انہیں پے در پے شکست ہوتی چلی گئی۔ پھر حضور ﷺ کے وصال کے بعد کفار کی مسلسل شکست و ذلت کا سلسلہ جاری رہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دور خلافت راشدہ میں صرف تیس برسوں کے دوران دنیا کے ایک بڑے خطہ پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ پھر اسلام بارہ صدیوں تک غالب عالمی قوت رہا، پھر تیرہویں صدی میں مسلمانوں کی غفلت و کمزوری ایمان کے سبب ان پر اغیار غالب آئے اور عنقریب یہ مغلوبیت پھر غلبہ میں تبدیل ہوگی۔

[49] کفار مکہ حضور ﷺ سے مختلف معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے کبھی کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا کر دیا جائے کبھی وہ مکہ میں نہریں چلانے اور باغات اُگانے کا نشان مانگتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے بعض رسولوں کا قصہ آپ کو سنا دیا ہے بعض کا نہیں، مگر ان میں سے کسی رسول کا یہ اختیار نہ تھا کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے، تو آپ کفار سے فرما دیں کہ میں حکم خدا کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ کیسے دکھا سکتا ہوں؟

دراصل اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مطلوبہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے پھر ان پر اللہ کی پکڑ آ جائے گی۔
آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ کا حکم آئے گا تو حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے گا، تب باطل پرست ناکام رہیں گے۔
چنانچہ بدر میں اللہ کا فیصلہ آ گیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی کل تعداد

رہا اللہ رب العزت کا یہ فرمانا کہ اے رسول! ہم نے آپ کو بعض انبیاء کا قصہ سنا دیا ہے بعض کا نہیں سنایا تو یہ قرآن کے تدریجی نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ. ''اور ہم آپ کو تمام رسولوں کا قصہ سناتے ہیں۔'' (ہود، ۱۲۰) یاد رہے انبیاء کی تعداد کے بارہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا ''انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔'' (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۶۶)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے جانور بنائے تاکہ تم ان میں سے کچھ پر سوار ہو اور کچھ کو تم کھاتے ہو

وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا

اور تمہارے لئے ان میں کئی فوائد ہیں اور تاکہ تم ان پر (بیٹھ کر) اپنی ہر حاجت کو پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور تم

وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

جانوروں پہ اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو [50] اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں سے انکار کرو گے [51]

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا

قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى

کیسا انجام ہوا ؟ وہ تعداد میں ان سے زیادہ اور قوت اور زمین کے اثرات میں ان سے سخت تر تھے، مگر جو مال

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا

وہ کماتے تھے وہ انہیں بچا نہ سکا پھر جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لائے تو وہ اسی علم پر خوش رہے جو

بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا

ان کے پاس تھا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی نے انہیں گھیر لیا [52] پھر جب

رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ

انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے ہم اللہ وحدہٗ پر ایمان لاتے ہیں اور جو ہم اس کے ساتھ شرک کرتے تھے اس سے

یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ

انکار کرتے ہیں، تو جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کا ایمان انہیں مفید نہ ہوا، یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

چلی آ رہی ہے، یہیں سے منکرین نقصان میں رہے[53]

[50] یعنی اے انسانو! اللہ نے تمہارے لئے جانور بنائے ہیں جن میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو جیسے گدھا خچر گھوڑا وغیرہ۔ بعض کا تم گوشت کھاتے ہو جیسے بکری، گائے بھینس وغیرہ اور بعض کا گوشت بھی کھاتے ہو اور ان پر سواری بھی کرتے ہو جیسے اونٹ اور جانوروں میں تمہارے لئے دیگر منافع بھی ہیں جیسے ان کی چمڑیوں اور اون سے ہزاروں ملبوسات اور ان کے دودھ سے ان گنت ماکولات ومشروبات بنائے جاتے ہیں۔ اور تم جانوروں کے علاوہ کشتیوں پر بھی سواری کرتے ہو۔ تو جس خدا نے اس قدر نعمتیں عطا فرمائیں اسے چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی پرستش کس قدر ظلم ہے۔

[51] یعنی جانوروں اور کشتیوں میں اللہ کی عظیم نشانیاں ہیں مثلاً انسان اپنے سے کئی گنا طاقتور جانوروں کو لگام ڈال کر ان سے خدمت لیتا ہے تو اللہ کے سوا کس طاقت نے جانوروں کو انسان کے تابع کیا ہے؟ اور جس رب نے طاقتور جانوروں کو انسان کے تابع کیا ہے اس رب کا حق ہے کہ انسان اس کا تابع فرمان رہے۔ اور کشتیاں ہزاروں ٹن وزن لے کر پانی پہ تیرتی پھرتی ہیں انہیں کون سی طاقت ڈوبنے نہیں دیتی وہی اللہ ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔

[52] یعنی کفار مکہ نے یمن وشام اور مصر وعراق کے اسفار میں عاد وثمود اور قوم فرعون وقوم لوط وغیرہ کے تباہ شدہ کھنڈرات دیکھے ہیں، یہ قومیں اپنی افرادی تعداد اور سیاسی قوت اور زمین میں اپنے اثرات یعنی محلات، باغات اور قطعات وغیرہ کے اعتبار سے کفار مکہ سے کہیں طاقتور تھیں مگر ان کا کمایا ہوا مال انہیں اللہ کی پکڑ سے نہ بچا سکا۔ جب ان کے پاس رسولان گرامی واضح دلائلِ حق لے کر آئے تو انہوں نے اپنے علم پر فخر کیا۔ جیسے فرعونیوں نے اپنے فن جادوگری پر اور قوم عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم طب پر فخر کیا اور عذاب کی وارننگ کا مذاق اڑایا تو انہیں اسی عذاب نے پکڑ لیا۔

[53] جب گزشتہ منکر قوموں پہ اللہ کا عذاب آتا تو اسے دیکھ کر وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ وحدہ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے شرک سے باز آتے ہیں۔ مگر اس وقت ان کا ایمان لانا انہیں فائدہ نہیں دیتا تھا، کیونکہ عذاب کے دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ یہی اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ جب موت کا فرشتہ منکروں کا گلہ دباتا ہے تو وہ ایمان لاتے ہیں جیسے فرعون لایا تھا۔ مگر یہ ایمان بے سود ہے کیونکہ اللہ کے ہاں ایمان بالغیب کا اعتبار ہے دیکھ کر ایمان لانے کا اعتبار نہیں ہے اس وقت منکروں کو نقصان کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

الحمدللہ آج 7 رجب المرجب 1429ھ بمطابق 10 جولائی 2008ء بروز بدھ بعد نماز ظہر سورہ مومن کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ خیر خلقہ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ فصلت

ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 63ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 41ویں سورت ہے۔ اسے سورہ فصلت کہتے ہیں، چونکہ یہ سورت حوامیم سورتوں میں سے سجدہ والی ہے اس لئے اسے حم سجدہ بھی کہتے ہیں اور چونکہ اس کا آغاز یوں ہے: حٰمٓ ① تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ۔ اس لئے اسے سورۃ فصلت کہتے ہیں۔ اس سورت میں چھ (6) رکوعات، چون (54) آیات اور سات ہزار چھیانویں (7096) کلمات اور تین ہزار تین سو پچاس (3350) حروف ہیں۔

فضیلت

اس سورت کی فصاحت دیکھ کر بڑے بڑے شعرآء کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار قریش نے اپنے میں سے بڑے شاعر عتبہ بن ربیعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اس نے آکر آپ سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم نے ہماری جماعت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں، لگتا ہے کسی دن اچانک ہمارے درمیان جنگ بھڑک اٹھے گی اور بھائی بھائی کے خلاف تلوار اٹھا کر نکل آئے گا۔ اگر تمہیں مال چاہیے تو ہم تمہیں قریش کا مالدار ترین شخص بنا دیتے ہیں اگر نکاح کی تمنا ہے تو ہم قریش کی دس حسین ترعورتوں سے تمہاری شادی کر دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حم سجدہ کی ابتدائی آیات لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ (آیت ۳۷) تک پڑھ کر سنائیں۔ انہیں سن کر اس کا رنگ اُڑ گیا، وہ خاموش واپس چلا گیا۔ قریش نے اسے دیکھا تو حیران ہوئے۔ عتبہ نے کہا میں نے ایسا کلام سنا ہے جو جادو ہے نہ کہانت، نہ شعر، بخدا جو کلام میں نے سنا ہے عنقریب اس کا بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ قریش نے کہا عتبہ بھی گمراہ ہو گیا ہے۔
(سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ شام)

مروی ہے کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ہجرت سے قبل) مدینہ طیبہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو اس وقت اسلام نہ لائے تھے، نے انہیں دھمکایا، مگر پھر اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ایک دن وہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بیٹھے۔ انہوں نے سورہ حم سجدہ کی تلاوت کی، جسے سن کر حضرت سعد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور آخر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۱۰)

اسی لئے حضرت خلیل بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو سوتے نہ تھے جب تک تبارك الذى

اور حٰمٓ سجدہ نہ پڑھ لیتے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۱۲ بروایت بیہقی عن شعب الایمان) اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ مسجد نبوی میں سورہ حم سجدہ بآواز بلند پڑھنے لگے۔ پھر آپ نے طویل سجدہ کیا اور سجدے میں اس قدر بلند ذکر کیا جس کی آواز دو میل تک جارہی تھی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ سجدہ میں نے شکریہ میں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی عظیم معذرت قبول کی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سی معذرت قبول کی ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ میری امت کے ستر ہزار افراد کو بلا حساب وعتاب جنت میں داخل کردے گا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول ﷺ! آپ اپنی امت کے لئے اس کو بڑھا دیں (یعنی اللہ سے اضافہ کی دعا فرمائیں)۔ آپ نے فرمایا اللہ ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد کو بخش دے گا (اور ستر ہزار کو ستر ہزار سے ضرب دینے سے چار ارب نوے کروڑ بنتا ہے) (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۱۲) ان احادیث سے سورہ حم سجدہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

مضامین

اس کی ابتداء میں حقانیتِ قرآن کا بیان ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان ہے، پھر انبیاء سابقین کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کے دشمنوں پہ آنے والی پکڑ کا ذکر ہے، پھر روز قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے، پھر اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانے کی اہمیت بتائی گئی ہے اور اس کام میں شامل ہونے والوں کی عظمت کو واضح کیا گیا ہے اور انہی مضامین کو آگے پیچھے بار بار لایا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ۵۴ ۴۱ سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۱ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

حامیم۔ یہ کتاب نہایت مہربان بہت رحم والے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے [1] اس کتاب کی آیات تفصیلی ہیں [2] یہ عربی قرآن

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٣ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ

ہے جو علم والے لوگوں کو بشارت دینے اور ڈر سنانے والا ہے [3] مگر اکثر لوگوں نے منہ موڑا ہے تو وہ سنتے

لَا يَسْمَعُوْنَ ۝٤ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ

ہی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں جس طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور

وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝٥ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ

ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ ہے، تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں [4] آپ فرمائیں میں تو (بظاہر) تمہارے ہی جیسا

مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ میرا اور تمہارا معبود ایک ہے [5] تو تم اس کی طرف استقامت کرو

وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝٦ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

اور اس سے بخشش مانگو، اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے جو زکوۃ نہیں دیتے اور

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ

آخرت سے انکار کرتے ہیں بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ان کے لئے نہ ختم ہونے

الثلثة

غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾

والا اجر ہے۔[6]

قرآن اور رسالت محمدیہ کی صداقت

[1] تمام کفار قرآن کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی کتاب ماننے سے منکر ہیں تو ان کے رد میں فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے وہ اللہ جو رحمن ورحیم ہے، یعنی اس نے قرآن کو اپنی رحمت کا مظہر بنا کر بھیجا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا:
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل، ۸۲)

[2] قرآن کی آیات میں ہر چیز کی تفصیل ہے کہ حلال کیا ہے حرام کیا ہے، پاک کیا ہے ناپاک کیا ہے؟ اور اللہ کے حقوق کیا ہیں اور بندوں کے کیا ہیں؟ دوسری جگہ فرمایا گیا مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ "یہ قرآن من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ اس سے قبل (والی کتابوں) کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور مومنوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔" (یوسف، ۱۱۱)

[3] یعنی یہ عربی قرآن ہے۔ اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جہالت پہ اڑنے والے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور یہ مومنوں کو جنت کی بشارت دیتا اور منکروں کو جہنم سے ڈراتا ہے مگر اکثر لوگ قرآن سے منہ موڑتے ہیں، کیونکہ وہ اس کا پیغام سننا ہی نہیں چاہتے اور جو سننا ہی نہ چاہے وہ اس سے کیا ہدایت لے سکتا ہے؟

قرآن کی زبان صرف عربی ہے

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا میں جب اس کتاب کا نام ہی عربی قرآن رکھا گیا ہے تو اس کی زبان صرف عربی ٹھہری۔ لہٰذا غیر عربی میں قرآن کا صرف ترجمہ ہو سکتا ہے مگر وہ قرآن نہیں کہلا سکتا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر تورات وانجیل کی طرح قرآن کا بھی کئی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ کر کے اس کا نام قرآن رکھ دیا جاتا، تو تورات وانجیل کی طرح قرآن میں بھی ہزارہا تحریفات ہو جاتیں۔ مگر چونکہ اس کی زبان صرف عربی ہے، لہٰذا یہ تحریف سے محفوظ ہے اور اس کی زبان اس لئے عربی ہے کہ اسے محمد مصطفی ﷺ پر اتارا گیا اور آپ عرب میں مبعوث ہوئے۔ کیونکہ عالم عرب زمینی نقشہ کے وسط میں ہے، یہاں سے عالم گیر اسلامی تحریک اٹھائی گئی۔

عربی زبان کی اہمیت وفضیلت

سید الکتب قرآن کی زبان عربی ہے، سید الرسل محمد مصطفی ﷺ کی زبان عربی ہے اور روایات کے مطابق قبر اور حشر میں زبان بھی عربی ہوگی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو عربی زبان سیکھنی چاہیے۔ ہم انگریزی سیکھنے پہ بہت زور دیتے ہیں اور انگریزی

دان کو بڑا عالم جانتے ہیں، حالانکہ عربی دان اس سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

[4] کفار عرب بطور فخر کہتے تھے ہمارے دلوں پر پردے ہیں لہٰذا ہم قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے لہٰذا ہم اسے نہیں سن سکتے اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے تمہارے درمیان آڑ ہے۔ تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ کفار نے یہ درست کہا تھا کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں اور کانوں میں بوجھ ہے کیونکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پہ پردے ڈال دیئے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ۔ ''وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، نہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے۔'' (بقرہ، ۸۸) مگر انہیں اس پر فخر کرنے کی بجائے شرم وندامت کرنی چاہئے تھی۔ معلوم ہوا گناہ پہ فخر کرنا کفار کا کام ہے۔

[5] یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تواضع وحکمت سکھائی ہے۔ اور آپ کفار سے بحکم الٰہی کہہ رہے ہیں کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں تا کہ کفار آپ کے قریب آئیں اور آپ کی بات سنیں۔ یہ کفار کو دعوت اسلام کا ایک نہایت حکیمانہ انداز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے جیسے بشر کیسے ہو سکتے ہیں؟

کوئی انسان حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا بشر کیسے ہو سکتا ہے اور آپ ہمارے جیسے بشر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہم تھوکیں تو وبا پھیلے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن جہاں ڈالا جائے تو شفا پھیلے، ہمارے پسینے سے بدبو آئے آپ کے پسینے سے خوشبو آئے، ہماری نیند ہمارا وضوء توڑ دے، آپ کی نیند آپ کا وضو برقرار رکھے۔ حتیٰ کہ حدیث کے مطابق ایک بار صحابہ کرام نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صوم وصال (سحری وافطاری کے بغیر مسلسل روزہ) رکھتے ہوئے دیکھا تو صحابہ نے بھی ایسا ہی روزہ شروع کر دیا، مگر دو دن ہی میں وہ کمزور دکھائی دینے لگے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا: اَيُّكُمْ مِثْلِي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَ يَسْقِيْنِي۔ ''تم میں سے میری مثل کون ہے میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔'' (بخاری کتاب الصوم باب ۲۰، مسلم کتاب الصوم حدیث ۵٦) لہٰذا آپ ہمارے جیسے بشر ہو ہی نہیں سکتے۔

یہ تو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو طریقۂ تواضع سکھایا ہے۔ اسی لئے آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں۔ ہمیں نہیں کہا گیا کہ ہم آپ کو اپنے جیسا بشر کہیں۔ دیکھئے ایک مرشد کامل اپنے مرید کو خط لکھتے ہوئے کہتا ہے ''از طرف بندۂ حقیر پُرتقصیر فلاں بن فلاں۔'' اب اگر مرید واپسی خط میں مرشد کو یوں لکھے: ''بخدمت جناب بندۂ حقیر پرتقصیر فلاں بن فلاں'' تو اس مرید کی عقل کا ماتم کرنا چاہیے کہ مرشد نے اپنے بارہ میں جو بات بطور تواضع کہی، اسے اس نے حقیقت پر محمول کر لیا۔ یہی حال اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہنے کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت پر علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ کے اعتراضات کا جواب

دورِ حاضر کے معروف محقق عالم دین شارح صحیحین مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ اس آیت کے تحت

فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی حقیقت بشر اور انسان ہے اور آپ کا مادہ خلقت چاند اور سورج کی طرح حسی نور نہیں ہے، آپ نور ہدایت ہیں اور نور ہدایت ہی حسی نور سے افضل ہے۔۔ ہمارے زمانہ میں بعض واعظین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حقیقت نور تھی اور بشریت آپ کا لباس تھی، جبکہ اس کے برخلاف قرآن مجید کی متعدد نصوص میں تصریح ہے کہ آپ بشر تھے اور نوع انسان میں سے تھے اگر آپ کی حقیقت بشر اور انسان نہ ہوتی تو آپ انسانوں کے لیے اسوہ ونمونہ نہ ہوتے۔'' (تبیان القرآن جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۶)

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ کے مذکورہ بالا خیالات درست نہیں ہیں، بلکہ یہ فرقہ وہابیہ کے خیالات ہیں، حضور ﷺ کی حقیقت کا نور ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ:

حدیث اول: امام عبدالرزاق (جو بخاری ومسلم اور احمد بن حنبل کے استاذ ہیں) نے معمر سے اور انہوں نے مشہور تابعی ابن منکدر سے اور انہوں نے حضرت جابر ﷺ سے روایت کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی تھی؟ آپ نے فرمایا: هُوَ نُورُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ اے جابر! وہ تمہارے نبی کا نور تھا، آگے فرمایا کہ اس نور سے اللہ نے عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، ملائکہ، شمس وقمر اور دیگر تمام مخلوقات کو بنایا۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان باب تخلیق نور محمد ﷺ حدیث ۱۸ صفحہ ۶۳ مطبوعہ موسسۃ الشرف لاہور)

یہ حدیث بہت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ اس کائنات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ حضور اکرم ﷺ کا نور ہے، پھر اس نور سے تمام جہان کو تخلیق کیا گیا اور بشریت کا سلسلہ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت نور ہے، یعنی وہی نور جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اسی نور کو لباس بشری میں جلوہ گر کیا گیا۔ لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ نورانیت آپ کی حقیقت ہے، بشریت اس کا لباس ہے۔

حدیث جابر کی فنی حیثیت وصحت

امام عبدالرزاق نے اس حدیث کو صرف تین واسطوں سے روایت کیا ہے، اول: معمر (جسے ابن سعد، بخاری، ابن حبان، ذہبی ودیگر سب ائمہ نے ثقہ ثبت اور فاضل قرار دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۷ صفحہ ۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

دوم: محمد بن منکدر (جو جلیل القدر تابعی ہیں اور جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، سیدہ عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر ﷺ کے شاگرد ہیں۔ (تہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اور سوم: جابر بن عبداللہ ﷺ، جو جلیل القدر صحابی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کے صحیح، مستند اور لائق حجت ہونے میں کوئی ادنیٰ شک وشبہ بھی نہیں ہے اور جب حدیث صحیح سامنے آجائے تو مومن کا سر اس کے آگے جھک جاتا ہے۔

پھر اس حدیث کو امت کے کثیر علماء ومحدثین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ جیسے امام قسطلانی، امام زرقانی، امام

بیہقی، ابن حجر مکی، علامہ فاسی صاحب مطالع المسرات، شیخ عبد العزیز دباغ، شاہ عبد الرحیم، امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ولی کامل شاہ عبد الرحیم اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم۔

حدیث دوم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! متی وجبت لك النبوة، آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: و آدم بین الماء والطین، میرے لیے نبوت اس وقت ثابت ہوئی جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں گوندھے جا رہے تھے۔ (ترمذی کتاب المناقب باب اول حدیث ۳۶۰۹) امام ترمذی فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن صحیح غریب۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل موجود تھے، اس لیے صفت نبوت سے متصف کیے گئے اور صفت تب موجود ہوسکتی ہے جب پہلے موصوف موجود ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت مبارکہ کا تخلیق بشریت سے قبل موجود ہونا اس حدیث سے واضح معلوم ہو رہا ہے۔ اس لیے بشریت کو آپ کا لباس کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

حدیث سوم: حسن بن سفیان، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم، دیلمی اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ کے تحت روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث۔ یعنی میں تخلیق میں سب انبیاء سے قبل ہوں اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۷۰ سورہ احزاب آیت ۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق آدم علیہ السلام سے بھی قبل فرمائی گئی اور وہ تخلیق ہی آپ کی حقیقت ہے اور وہ ظہور بشریت سے قبل ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آپ کی حقیقت بشریت نہیں ہے۔ تو آپ کی حقیقت وہی ہے جو پہلی حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے قبل آپ کا نور پیدا فرمایا۔

نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں ائمہ دین کے ارشادات

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ یوں درود پڑھتے تھے: اَللّٰھم صَلِّ علٰی سَیِّدِنَا مُحمدِ السَّابِقِ لِلخَلْقِ نُوْرُہٗ۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج جن کا نور ساری مخلوق سے پہلے ہے۔
(رواہ عبد الرزاق عن ابن عیینہ عن مالک، مصنف عبد الرزاق کتاب الایمان حدیث ۱۲ صفحہ ۵۹)

امام احمد بن محمد قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں: لما تعلقت ارادة الحق تعالیٰ بایجاد خلقه وتقدیر رزقه ابرز الحقیقة المحمدیة من الانوار الصمدیة فی الحضرة الاحدیة ثم سلخ منها العوالم کلها۔ جب حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مخلوق بنائے اور اس کا رزق مقرر کرے تو اس نے حقیقتِ محمدیہ کو انوارِ صمدیت سے بارگاہِ احدیت میں پیدا کیا، پھر اسی سے تمام جہانوں کی تخلیق فرمائی۔ (مواہب لدنیہ جلد اول صفحہ ۵۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واما نوره فهو فی غاية الظهور شرقا وغربا واول ماخلق الله نوره وسماه فی كتابه نورا. یعنی رسول اللہ ﷺ کا نور شرق وغرب میں بہت ہی ظاہر ہے (ہر کوئی اسے جانتا مانتا ہے) اور سب سے اول اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور ہی پیدا فرمایا اور اپنی کتاب میں آپ کا نام نور رکھا۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۸۶)

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ خلق محمد در رنگ سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد، کہ او ﷺ باوجود نشاعنصری از نور حق تعالیٰ مخلوق گشتہ، كما قال عليه الصلوة والسلام خلقت من نور الله''۔ جاننا چاہیے کہ تخلیق محمد مصطفیٰ ﷺ تمام باقی انسانوں کی تخلیق جیسی نہیں ہے، بلکہ وہ افراد عالم میں سے کسی کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنی جسمانی تخلیق کے باوجود نورِ حق تعالیٰ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔ (مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب صدم صفحہ ۷۵ حصہ نہم)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بدآنکہ اول مخلوقات و رابطۂ صدور کائنات و واسطۂ خلق عالم و آدم نور محمد ﷺ است''۔ ''جاننا چاہیے کہ سب سے پہلی مخلوق اور ساری کائنات کے ظہور کا واسطہ اور سارے عالم اور آدم علیہ السلام کی تخلیق کا وسیلہ نور محمدی ﷺ ہے۔''

(مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱ فصل اول)

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''و كونه ﷺ رحمة للجميع باعتبار انه واسطة الفيض الالهی علی الممكنات علی حسب القوابل ولذا كان نوره ﷺ اول المخلوقات ففی الخبر اول ماخلق الله نور نبيك ياجابر.

حضور ﷺ کا تمام جہان کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات کے لیے فیض الٰہی کا واسطہ ہیں، ہر شئے کو اسکی قابلیت کے مطابق فیض ملتا ہے، اسی لیے آپ کا نور تمام مخلوقات سے قبل پیدا کیا گیا۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ فرمایا: اے جابر! اللہ نے سب سے قبل تمہارے نبی کا نور پیدا فرمایا۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ دار احیاء التراث الاسلامی بیروت)

امام ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وذالك ان الله تبارك وتعالىٰ خلق نور محمد ﷺ قبل خلق آدم بالفی عام وجعله عمود امام عرشه يسبحه ويقدسه ثم خلق آدم عليه السلام من نور محمد ﷺ"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور محمد ﷺ کو خلق آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس قبل پیدا کیا اور اسے اپنے عرش کے آگے ایک عمود میں رکھا، تو وہ نور اللہ کی حمد و تسبیح کہتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نور محمد ﷺ سے پیدا کیا۔ (المدخل جلد ۲ صفحہ ۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

''دلائل الخیرات'' امام سید سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ کی جمع کردہ درود شریف کی وہ مقبول ترین کتاب ہے کہ تمام جہان

کے علماء و مشائخ اس کی منازل سبعہ میں سے ایک ایک منزل روزانہ پڑھتے ہیں۔ اس کی تیسری منزل جو بدھ کے دن پڑھی جاتی ہے، میں یہ درود شریف شامل ہے:

اللھم صل علی سیدنا محمد السابق للخلق نورہ ورحمۃ للعالمین ظھورہ۔ اے اللہ! ہمارے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ پہ درود بھیج کہ جن کا نور تمام مخلوق سے پہلے پیدا کیا گیا اور اس نور کا ظہور تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا۔ (دلائل الخیرات حزب سوم صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ پاک کمپنی اردو بازار لاہور)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جمیع حقائق مختلفہ وجمیع افراد متعددہ از اعلیٰ وادنیٰ ونفیس وخسیس ازعرش تافرش وملائکہ علوی وجنہ سفلی ہمہ ناشی ازاں حقیقت محمدی است، کہ قول رسول مقبول ﷺ است اول ماخلق اللہ نوری ولولاک لما خلقت الافلاک''۔ تمام مختلف حقائق اور تمام متعدد افراد خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، نفیس ہوں یا خسیس، عرش سے فرش تک اور تمام اعلی ملائک اور اسفل جنات حقیقت محمدی سے پیدا ہوئے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے قبل میرا نور پیدا فرمایا۔ حدیث قدسی ہے اے محمد (ﷺ)! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ (انفاس رحیمیہ صفحہ ۱۰۳)

علامہ غلام رسول سعیدی فرمارہے ہیں کہ حضور ﷺ کی حقیقت کا نور ہونا ہمارے زمانہ کے بعض واعظین کا قول ہے۔ یعنی سعیدی صاحب سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت کا نور ہونا دور حاضر کے بعض واعظین کا گھڑا ہوا نظریہ ہے، جن کا تحقیق سے کوئی واسطہ نہیں، مگر ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام احمد قسطلانی، امام سلیمان جزولی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، ملاعلی قاری، امام ابن حاج اور علامہ محمود آلوسی اور شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ سعیدی صاحب کے نزدیک دور حاضر کے بعض واعظین ہیں؟ کیا یہ ائمہ دین اور محدثین امت تحقیق مسائل کی کوئی اہلیت نہیں رکھتے تھے؟ ایسی تعلّی نہیں چاہیے۔

پھر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں: ''ہمارے نبی محمد ﷺ کی حقیقت بشر اور انسان ہے اور آپ کا مادہ خلقت چاند اور سورج کی طرح حسّی نور نہیں ہے، آپ نور ہدایت ہیں''۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نور ہدایت بھی ہیں، مگر کیا نور ہدایت اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ نور حقیقی نہ ہو۔ حضور ﷺ کے نور ہدایت ہونے سے آپ کے حقیقی نور ہونے کی نفی کیسے ہوگئی؟ سعیدی صاحب کو یہ مغالطہ ہو رہا ہے کہ بشر اور نور میں تناقض ہے، یہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے اور یہی مغالطہ تمام وہابی مذہب کو لاحق ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ ''ہم نے سیدہ مریم کی طرف اپنی روح (روح الامین علیہ السلام) کو بھیجا تو وہ ان کے پاس مکمل بشر بن کر گئے۔'' (مریم، ۱۷) یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام مکمل بشر بن کر حضرت مریم کے پاس آئے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نور سے بنائے گئے ہیں۔ حدیث میں ہے: خلقت

الملائکۃ من نور. فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ (مسلم کتاب الزھد حدیث ۶۰، مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

اگر نور اور بشر باہم ایسے ضد ہیں کہ اکٹھے نہیں ہو سکتے، تو پھر اس آیت سے انکار کرنا پڑے گا۔ اور حق یہ ہے کہ نور کی ضد ظلمت ہے نہ کہ بشر۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ بلکہ آپ کی بشریت بھی آپ کے نور سے تخلیق شدہ ہے وہ اس طرح کہ مذکور سابق حدیث جابر کے مطابق آپ کا نور سب سے قبل پیدا کیا گیا، پھر اس نور سے تمام جہان کو بنایا گیا، زمین بھی اسی نور سے بنائی گئی اور زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا۔ تو گویا سارے انسان واسطہ در واسطہ نور محمدی ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔

سعیدی صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کی حقیقت بشر اور انسان نہ ہوتی تو آپ انسانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ نہ ہوتے۔ یہ بے وزن بات ہے۔ بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے خلاف وہابی مولویوں کی گھسی پٹی دلیل ہے، جو سعیدی صاحب جیسے بالغ نظر محقق سنی عالم دین کے قلم سے بہت عجیب لگ رہی ہے۔ یاد رکھیے رسول اللہ ﷺ کے اس نور کو جس سے جہان بنایا گیا شکل انسانی میں بھیجا گیا تاکہ وہ تمام انسانوں کے لیے کامل نمونہ بنے۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ بے مثال بشر اور انسان کامل ہیں مگر اس سے آپ کے نور حقیقی کی نفی کیسے لازم آ گئی؟

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ کے بعض الفاظ سے بھی اس بات پہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت نوری نہیں ہے۔ چنانچہ صدر الشریعہ لکھتے ہیں:

نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔ انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے، یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔ (بہار شریعت جلد اول صفحہ ۹) (تبیان القرآن جلد ۱۰ صفحہ ۵۴۳)

مگر ان الفاظ سے سعیدی صاحب نے کیسے سمجھ لیا کہ صدر الشریعہ رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقتِ نورانیہ کے منکر ہیں؟ انبیاء کرام بشر ہیں اور کامل انسان ہیں، مگر رسول اللہ ﷺ میں اس سے ایک صفت زائد ہے، وہ یہ کہ آپ کا نور ہی سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور اسی سے سارا جہان بنا۔ کاش سعیدی صاحب اسی باب میں آگے اسی مقام پہ بہار شریعت کے یہ الفاظ بھی نقل کر دیتے:

''اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور ﷺ کے نور سے تمام عالم کو منور فرمایا، بایں معنی رسول اللہ ﷺ ہر جگہ تشریف فرما ہیں۔ (بہار شریعت جلد اول صفحہ ۸۷ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

یعنی رسول اللہ ﷺ اس معنی میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں کہ آپ کے نور سے تمام جہان کو پیدا فرمایا گیا۔ جب سارا جہان آپ کے نور سے مخلوق ہے تو آپ کا نور اصل کائنات ہے اور یہی آپ کی حقیقتِ نوری ہے۔ اور یہی صدر الشریعہ رحمہ اللہ کا عقیدہ ہے، علامہ سعیدی صاحب نے اسے کیوں نقل نہیں کیا؟ شائد ادھر نظر نہ گئی ہو، بہر حال ہم پیش کر رہے ہیں۔

پھر صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور مرید خاص ہیں اور وہی افکار ونظریات رکھتے ہیں جو امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ اور وہ ان کی تصانیف اور ان کی شاعری سے ظاہر ہیں۔ امام اہل سنت نے رسول اللہ ﷺ کی حقیقتِ نوری پہ مستقل رسائل تصنیف فرمائے ہیں جیسے صلاۃ الصفا اور نفی الفئی وغیرہ۔ آپ فرماتے ہیں:

"حاصل حدیث نور یہ ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات پاک کو اپنی ذات کریم سے پیدا کیا یعنی عین ذات کی تجلی بلاواسطہ ہمارے حضور ہیں، باقی سب ہمارے حضور ﷺ کے نور وظہور ہیں۔" (صلاۃ الصفا صفحہ ۔)

اور امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا — سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا — تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

بلکہ ہمیں بے حد تعجب ہے کہ یہی علامہ غلام رسول سعیدی صاحب قبلہ ہیں جو اپنی کتاب توضیح البیان میں نور و بشر (صفحہ 172 سے 214 تک) کی بحث میں رسول اللہ ﷺ کی حقیقت نوری پہ ائمہ دین کی یہی تمام عبارات پیش کرتے ہیں جو ہم ابھی اوپر لکھ آئے ہیں۔ جیسے امام قسطلانی کی یہ عبارت ہے: جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے حقیقت محمدیہ کو انوارِ صمدیت سے ظاہر کیا، پھر تمام جہانوں کو اس میں سے ظاہر کیا۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت کہ اول مخلوقات اور واسطہ صدور کائنات نور محمد ﷺ ہے، وغیرہ۔ اور علامہ سعیدی صاحب نے اس کتاب میں یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نورانیت سے سب سے پہلے معتزلہ نے انکار کیا۔ اور بعد میں یہ وراثت دیوبندیوں کے منکرین نورانیت مصطفیٰ ﷺ کو ملی۔

پھر اسی کتاب میں علامہ سعیدی صاحب ایک دیوبندی مولوی سرفراز گکھڑوی پہ خوب برستے ہیں کیونکہ اس نے صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اسی مذکورہ عبارت کو بہار شریعت سے نقل کرکے یہ غلط تاثر دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے منکر ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ اب سعیدی صاحب خود ہی صدر الشریعہ کی مذکورہ عبارت سے وہی بات ثابت کر رہے ہیں جو گکھڑوی نے ثابت کیا تھا اور خود سعیدی صاحب ان پہ برستے تھے، یہ عجیب نیرنگیٔ زمانہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا سراپا نور ہونا

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت نوری ہے اس لیے آپ کے سارے جسم مقدس سے نور چھلکتا تھا۔ آپ کے دندان مبارک سے اس قدر نور چمکتا تھا کہ ایک بار آپ کی مسکراہٹ سے وہ نور پیدا ہوا کہ دیواروں کے سائے نکل آئے۔ بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے تبسم فرمانے سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں اور دیواروں پہ آپ کے مبارک دانتوں کا نور شعاعوں کی طرح پڑتا تھا۔ (مدارج النبوت جلد ۱ صفحہ ۳) اور آپ کا رخ انور یوں چمکتا تھا

جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ (المستدرک عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جلد ۲ صفحہ ۶۰۲) امام حاکم کے نزدیک یہ حدیث شرط شیخین پہ صحیح ہے،
حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلوں سے نور چمکتا تھا۔ (بخاری کتاب الاستسقاء باب ۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مقدس کا سایہ نہ تھا

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور آپ کے جسم مقدس پہ اسقدر غالب تھا کہ آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یری له ظل فی شمس ولا فی قمر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہ سورج میں نظر آتا تھا نہ چاند میں۔ (الخصائص الکبری جلد ا صفحہ ۶۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت) اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ امام ابن سبع نے فرمایا: آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کا سایہ زمین پہ نہیں پڑتا تھا کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔ لہٰذا جب آپ چاند یا سورج کے سامنے چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ (الخصائص الکبری، حوالہ مذکورہ)
اس موضوع پہ سیر حاصل کلام ہم پیچھے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ۔ (مائدہ، ۱۵) کے تحت کر آئے ہیں وہاں دیکھ لیں۔

[6] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں زکوٰۃ سے اس کا معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد لا اله الا الله کہنا ہے یعنی مشرکین لا اله الا الله والی زکوٰۃ نہیں دیتے (حالانکہ اس زکوۃ سے انسان کا دل کفر و شرک سے پاک ہو جاتا ہے) اور وہ آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۸۶ حدیث ۳۰۴۲۳)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ

آپ فرما دیں کیا تم اس رب سے انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنا دی اور تم اس کے لئے برابر کے

لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا

شریک بناتے ہو، وہ تو تمام جہانوں کا رب ہے [7] اور اس نے زمین کے اوپر وزنی پہاڑ رکھے اور زمین میں

وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ

برکت ڈالی اور حاجت مندوں کی ضرورت کے مطابق اس میں مقرر اندازے کے ساتھ غذائیں رکھ دیں، چار دنوں میں [8] پھر

اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ

اس نے آسمان کی طرف توجہ کی اور وہ ایک دھواں تھا تو اسے اور زمین سے کہا کہ آ جاؤ خواہ خوشی سے یا

كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ

مجبوری سے۔ دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں تو اللہ نے انہیں دو دنوں میں برابر سات آسمان بنا دیا

وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ

اور اللہ نے ہر آسمان میں اس کے معاملہ کی وحی کر دی اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین

وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

اور محفوظ بنایا یہ غالب علم والے رب کی تقدیر ہے۔ [9]

واقعہِ تخلیق ارض و سما اور منکرین پر عذاب کی وعید

[7] یعنی اے بت پرستو! تم اپنے جھوٹے خداؤں کو اس رب کے ساتھ برابر کا شریک ٹھہرا رہے ہو، جس نے دو دنوں میں اتنی بڑی زمین بنا دی۔ اب تم اسی زمین پہ بیٹھ کر اس کے مقابلہ میں جھوٹے خدا بنا رہے ہو۔ اور وہ صرف زمین ہی نہیں، بلکہ ساری کائنات کا رب ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا سے معلوم ہوا کہ مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ وحدہٗ لاشریک کے تابع نہیں بلکہ اس کے مدمقابل مانتے تھے اَنْدَادًا نِدٌّ کی جمع ہے جس کا معنی مثل اور نظیر ہے۔ جیسے

مثال دینے کے لیے کہتے ہیں ما لہ ندٌّ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ (المنجد)

لہٰذا جہاں قرآن میں ہے کہ کفار اپنے خداؤں کو اللہ کے ہاں محض سفارشی مانتے تھے جیسے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ (زمر، ۴۳) تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ انہیں زبردستی کا سفارشی مانتے تھے یعنی اللہ کو ان کی سفارش ماننا پڑتی ہے اسی لئے ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ؁ ''ظالموں (کافروں) کے لئے کوئی ایسا دوست یا سفارشی نہیں ہے جس کی اطاعت کی جائے (اسکی شفاعت لازماً مانی جائے)۔''

(مومن، ۱۸)

یادرہے کہ زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ دو دن میں زمین کا میٹریل جمع کیا گیا، پھر مستریوں مزدوروں کے ذریعے اسے بنایا گیا بلکہ یہ معنی ہے کہ ایک حکم کُنْ سے پانی بن گیا، پھر ایک حکم کُنْ سے خشکی بن گئی پھر ایک حکم کُنْ سے اس کی خشکی کو پھیلا کر براعظم بنا دیئے گئے اور یہ عمل دو دن میں مکمل ہو گیا۔

[8] جب زمین بن گئی تو کرۂ ارض میں پانی کی حرکت سے زمین ہل رہی تھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے زمین پر وزنی پہاڑ رکھ دیئے تو وہ ٹھہر گئی جیسے فرمایا گیا: وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ ''اور اللہ نے زمین میں پہاڑ ڈالے تاکہ وہ تمہیں لے کر ہلتی نہ رہے۔'' (نحل، ۱۵) پھر اللہ نے حکم فرمایا تو زمین میں انسانوں کی حاجات کے مطابق مقرر غذائیں پیدا کر دی گئیں یعنی انسان کو جس قدر گندم، چاول، دالوں اور پھلوں وغیرہ کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق ان اجناس کے خزانے زمین میں پیدا کر دیئے اور یہ سارا عمل چار دنوں میں مکمل ہو گیا یعنی اس میں پچھلے دو دن بھی شامل ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا، گویا دو دن میں زمین بنائی گئی اور دو دن میں اس پر پہاڑ اور مختلف اجناس کے خزانے ڈالے گئے تو یہ کل چار دن ہوئے۔ جیسا کہ آگے حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔

یادرہے پہاڑوں کی تخلیق میں زمین کو ہلنے سے بچانے کے علاوہ دیگر حکمتیں بھی ہیں مثلاً ان پر بارشیں برستی ہیں تو پانی وادیوں میں جمع ہو جاتا ہے جو انسانوں کے کام آتا ہے اور پہاڑوں میں مختلف پتھروں، نمک، سونے، چاندی، لوہے، پیتل، تانبا اور دیگر دھاتوں کے علاوہ جواہر کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، جو انسان کی تاقیامت ضروریات سے زیادہ ہیں۔

[9] زمین کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان کے بنانے کا ارادہ فرمایا اور وہ پہلے ایک دھواں (Gases) سا تھا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کُنْ سے سات آسمانوں کی صورت بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے سب سے نیچے والے آسمان کو چراغوں (شمس و قمر اور دیگر کواکب) سے مزین و محفوظ کر دیا۔ محفوظ کرنے کا یہ معنی ہے کہ جب کوئی شیطان آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی گفتگو سننا چاہے تو اس پر کوئی کوکب مارا جاتا ہے جو اسے جلا ڈالتا ہے۔ یہ مضمون سورہ حجر رکوع دوم، سورہ صافات رکوع اول اور سورہ جن رکوع اول میں مفصل مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم میرا حکم مانو خواہ خوشی سے یا مجبوری سے، بہرحال میرا حکم تمہیں ماننا ہوگا تو دونوں نے کہا: اے پروردگار! ہم خوشی سے تیرا بر

حکم مانیں گے یعنی کائنات ارضی وسماوی کا سارا نظام تیرے ہی حکم سے چلے گا اور اللہ نے ہر آسمان کا معاملہ وہاں کے فرشتوں کی طرف وحی کر دیا اور یہ سارا معاملہ دو دن میں مکمل ہوا، گویا کل چھ دن ہو گئے۔

چھ دنوں میں تخلیق ارض وسماء کی تفصیل

اس کی وضاحت حدیث مبارکہ میں یوں ہے کہ بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہود نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور تخلیق ارض وسما کے بارہ میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: اللہ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن بنایا، پھر پہاڑ اور ان کے منافع منگل کے دن بنائے، درخت چشمے اور بستی و ویرانی (کے اسباب) بدھ کو بنائے یہ چار دن ہوئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ⑩ (حم سجدہ، ۹) آگے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جمعرات کو آسمان بنایا اور جمعہ کے دن ستارے، شمس وقمر اور فرشتے بنائے پھر جمعہ کے دن اموات و آفات پیدا کیں اور جمعہ کے آخری گھنٹہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے جنت میں ٹھہرایا۔

یہود نے کہا: اے محمد (ﷺ) آپ نے بات پوری نہیں کی۔ پوری بات یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ نے ہفتے والے دن آرام کیا، حضور سید کونین ﷺ یہ سن کر جلال میں آ گئے (کیونکہ یہود کا مقصد یہ تھا کہ اللہ نے چھ دن کام کرنے کے بعد تھک کر آرام کیا اس لئے یہود ہفتہ کے دن چھٹی اور آرام کرتے ہیں) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ﳓ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ㊳ ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہ ہوئی۔''

(ق، ۳۸) (ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۸۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یاد رہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک حکم کُنْ سے یکدم ساری کائنات پیدا کرتا مگر اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ چھ دنوں میں کائنات بنائی تا کہ انسان بھی آہستہ روی سیکھے، گویا اللہ تعالیٰ کو عجلت پسند نہیں ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اللہ رب العزت کا فرمانا کہ اللہ نے آسمان کی طرف توجہ کی اور وہ دھواں تھا تو اسے سات آسمان بنا دیا۔ اس کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ پہلے فضا میں دھواں ہی تھا اس سے پہلے زمین بنی، پھر اس سے سات آسمان بنے اور یہ جدید سائنس کے اس نظریہ کے عین مطابق ہے کہ یہ کائنات پہلے ایک گیس تھی، جس کے اندر دس پدم سینٹی گریڈ سے زیادہ گرمی تھی، پھر یہ گیس ایک زوردار دھماکے سے پھٹی جسے BIG BANG بڑا دھما کہ کہا جاتا ہے اور اس نے فضا میں چکر کھانا شروع کر دیا جس سے مختلف سیارے الگ ہوتے گئے اور کائنات بنتی گئی۔ (فلکیات جدید صفحہ ۱۱)

معلوم ہوا قرآنِ مجید نے جو چیز چودہ صدیاں قبل بتائی، جدید سائنس آج اسے سمجھ رہی اور اس کی تصدیق کر رہی ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو آپ فرما دیں کہ میں تمہیں عاد وثمود پر پڑنے والی کڑک جیسی کڑک سے ڈراتا ہوں [10] یاد کرو

جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا

جب ان کے پاس ان کے رسول انکے آگے پیچھے پھرتے تھے (اور کہتے تھے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت

اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

نہ کرو، کفار نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے (بطور رسول) اتار دیتا تو تمہیں جو (دین) دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس سے منکر ہیں۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

چنانچہ عاد نے تو زمین میں ناحق تکبر کیا اور وہ کہنے لگے ہم سے بڑھ کر طاقتور

قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا

کون ہے۔ کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا وہ ان سے کہیں بڑھ کر طاقتور ہے۔ اور وہ ہماری

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ

آیات سے انکار کرتے تھے تب ہم نے ان پر طوفانی ہوا بھیجی، چند منحوس دنوں میں،

لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

تاکہ ہم انہیں دنیوی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ

اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

ذلت والا ہے۔ اوران کی کچھ مدد نہ کی جائے گی۔ [11]

[10] یعنی اگر دشمنان اسلام باز نہ آئے تو ان پر عاد وثمود جیسے عذابات آسکتے ہیں۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد عاد وثمود والے عذابات کا آنا تو موقوف کر دیا گیا ہے، مگر میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو ذلت آمیز شکست دینے کا عذاب کفار پر جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

وَيُخْزِهِمْ ''تم کفار سے جنگ کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا۔'' (توبہ، ۱۴) اسی لیے یہاں یہ نہ فرمایا گیا: فقد انذرتکم صاعقة عاد وثمود۔ بلکہ فرمایا گیا: فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾

وعید عذاب سن کر عتبہ بن ربیعہ نے حضور ﷺ کے منہ پر خوف سے ہاتھ رکھ دیا

پیچھے اسی سورہ حٰم سجدہ کے تعارف میں گزر چکا ہے کہ قریش مکہ نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا تھا تا کہ آپ ان کے بتوں کا رد کرنا چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے عتبہ کو سورہ حٰم سجدہ کی پہلی چھتیس آیات سنائی تھیں، جنہیں سن کر وہ مبہوت ہو گیا اور خاموش واپس چلا گیا۔

اس جگہ امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ آیت پڑھی: فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ کہ میں تمہیں عاد و ثمود جیسی کڑک سے ڈراتا ہوں تو عقبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: آپ کو رشتہ داری کا واسطہ ایسی باتیں نہ کہیں، پھر وہ خوفزدہ اٹھ کر واپس اپنے گھر چلا گیا اور قریش کی مجلس میں نہ گیا۔ ابو جہل نے کہا: عتبہ بھی گمراہ ہو گیا ہے، تو قریش عتبہ کے پاس آئے۔ عتبہ نے انہیں کہا: بخدا محمد کا کلام شعر ہے نہ کہانت نہ جادو، مگر اس میں بڑا اجلال ہے۔ اور جب اس نے کہا: فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ ایسی باتیں نہ کہے اور اے قریش! تم خوب جانتے ہو محمد (ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں ڈرتا ہوں کہیں تم پر عذاب نہ آ جائے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۰۷)

اور وہ عذاب ان پر بدر میں آ گیا اور تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ اسی عتبہ بن ربیعہ نے میدان بدر میں پہنچ کر بھی قریش کو حضور ﷺ سے جنگ کرنے سے روکا تھا، مگر ابو جہل نے اسے کہا دراصل خوف سے تمہارے پھیپھڑے پھول رہے ہیں۔ یہ سن کر عتبہ کو جوش آیا اور وہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو لے کر سب سے پہلے میدان میں اترا اور وہ تینوں حضرت علی اور امیر حمزہ رضی اللہ عنہما کی تلواروں کی خوراک بن گئے۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۸۹) گویا بدبخت عتبہ نے اعترافِ حقیقت کے باوجود اپنی عاقبت برباد کر لی۔

[11] یعنی عاد و ثمود جیسی منکر قوموں کے پاس رسولان گرامی آئے جو ہر وقت انکے آگے پیچھے پھرتے تھے یعنی انہیں اللہ کی توحید کی طرف دعوت دیتے تھے۔ مگر انہوں نے ہٹ دھرمی کا اظہار کیا اور کہا اگر اللہ نے رسولوں کو بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا۔ چنانچہ قوم عاد نے جو حدود یمن میں آباد تھی تکبر سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ہم سے طاقتور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انہوں نے دیکھا نہ تھا کہ ان کا خالق اللہ ان سے طاقتور ہے یعنی وہ اپنے رسولوں اور دین کے دشمنوں کو تباہ کر سکتا ہے۔ اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن مغربی طاقتوں کے لئے بھی وارننگ ہے۔

اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور تمہیں جو بُرائی پہنچے تو وہ خود تمہاری وجہ سے ہوتی ہے۔'' (نساء،۷۹)

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ''اے نبی (اکرم ﷺ!) آپ فرمادیں کہ ہمیں جو (اچھائی یا بُرائی) پہنچتی ہے وہ اللہ نے ہمارے لیے لکھی ہوئی تھی، وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پہ مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔'' (توبہ،۵۱)

ان تمام آیات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے اور وہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، اس میں کسی دن یا کسی انسان کی نحوست کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مومن کو چاہیے کہ جب اسے کوئی مصیبت آئے تو وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اور کسی دن یا مہینہ یا کسی انسان کی نحوست کو اس کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے۔ کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ جب سے فلاں لڑکی ہمارے گھر میں بہو بن کر آئی ہے ہم پر مصائب آنے لگے ہیں، لہذا یہ لڑکی منحوس ہے۔ مگر وہ اپنے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتے کہ وہ کس قدر اپنے مولیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مصائب آرہے ہیں۔ اسی طرح کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں قسم کا پتھر انگوٹھی میں پہن لو تو قسمت میں خوشیاں آنے لگیں گی، مصائب ٹل جائیں گے اور فلاں قسم کا پتھر مت پہنو اس سے مصائب آنے لگیں گے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں مصائب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔

ایام جاہلیت میں ظہور اسلام سے قبل یہ جہالت عام تھی کہ لوگ خاص اوقات کو یا پرندے کے دائیں یا بائیں اڑنے کو یا کسی چیز کے دیکھنے کو نحوست کا سبب قرار دیتے تھے۔ جب وہ کسی سفر یا کسی کام پہ روانہ ہونا چاہتے تو کسی بیٹھے ہوئے پرندے کو اڑاتے، اگر وہ دائیں طرف کو اڑتا تو اسے نیک فال جانتے اور سفر پہ روانہ ہوجاتے، اگر وہ بائیں طرف اڑتا تو اسے بدفال جانتے اور سفر یا کام کا ارادہ ترک کردیتے۔ یونہی اگر وہ گھر سے نکلتے ہوئے الو یا کسی بدصورت جانور یا پرندے کو دیکھتے تو اسے بدشگون جانتے اور گھر لوٹ آتے اور وہ صفر کے مہینے کو بھی منحوس جانتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے اسکا خوب رد فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا عدوی ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، کوئی متعدی بیماری نہیں ہے (جو حکم الٰہی کے بغیر از خود ایک سے دوسرے کو لگ جائے) اور پرندہ اڑانے کی کچھ حقیقت نہیں ہے اور کوئی الو نہیں ہے (یعنی الو کا دیکھنا کسی نحوست کا سبب نہیں ہے) اور نہ ہی ماہ صفر کسی نحوست کا سبب ہے۔ (بخاری کتاب البیوع باب ۳۶، باب الطب باب ۱۹، مسلم کتاب السلام حدیث ۱۱۴)

جبکہ فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جن دنوں میں قوم عاد پر تباہ کن بادِ صرصر چلائی گئی وہ دن ان کے لیے اللہ کی طرف سے نحوست کے یعنی مصیبت اور عذاب کے دن تھے اور ان کے لیے پہلے سے لکھا گیا تھا کہ ان کی نافرمانیوں کے سبب ان پہ ان ایام میں نحوست برسے گی اور ایک مفہوم یہ ہے کہ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ کا معنی ایام متتابعات ہے، یعنی ان پہ مسلسل کئی دن تک تیز گرم ہوا چلتی رہی، کیونکہ دوسری جگہ یہی مفہوم یوں ادا کیا گیا: وَاَمَّا

عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ''جبکہ قوم عاد کو تیز سرکش ہوا کے ذریعہ ہلاک کیا گیا جو اللہ نے ان پر سات راتوں اور آٹھ دن کے لیے مسلسل مسلط کی۔'' (الحاقہ، ۷)

اور جن احادیث میں بدھ یا ہفتہ کے دن کو منحوس قرار دیا گیا ہے وہ سخت ضعیف اور نا قابل حجت ہیں، امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الموضوعات میں بدھ کے دن کے منحوس ہونے پر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سب کے بارہ میں فرمایا: هذه الاحاديث لا تصح عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان احادیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے (یعنی یہ موضوع احادیث ہیں)۔

(کتاب الموضوعات جلد ۲ صفحہ ۷۵ مطبوعہ قرآن محل کراچی)

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ کوئی دن یا مہینہ کسی شخص کے لیے منحوس نہیں ہوتا اور اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ سے کسی دن کے منحوس ہونے کا استدلال غلط ہے اور اہل اسلام کو جہالت میں گرفتار ہونے کی بجائے قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنانا چاہیے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

رہے ثمود تو ہم نے انہیں ہدایت دی مگر انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی۔ تو انہیں رسوا کن

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۚ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا، ان اعمال کے سبب جو وہ کماتے تھے اور ہم نے (ثمود میں سے) ان لوگوں کو جو ایمان لائے

وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ع

اور تقویٰ اختیار کرتے تھے، نجات دی۔ [12]

[12] جبکہ حدود تبوک (حالیہ شمالی سعودیہ) میں قوم ثمود آباد تھی انہوں نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کی لائی ہوئی ہدایت کو اپنانے کی بجائے اندھے پن کو ترجیح دی، تو انہیں ایک شدید کڑک نے آلیا یعنی فرشتے نے ان پر ایسی خوفناک چیخ ماری جس سے ساری قوم کے کلیجے پھٹ گئے۔ البتہ ان میں سے جو لوگ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور تقویٰ اپنایا انہیں اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝۱۹ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا

اور وہ دن یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف اٹھایا جائے گا تو وہ وہاں جمع کیے جائیں گے، چنانچہ جب وہ وہاں

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۰ وَقَالُوْا

آجائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی چمڑیاں گواہی دیں گی جو وہ کیا کرتے تھے۔[13] وہ اپنی

لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ

چمڑیوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گی: ہمیں اس اللہ نے گویا کردیا جس نے ہر چیز کو گویائی

شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۱ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ

دی ہے، اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے (اس کے حکم سے جہنم میں جانا ہے)[14] اور تم اس بات سے چھپ

اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ

نہیں سکتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان گواہی دیں اور نہ تم اپنی آنکھوں اور چمڑیوں سے چھپ سکتے تھے مگر تم

ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۲ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ

نے سمجھا کہ تم جو عمل کرتے ہو اسے اللہ اکثر نہیں جانتا اور تمہارے اسی گمان نے جو تم نے

ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳

اپنے رب کے بارہ میں کیا، تمہیں تباہ کردیا، تو تم نقصان والوں میں سے ہوگئے[15]۔

روز قیامت کفار کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے

[13] روز قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی کفار کو جہنم کے گرد جمع کیا جائے گا اور انہیں جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہو گا۔ وہ کہیں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ ''ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم تو کچھ شرک نہ کرتے تھے۔'' (انعام، ۲۳) (یہاں شرک سے مطلقاً کفر مراد ہے جیسے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ (نساء، ۱۱۶) میں شرک سے مطلقاً کفر مراد ہے)۔ یعنی روز قیامت ہر کافر اپنے کفر سے انکار کردے گا۔ تب ان کے لبوں پر مہر لگادی جائے گی اور ان

کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے یعنی اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۶۵﴾ ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں کے جو وہ کماتے تھے۔'' (یٰس، ۶۵) اور فرمایا گیا: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۲۴﴾ ''اس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں انکے خلاف گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔'' (نور، ۲۴)

[14] کفار جھنجھلا کر اپنے اعضاء سے پوچھیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دے رہے ہو؟ ان کے اعضاء جواب دیں گے کہ ہمیں اسی رب نے گویا کیا ہے جس نے ہر بولنے والی چیز کو بولنا سکھایا ہے یعنی اللہ چاہے تو پتھر بھی دستِ رسول میں کلمہ پڑھیں، استن حنانہ باتیں کرے اور احد پہاڑ نبی پر درود بھیجے۔ مزید ان کے اعضاء یہ کہیں گے کہ اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا اور تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے یعنی اس کے حکم پر جہنم میں جانا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز قیامت کافر کو اس کے اعمال بتائیں جائیں گے، وہ انکار کرے گا، اسے کہا جائے گا تمہارے پڑوسی، تمہارے اہل خانہ اور خاندان والے تمہارے خلاف گواہی دے رہے ہیں، وہ کہے گا یہ سب جھوٹ بولتے ہیں، تب اللہ کافر کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے، پھر اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ بروایت ابی یعلیٰ)

[15] اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا: تم دنیا میں کفر کرتے ہوئے دوسرے انسانوں سے تو چھپ سکتے تھے یعنی مسلمانوں سے چھپ سکتے تھے مگر خود اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور اپنے اعضاء سے تو نہیں چھپ سکتے تھے۔ مگر تم نے سمجھا تھا کہ اللہ تمہارے اکثر اعمال کو نہیں جانتا اور تمہارے اسی گمان نے تمہیں برباد کر دیا۔

روزِ قیامت اعضاء کی گواہی کی ذلت صرف کفار کے لئے ہے

مومنوں کو اس ذلت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ اسی لئے یہاں اَعْدَآءُ اللّٰهِ (اللہ کے دشمنوں) کا لفظ بولا گیا (آیت، ۱۹) اور مزید کہا گیا کہ تم سمجھتے تھے کہ اللہ تمہارے اکثر اعمال کو نہیں جانتا۔ اور یہ گمان کسی کافر ہی کا ہو سکتا ہے۔ اسی لئے سورہ یٰس میں اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴿۶۴﴾ (آیت، ۶۴) کے بعد کہا گیا: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (آیت، ۶۵) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز حشر ایک شخص بارگاہ الٰہی میں پیش ہو کر کہے گا یا اللہ میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری کتاب اور تیرے رسول کی اطاعت کی اور میں نے نماز وزکوۃ کی ادائیگی کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ پھر اس کے ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو حکم ہوگا کہ تم بولو، تو وہ بول کر اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وذالك المنافق وذالك الذي

يسخط الله عليه۔ تو وہ منافق ہوگا اور اس پر اللہ غضبناک ہوگا۔ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۱۶)

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ

اب اگر وہ صبر کریں (پھر بھی) جہنم ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ (اللہ کو) منانا چاہیں تو ان کا منانا

الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

مقبول نہیں [16] اور ہم نے ان کے لئے (برے) ساتھی مقرر کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے آگے پیچھے (ماحول) کو

خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ

ان کے لئے آراستہ کر دکھایا۔ اور ان پر ان امتوں کے مطابق فیصلہ ٹھہر گیا جو ان سے پہلے جنوں اور

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

انسانوں میں سے گزری تھیں، بیشک وہ نقصان ہی اٹھانے والے تھے [17]

[16] جہنم میں کفار کئی صدیوں تک چیختے چلاتے رہیں گے مگر عذاب میں کمی نہ ہوگی۔ پھر وہ کئی صدیوں تک خاموش رہ کر عذاب جھیلتے رہیں گے کہ شاید اس طرح عذاب کم ہو جائے مگر لا حاصل۔ تب وہ کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ "ہمارے لئے برابر ہے خواہ ہم چلائیں یا صبر کریں، ہمارے لئے کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔" (ابراہیم، ۲۱) تو اس بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار اگر جہنم میں صبر کریں، تب بھی ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور اگر واویلا کریں، پھر بھی ان کے لیے چھٹکارا نہیں ہے۔

[17] یعنی جب کفار اپنی ضد میں آگے بڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کے لئے بطور سزا برے ساتھی جمع کر دیتے ہیں جو ان کے آگے پیچھے ماحول کو یعنی ان کے ہر عمل کو (یا یہ معنی ہے کہ دنیا و آخرت کے بارہ میں ان کے باطل نظریات کو) ان کے لئے بہتر بنا کر پیش کرتے ہیں کہ تم جو کر رہے ہو بہت اچھا کر رہے ہو۔ تب انسانوں اور جنوں میں سے گزشتہ منکر قوموں کی طرح ان پر یہ خدائی فیصلہ ٹھہر جاتا ہے کہ ان کے نصیب میں خسارے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کسی کے گرد برے ساتھیوں کا جمع ہو جانا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، جبکہ اچھے ساتھیوں کا مل جانا اللہ رب العزت کی عظیم رحمت ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو مت سنو اور اس میں خلل ڈالو، تاکہ تم

تَغْلِبُوْنَ۞ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ

غالب آؤ۔[18] تو ہم کافروں کو ضرور سخت عذاب چکھائیں گے اور جو بدترعمل وہ کرتے تھے اس کی سزا دیں گے

الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۞ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ

یہ اللہ کے دشمنوں کی سزا ہے یعنی جہنم۔ ان کے لئے وہاں دائمی رہائش ہے

الْخُلْدِ ؕ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۞ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ

کیونکہ وہ ہماری آیت سے انکار کرتے تھے۔[19] اور کفار کہیں گے اے ہمارے رب

اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا

ہمیں وہ دونوں افراد دکھا جنہوں نے جنوں اور انسانوں میں سے ہمیں گمراہ کیا، ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے روندیں گے

مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ۞

تاکہ وہ دونوں ذلیل تر ہوں۔[20]

[18] جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے تلاوتِ قرآن شروع کی تو سعید روحیں اس کی طرف کھنچے گئیں اور کئی جلیل القدر لوگ ایمان لے آئے۔ کفار اس صورت حال سے بہت جز بز تھے، ان کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ انہوں نے باہم طے کیا کہ جب آپ قرآن پڑھیں تو وہ شور مچائیں گے تاکہ آپ کی تلاوت کی آواز دب جائے اور کوئی اسے سن نہ سکے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب حضور ﷺ بلند آواز سے تلاوت کرتے تو کفار مضطرب ہو جاتے اور کہتے کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس میں خلل ڈالو اور جب آپ آہستہ پڑھتے تو صحابہ کو آواز سنائی نہ دیتی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۞ ”آپ اپنی نماز (میں تلاوت) کو بہت اونچا نہ کریں نہ بہت آہستہ رکھیں اور اس کے درمیان راستہ نکالیں۔“

(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۱۱۰، ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۷۲ حدیث ۱۸۴۵۸)

گویا ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اپنے جہل سے سمجھا کہ ان کے شور وغل کرنے سے قرآن کی آواز دب جائے

گی، مگر دشمنانِ قرآن کی آواز ہمیشہ کے لئے دب گئی اور قرآن کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے۔ آج دنیا کا کونہ کونہ تلاوت قرآن سے گونج رہا ہے۔ جدید سائنس نے ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے اس کی آواز کو مزید بلند کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو موبائل فون اور ہاتھ کی گھڑی سے بھی قرآن کی آواز بلند ہوتی ہے۔

فاتحہ خلف امام کا وجوب

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ سے معلوم ہوا کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے خاموشی سے سننا چاہیے، اس میں شور کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ قرآن کریم میں حکم ہوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو اور چپ رہو، فرمایا گیا: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ یعنی ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پہ رحم کیا جائے۔'' (اعراف، ۲۰۴) اس کی مکمل تحقیق ہم اعراف کی اس آیت کے تحت مفصل کر آئے ہیں۔

[19] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم قرآن کے دشمنوں کو دنیا میں شدید عذاب چکھاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے عذاب جہنم تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جو قوم اللہ کے کلام کو دبانا چاہے، اللہ اسے دبا دیتا ہے۔ اس میں یہ درس ہے کہ قرآن کی دشمن مغربی طاقتوں کا زوال قطعی امر ہے، جو ہو کر رہے گا۔

[20] حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان دو افراد سے شیطان اور قابیل مراد ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۹۸) اس کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان وہ پہلا جن ہے جس نے حکم الٰہی کی مخالفت کی اور نافرمانی کا آغاز کیا اور قابیل وہ پہلا انسان ہے جس نے سب سے پہلے کفر کیا اور اپنے بھائی کا قتل بھی کیا۔ گویا تمام جنوں اور تمام انسانوں کے کفر اور دوسری نافرمانیوں کے ذمہ دار یہی دو افراد ہیں۔ کیونکہ جو شخص کسی بُرائی کا راستہ نکالتا ہے اسے اپنے تا قیامت آنے والے پیروکاروں کا عذاب بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا روزِ قیامت کفار کہیں گے اے اللہ! ہم شیطان اور قابیل کو دیکھنا چاہتے ہیں جن کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے روند کر انہیں رسوا کریں۔

اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کفار کہیں گے اے اللہ! جس بھی انسان یا شیطان نے ہمیں گمراہ کر کے راہ کفر پر ڈالا اور جہنمی بنایا اسے ہمارے سامنے لایا جائے تاکہ ہم اس سے انتقام لیں۔ گویا ہر گمراہ فرقے کا بانی جہنم میں اپنے پیروکاروں کے پیروں تلے روندا جائے گا۔ خواہ وہ مسیلمہ کذاب ہو یا مسیلمۂ پنجاب اور خواہ وہ عبداللہ بن ابی ہو یا عبداللہ بن سبا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر ڈٹے رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ

تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ

خوف نہ رکھو اور غم نہ کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا [21] ہم دنیوی زندگی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ

اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ اور وہاں تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تمہارے دل چاہیں اور وہاں

فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ؕ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ ع

تمہارے لئے ہے جو تم مانگو۔ یہ بخشنے والے مہربان رب کی طرف سے مہمانی ہے۔[22]

ع ۱۸

[21] دشمنان قرآن کی سزا بتانے کے بعد اب دوستان قرآن کی جزا بتائی جارہی ہے تو فرمایا کہ جو لوگ دعوت قرآن پر لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان لائے یعنی اللہ کو رب مان کر انہوں نے جان لیا کہ اللہ ہمارا پالنہار ہے، وہی ہمارا روزی رساں اور کارساز ہے، لہذا ہمیں اس کے ہر حکم کو بجالانا چاہیے پھر اس عقیدہ پر وہ استقامت کے ساتھ خوب جم گئے (خواہ اس کے لئے انہیں جان مال اور اولاد کی قربانی دینا پڑی تو انہوں نے دی) ایسے لوگوں پر بوقت موت یا بروز قیامت فرشتے اتریں گے اور انہیں کہیں گے کہ اب تم کوئی خوف و غم نہ رکھو اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس کی تمہیں بشارت ہے، جنت تمہاری منتظر ہے۔

دین پہ استقامت کا مفہوم اور اس کے عالی مقام حاملین

یاد رہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا استقامت شرک سے بچنا ہے (یعنی صحیح نظریات پر قائم رہنا اور باطل نظریات سے بچنا استقامت ہے)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر مراد ہے (یعنی دین پر خود چلنا اور دوسروں کو چلانا استقامت ہے)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے اخلاص مراد ہے (یعنی دین کے لئے مخلص ہونا استقامت ہے) اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استقامت فرائض کی ادائیگی کا نام ہے (یعنی استقامت یہ ہے کہ زبانی ایمان قبول کرنے کے بعد اس کے عملی تقاضے پورے کئے جائیں) اور حسن بصری فرماتے ہیں اللہ کا ہر حکم بجالانا اور ہر برائی سے بچنا استقامت ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۱۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ دین پر ڈٹ جانے کا نام استقامت ہے جیسا کہ حضرت سفیان بن عبید اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی بات بتا دیں کہ اس کے بعد مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۶۲، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۱۳)

یہ بھی جاننا چاہیے کہ دین پر استقامت کرنے والے سب سے پہلے انبیاء ہیں جن میں سے کسی کو آگ میں پھینکا گیا کسی کے سر پر آرا چلایا گیا اور کسی کو پتھروں سے لہولہان کیا گیا اور ہر نبی وطن سے نکالا گیا مگر وہ حق پر ڈٹے رہے اور طاغوتی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں پیغام حق سناتے رہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صدیقین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جیسے مکی زندگی میں اصحاب رسول ﷺ نے ہر ظلم سہا مگر وہ استقامت کا پہاڑ بن کر دین پر ڈٹ گئے۔ پھر مدنی زندگی اور دور خلافت راشدہ میں صحابہ کرام نے جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اسلام دشمن طاقتوں کا سر کچل کر رکھ دیا۔ صدیقین کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی استقامت بے مثال ہے، وصالِ نبوی کے بعد جب دین کے خلاف کئی فتنے یکدم کھڑے ہو گئے تو آپ کی استقامت نے پرچم اسلام کو مزید بلند کر دیا۔

صدیقین کے بعد شہداء ہیں جو جان دے دیتے ہیں اور باطل کے آگے سر نہیں جھکاتے جیسے سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے نانا جان کی حدیث افضلُ الجهادِ كلمةُ حقٍّ عند سُلطانٍ جائرٍ۔ کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۷) پر عمل کرتے ہوئے یزید کے فسق و فجور کے خلاف خروج کیا اور بقاء دین کے لئے سارا کنبہ قربان کر دیا اور اپنی جان بھی دے دی۔

شہداء کے بعد صالحین یعنی اولیاء کاملین ہیں، جنہوں نے ہر دور میں دین حق کے خلاف برسر پیکار طاغوتی و شیطانی قوتوں کو للکارا۔ تاریخ اسلام ایسے مردانِ حر کی مثالوں سے بھری پڑی ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام مالک، سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، داتا گنج بخش حضرت علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری و دیگر پاسداران ناموس ملت رحمہم اللہ، یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ بڑے بڑے طوفان بھی ان کے پائے استقامت میں لرزہ پیدا نہ کر سکے اور ان کی گردن کو جھکا نہ سکے بلکہ ان لوگوں کی استقامت نے بڑے بڑے ظالم و جابر بادشاہوں کی گردنیں دین حق کے آگے جھکا دیں۔

استقامت، کرامت سے بڑھ کر ہے

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا سے معلوم ہوا ولی اللہ کے لئے ضروری نہیں کہ کرامت دکھائے بلکہ یہ ضروری ہے کہ دین پر استقامت دکھائے۔ مروی ہے کہ سیدنا داتا علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص عرصہ دراز مقیم رہا اور ایک دن پریشان واپس جانے لگا آپ نے اس کی پریشانی پوچھی تو کہنے لگا، میں آپ کی کوئی کرامت دیکھنے آیا تھا مگر مجھے تو کوئی کرامت نظر نہیں آئی۔ میں کیسے مانوں کہ آپ بھی اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا اتنے عرصہ تم نے میرا کوئی عمل قرآن

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ

اور اس شخص سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں سر

الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ

جھکانیوالا ہوں [23] اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں، تو تم (برائی کو) بھلائی کے ساتھ دور کرو، تب تو وہ آدمی کہ

اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ وَمَا

تمہارے اور جس کے مابین عداوت ہے، ایسے ہو جائے گا جیسے وہ گہرا دوست ہے اور یہ

يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵ وَاِمَّا

صفت انہی کو دی جاتی ہے جو صبر کریں، اور یہ صفت وہی پاتا ہے جو بڑے مقام والا ہو [24] اور اگر

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶

تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ پہنچے، تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے [25]

[23] گزشتہ رکوع میں گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے کہا: اس قرآن کو مت سنو اور اس میں خلل ڈالو تا کہ تم غالب آؤ۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قرآن تو اللہ کی طرف سے ایک دعوت کا نام ہے اور رسول اللہ ﷺ قرآن کے ذریعے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلائے اور وہ خود بھی نیکوکار ہو اور اس کے ساتھ وہ متکبر نہ ہو بلکہ کہے کہ میں تو اللہ کے حضور سر جھکانے والا ہوں۔ ایسے شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت اذان دینے والوں کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ اذان دینا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا سب سے بہترین انداز ہے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۲۵ بروایت ابن ابی شیبہ) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ اذان اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا بہترین انداز ہے۔ لہٰذا اذان دینے والا بھی وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ کا مصداق ہے۔

اذان کہنے کی فضیلت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: المؤذّنون اَطْوَلُ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ”روز قیامت سب سے اونچی گردنیں اذان دینے والوں کی ہوں گی۔“ (مسلم کتاب الصلوۃ حدیث ۱۴) (یعنی ان کے قد

اونچے ہوں گے اور وہ لوگوں میں ممتاز ہوں گے)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاں تک موذن کی آواز جاتی ہے وہاں تک جو بھی انسان، جن یا کوئی چیز ہے وہ روز قیامت اس کی گواہی دے گی۔'' (بخاری کتاب الاذان باب ۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سات برس تک رضا الٰہی کے لئے اذان دی اس کے لئے دوزخ سے آزادی لکھ دی جاتی ہے۔'' (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۳۸)

یاد رہے اذان نماز پنجگانہ اور جمعہ کے لئے مسنون ہے، کسی اور نماز کے لئے نہیں۔ اذان ٹھہر ٹھہر کر دی جائے، حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح پر دائیں بائیں رخ پھیرا جائے۔ اذان وضوء کے بغیر نہ دی جائے اور وقت سے قبل نہ دی جائے، اگر وقت سے قبل دی جائے تو وقت شروع ہونے کے بعد دہرائی جائے۔

اذان سے قبل درود شریف پڑھنے کا استحباب

آج کل اذان سے قبل درود شریف پڑھا جاتا ہے اسمیں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اسے یوں نہ پڑھا جائے کہ اذان کا حصہ معلوم ہو، تھوڑے وقفہ سے پڑھا جائے اور اسکا لہجہ بھی اذان سے جداگانہ ہو۔ بہرحال اسکے نفس جواز میں کوئی شک نہیں۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی نجار کی ایک عورت کہتی ہے: میرا گھر مسجد نبوی کے گرد گھروں میں سب سے اونچا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس پر چڑھ کر اذان فجر دیتے تھے، وہ طلوع سحر سے قبل آجاتے اور جب فجر طلوع ہوتی تو انگڑائی لے کر کھڑے ہو جاتے اور یہ کلمات پڑھتے: اللهم انی احمدك واستعينك على قريش ان يقيموا دينك۔ ''اے اللہ! میں تیری حمد کہتا ہوں اور قریش پر تیری مدد چاہتا ہوں تا کہ وہ تیرا دین قائم کریں۔ وہ عورت کہتی ہے کہ اسکے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے اور مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کسی رات (اذان سے قبل) یہ دعا ترک کی ہو۔'' (سنن ابی داود کتاب الاذان ج ۱ ص ۸۴ مطبوعہ ملتان)

اب ظاہر ہے کہ وہ عورت چھت کی بجائے گھر کے صحن یا کسی کمرے میں ہوتی تھی مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے قبل اس دعا کو چھت پر اسقدر بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ اس عورت کو نیچے گھر میں سن سن کر یہ دعا یاد ہو گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ اذان سے قبل بلند آواز کے ساتھ کوئی دعا پڑھنا جائز ہے بلکہ سنت بلالی ہے اور درود شریف سب سے افضل دعا ہے تو اس کے جواز میں کیا شک ہے۔

تثویب بھی دعوت الی اللہ کا ایک طریقہ ہے

آج کل اذان کے کچھ دیر بعد مسجد سے (بذریعہ لاؤڈ سپیکر) آواز دی جاتی ہے کہ نماز باجماعت کھڑی ہونے والی ہے، صرف پانچ منٹ باقی ہیں، نمازی حضرات جلدی مسجد میں آجائیں، اسے تثویب کہتے ہیں۔ اسے بعض لوگ بدعت

کہہ کر روکتے ہیں حالانکہ یہ بھی وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ میں شامل ہے، البتہ نماز مغرب میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قلت وقت کی وجہ سے وہاں اذان سے متصل ہی عموماً نماز کھڑی کر دی جاتی ہے۔

[24] مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ان کے عقائد کا مذاق اُڑایا جاتا تھا اور قرآن کی توہین کی جاتی تھی جیسے پیچھے گزرا کہ کفار قرآن کے مقابلہ میں شور و غل کرتے تھے۔ ایسے میں ممکن تھا کہ کوئی مسلمان طیش میں آ کر کفار کے خلاف ویسی ہی غیر اخلاقی حرکت کر بیٹھتا، جیسی حرکتیں وہ کر رہے تھے یعنی کسی بے گناہ کو مار ڈالتا یا کسی کافر کو یا ان کے جھوٹے خداؤں کو گالیاں دے ڈالتا۔ جس سے وہ طیش میں آتے تو دنیا کہتی کہ یہ دونوں گروہ ایک ہی جیسے ہیں اور ایک جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی جان و آبرو پر ناحق حملے کر رہے ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو سمجھایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں یعنی نیکی کرنے والا اللہ کے ہاں اور لوگوں کی نظر میں بہر حال معزز ہوتا ہے اور بدی کرنے والا ذلیل گنا جاتا ہے لہٰذا کفار کی بدی کا جواب بدی سے دینے کی بجائے نیکی سے دیا جائے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ کفار جن کے اور تمہارے درمیان دین کی وجہ سے عداوت ہے وہ تمہارے گہرے دوست بن جائیں گے، مگر یہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا صبر والوں اور اونچے مقام کے لوگوں کا کام ہے، یعنی یہ مقام انبیاء کو دیا جاتا ہے پھر ان کو جو انبیاء کی پیروی کریں۔ چنانچہ حضور ﷺ اور صحابہ نے یہی طریقہ اپنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے دین کے سخت دشمن ان کے گہرے دوست اور ساتھی بن گئے۔

کفار کی دہشت گردی کا جواب دہشت گردی سے دینا جائز نہیں

یہ آیت آج بھی مسلمانوں کی راہنمائی کرتی ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی مغربی ممالک کی افواج عراق اور افغانستان میں، بھارتی افواج کشمیر میں اور اسرائیلی فوجیں فلسطین میں نہتے مسلمانوں کا خون بہا رہی ہیں۔ اس کا جواب دینے کے لئے آج کے بدنام زمانہ خوارج نہتے غیر مسلم لوگوں پر خودکش حملے کر دیتے ہیں، اس سے اسلام اور مسلمانوں کا تشخص مجروح و مسخ ہوتا ہے۔ اور اغیار کو مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے کا موقع ہاتھ آتا ہے اور اسلامی تعلیمات کا روشن چہرہ گہنا جاتا ہے اس سے بچنا چاہئے۔ البتہ افغانستان، عراق، فلسطین اور کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والی امریکی، صیہونی اور بھارتی افواج کے خلاف علم جہاد بلند کرنا اور ان کے پرخچے اُڑانا مسلمانوں کا اخلاقی قانونی و اسلامی حق ہے۔ اسی طریقہ سے ان کے ظلم و ستم کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

اسلام دہشت گردی کا نہیں بلکہ امن کا مذہب ہے

قرآن مجید نے اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کہہ کر مسلمانوں کو بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم فرما کر بتایا ہے کہ اسلام امن کا علمبردار ہے، اسے دہشت گردی کا طعنہ دینے والے دراصل اپنی دہشت گردی کو چھپانے کی کوشش کرتے

ہیں۔آج امریکی، اسرائیلی اور بھارتی افواج مسلمانوں کا مسلسل خون بہارہی ہیں اور جب کوئی مسلم نوجوان ان کے خلاف بندوق اٹھاتا ہے تو اسے دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے اور نام نہاد مسلم حکومتیں ہی اس کے پیچھے پڑ جاتی ہیں، کیونکہ دورِ حاضر کی اکثر مسلم حکومتیں یہود و نصاریٰ کے ایجنٹوں کا کردار ادا کررہی ہیں۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی، کوئی محمود غزنوی اور کوئی موسیٰ بن نصیر پیدا فرمائے۔

بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی فضیلت

یہ آیت 34 اور 35 اگرچہ کفار کے حق میں اتری ہیں۔تاہم ان کا مفہوم عام ہے کہ بہر حال بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دینا اللہ کو پسند ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی! میں تجھے اولین و آخرین کے بہترین خلق پر دلالت کرتا ہوں، وہ یہ کہ جو تجھے محروم رکھے تو اسے عطا کر، جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر اور جو تجھ سے تعلق کاٹے تو اس سے جوڑ۔
(درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۲۹ بروایت بیہقی فی شعب الایمان)

[25] یعنی اگر شیطان تمہیں اس بات پر اُکسائے کہ برائی کا بدلہ بُرائی سے دو مثلاً گالی کا جواب گالی سے یا کوئی دوسری غیر اخلاقی حرکت کرو، تو تم اللہ کی پناہ مانگو تا کہ وہ شیطان کو تم سے دور بھگا دے۔کیونکہ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان آتش انتقام بھڑکا کر خون کی ندیاں بہائے۔حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص غصے میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۲۸)

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، تم سورج یا چاند کے آگے

وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ

مت سجدہ کرو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم

اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ

اسے ہی پوجنے والے ہو، پھر اگر کفار اکڑیں تو جو (فرشتے) تمہارے رب کے ہاں ہیں وہ رات دن اس کی

لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا

تسبیح کہتے ہیں اور اکتاتے نہیں [26] اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو بیکار پڑا دیکھتے ہو پھر جب ہم اس پر

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى

پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے اور پھلنے لگتی ہے، تو جس رب نے اسے زندہ کیا وہی مردوں کا زندہ کرنے والا ہے وہ

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

ہر چیز پر قادر ہے۔ [27]

[26] مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی معبود ہے اور یہ شمس وقمر اور شب وروز کا آنا جانا اللہ کی قدرت وعظمت کی نشانیاں ہیں کہ ہزار ہا برس سے یہ سلسلہ اسی طرح حکم خداوندی سے چل رہا ہے۔لہٰذا ہماری عبادت کے حقدار یہ شمس وقمر نہیں ہیں بلکہ وہ ذات حقدار ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔لیکن اگر کفار اس بات کو قبول کرنے سے اکڑیں تو ان سے کہہ دو کہ اللہ کو تمہاری عبادت کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے ہاں فرشتوں کی لاکھوں افواج ہیں جو صبح وشام اس کی تسبیح کہتی ہیں اور کبھی اکتاتی نہیں ہیں۔یعنی اللہ تو تمہیں اپنی عبادت کا حکم اس لیے دیتا ہے تاکہ تمہاری جھولیاں رحمت سے بھر دے۔

[27] زمین خشک پڑی ہوتی ہے، پھر اس پر اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو اس میں زندگی کی حرکت آ جاتی ہے یعنی وہاں سے سبزہ پیدا ہو کر لہلہانے لگتا ہے۔تو جو رب بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے، وہ روز قیامت مردہ ہڈیوں میں زندگی ڈال کر لوگوں کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ

بے شک جو لوگ ہماری آیات کے بارہ میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں ہیں، تو جس کو آگ میں پھینکا جائے گا

خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

کیا وہ بہتر ہے یا وہ جو روز قیامت امن و امان سے آئے گا؟ تم جو چاہو عمل کرو، وہ تمہارے ہر عمل کو

بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ ۙ

دیکھتا ہے [28] جن لوگوں نے ذکر (قرآن) سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا اور وہ عزت والی کتاب ہے (تو وہ

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

عذاب میں ہوں گے) اس (کتاب) پر نہ آگے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے حمد والے رب کی نازل کردہ ہے۔[29]

[28] اب روئے سخن پھر حقانیت قرآن کی طرف مڑ رہا ہے تو فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات یعنی قرآن میں الحاد کا شکار ہیں یعنی اس کا مذاق اُڑاتے، اس سے انکار کرتے یا اس کے مفہوم کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں تا کہ اس پر الزام تراشی کر سکیں (جیسے آج قرآن کی جہادی آیات کی بنیاد پر اسے دہشت گردی کی تعلیم دینے والی کتاب قرار دیا جا رہا ہے، یا جیسے منکرین ختم نبوت، منکرین حدیث، منکرین عدالت صحابہ اور منکرین شان رسالت قرآنی آیات کا مفہوم بگاڑ کر ان کی من مانی تفسیر کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگ ہماری نگاہ قدرت سے مخفی نہیں ہیں اور وہ ہماری پکڑ سے بچ نہیں سکتے انہیں اٹھا کر جہنم میں پھینکا جائے گا تو کیا ایسے لوگ ان مومنین کی طرح ہو سکتے ہیں، جو قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے روز قیامت امن و امان کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔ اب جو تمہاری مرضی عمل کرو، بہرحال اللہ تمہارے ہر عمل سے واقف ہے۔

[29] قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عزت والی کتاب ہے تو جو لوگ اللہ کے اس نازل کردہ ذکر سے انکار کرتے اور اس کا مفہوم بگاڑ کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں، ایسے لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ قرآن میں کوئی باطل نہیں آ سکتا، نہ آگے سے نہ پیچھے سے، یعنی اس میں کوئی چیز داخل نہیں کی جا سکتی اور اس میں سے کچھ نکالا بھی نہیں جا سکتا۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ قرآن کے فرمودات کو کسی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

اور بعض نے لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ کا یہ معنی کیا ہے کہ قرآن سے پہلے کسی آسمانی کتاب نے یہ نہیں کہا کہ اس کے بعد کوئی کتاب نہیں اترے گی کہ اس بنیاد پر قرآن کو جھٹلایا جا سکے اور نہ ہی قرآن کے

بعد کوئی کتاب اترے گی جو قرآن کے کسی حصے کو منسوخ کر سکے، بلکہ یہ حکمت اور حمد والے رب کی نازل کردہ لازوال کتاب ہے۔

قرآن تحریف سے محفوظ کتاب ہے

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن میں کوئی لفظ اپنی طرف سے ڈالا نہیں جاسکتا اور دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ یعنی ''قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (حجر،۹) تو الحمد للہ چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود قرآن کا ایک لفظ اور حرف نہیں بدلا جاسکا جبکہ پہلی آسمانی کتابوں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کو اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

بعض لوگوں کا قرآن کو محرف ماننا کفریہ عقیدہ ہے

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (معاذ اللہ) وہ آیات نکال دیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کی امامت پر نص کرتی تھیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اصل قرآن امام مہدی کے پاس ہے جو وہ قرب قیامت میں لے کر آئیں گے، مگر یہ سب باطل اور کافرانہ خیالات ہیں۔ قرآن ہر تحریف سے محفوظ کتاب ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ

(اے نبی ﷺ) آپ سے وہی کچھ کہا جاتا ہے جو آپ سے قبل رسولوں سے کہا گیا، بے شک

مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۳ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا

آپ کا رب بخشنے والا اور دردناک عذاب والا ہے [30] اور اگر ہم اسے عجمی قرآن بناتے تو کفار کہتے: اس کی آیات کی

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى

وضاحت کیوں نہیں کی گئی۔ کیا قرآن عجمی ہے اور نبی عربی؟ آپ فرما دیں کہ یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت

وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ

اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اوروہ ان پر سراپا اندھا پن ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝۴۴

گویا انہیں دور سے پکارا جاتا ہے [31]

[30] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! کفار آپ سے جو دل آزار باتیں کہتے ہیں، آپ سے پہلے رسولوں سے بھی یہی کچھ کہا گیا تھا۔ لہٰذا آپ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ آپ کا رب آپ پر ایمان لانے والوں کو بخشنے والا اور آپ سے انکار کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ تو آپ کے دشمنوں کے لئے آپ کا رب ہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتا ہے

معلوم ہوا اللہ اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے۔ یعنی اگر حضور ﷺ پریشان ہوں تو قرآن اتار کر آپ کو خوش کرتا ہے اور قرآن کا ایک بڑا حصہ آپ کی دلداری و تسلی قلب کے لئے اتارا گیا ہے۔ کہیں فرمایا گیا: لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ''آپ ان کی باتوں سے غمزدہ نہ ہوں، بیشک سب عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (یونس، ۶۵) کہیں فرمایا گیا: لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ ''جو لوگ کفر میں تیزی دکھاتے ہیں آپ کو وہ غمزدہ نہ کر دیں۔'' (مائدہ، ۴۱) کفار نے آپ کو مجنون کہا، آپ پریشان ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے فرمایا: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ ''آپ اپنے رب کی نعمت کے صدقے مجنون نہیں ہیں۔'' (نون، ۲)

ابولہب نے آپ کی بے ادبی کرتے ہوئے کہا، اے محمد (ﷺ) تمہارا ہاتھ ٹوٹے کیا تم نے ہمیں اسی کام کے لیے

جمع کیا تھا؟ اللہ رب العزت کو اس کی گستاخی گوارا نہ ہوئی اور پوری سوت اللھب نازل فرمائی، اور فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔'' (اللھب،۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے فوت ہوئے تو کفار مکہ نے کہا یہ ابتر ہیں، یعنی ان کی نسل کٹ گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورہ کوثر نازل فرمائی اور فرمایا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۝۳ بیشک آپ کا دشمن ہی نسل بریدہ ہے۔

[31] قرآن کو عربی زبان میں اتارا گیا تو کفار عرب نے کہا: اسے محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود گھڑا ہے کیونکہ ان کی زبان عربی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اگر ہم قرآن کو کسی عجمی زبان میں اتارتے تو کفار عرب کہتے ہمیں تو اس کی سمجھ ہی نہیں آتی ہم پر اس کا مفہوم کھولا کیوں نہیں گیا؟ اور یہ بھی کہتے کہ دیکھو قرآن عجمی ہے اور جس شخص پر اسے اتارا گیا ہے وہ عربی ہے، تو عربی شخص پر عجمی کتاب کیوں اتاری گئی ہے۔ الغرض کفار کسی صورت اعتراض سے باز آنے والے نہیں۔ مگر جو لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں، ان کے لئے قرآن ہدایت ہے کہ انہیں زندگی کے تمام آداب سکھاتا ہے اور شفاء بھی ہے یعنی ان کی تمام روحانی و قلبی امراض کا علاج کرتا ہے، بلکہ بدنی امراض بھی دور کرتا ہے۔ اور جو لوگ قرآن کی صداقت سے واقف ہو کر بھی اسے نہیں مانتے ان کے کانوں میں بوجھ آ گیا ہے اور ان کے لئے قرآن روشنی کی بجائے اندھا پن بن گیا ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ قرآن سن کر انہیں یوں لگتا ہے جیسے انہیں دور سے پکارا جاتا ہے یعنی ان کے کانوں میں کوئی آواز آتی ہے مگر وہ اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کا فیصلہ

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ۝۴۵ مَنْ عَمِلَ

پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے مابین معاملہ نمٹا دیا جاتا اور وہ اس بارہ میں وسوسہ انگیز شک میں مبتلا ہیں۔[32] جو شخص

صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝۴۶

نیک عمل کرے وہ اس کے اپنے فائدے کے لئے ہے اور جو برائی کرے اس کا وبال اسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پہ ظلم نہیں فرماتا۔[33]

صداقتِ قرآن، ناشکریِ انسان اور علمِ رحمٰن

[32] کفار کا قرآن کی تضحیک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شاق گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی قلب کے لئے فرمایا اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی، تو اس میں قوم فرعون نے شدید اختلاف کیا۔ لہٰذا آپ کفار کا قرآن

سے اختلاف کرنے سے پریشان نہ ہوں۔ اور اگر اللہ نے یہ فیصلہ نہ کر دیا ہوتا کہ آپ کی بعثت کے بعد کفار پر وہ عذابات نہیں آئیں گے جو گزشتہ منکر قوموں پر آتے تھے، تو کفار کا معاملہ نمٹا دیا جاتا یعنی اب تک ان پر عذاب آچکا ہوتا۔ کیونکہ کفار قرآن کے بارہ میں ایسے شک میں مبتلا ہیں جو ان کو مسلسل وسوسے میں ڈالتا ہے مگر چونکہ ہم عذاب نہ اتارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اس لئے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ کیونکہ آپ رحمت بن کر آئے ہیں۔ معلوم ہوا حضور ﷺ کفار کے لئے بھی رحمت ہیں کہ آپ کے سبب ان سے دنیا میں عذاب اٹھ گیا۔

[33] کفار مکہ کے لیڈرز انہیں سمجھاتے تھے کہ تم بتوں کی عبادت نہ چھوڑو، اگر اس کی وجہ سے تم پر کوئی پکڑ آئی تو وہ ہم اپنے ذمہ لے لیں گے۔ اس کے رد میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہر شخص جو نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسے ضرور ملتا ہے اور جو وہ برائی کرے اس کا وبال اسی پر آتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی بھگتے، کہ یہ ظلم ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔

ایصالِ ثواب کی حقانیت

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ اور اس مفہوم کی دیگر آیات سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ ایصال ثواب کوئی چیز نہیں ہے، ہر شخص کو وہی نیکی ملتی ہے جو وہ خود کرے۔ حالانکہ ان آیات کا مقصد صرف یہ ہے کہ نیکی کرنے والے کو اس کا اجر ضرور دیا جاتا ہے اسے بلاوجہ ضائع نہیں کیا جاتا جیسے فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ''اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔'' (توبہ، ۱۲۰) مگر یہ ممکن ہے کہ ایک کی نیکی دوسرے کو بھی فائدہ دے دے، یہی ایصال ثواب ہے۔ اسی لئے نیک لوگوں کی دعا سے دوسرے لوگ بخشے جاتے ہیں اور قرآن بتاتا ہے کہ مومنین کی یہ دعا ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ ''اے ہمارے رب! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے۔'' (حشر، ۱۰) اور اسی لئے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

ایصال ثواب کے منکرین سے ہمارا سوال ہے کہ اگر کسی زندہ شخص کا عمل مرنے والے کو فائدہ نہیں دیتا تو پھر نماز جنازہ بیکار ہے۔ ایصال ثواب پر مزید مفصل گفتگو ان شاء اللہ سورہ نجم کے آخری رکوع کے تحت آئے گی۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ میں درس اخلاص بھی ہے کہ ہر نیکی کرنے والا اپنے فائدہ کے لئے نیکی کرتا ہے، تو پھر وہ دوسروں کو نیکی کیوں دکھاتا ہے اس نے ان پر اپنی نیکی سے کیا احسان کیا ہے۔

ایسی دین دشمن طاقتوں کا راستہ روکنے کے لیے مقامی سطح پر غیور مسلمانوں نے ملک وملت کا بھرپور دفاع کیا۔ جانیں قربان کیں لیکن اسلامی ممالک کے سربراہان نے اس میں بڑی سستی کی۔ مسلمان سربراہوں کو یہود ونصاریٰ کفار مشرکین کی ظالمانہ کاروائیوں کو روکنے کے لیے مضبوط لائحہ عمل طے کرنا چاہیے تا کہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کی جاسکے۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ط وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا

اللہ ہی کی طرف قیامت کا علم لوٹتا ہے، اور کوئی پھل اپنے گچھوں سے نہیں نکلتا

تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهٖ ط وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ أَيْنَ شُرَكَآءِيْ لا

اور نہ کوئی مادہ حمل اٹھاتی اور نہ جنتی ہے مگر وہ اس کے علم ہی سے ہوتا ہے اور جس دن وہ انہیں پکارے گا کہ میرے شریک

قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ لا مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ ج وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ

کہاں ہیں تو وہ کہیں گے: اے اللہ! ہم تجھ سے عرض گزار ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کا گواہ نہیں۔ اور جن خداؤں کو وہ پہلے پوجتے

مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾ لَا يَسْئَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ

تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ [34] انسان بھلائی مانگنے سے

الْخَيْرِ ز وَإِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ

نہیں تھکتا۔ اور اگر اسے برائی پہنچے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اسے اپنی طرف سے رحمت چکھائیں

بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ لا وَمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً لا وَّلَئِنْ

اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچے تو وہ ضرور کہتا ہے: یہ تو میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر (بالفرض)

رُّجِعْتُ إِلٰى رَبِّيْٓ إِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ج فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا

میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لئے اس کے ہاں بھلائی ہی ہے تو ہم کافروں کو ضرور بتائیں گے جو عمل

عَمِلُوْا ز وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾

انہوں نے کیا اور انہیں سخت ترین عذاب چکھائیں گے۔ [35]

[34] اللہ تعالیٰ اپنی وسعت علم بتا رہا ہے کہ وہی قیامت کا علم رکھتا ہے کہ کب آئے گی اور اس کی وسعت علم یہ ہے کہ پھلوں کے گچھوں سے جو پھل نکلے اور کسی مادہ کے رحم سے جو بچہ پیدا ہو، وہ اس کے علم ہی سے ہوتا ہے۔ تو ایسے علم والے رب کو چھوڑ کر مشرکوں کا بے جان و بے حس بتوں کو پوجنا کس قدر جہالت وضلالت ہے اور روز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے

پوچھے گا کہ وہ جھوٹے خدا کہاں ہیں جنہیں تم میرے شریک قرار دیتے تھے؟ وہ کہیں گے: اے اللہ! ہم عرض گزار ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی ان جھوٹے خداؤں کو نہیں پا رہا۔ کیونکہ وہ ان سے گم ہو چکے ہوں گے۔ تب انہیں یقین ہو گا کہ آج ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

حضور مختار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیامت کا علم دیا گیا ہے

یاد رہے قیامت کا علم اگر چہ حقیقتاً اللہ رب العزت ہی سے خاص ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی غیب مخفی نہیں رکھا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتا دیا کہ قیامت کی علامات کیا ہیں اور بتایا کہ وہ جمعہ کے دن قائم ہو گی دس محرم کا دن ہو گا۔ اور وہ عصر و مغرب کے درمیان قائم ہو گی اور امام صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا سے نہ گئے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ما کان وما یکون کا علم نہ دے دیا اور اس میں سے وقت قیامت کا علم بھی ہے مگر اللہ نے آپ کو اس کے چھپانے کا حکم دیا۔ (تفسیر صاوی جلد ۴ صفحہ ۲۸ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

اور امام سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیامت کا تفصیلی علم دیا کہ وہ کب آئے گی اور اس کا کیا وقت ہو گا مگر آپ کو چھپانے کا حکم بھی دیا۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۳ زیر سورہ لقمان آیت ۳۴ مطبوعہ دار احیاء)

[35] یہاں لَا یَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ میں انسان سے کافر شخص مراد ہے جیسا کہ آگے وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً اور فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا کے الفاظ سے ظاہر ہے یعنی کافر، اللہ تعالیٰ سے دنیا کی بھلائی مانگتے نہیں تھکتا، مگر جب اسے تکلیف آئے تو وہ اللہ سے مایوس ہو جاتا ہے۔ تکلیف میں اللہ کو لمبے ہاتھ کر کے پکارتا ہے، جب تکلیف کے بعد رحمت مل جائے تو کہتا ہے یہ تو میرا حق تھا جو مجھے ملا اس میں اللہ کا کیا تعلق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی اور اگر آئی تو مجھے وہاں بھلائی ہی ملے گی۔ یہ کفار کی اسی حالت کا بیان ہے کہ جب وہ سمندری سفر میں ڈوبنے لگتے تو اللہ کو پکارتے۔ جب اللہ انہیں ساحل پر لے آتا تو پھر اللہ کو چھوڑ کر اپنے بتوں کو پوجنے لگتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کافروں کا ہر عمل انہیں بتائیں گے اور انہیں سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ معلوم ہوا یہ کافر ہے جو صرف مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے، مومن کا حق ہے کہ ہر حالت میں اللہ کو پکارے۔

وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ

اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ منہ پھیرتا اور اپنی طرف ہٹ جاتا ہے اور جب اسے برائی پہنچے تو لمبی چوڑی دعائیں

عَرِيۡضٍ ۝۵۱ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ مَنۡ

کرنے لگتا ہے [36] آپ فرما دیں کہ ذرا بتاؤ اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہے پھر تم اس سے انکار کرتے ہو تو اس

اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ۝۵۲ سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ

سے بڑا گمراہ کون ہے جو دور کے جھگڑے میں پڑا ہو۔[37] ہم عنقریب انہیں عالم بھر میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور خود

اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ

ان کے اندر بھی، یہاں تک واضح ہو جائے کہ قرآن حق ہے۔[38] کیا یہ بات کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز

شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۝۵۳ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ

پر گواہ ہے۔ خبردار وہ اپنے رب سے ملاقات کے بارہ میں مبتلائے شک ہیں۔ خبردار وہ ہر چیز کو گھیرے

مُّحِيۡطٌ ۝۵۴ ع

ہوئے ہے۔[39]

ع ۶

[36] یہ گزشتہ آیات کا مضمون برائے وضاحت دوبارہ لایا گیا ہے۔

[37] منکرین قرآن کو مزید سمجھایا گیا ہے کہ اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور تم اس سے انکار کرتے ہو تو سوچ لو کہ حق کے مقابلہ میں دور کا جھگڑا کرنے والوں کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔

[38] یعنی ہم کفار کو کائنات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی، حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ کا قرآن سچا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فِى الۡاٰفَاقِ کا معنی یہ ہے کہ کفار کو گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات بتائے گئے اور وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ یہ ہے کہ خود ان کو بیماریوں اور مصائب میں مبتلا کر کے متنبہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ حق کی طرف توجہ کریں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ فِى الۡاٰفَاقِ سے گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ سے کفار کا بدر اور اس کے بعد جنگوں میں شکست سے دوچار کیا جانا مراد ہے۔ کلبی کے نزدیک فِى الۡاٰفَاقِ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف علاقوں پر اور فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ سے خود کفار مکہ کے مسکن مکہ پر قبضہ کرنا مراد ہے۔ اور

حضرت عطا اور ابن زید کے نزدیک فِي الْاٰفَاقِ سے یہ مراد ہے کہ ارض و سما، شمس وقمر اور نباتات و اشجار میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتیں دکھاتا ہے اور فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ سے یہ مراد ہے کہ خود انسانی جسم کے اعضاء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں، جنہیں دیکھ کر وہ یقین کر سکتا ہے کہ اللہ ہی کائنات کا اور انسان کا خالق ہے اور اس کا کلام سچا ہے (یہ معنی سب سے خوب ہے)۔

عالم کبیر اور عالم صغیر کی وضاحت

عارف ربانی امام اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اٰفَاقِ سے عالم کبیر یعنی کائنات مراد ہے اور اَنْفُسِهِمْ سے عالم صغیر یعنی خود انسان کا وجود، اور اللہ دونوں عالم میں انسان کو اپنی قدرتیں دکھاتا ہے۔ چنانچہ انسان کا جسم عرش کی طرح ہے، اس کا نفس کرسی کی طرح، اس کا قلب بیت معمور کی طرح، اس کے لطائف قلبیہ جنت کی طرح، اس کے قوائے روحانیہ فرشتوں کی طرح، اس کی دو آنکھیں، دو کان، ناک کے دو سوراخ، خروج غلاظت کے دو راستے، دو چھاتیاں، ناف اور منہ بارہ بروج کی طرح ہیں اور اس کی قوت باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامعہ، لامسہ، ناطقہ اور عاقلہ سات ستاروں کی طرح ہیں، اور جیسے عالم کبیر میں تین سو ساٹھ دن ہیں یونہی عالم صغیر (انسان کے جسم) میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور جس طرح عالم کبیر میں زمین، پہاڑ، معادن، سمندر، نہریں، جداول اور راستے ہیں۔ اسی طرح انسانی جسم زمین کی طرح ہے، اس کی ہڈیاں پہاڑوں کی طرح، اس کا مغز معادن کی طرح، اس کا جوف سمندر کی طرح، اس کی آنتیں نہروں کی طرح، اس کے پٹھے راستوں کی طرح، اس کی چربی مٹی کی طرح اور چربی سے اُگنے والے بال درختوں اور نبات کی طرح ہیں۔ (روح البیان جلد ۸ صفحہ ۲۸۲) یعنی خود انسان کا وجود آفاق کی طرح ایک عالم ہے اور جس قدر اللہ کی نشانیاں آفاق میں ہیں اسی قدر خود انسان میں ہیں۔

[39] اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کے جملہ احوال سے آگاہ اور اس پر گواہ ہے اور کفار سمجھتے ہیں کہ وہ روز قیامت اللہ کے حضور پیش نہیں ہوں گے یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو اپنی طاقت وقدرت سے گھیر رکھا ہے وہ سب کو روز قیامت لے آئے گا۔

الحمد للہ آج 15 رجب المرجب 1429ھ بمطابق 18 جولائی 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر سورہ حم سجدہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ الشوریٰ

سورۃ الشوریٰ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 42ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 61ویں سورت ہے۔حٰم سے شروع ہونے والی سات سورتیں ہیں جن میں سورہ شوریٰ تیسرے نمبر پر ہے،ان کو حوامیم کہا جاتا ہے۔یہ سب سورتیں ایک ساتھ اسی ترتیب سے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور ان کے مضامین بھی ایک جیسے ہیں،یعنی سب میں دلائلِ توحید، حقانیتِ رسالتِ محمدیہ،قرآن کا منزل من اللہ ہونا، قیامت کا برحق ہونا، جنت و نار کا منظر نامہ وغیرہ۔اسے سورہ شوریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ۔ یعنی مومنوں کا ہر معاملہ ان کے باہمی مشورہ سے ہونا چاہیے۔(آیت،۳۸) چونکہ یہ الفاظ اسی سورت میں ہیں تو اسی مناسبت سے اسے سورہ شوریٰ کہا گیا۔

مضامین

اس سورت میں پانچ (5) رکوعات،ترپن (53) آیات،آٹھ سو ساٹھ (860) کلمات اور تین ہزار پانچ سو اٹھاسی (3588) حروف ہیں۔

اس سورت کے پہلے رکوع میں انزال وحی کی بات ہے،حقانیتِ قرآن کی بات ہے۔دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کا خالق کائنات ہونا اور قیام قیامت جیسے امور زیر بحث آئے ہیں۔تیسرے رکوع میں انسان کو اپنی نیت کی درستگی کا درس دیا گیا ہے،اور شان اقربائے رسول ﷺ بتائی گئی ہے وغیرہ۔چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کے دلائل ہیں اور مسلمانوں کے امیر کے تقرر کا طریقۂ کار بیان ہوا ہے اور آخری رکوع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ہی ہر کام کا مختار و کارساز ہے اور پھر اقسام وحی پہ بات ہوئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۵۳ ۴۲ سُوۡرَةُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّةٌ ۶۲ رکوعاتها ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ ۞ کَذٰلِكَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡكَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ

حا، میم، عین، سین، قاف [1]اسی طرح اللہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والے رسولوں کی طرف وحی فرماتا ہے۔[2] وہ

الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۞ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِیُّ

غالب ہے حکمت والا ہے۔ اسی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ بلند ہے

الۡعَظِیۡمُ ۞ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ

عظمت والا ہے۔ قریب ہے کہ ان پر سارے آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی

یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ

حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔ سن لو کہ اللہ ہی بخشنے والا

هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۞

رحم فرمانے والا ہے۔[3]

صفات خدا جل وعلا اور عمومیت رسالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[1] حٰمٓ عٓسٓقٓ یہ پانچ حروف مقطعات ہیں۔قرآن مجید میں پانچ سے زائد اکٹھے حروف مقطعات کہیں نہیں ہیں، ایک اور جگہ بھی پانچ حروف مقطعات ہیں یعنی سورہ مریم کے آغاز میں کٓھٰیٰعٓصٓ، مگران دونوں میں فرق یہ ہے کہ حٰمٓ اور عٓسٓقٓ الگ الگ آیات ہیں اور کٓھٰیٰعٓصٓ ایک ہی آیت ہے۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ یہ پانچوں حروف اللہ تعالیٰ کی صفات واسماء سے رموز ہیں جیسے حاء حکیمٌ حلیمٌ حمیدٌ وغیرہ سے، میم مؤمنٌ، مھیمنٌ ملِكٌ وغیرہ سے، عین

علیمٌ عظیمٌ عزیزٌ وغیرہ سے، سین سلامٌ سمیعٌ ستارٌ سے اور قاف قدیرٌ قابضٌ قیومٌ وغیرہ سے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفات کی قسم یاد کر کے اگلا مضمون شروع فرمایا۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول! آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والے رسولوں کی طرف اللہ ہی وحی فرمانے والا ہے جو غالب ہے اور حکمت والا ہے اور وہ اپنی حکمت کے مطابق جس پہ چاہے وحی نازل فرمائے، اس سے یہ نہیں پوچھا جاسکتا کہ اس نے فلاں شخص ہی کو کیوں رسول بنایا ہے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد وحی اور نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے

یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ سے یہ واضح ہو گیا کہ وحی حضور ﷺ پر نازل ہوئی یا آپ سے قبل نازل ہوئی، یعنی حضور ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اگر وہ ختم نہ ہوا ہوتا تو اس کے ساتھ و الی الذین من بعدك بھی ضرور فرمایا جاتا، یعنی یہ بھی فرمایا جاتا کہ آپ کے بعد بھی اللہ وحی نازل فرمائے گا، مگر یہ نہ فرمایا جانا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ آپ کے بعد کوئی وحی نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ ”اور جو لوگ اس پہ ایمان لاتے ہیں جو آپ پہ نازل کیا گیا اور جو آپ سے قبل نازل کیا گیا اور وہ آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔“ (بقرہ، ۴)

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ ”اور ہم نے آپ سے قبل کچھ مردوں ہی کو رسول بنایا ہم ان کی طرف وحی فرماتے تھے۔“ (نحل، ۴۳۔ الانبیاء، ۷)

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی وحی نہیں ہے اور جب وحی نہیں تو نبوت کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں، اسی لیے آپ کو خاتم النبیین فرمایا گیا اور آپ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا: انا خاتم النبیین لا نبی بعدی، ”میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ (سنن ابی داود کتاب الفتن باب ۱)

نزولِ وحی کے بارہ میں مرزا قادیانی کی قلابازی

مرزا غلام احمد قادیانی نے 1901ء میں دعوی نبوت کیا۔ اس سے قبل وہ اپنی کتب میں بہت شد و مد کے ساتھ کہتا تھا کہ وحی اور نبوت کا دروازہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بند ہے۔ اس کی چند عبارات پیش خدمت ہیں:

”اور کیونکر ممکن ہے کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت کی شرائط میں سے ہے، آسکتا ہے، لیکن وحی نبوت پہ تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟“

(ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ لندن)

ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ کیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح آیا ہے کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول ﷺ ہمیشہ کے لیے وحی نبوت کے لانے سے منع کر دیے گئے ہیں تو

پھر کوئی شخص بحیثیتِ رسالت ہمارے نبی ﷺ کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔ (ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۱۲)

اے لوگو اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔ (آسمانی فیصلہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۳۵)

مگر اس کے بعد مرزا قادیانی نے بڑے شد و مد کے ساتھ دعوی نبوت اور دعوی وحی کر دیا اس نے کہا:

میں جیسا کہ قرآن کی آیات پہ ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر بھی ایمان لاتا ہوں، جو مجھے ہوئی۔ جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پہ نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ (ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۰)

اب مرزا قادیانی کی اپنی سابقہ تحریرات کی روشنی مرزائیوں سے پوچھا جانا چاہیے کہ کیا اب اللہ تعالیٰ صادق الوعد نہیں رہا؟ وحی نبوت پہ اللہ نے چودہ سو سال قبل جو مہر لگائی تھی وہ اب کیسے ٹوٹ گئی ہے؟ کیا مرزا قادیانی اپنی تحریر کی روشنی میں قرآن کا دشمن ہے یا نہیں، اور وہ خدا کی شرم سے عاری تھا یا نہیں؟

[3] یعنی کفار اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ماننے کی صورت میں جو شرک کرتے ہیں یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ قریب ہے اس کی وجہ سے ان پر سارے آسمان پھٹ پڑیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں اس لئے کہ انہوں نے رحمان کے لئے اولاد مانی ہے۔“ (مریم، ۹۰) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ وقت قریب ہے جب آسمان پھٹ جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ (انفطار، ۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل زمین کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں یعنی وہ اہل زمین میں سے کفار کے لئے ایمان قبول کرنے اور مومنین کے لئے گناہوں کی بخشش کی دعا کرتے ہیں، جبکہ فرشتوں میں سے حاملین عرش خصوصی عظمت کے حامل فرشتے ہیں وہ صرف مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ”عرش کو اٹھانے والے اور عرش کے گرد (طواف کرنے) والے (فرشتے) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہتے اور اس پر ایمان لاتے اور ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے ہیں۔“ (مومن، ۷)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَاۤ اَنْتَ
اور جنہوں نے اللہ کے سوا مددگار بنا لئے اللہ ان پر نگران ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں [4] اور اسی طرح ہم نے
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ
آپ کی طرف عربی قرآن وحی کیا ہے تاکہ آپ بستیوں کی اصل (مکہ مکرمہ) اور اس کے آس پاس کو ڈرائیں اور اس دن
الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ
(یعنی قیامت) سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں۔ اس دن ایک گروہ جنت میں ہو گا
وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝۷ وَلَوْ شَاۤءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
ایک دوزخ میں۔ [5] اور اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ جسے چاہے
يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۤءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ
اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی حامی نہیں نہ مددگار۔ کیا انہوں نے اللہ کے مقابل
وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ
مددگار بنا لئے ہیں؟ تو اللہ ہی مددگار ہے، وہ مردوں کو زندہ کرے گا
الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹ ع
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔[6]

[4] یعنی جھوٹے خداؤں کو اپنا کارساز و مددگار بنانے والوں کو اللہ دیکھ رہا ہے اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ انہیں ہر صورت ہدایت دیں، آپ کا کام صرف ان تک پیغام کا پہنچانا ہے۔

بعض انتہاء پسند لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پکڑنا ان کو اللہ کے سوا مددگار بنانا ہے، لہٰذا ایسا کرنے والے لوگ مشرک ہیں۔ مگر یہ استدلال سخت انتہاء پسندی و گمراہی ہے۔ اس آیت کی تفسیر ان آیات سے ہوتی ہے:

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۤءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ ''انہوں نے اللہ کو چھوڑ

کرشیاطین کواپنے مددگار بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔'' (اعراف، ۳۰) اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِىۡ وَهُمۡ لَـكُمۡ عَدُوٌّ ؕ ''کیاتم شیطان اور اس کی ذریت کو میرے مقابلہ میں اپنے مددگار سمجھتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔'' (الکہف:۵۰)

گویااس آیت میں کفار کی شیطان پرستی کا رد کیا گیا ہے اور مشرکین کی بت پرستی اصل میں شیاطین پرستی تھی، کیونکہ ہر بت کے ساتھ ایک شیطان تھا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہے: بَلۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ‌ ۚ اَكۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۴۱ ''وہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں ان میں اکثر انہی پہ ایمان رکھتے ہیں۔'' (سبا،۴۱) لہٰذا اس آیت کو انبیاء واولیاء کے توسل کے خلاف پڑھنا قرآن سے زیادتی کرنا ہے۔

[5] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن وحی کیا ہے تاکہ آپ بستیوں کی اصل مکہ اور اس اصل کے گرد چاروں اطراف میں پھیلی ہوئی ساری زمین کے لوگوں کو ڈرائیں تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی سے باز آئیں اور قیامت کی پکڑ سے ڈرائیں، جو جمع ہونے کا دن ہے۔ تب سب لوگ جمع ہوں گے پھر کچھ جنت میں جائیں گے کچھ جہنم میں۔

قرآن کی زبان صرف عربی ہے، اور حفاظتِ قرآن

قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا سے معلوم ہوا عربی سے ہٹ کر جو ہو وہ قرآن کا ترجمہ یا تفسیر ہے، مگر قرآن نہیں ہے۔ اس لئے نماز میں قرآن صرف عربی ہی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اور قرآن کی زبان صرف عربی اس لیے رکھی گئی تاکہ قرآن محفوظ رہے اور اس میں کوئی تحریف وتغیر نہ ہو سکے۔ تورات وانجیل کی ایک زبان نہ تھی اس لیے لوگوں نے اس کو ایک زبان سے دوسری اور دوسری سے تیسری میں تبدیل کیا اور ہر بار ترجمہ کرنے والوں نے اس میں وہ تغیر کیا کہ الامان۔ مگر الحمد للہ قرآن مجید اس سے محفوظ ہے، کیونکہ اس کی زبان صرف ایک ہے یعنی عربی۔ اگر قرآن کی ایک زبان نہ رکھی جاتی تو اس میں وہی تحریف وتغیر ہو جاتا جو پہلی کتابوں میں ہوا۔

مکہ ساری زمین کا اصل اور مرکز ہے

یہاں فرمایا گیا: لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا تاکہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں، یعنی مکہ کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ساری روئے زمین کے انسانوں کو ڈرائیں۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ روایات کے مطابق پہلے زمین کو ایک چھوٹی سی ٹکی کی صورت میں پیدا کیا گیا پھر اسے پھیلا کر اتنا وسیع کر دیا گیا اور جس نقطہ سے اسے پھیلایا گیا وہاں کعبہ شریف کو رکھا گیا۔ گویا کعبہ زمین کا مرکز ہے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۷۰) اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا ''ہم نے زمین کو پھیلا دیا۔'' (حجر،۱۹) وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰٮهَا ۝۳۰ ''اور اس کے بعد اللہ

نے زمین کو پھیلا دیا۔'' (نازعات، ۳۰) اور بلاشبہ آج مکہ معظّمہ ساری زمین کا وسط نظر آتا ہے اور دنیا کے تمام براعظم اس کے آس پاس واقع ہیں۔ اس کے جنوب میں افریقہ، اس کے شمال میں رشیا، اس کے مشرق میں ایشیا اور اس کے مغرب میں یورپ و امریکہ ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کو دنیا کے سنٹر میں بھیجا گیا، کیونکہ یہاں سے اٹھنے والی دعوتِ توحید ورسالت نے ساری دنیا میں پھیلنا تھا تو اس کے لیے مرکزی مقام کو چنا گیا۔ پھر کعبۃ اللہ کو ساری زمین کے لیے قبلۂ نماز اور مرکز حج بنایا گیا، تاکہ ساری زمین کے لوگ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور حج کے لیے آسکیں۔ تو اس مقصد کے لیے بھی مرکز زمین کا انتخاب ہی مناسب تھا۔

نبی کریم ﷺ کی عالم گیر رسالت اور ختم نبوت

لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا سے معلوم ہوا حضور سید کائنات ﷺ مکہ اور اس کے گرد تمام روئے زمین کے لئے ڈرانے والے ہیں اور دوسری جگہ واضح فرمایا گیا: قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ''اے نبی فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' (اعراف، ۱۵۸) لہٰذا آپ رہتی دنیا تک ہر انسان کے لیے رسول ہیں اور آپ کے بعد کسی نئے رسول یا نبی کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک دن اور رات طلوع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا گھر نہیں چھوڑے گا جس میں یہ دین داخل نہ ہو جائے خواہ کسی عزت والے کو عزت ملے یا ذلت والے کو ذلت۔''

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

جب رسول اللہ ﷺ ہی کے فیض سے دنیا کے ہر گھر میں دین اسلام داخل ہو جائے گا تو پھر آپ کے بعد کسی نئے نبی کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اس وعدہ کی تکمیل کے لیے دنیا میں دوبارہ آئیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عالم ارواح میں لیا تھا: لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ کہ اے انبیاء کرام (علیہم السلام)! تم رسول اکرم ﷺ پہ ضرور ایمان لانا اور ضرور ان کی مدد کرنا۔ (آل عمران، ۸۱)

[6] اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو زبردستی مسلمان کر کے سب کو ایک امت (امت مسلمہ) بنا دیتا مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ زبردستی کے اسلام کا فائدہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیدیتا ہے اور وہ اسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے جو حق کے مقابلہ میں ضد سے کام نہ لے یعنی راہ حق اسی کو دکھایا جاتا ہے جو آنکھیں کھلی رکھے اور ان پر پٹی نہ باندھ لے۔ جبکہ ظالموں یعنی دین کے دشمنوں کا کوئی حامی و ناصر نہیں، انہوں نے شیاطین و جنات کو اپنے اولیاء یعنی جھوٹے خدا بنالیا ہے حالانکہ اللہ ہی حامی و ناصر اور معبود ہے۔ وہ قیامت کو مردے زندہ کرے گا کہ وہ قادر مطلق ہے۔

وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىۡ عَلَيۡهِ

اور تم جس بھی چیز میں اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے وہ اللہ ہی میرا رب ہے، میں اسی پر

تَوَكَّلۡتُ ۖۗ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ

بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع لاتا ہوں [7]، وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، اس نے تمہارے لئے

اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ ؕ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ

تمہاری جنس سے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے جوڑے بنائے، وہ تمہیں اسی طریقہ پر پیدا کرتا ہے،

شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يَبۡسُطُ

اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے [8] اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں وہ جس کے لئے

الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝۱۲ شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ

چاہے رزق کو کشادہ اور تنگ کرتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [9] اس نے تمہارے لئے

الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ

وہی دین جاری کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح (علیہ السلام) کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کی وصیت

وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰۤى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَى

ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کی تھی کہ دین قائم کرو [10] اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں پہ وہ (دین)

الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ ؕ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ

بہت بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو [11] اللہ جس کو چاہے اپنے قرب کے لئے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف

اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا

جھکے اسے وہ اپنی طرف راہنمائی دیتا ہے۔ اور انہوں نے تفرقہ بازی نہ کی مگر بعد ازاں کہ ان کے پاس علم آ گیا تھا، باہمی سرکشی کے سبب،

بَيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ

اور اگر تمہارے رب کی طرف سے مقرر وقت تک (عذاب کے نہ آنے کا) فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا تو ان کا معاملہ نمٹا دیا جاتا [12]

وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾

اور جن لوگوں کو انبیاء کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا، وہ اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں۔ [13]

صفاتِ خداوندی، دعوتِ حق اور فکرِ آخرت

[7] گزشتہ آیات میں کہا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب انسانوں کو ایک امت یعنی امت مسلمہ بنا دیتا، مگر اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ یعنی دین میں اختلاف ہمیشہ رہا ہے اور رہے گا۔

اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم دین کے بارہ میں جو اختلاف رکھتے ہو اس میں حق و باطل کا فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے اور آپ کہہ دیں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

شریعتِ اسلامیہ کو چھوڑ کر کسی غیر اسلامی قانون کا اپنانا جائز نہیں ہے

اس جگہ وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ سے معلوم ہوا مومن کے لئے اللہ کے قانون کو چھوڑ کر کسی غیر اسلامی قانون کا اپنانا جائز نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔'' (مائدہ، ۴۵) اس سے اگلی آیت نمبر 46 میں فرمایا گیا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے ظالم ہیں پھر اس سے اگلی آیت 47 میں فرمایا گیا کہ ایسے لوگ فاسق ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مومن اپنے ہر اختلافی معاملہ میں اللہ جل وعلا کے قانون کو حاکم بناتا ہے۔

اور یہی مفہوم ایک مقام پہ یوں بیان فرمایا گیا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿۶۵﴾ ''قسم ہے آپ کے رب کی! وہ مومن نہیں بن سکتے حتی کہ اپنے مابین اٹھنے والے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارہ میں اپنے دل میں کوئی کھٹکا محسوس نہ کریں اور یوں مانیں جیسے ماننے کا حق ہے۔'' (نساء، ۶۵)

یہ مقام افسوس ہے کہ آج دنیا میں پچاس سے زائد اسلامی ممالک ہیں، مگر کسی ملک میں اسلامی شریعت کا مکمل نفاذ

نہیں ہے۔بعض ممالک میں کچھ احکام کا نفاذ ہے۔احکام اسلام میں سب سے بڑی چیز اقامت صلوۃ ہے۔ایک حاکم اسلامی کا سب سے پہلا فریضہ اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا ہے کہ وہ نماز کا نظام قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ یعنی ''اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں۔'' (سورہ حج،۴۱) مگر کسی اسلامی ملک میں اقامت صلوۃ کا طریقہ نافذ نہیں ہے۔

پھر احکام اسلام میں سے خارجی محاذ پہ جہاد کا قیام بہت اہم ہے، جب بھی کفار اہل اسلام پہ چیرہ دستی کریں تو ان پہ کفار کے خلاف جہاد فرض ہے۔مگر آج کوئی مسلم حکمران جہاد کا نام لینے کو تیار نہیں ہے۔کشمیر،فلسطین،عراق،افغانستان اور پاکستان میں کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے،مگر کسی میں بات کرنے کی جرأت نہیں ہے۔

[8] یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس کی جنس سے اس کی بیوی بنائی ہے اور اس نے جانوروں میں بھی نر و مادہ کے جوڑے بنائے ہیں اور وہ انسانوں کی نسل کو اسی طرح بڑھاتا ہے اور اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔لہٰذا کوئی اسے اپنے جیسا نہ سمجھے وہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔

یہ اس لئے فرمایا گیا کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو بڑے بادشاہ جیسا سمجھتے تھے اور اپنے دوسرے جھوٹے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے گورنروں جیسا قرار دیتے تھے کیونکہ ان کے زعم میں اللہ کائنات کو اکیلا نہیں چلا سکتا تو اس نے اپنے گورنر بنا رکھے ہیں جو اس کا نظام چلاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔اور اس جیسا کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جسم وجسمانیات سے پاک ہونا

لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ سے معلوم ہوا کہ اللہ جسم وجسمانیات سے پاک ہے۔اگرچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھوں اور چہرے اور آنکھوں کا ذکر ہے مگر ایسی آیات متشابہات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے جیسے جسمانی ہاتھ اور دیگر اعضاء کا ماننا کفر ہے۔دوسری جگہ فرمایا: لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ''اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں۔'' (انعام،۱۰۳) یعنی چونکہ وہ جسم سے پاک ہے اس لئے نگاہ میں نہیں آسکتا۔پھر اللہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾ ''اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔'' (آل عمران،۹۷) اگر اس کا جسم ہو تو وہ بے نیاز نہ ہوا، وہ کسی جگہ پہ بیٹھنے کے لیے جگہ کا محتاج ہوگیا، حالانکہ وہ اس سے پاک ہے۔

[9] زمین وآسمان کے خزانوں کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں لہٰذا اللہ جس کے لئے چاہے رزق کو تنگ یا کشادہ کردے وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے یعنی جانتا ہے کہ اس نے کس کو کتنا رزق دینا ہے۔

اس سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) درس توکل:

جب اللہ ہی رزق کو تنگ یا کشادہ کرتا ہے تو رزق کے لئے ظالم حاکموں اور بدعمل امیروں کی خوشامد کرنا خسارہ عظمیٰ ہے۔اور توکل راہِ سلوک ومعرفت کا سب سے اہم زادِراہ ہے،تو مریدین کی روحانی اصلاح کے دعویدار اور مسندِ ارشاد پہ بیٹھے ہوئے صوفیاء ومشائخ ، ایسے ہی مسلمانوں کو دین کی تبلیغ کرنے والے علماء اگر یہی حرکتیں کریں تو پھر دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔

(2) تلقین صبر:

جب اللہ ہی رزق کا کھولنے والا ہے تو حرام رزق کما کر اپنی عاقبت خراب کرنا سراسر تباہی ہے۔

(3) ردسیکولرزم:

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نظام کائنات ازخود نہیں چل رہا، اللہ کے چلانے سے چل رہا ہے۔

[10] یعنی سب انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ایک ہی دین اتارا گیا اور وہ دین اسلام ہے اور انہیں کہا گیا کہ اس دین کو زمین پر قائم کرو۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ”اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہے۔“ (آل عمران:۱۹) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”انبیاء باہم علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔“ (بخاری ۳۴۴۳) اسی لیے فرمایا گیا: ھُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَفِیۡ ھٰذَا ”اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس کتاب میں اور اس سے پہلے بھی۔“ (حج،۷۸)

[11] دین میں تفرقہ ڈال کر اسے کمزور مت کرو، یہ دین مشرکوں پہ بہت بھاری ہے۔تو اللہ اپنی طرف جسے چاہے اپنا قرب اور راہ دیتا ہے یعنی اسے دین کا علمبردار اور پہریدار بنا دیتا ہے۔

دین میں تفرقہ بازی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

یاد رہے دین میں تفرقہ ڈالنا یہ ہے کہ اس کو اپنی رائے پر اتارنے کی کوشش کی جائے۔ جیسے آج کئی گمراہ فرقے قرآن و حدیث کی واضح نصوص کو پس پشت ڈال کر قرآن کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ یہیں سے تفرقہ جنم لیتا ہے۔ضروری ہے کہ قرآن کریم کو اسی مفہوم میں سمجھا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ جن پر قرآن نازل ہوا اور ضروری ہے کہ قرآن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں سمجھا جائے جن کے درمیان قرآن نازل ہوا

مثلاً لفظ خاتم النبیین کا معنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری نبی بیان کر دیا ہے۔آپ نے فرمایا: انا خاتم النبیین لانبی بعدی (متفق علیہ) مگر گمراہ لوگوں نے اس کا معنی سب سے افضل نبی کر کے الحاد کا راستہ ہموار کیا۔

اسی طرح وَمَآ اُھِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ (البقرہ، آیت ۱۷۳) کا معنی وہ جانور ہے جو غیر خدا کے نام پہ ذبح کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی مروی ہے۔ مگر گمراہ لوگوں نے اس کا معنی بگاڑ کر کہا: ہر وہ چیز جو غیر خدا کے نام پہ بطور قربت مختص کی جائے ، یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ بولے۔اسی طرح انہوں نے ختم شریف ، گیارہویں اور میلاد وغیرہ

پہ تیار کیے جانے والے طعام کوحرام قرار دیا، اسی طرح تفرقہ بازی شروع ہوتی ہے۔

[12] گزشتہ آیت میں دین میں تفرقہ ڈالنے سے منع کیا گیا تھا۔ اب فرمایا جار ہا ہے کہ پہلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا حالانکہ ان کے پاس علم الٰہی آ گیا تھا۔ چنانچہ آج عیسائیوں میں بے شمار فرقے ہیں، کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو عین اللہ کوئی ابن اللہ اور کوئی تیسرا خدا مانتا ہے۔ پھر وہ اپنی گمراہی کے باوجود دین حق کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا کہ بعثتِ محمدیہ کے بعد پہلی قوموں جیسے عذابات نہیں آئیں گے تو ان کی دین دشمنی کے باعث ان کا معاملہ نمٹا دیا جاتا۔

[13] یعنی یہود و نصاریٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کتاب کے وارث ہوئے۔ آج وہی دین حق کے بارہ میں گہرے شک میں مبتلا ہیں حالانکہ ان کی کتابیں انہیں واضح بتاتی ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں، اس کے باوجود شیطان نے انہیں وسوسے اور شک میں ڈال دیا ہے۔

یہاں اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے پیچھے اپنی کتاب کی وراثت چھوڑتے ہیں مال و اسباب کی نہیں۔ اور بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، عباس، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو گواہ بنا کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہم گروہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے، تو سب نے گواہی دی کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الخمس باب ۱ مسلم کتاب الجہاد حدیث ۴۹، ابوداؤد کتاب الخراج باب ۱۸، نسائی کتاب الفی، باب ۹، ترمذی کتاب السیر باب ۴۴)

اور اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علماء وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں بلکہ ان کی احادیث ہیں، جس نے یہ لے لیں اس نے بڑا خزانہ لے لیا۔

(اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۲ کتاب فضل العلم مطبوعہ تہران)

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ

اس لئے آپ (دین کی) دعوت دیں اور ثابت قدم رہیں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات پہ نہ چلیں اور فرمادیں کہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ

اللہ نے جو بھی کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے تمہارے مابین عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ ہمارا

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ

اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں ہونی چاہیے۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿١٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ

اللہ ہمیں جمع کریگا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ [14] اور جو لوگ اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہیں بعد ازاں کہ اللہ کی دعوت قبول ہو چکی، ان کی

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾

حجت بازی ان کے رب کے ہاں باطل ہے۔ ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے [15] اللہ وہ ہے

اَللّٰهُ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا، اور تم کیا جانو ممکن ہے قیامت

قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قریب ہو [16] قیامت کی جلدی وہی مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو اس پر

مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى

ایمان رکھتے ہیں، وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے، خبردار جو لوگ قیامت کے بارہ میں

السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ

جھگڑتے ہیں وہ یقیناً کھلی گمراہی میں ہیں [17] اللہ اپنے بندوں پہ لطف و کرم فرمانے والا ہے، وہ جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے

وَهُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾

اور وہ قوت والا عزت والا ہے[18]

[14] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ حکم ربانی کے مطابق استقامت کے ساتھ دین کی دعوت دیتے رہیں اور فرمادیں کہ میں اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی ہر کتاب پر ایمان لاتا ہوں، خواہ وہ تورات ہو زبور ہو انجیل ہو یا قرآن اور میرا کام لوگوں میں عدل کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہے (اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے) اور اگر تم یہ منصفانہ دعوت نہ مانو تو اللہ ہمارا تمہارا رب ہے، ہم اپنا کام کرتے ہیں تم اپنا کام کرو، کسی جھگڑے کی ضرورت نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا کیونکہ سب نے اس کی طرف لوٹنا ہے وہاں وہ فیصلہ کردے گا کہ کون سچا ہے کون جھوٹا ہے۔

[15] اس کے باوجود جو لوگ اللہ کے بارہ میں حجت بازی کریں یعنی اس کا وجود نہ مانیں یا اس کے ساتھ جھوٹے خداؤں کو ملائیں، ان کی حجت بازی باطل ہے۔ کیونکہ جن مومنین کے نصیب میں اللہ کی دعوت کا قبول کرنا تھا، وہ قبول کر چکے اور حجت بازی کرنے والوں کے لئے اللہ کا غضب اور عذاب شدید ہے۔

[16] کفار مکہ بطورِ تمسخر پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قیامت سے قبل اس کی تیاری بھی تو چاہیے اور اس کی تیاری یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور میزان عدل یعنی شریعت پر عمل کیا جائے۔ رہی قیامت تو ممکن ہے وہ قریب ہو، ممکن ہے کا لفظ اس لئے بولا گیا کہ بظاہر قیامت قریب دکھائی نہیں دیتی، مگر اللہ کے علم میں وہ قریب ہے۔

قیامت کے بارہ میں امام ابن عربی کا کشف اور امام احمد رضا کا حساب جفر

یادرہے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے دونوں وقت یعنی 1837ھ میں سلطنت اسلامی کا ختم ہونا اور 1900ھ میں امام مہدی کا ظہور فرمانا سید المکاشفین شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اخذ کیے ہیں۔ چند سطور کے بعد مزید فرماتے ہیں: میں نے انہی کے کلام سے 1900ھ میں ظہور امام مہدی اخذ کیا ہے۔ (ملفوظات حصہ اول صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ کراچی) مگر یہ بھی ظہور امام مہدی کی بات ہے رہی قیامت تو اسکا صحیح وقت اللہ ہی جانتا ہے۔

[17] جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے وہی بار بار پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ اور جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ یہ سوال کرنے کی بجائے اس دن کے حساب سے ڈرتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا خبردار قیامت کے منکرین کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ اگر قیامت نہیں آنے والی تو اس کا معنی یہ ہے کہ ظالم ومظلوم اور نیکوکار و بدکار سب کا انجام ایک ہی ہوگیا کہ مر کر ختم ہوگئے، مگر یہ صریح ناانصافی ہے ایک دن ایسا ضرور آنا چاہیے جب ظالم کو سزا اور مظلوم کو جزا ملے۔

[18] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ بے حد لطف و کرم فرماتا ہے، وہ جسے جس قدر چاہے رزق دیتا ہے اور وہ کسی پہ ظلم نہیں فرماتا۔ یہ بھی اس کا بندوں پہ لطف و کرم ہے کہ اس نے سب کو ایک جیسا رزق نہیں دیا کسی کو کم دیا کسی کو زیادہ۔ تاکہ لوگ

ایک دوسرے کے محتاج ہوں اور معاشرے کی گاڑی چلے، اگر وہ سب کو یکساں رزق دے دیتا تو زندگی کی گاڑی رک جاتی اور انسانی معاشرہ معطل ہو جاتا تو وہ بڑی قوت والا عزت والا ہے، وہ جس کو جتنا دے دے اسے اس سے زیادہ مل نہیں سکتا۔ اور جن کو وہ دنیا میں کم دیتا ہے انہیں آخرت میں زیادہ عطا کرے گا۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ

جو شخص آخرت کی کمائی چاہے ہم اس کی کمائی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو دنیا کی کمائی چاہے ہم اسے

الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ﴿۲۰﴾ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا

اس میں سے کچھ دیتے ہیں اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ [19] کیا ان کے جھوٹے خدا ایسے ہیں کہ

شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ

انہوں نے ان کے لئے وہ دین جاری کیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟ اور اگر فیصلے کی بات

لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾

نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین معاملہ نمٹا دیا جاتا اور ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے [20]

ردِ شرک، احوالِ قیامت اور صفاتِ باری تعالیٰ

[19] دراصل یہاں مومن اور کافر کی زندگی میں فرق بتایا گیا ہے۔ مومن دنیا میں رہ کر آخرت کے لئے کمائی کرتا ہے تو اللہ اس کی کمائی میں اضافہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں کم از کم عطا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کا کوئی حساب ہی نہیں اور کافر دنیا میں رہ کر دنیا ہی کے لئے کمائی کرتا ہے تو اسے دنیا میں جتنا اللہ چاہے دے دیتا ہے اور آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں، کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل آخرت میں فائدہ نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۹۱﴾ ''جو لوگ کفر کریں اور کفر ہی پہ مر جائیں تو ان سے ساری زمین سونے سے بھر کر بھی قبول نہیں کی جائے گی، خواہ کوئی اس کو بدلے میں دے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں۔'' (آل عمران، ۹۱)

اور جو مومن کافرانہ طرز زندگی اختیار کرلے کہ دنیا ہی کے لیے سارے کام کرے۔ مثلاً اپنے اعمال میں دکھاوا کرے، یا دنیوی مقاصد ہی اس کے پیش نظر ہوں تو اس کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اسے آخرت میں اپنے نیک اعمال کا کچھ صلہ نہیں ملے گا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انما الاعمال بالنیات فمن کانت ھجرته الی الله ورسوله فھجرته الی الله ورسوله ومن کانت ھجرته الی دنیا یصیبھا او امرأة ینکحھا فھجرته الی ما ھاجر الیه۔ ''اعمال کا دارو مدار تو نیت ہی پہ ہے، تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی رضا ملے گی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہو تو اسے وہی کچھ ملے گا جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔''

(بخاری کتاب الایمان، باب ۴۱، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۱۵۵)

درسِ اخلاص

لہٰذا اس میں درسِ اخلاص ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں آخرت چاہے اسے ثواب میں اضافہ دیا جاتا ہے اور جو دنیا کا مفاد چاہے اسے دنیا کا مفاد ہی کسی قدر ملے گا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اسی بارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ ''جو شخص جلدی کا (دنیوی) فائدہ چاہے ہم اسے دنیا ہی میں جو چاہیں جلد دیدیتے ہیں، پھر ہم اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ ذلیل و پست ہو کر داخل ہو جاتا ہے اور جو آخرت کا ارادہ کرے اور اسی کے لیے کوشاں ہو اور وہ مومن ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہے۔'' (بنی اسرائیل، ۱۸)

اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو لوگ دوسروں کو دکھانے کے لئے نیکی کرتے ہیں، روز قیامت انہیں کہا جائے گا کہ جاؤ ثواب بھی انہی لوگوں سے حاصل کرو جن کو تم عمل دکھاتے تھے، ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی ثواب نہیں۔

(مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۲۸)

[20] یعنی جو لوگ اللہ کے دین کو چھوڑ کر دوسرے ادیان اپناتے ہیں کیا ان کے جھوٹے خداؤں نے انہیں کوئی ایسا دین دیا ہے جو اللہ نے نہیں اتارا؟ حالانکہ اللہ کے سوا کون ہے جو انسان کو کوئی دین دے سکے؟ دین کا معنی نظام زندگی ہے چونکہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے تو اسی کا حق ہے کہ انسان کو نظام زندگی دے کہ اسے دنیا میں کیسے جینا چاہیے اور اللہ نے تو انسان کے لئے دین اسلام کو جاری کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ ''میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔'' (مائدہ، ۳) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ ''اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہے۔'' (آل عمران، ۱۹)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ۔ یعنی جو لوگ اللہ کا دین چھوڑ کر دوسرے ادیان یا نظام ہائے زندگی اپناتے ہیں اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ دنیا میں ان لوگوں پر عذاب نہ آئے گا اور ساری پکڑ آخرت میں ہوگی تو ان لوگوں پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا اور ان کا معاملہ نمٹا دیا جاتا اور ایسے ظالموں کے لئے آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

تم ظالموں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ڈرے ہوئے دیکھو گے اور ان پر عذاب اترنے والا ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ‌ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ؕ

اور اچھے اعمال کرتے رہے وہ جنتی باغوں کے خوبصورت باغیچوں میں ہوں گے، وہ اپنے رب کے ہاں جو چاہیں گے انہیں ملے گا۔

ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ

وہ بڑا فضل ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بشارت اللہ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائیں

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ؕ قُلْ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى

اور اچھے اعمال کریں [21] آپ فرما دیں میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوا رشتہ داری کی

الۡقُرۡبٰى‌ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾

محبت کے [22] اور جو شخص نیکی کمائے ہم اس میں اس کے لئے خوبی بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔[23]

[21] یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کو جنت کے باغیچوں میں بھیج دیا جائے گا جہاں وہ اللہ کے ہاں ہر منہ مانگی نعمت حاصل کرتے ہوں گے اور کفار ابھی عرصہ حشر میں سہمے کھڑے ہوں گے کیونکہ ان کے لئے عذاب کا فیصلہ ہونے والا ہوگا تو مومنوں کے لئے یہ اللہ کا فضل کبیر ہے جس کی وہ انہیں بشارت دیتا ہے۔

[22] الۡقُرۡبٰى کا معنی رشتہ داری ہے اسی لئے رشتہ داروں کو ذَوِی الۡقُرۡبٰى کہتے ہیں قرآن میں ہے: وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى۔ (بقرہ، ۱۷۷) اور قُربٰی قریبؐ کی جمع بھی ہے بمعنی رشتہ داران (منجد) تو اس جملہ کی تین تفاسیر ہیں۔

اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى کی تین تفاسیر

اول: اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرما دیں کہ میں نے تمہیں جو دین پہنچایا ہے اس کے عوض میں تم سے کوئی

معاوضہ نہیں چاہتا، البتہ یہ چاہتا ہوں کہ تم آپس میں رشتہ داری کی بناء پر محبت رکھو یعنی رشتہ داروں سے صلہ رحمی برتو۔

دوم: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش کے ہر قبیلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری تھی تو آپ کو حکم ہوا کہ اے رسول! کہہ دو (اے قریش مکہ) میں تم سے اپنی تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، البتہ میرے تمہارے درمیان جو رشتہ داری ہے کم از کم اس کا لحاظ تو کرو (اور میری مخالفت پر کمربستہ نہ ہو) (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ شوریٰ باب ۱)

سوم: اس کی ایک یہ تفسیر بھی ہے کہ اے نبی! کہہ دو میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، سوا اس کے کہ میرے قرابت داروں (اہل بیت) سے محبت رکھو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک بار انصار نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں دوسرے لوگوں پر ترجیح حاصل ہے (یعنی ہماری دینی قربانیاں زیادہ ہیں، لہٰذا ہم مہاجرین سے افضل ہیں اور مہاجرین میں سے اکثر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار تھے، مثلاً حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کے سسر تھے اور عثمان و علی رضی اللہ عنہما آپ کے داماد، اور مہاجرین اکثر قریش سے تھے اور ہر قریشی قبیلہ آپ سے رشتہ داری رکھتا تھا۔ جبکہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی کوئی رشتہ داری نہ رکھتے تھے) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ انصار کے پاس تشریف لائے اور فرمایا بلاشبہ تمہاری قربانیاں بہت ہیں مگر کیا یہ بات نہیں کہ تم گمراہ تھے پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم معاشرہ میں بے قدر تھے پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے عزت دی؟ انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیوں نہیں۔ پھر انہوں نے بے حد شرم محسوس کی اور معذرت خواہ ہوئے اور بہت سا مال پیش کیا۔ تب یہ آیت اتری: قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول! آپ مسلمانوں سے فرما دیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا البتہ میرے قرابت داروں سے محبت رکھو اور خود کو ان پر ترجیح نہ دو) (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۷۶)

ابو دیلم نے روایت کیا ہے کہ جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو قیدی بنا کر دمشق لایا گیا تو ایک شخص نے ان سے کہا اللہ نے تمہیں قتل کیا اور تمہاری جڑ کاٹ دی۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ اس نے کہا کیا وہ قُربٰی تم ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں ہم ہی تو ہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۴ حدیث ۳۰۶۷۷)

اسی طرح حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا الا المودة فی القربیٰ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۱۴۵ حدیث ۳۰۶۸۰)

امام ابن ابی حاتم ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول الله من قرابتك هؤلاء الذين وجبت مودتهم ؟ یا رسول اللہ

حضور ﷺ نے فرمایا: قال علی وفاطمة وولداھا۔ حضور ﷺ یہ آپ کے کون سے قرابت دار ہیں جن کی محبت لازم ہے؟
علی، فاطمہ اور ان دونوں کے بیٹے (حسنین کریمین) رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۷۶ حدیث ۱۸۴۷۳)

امام ابن ابی حاتم کے نزدیک اس حدیث کی سند ضعیف ہے تاہم باب فضائل میں حدیث ضعیف کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔ ضعیف حدیث سے حلال وحرام اور شرعی احکام ثابت نہیں ہوسکتے، البتہ فضائل ثابت ہوسکتے ہیں، ضعیف آدمی اگر زیادہ بوجھ نہیں اٹھاسکتا تو جسقدر اٹھاسکتا ہے اسی قدر اٹھوانے میں کیا حرج ہے (اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مولا علی، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم ان ذوی القربیٰ میں سے افضل ترین ہیں جن سے محبت رکھنے کا سوال کیا گیا ہے)

اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِي الۡقُرۡبٰى سے اقارب رسول ﷺ مراد ہونے پر بعض شبہات کا ازلہ

اگر سوال کیا جائے کہ سورہ شوریٰ مکی سورت ہے اس کی کسی آیت کا انصار مدینہ کے قول کے جواب میں نزول کیسے متصور ہے؟ اسی طرح مکی دور میں تو امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت ہی نہ ہوئی تھی تو ان کے حق میں اس آیت کے نزول کا کیا معنی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کئی مکی سورتوں میں مدنی آیات ہیں اور مدنی سورتوں میں مکی آیات ہیں اور امام خازن کے نزدیک یہ مدنی آیت ہے۔ (خازن جلد ۶ صفحہ ۱۲۳)

اس کی مثال یوں ہے کہ اکثر مفسرین بشمول حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم کے نزدیک آیت قرآن یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴿۶۴﴾ (انفال ۶۴) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی حالانکہ سورہ انفال مدنی سورت ہے جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا مکہ میں ہجرت سے بہت پہلے ہوا۔ تو یہی کہا جائے گا کہ یہ آیت مکی ہے مگر مدنی سورت میں رکھی گئی ہے۔ اسی طرح آیت مودت کا حال ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ اپنی تبلیغ کے بدلے میں اپنے قرابت داروں سے محبت کیوں مانگ رہے ہیں؟ یہ تو ایک طرح سے ذاتی غرض بن جاتی ہے اور اللہ کا رسول تو ذاتی اغراض سے پاک ہوتا ہے، وہ دین کی تبلیغ محض رضاء الٰہی کے لیے کرتا ہے۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مَالًا ؕ (ہود، ۲۹) حضرت ہود علیہ السلام نے کہا: لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ (ہود، ۵۱) ایسے ہی ہر نبی نے کہا، تو رسول اللہ ﷺ کے لیے کیسے مان لیا جائے کہ آپ اپنی تبلیغ کے بدلے کوئی اجر مانگ رہے ہیں؟

تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ انبیاء نے جس اجر کی نفی کی ہے وہ مالی اور مادی اجر ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ امت سے اپنے اہل قرابت سے محبت کا اجر مانگ رہے ہیں اور اس میں امت کے لیے اخروی فائدہ ہے۔ یقیناً جو ان سے محبت کرے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجات کا مستحق ہوگا، جیسا کہ آگے ہم احادیث لا رہے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کی محبت دین میں اس لیے لازم کی گئی ہے کہ قرابت داران

رسول ﷺ نے دین کے لیے جو قربانیاں دی ہیں اور اللہ و رسول کی اطاعت کا جو نمونہ پیش کیا ہے تاریخ اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ کسی نبی کے اقرباء نے اس کی وہ اطاعت نہ کی ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کے اقارب کے ہاں ملتی ہے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک دشتِ غربت میں راہِ خدا میں چھلنی کر دیا گیا، مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلوار ذوالفقار نے بدر و احد اور احزاب میں فیصلہ کن کردار ادا کیا، سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی دنیا سے بے رغبتی، حیاء اور عبادت ایسی ہے کہ جس کی مثال نہیں لائی جاسکتی اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد نے جس طرح سربلندی دین کے لیے جو لازوال قربانیاں دی ہیں پوری امت مسلمہ اس کے تشکر سے تا قیامت عہدہ برآ نہیں ہوسکتی، تو ان سے محبت کا حکم اس معنیٰ میں ہے کہ ان کے کردار کو اپنایا جائے۔ پھر نسبت رسول ﷺ کی تعظیم اصل میں خود رسول اللہ ﷺ ہی کی تعظیم ہے اور اہل بیت رسول ﷺ سے محبت ایک مستقل واجب شرعی ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

اہلِ بیتِ رسول ﷺ سے محبت کا وجوب

اس تفسیر کے مطابق ہر مومن پر حضور ﷺ کے قرابت داروں سے محبت کو لازم کیا گیا ہے اور قرابت داران رسول یعنی اہل بیت کرام سے محبت بہرحال اپنی جگہ واجب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب ہے اور میری عترت ہے یعنی میرے اہل بیت۔'' (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ کتاب المناقب مطبوعہ کراچی) یعنی جیسے تمہارے درمیان قرآن قیامت تک موجود رہے گا یونہی میری عترت اور میرے اہل بیت بھی تم میں تا قیامت موجود رہیں گے اور تم پہ لازم ہے کہ دونوں کا دامن پکڑے رہو، اب قرآن کو پکڑنا یہ ہے کہ قرآن پہ عمل کیا جائے اور اہل بیت کو پکڑنا یہ ہے کہ ان کا احترام کیا جائے ان سے محبت رکھی جائے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مکہ و مدینہ کے مابین خم نامی ایک چشمہ پر خطبہ ارشاد فرمایا: ''لوگو میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور اس پر عمل کرو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں ان کے بارہ میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔'' حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آپ کے اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں، کیا آپ کی ازواج؟ آپ نے فرمایا: ازواج بے شک اہل بیت ہیں مگر یہاں اہل بیت سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ کراچی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احبوا الله لما یغذو کم من نعمه، واحبونی بحب الله واحبوا اهل بیتی بحبی۔ ''اللہ سے محبت کرو

کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے اللہ کی محبت کے سبب محبت کرو اور میرے اہل بیت کے ساتھ میری محبت کی وجہ سے محبت کرو۔'' (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۸۹)

اس جگہ یہ چیز بھی یاد رکھنی چاہیے کہ انہی اہل بیت رسول ﷺ سے محبت ضروری ہے جو صحیح العقیدہ اہل سنت وجماعت ہیں اگر خدانخواستہ ان میں سے کسی کا نظریہ یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت انبیاء سے افضل ہیں یا وہ خلفاء راشدین وامہات المومنین کو گالیاں دیتا ہے یا سمجھتا ہے کہ حضرت مقداد، ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے سوا سب صحابہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے تو ایسا شخص اہل بیت رسول ﷺ سے خارج ہے، وہ قرآن وحدیث کا منکر ہے۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہے، اگر نبی کا سگا بیٹا اس کا راستہ چھوڑ دے تو اس کا نسب اپنے باپ سے منقطع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ''اے نوح! وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔'' (ھود، ۴۶) تو چودہ صدیوں کے بعد اگر کسی کا عقیدہ قرآن وسنت سے ہٹ جائے تو وہ اہل بیت رسول میں سے کیسے شمار کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس کا حال ابولہب جیسا ہے ابولہب کو قرابت رسول کام نہ آئی یہی حال اس کا ہے۔

یاد رہے کہ اگرچہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس تمام اہل بیت رسول ﷺ ہیں اور ان سب پہ صدقہ (زکوۃ اور صدقات واجبہ) حرام ہے اور ان سب سے محبت واجب ہے مگر ان میں سے آل علی سب سے افضل ہیں کیونکہ ان کی قرابت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ ہے، پھر آل علی میں سے اولاد فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا درجہ ومقام تمام اہل بیت سے بلند تر ہے، اسی لیے انہی کو سادات اور اشراف کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی رگوں میں خون رسول کریم ﷺ موجزن ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے جو مناقب ومحامد بیان فرمائے ہیں وہ دیگر اہل بیت میں سے کسی کے لیے بیان نہیں فرمائے، چند ایک فضائل پیش خدمت ہیں۔

فضائلِ پنجتن پاک رضی اللہ عنہم میں چند احادیث

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ رات کو ہمارے گھر آرام فرما ہوئے، رات کو حسن (رضی اللہ عنہ) نے پانی مانگا، رسول اللہ ﷺ نے اٹھ کر ہمارے گھر میں بندھی ہوئی ایک بکری کو دوہا اور حسن کو دودھ پلانے لگے۔ اتنے میں حسین (رضی اللہ عنہ) نے پینے کا تقاضا کیا اور پیالے کو پکڑنے کی کوشش کی مگر رسول اللہ ﷺ نے پہلے حسن کو پلایا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو حسن سے زیادہ محبت ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں مگر حسن نے پہلے مانگا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انا وایاك وهٰذين وهذا الراقد يعنى عليا يوم القيامة فى مكان واحد. ''میں اور تم اور یہ دونوں بچے اور یہ سونے والا یعنی علی (رضی اللہ عنہ) روز قیامت ایک ہی مکان میں ہوں گے۔''

(طبرانی، مسند احمد بن حنبل بحوالہ کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۹)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں مجھ سے میری والدہ نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تمہاری حاضری کو کتنا وقت گزر چکا ہے؟ میں نے کہا فلاں فلاں وقت سے، مگر میں آج ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور اپنے لیے اور امی جان آپ کے لیے ضرور استغفار کرواؤں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر نماز مغرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ادا کی اور عشاء تک وہیں بیٹھا رہا۔ عشاء کے بعد جب لوگ چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گھر کو چلے، میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری آواز کو پہچان کر فرمایا: او حذیفہ تم؟ تم میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ اللہ تمہاری اور تمہاری والدہ کی بخشش کرے، پھر فرمایا: اے حذیفہ! یہ ایک فرشتہ ہے جو ابھی نازل ہوا ہے اس سے قبل وہ کبھی زمین پہ نازل نہ ہوا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لی کہ مجھے آ کر سلام کہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دی اور اور یہ بشارت بھی عطا فرمائی:

ان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة والحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة. بیشک فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن وحسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ کتاب المناقب مناقب حسنین)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صبح تشریف لائے۔ آپ پر کالے بالوں سے بنی ہوئی منقش چادر تھی۔ اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ نے انہیں چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ نے انہیں بھی چادر میں داخل کر لیا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں، آپ نے انہیں بھی داخل کر لیا، پھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ نے انہیں بھی چادر میں شامل کر لیا، پھر یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۝۳۳ ''اے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسا پاک کرے جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔'' (احزاب، ۳۳)

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۶۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ آیت تطہیر پہلے سے نازل شدہ تھی (اور اپنے ماقبل ومابعد کے مطابق یہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نازل ہوئی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ، مولیٰ علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو چادر میں لے کر یہ آیہ مبارکہ پڑھی اور زبان حال سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی شان تطہیر میں داخل فرما دے۔ اور دیگر احادیث کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صریح دعا بھی فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دل حب پنجتن پاک سے لبریز تھا اسی لیے وہ ان کے عظیم فضائل امت سے بیان فرماتی ہیں۔

حضرت علی بن جعفر اپنے والد امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ اپنے والد امام زین العابدین علی بن حسین سے، وہ اپنے والد سیدنا امام حسین سے اور وہ اپنے والد سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

من احبني واحب هذين واباهما وامهما كان معي في درجتي يوم القيامة. ''جس نے مجھ سے

محبت کی اور ان دونوں سے محبت کی اور ان کے ماں باپ سے محبت کی وہ روز قیامت جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔'' (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۳۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولیٰ علی، سیدہ فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے بارہ میں فرمایا:

انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم. ''جو تم سے صلح کرے اس سے میری صلح ہے اور جو تم سے جنگ کرے اس سے میری جنگ ہے۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب فی فضل فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۳۸۶۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا وجوب ان کے لیے خلافت بلافصل کی دلیل نہیں ہے

اس جگہ اہل تشیع سوال کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت واجب ہے تو خلافت بھی انہی کا حق تھا تو دوسرے لوگوں کو یہ حق کیوں دیدیا گیا؟ مگر یہ بے بنیاد سوال ہے اس لیے کہ یہ آیت مودت تمام مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ سب قریش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی قرابت رکھتے تھے، اس کا کسی خاص شخصیت سے اختصاص نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ محبت تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واجب ہے اور کسی بھی صحابی رسول کی گستاخی وتوہین کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قرآن کریم میں جابجا جنت اور مغفرت کا اعلان فرمایا ہے۔ دیکھیے سورہ انفال آیت نمبر 74، سورہ توبہ آیت 20، سورہ فتح آیت 29، سورہ حجرات آیت 7، سورہ حدید آیت 10 وغیرہ۔ پھر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الله الله فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا بعدی، فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم، ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله ومن آذی الله فیوشك ان یأخذہ۔ ''میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ کو یاد رکھو اللہ کو یاد رکھو، میرے بعد انہیں وجہ طعن نہ بنالینا، جو بھی ان سے محبت کرے گا اسے میری محبت حاصل ہوگی اور جو ان سے بغض رکھے گا اسے میرا بغض حاصل ہوگا اور جو انہیں اذیت دے وہ مجھے اذیت دیتا ہے اور جو مجھے اذیت دے وہ اللہ کو اذیت دیتا ہے اور جو اللہ کو اذیت دے تو عنقریب اللہ اسے پکڑ لے گا۔'' (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۸۶۲)

اور اہل تشیع کے ہاں نہایت معتبر محدث وفقیہ جو ان کے بقول ان کے امام غائب کی دعا سے پیدا ہوا یعنی شیخ صدوق علامہ ابن بابویہ قمی اپنی کتاب جامع الاخبار میں یہ حدیث نقل کرتا ہے جو تمام اہل تشیع کے لیے نشان عبرت ہے:

و قال ﷺ من سبنی فاقتلوہ ومن سب اصحابی فقد کفر وفی خبر آخر ومن سب اصحابی فاجلدوہ. اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو مجھے گالی دے اس کی سزا قتل ہے اور جو میرے صحابہ کو گالی دے وہ کافر

ہو گیا اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارو۔''

(جامع الاخبار فصل ۱۲۵ صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب التجاریہ نجف اشرف)

جب تمام صحابہ سے محبت واجب ہے اور کسی صحابی کو بُرا بھلا کہنا حرام بلکہ کفر تک پہنچانے والا کام ہے، تو پھر یہ چیز حضرت علی کے لیے خلافتِ بلا فصل کی دلیل کیسے بن سکتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ پھر حضور ﷺ نے حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر ان سے محبت کا خصوصی حکم کیوں دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ان کی خصوصی قربت کے سبب سے ہے اور ایسا خصوصی حکم حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی دیا ہے بلکہ اس سے سخت تر حکم دیا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں وہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کوئی سخت لفظ کہہ دیا۔ پھر انہیں احساس ہوا اور حضرت عمر سے معذرت کی، انہوں نے معذرت قبول نہ کی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر ماجری عرض کیا، آپ نے تین بار فرمایا اے ابو بکر اللہ تجھے معاف کرنے والا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ندامت ہوئی، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ کا چہرہ جلال سے بھر گیا، حتیٰ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ڈر گئے اور بخاری کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ بخدا میری ہی زیادتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا تو تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان اور اپنے مال سے میری مدد کی، فھل انتم تارکو لی صاحبی. ''تو کیا تم میرے لیے میرے ساتھی کو چھوڑو گے یا نہیں؟'' تو اس کے بعد کبھی کسی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ دی۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ۵ حدیث ۳۶۶۱)

[23] یعنی جو شخص اپنے قرابت داروں سے محبت کرے یا تیسری تفسیر کے مطابق قرابت داران رسول ﷺ سے محبت رکھے، اللہ اس کی اس نیکی کا ثواب بڑھاتا ہے کیونکہ وہ بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔ اور بلا شبہ سادات کرام یعنی اولاد رسول ﷺ سے محبت کا صلہ عظیم ہے۔

امام شامی نے رد المحتار میں لکھا ہے کہ ایک حاجی نے حج کے لئے رخت سفر باندھا۔ ایک غریب سید زادی نے اس سے اپنی حاجت بیان کی۔ اس کے دل میں جذبہ آیا اس نے اپنی حج کی رقم سید زادی کو دے دی اور حج کے ارادے سے لوٹ آیا۔ حجاج حج سے واپس آئے تو اسے کہنے لگے اللہ تمہارا حج قبول کرے ہم نے تمہیں تمام ارکان حج میں لوگوں کے ساتھ مصروف حج دیکھا تھا۔ وہ بہت حیران و پریشان ہوا۔ رات کو حضور سید کونین ﷺ اس کے خواب میں تشریف لے آئے اور فرمایا اللہ نے تمہاری صورت میں ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جو تا قیامت تمہاری طرف سے حج کرتا رہے گا، کیونکہ تم نے میرے اہل بیت میں سے ایک مجبور عورت کی تکریم کی ہے۔ (رد المحتار کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۶۶۱ مطبوعہ شرکۃ مصطفی البابی مصر)

لہٰذا سادات کا احترام عظیم برکت کا باعث ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے؟ اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر رحمت رکھ دے،

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

اللہ باطل کو مٹاتا اور حق کو اپنے ارشادات سے حق کر دکھاتا ہے، بے شک وہ سینوں کے بھید جانتا ہے |24|

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا

اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور ان کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے اور جانتا ہے جو وہ

تَفْعَلُوْنَ ۞ ۙ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ

کرتے ہیں |25| اور وہ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں اور انہیں اپنا

مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۞ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ

فضل زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لئے سخت تر عذاب ہے |26| اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے رزق کھول دیتا

لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ

تو وہ زمین میں فساد کرتے، مگر اللہ جو چاہے اندازے سے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں سے

خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۞ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ

خبردار و نگہدار ہے |27| اللہ وہ ہے جو بارش برساتا ہے بعد ازاں کہ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں، اور اپنی رحمت

رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پھیلاتا ہے وہ کارساز ہے حمد والا ہے۔ اور اس کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے

وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۞ ع

اور جو اس نے ان میں چلنے والی ہر مخلوق بنائی ہے۔ اور وہ جب چاہے ان سب کے جمع کرنے پر قادر ہے۔ |28|

[24] یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) نے خود گھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول! اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر ایسی مہر صبر رکھ دے کہ کفار کی ان باتوں سے آپ کو ذرا بھی ملال نہ ہو، مگر ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ اللہ کی راہ میں دشمنان اسلام کی طرف سے ایذاء سہنے میں بھی ثواب اور بلندی درجات ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! آپ غمزدہ نہ ہوں اللہ باطل کو مٹانے اور حق کا بول بالا کرنے والا ہے۔ اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے، وہ ہر دشمن قرآن کو اس کی نیت کے مطابق سزا دے گا۔

[25] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یعنی جو شخص سچی توبہ کر کے کبیرہ گناہوں سے باز آ جائے اور آئندہ ان کے قریب نہ جانے کا عہد کرے، تو اللہ اس کا بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ آگے فرمایا: **وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ** یعنی صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ بندوں کی بعض نیکیوں کے صدقے از خود معاف فرماتا رہتا ہے۔ اسی بات کو حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازیں اور جمعہ کے بعد جمعہ اور رمضان کے بعد رمضان یہ اپنے درمیان والے سب گناہوں کا کفارہ ہیں، جب تک وہ کبیرہ گناہوں سے بچے۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۶)

گویا صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ نماز پنج گانہ، نماز جمعہ اور روزہ رمضان کی برکت سے از خود معاف فرما دیتا ہے۔ البتہ کبیرہ گناہوں کو از خود معاف نہیں فرماتا بلکہ اس کے لیے توبہ ضروری ہے۔

توبہ کرنے کی فضیلت اور قبولیتِ توبہ کی شرائط

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ میں بندوں کو توبہ کی طرف راغب کیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے اہمیت توبہ پہ خوبصورت روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے جو خوشی ہوتی ہے، وہ اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ ہے جو کسی خوفناک جنگل میں سواری سے اترا اور کسی جگہ لیٹ کر سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو دیکھا اس کی سواری بھاگ گئی ہے، اسی سواری پہ اسکا کھانا پینا بھی تھا۔ وہ سواری کی تلاش میں نکلا اور بھوک پیاس اور گرمی سے نڈھال ہو گیا، مگر سواری نہ ملی۔ آخر وہ ایک جگہ اس ارادہ سے لیٹ گیا تا کہ اس کی روح قبض کر لی جائے، پھر اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور اسکا کھانا پینا بھی اس پہ موجود ہے۔ تو اسے جو خوشی ہوئی، اس سے بڑھ کر اللہ کو اپنے بندے کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب ۳، مسلم کتاب التوبہ حدیث ۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست قدرت دراز فرماتا ہے تا کہ دن کے گناہگار کو معاف فرما دے اور دن کو اپنا دست قدرت دراز فرماتا ہے تا کہ رات کے گناہگار کو معاف فرما دے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں کرتا۔'' (صحیح مسلم کتاب التوبہ حدیث ۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اس کا آخری سانس نہ نکلے۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ۹۸)

یاد رہے قبولیتِ توبہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ بندہ گناہ سے مکمل کنارہ کش ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں پہ صمیم قلب سے نادم ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ آئندہ گناہ سے دور رہنے کا پختہ عزم کرے، ایسی توبہ بارگاہ ربی میں یقیناً مقبول ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔''

(ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۰)

اور اگر جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو چوتھی شرط یہ ہے کہ صاحبِ حق کو اس کا حق لوٹائے۔ اور اگر نہیں لوٹا سکتا تو اس سے معافی مانگ لے اور اس کو راضی کرلے اور اگر وہ فوت ہوگیا ہے تو اس کے لیے حتی المقدور دعائیں اور ایصالِ ثواب کرے۔

[26] اور جو لوگ کفر سے دور رہ کر ایمان کی قدر کریں اور بُرے اعمال چھوڑ کر اچھے اعمال اپنائیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور انہیں اپنا مزید فضل دیتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ ان کی شفاعت سے گناہگاروں کی بخشش فرماتا ہے۔ جبکہ کفر پہ ڈٹنے والوں کے لئے شدید عذاب تیار ہے۔

اولیاء اللہ کا مستجاب الدعوات ہونا

وَيَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے معلوم ہوا اولیاء اللہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اور عمل صالح کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔ اسی لئے حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آجاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔ پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، ولئن سئلنی لاعطینه، پھر وہ مجھ سے جو مانگے میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔'' (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۰۶)

[27] اگر اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو وسیع رزق دے دیتا تو وہ مالی اور معاشی فکر سے آزاد ہو کر جاہ و اقتدار کے حصول میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جاتے۔ اور جب کوئی کسی کا محتاج نہ ہوتا تو وہ طاقت کے ذریعے ایک دوسرے کو دبا کر اسے تابع فرمان بنانے اور اس سے اپنے کام نکلوانے کی کوشش کرتے۔ اور یوں ہر طرف کشت وخون اور فتنہ وفساد پھیل جاتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو چاہے اندازے سے اتارتا ہے، کسی کو کم دیتا ہے کسی کو زیادہ، وہ اپنے بندوں کے بارہ میں خبیر وبصیر ہے کہ کس کو کتنا دینا ہے۔

[28] اللہ تعالیٰ لوگوں سے بارشیں روک لیتا ہے تو وہ زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں، پھر وہ بارشیں برساتا اور اپنی

رحمت پھیلاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ ہی کارساز ہے اور وہی لائق حمد ہے۔ کیونکہ ہر خوبی اسی کی پیدا کردہ اور اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کی قدرت والوہیت کی یہ نشانی بھی ہے کہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ان کے درمیان چلنے والی ہر مخلوق پیدا کی یعنی ملائکہ، جن و انس اور جملہ حیوانات۔ اور وہ جب چاہے ان سب کو جمع کر کے روز قیامت کو قائم کر سکتا ہے، لہٰذا اس کی الوہیت اور قیام قیامت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۳۰﴾

اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچے وہ اس وجہ سے ہوتی ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا اور بہت کچھ وہ معاف کر دیتا ہے [29]

وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ

اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور تمہارے لئے اللہ کے مقابل کوئی کارساز ہے

وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾

نہ مددگار۔ [30]

قدرت خداوندی کی نشانیاں اور صفاتِ اہل ایمان

[29] فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں کو جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں یعنی ان کی خطاؤں پر پکڑ کی جاتی ہے اور اکثر خطائیں تو اللہ معاف فرما دیتا ہے اور ان پر پکڑ نہیں فرماتا۔ اس لئے قرآن میں ہے "اگر اللہ ہر خطاء پر لوگوں کی پکڑ فرماتا تو زمین پر چلنے والی کوئی چیز زندہ نہ چھوڑتا" (فاطر، ۴۵) یعنی اگر انسانوں کے ہر گناہ پر مصائب اترنے لگتے تو ان کی نحوست سے جانور بھی ہلاک ہو جاتے جیسے قحط سالی میں جانور بھی مارے جاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ الخ نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان کے پاؤں میں جو کانٹا چبھتا ہے یا پٹھا کھنچ جاتا ہے یا کوئی بیماری آتی ہے وہ کسی گناہ کے سبب ہوتی ہے اور جو اللہ معاف کر دیتا ہے وہ اکثر ہے۔" (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۷۸ حدیث ۱۸۴۸۱)

معصومین اور داعیانِ حق پہ مصائب کیوں آتے ہیں؟

اگر سوال کیا جائے کہ مصائب تو دنیا میں بچوں اور دیوانوں پہ بھی آتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں۔ اسی طرح انبیاء کو بھی مصائب آتے ہیں اور وہ بھی معصوم ہیں۔ یونہی مجاہدین اور مبلغین اسلام کو بھی تکالیف و آلام کا سامنا ہوتا ہے، تو یہ کہنا

کیسے درست ہے کہ تمہیں جو بھی مصیبت آئے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں بچوں سے خطاب مراد نہیں ہے نہ وہ اس آیت کے مفہوم میں شامل ہیں اور نہ ہی بچے مکلفین میں سے ہیں کہ انہیں خطاب کیا جائے اور بچوں کو جو بیماریاں اور مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کے سبب سے نہیں ہوتے، بلکہ بالواسطہ ان کے والدین کے لئے باعث امتحان اور انہی کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی اولاد کی طرف سے بھی پریشانیوں میں مبتلا کرتا اور ان کے گناہوں کا کفارہ بناتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں۔ لہٰذا انبیاء کو راہ حق میں جو مصائب درپیش آتے ہیں وہ بھی ان کے کسی گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتے، کیونکہ وہ گناہ سے پاک ہیں۔ بلکہ ان کے مصائب ان کے لیے بلندی درجات ہی کا سبب ہوتے ہیں۔

رہا یہ کہ داعیانِ حق، مجاہدینِ اسلام اور بندگانِ خدا کو تبلیغِ دین اور میدانِ جہاد میں جو تکالیف آتی ہیں تو وہ اس آیت سے مستثنیٰ ہیں، وہ ان کے لیے باعث اجر و ثواب ہیں اور انہیں ان آیات نے مستثنیٰ کیا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔـوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ ''یہ اس لیے ہے کہ مجاہدین کو اللہ کی راہ میں جو بھوک پیاس پہنچتی ہے اور وہ کفار کو طیش دلانے والا جو راستہ طے کرتے ہیں اور دشمن سے انہیں جو تکلیف ملتی ہے اس کے بدلے ان کے لیے بہرحال ایک نیک عمل کا ثواب لکھا جاتا ہے اور اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔''

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تمہیں شعور نہیں اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کسی بھی چیز کے ساتھ، جیسے خوف، بھوک، مالوں اور جانوں کی کمی اور ثمرات کا نقصان اور صابروں کو بشارت دیدیں، کہ جن کو جب مصیبت آئے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، انہی لوگوں پہ ان کے رب کی طرف سے خاص اور عام رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔'' (بقرہ، ۱۵۴)

مصیبت میں انسان کو اپنے کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے

فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ کے مطابق جب ہمارے مصائب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں، تو ہمیں مصائب میں اپنے کردار کا جائزہ لینا اور اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ غور کرنے سے ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم پر فلاں مصیبت ہمارے کس گناہ

کی وجہ سے آئی۔ حکایت ہے کہ ایک شخص کو کسی مقدمہ قتل مین ناحق پھنسا دیا گیا اور اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ پھانسی کے وقت وہ بہت مطمئن تھا اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا، اس نے کہا: میں اس مقدمہ میں بے شک بے گناہ ہوں، مگر اس سے قبل میں نے ایک قتل کیا تھا اور وہ پردے ہی میں رہا اسے کوئی نہ جان سکا۔ آج یہ پھانسی حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قتل کے بدلہ میں دی ہے۔

مصائب بھی مومن کے لئے رحمت ہیں

مصائب کے ساتھ ہمارے گناہ ڈھل جاتے ہیں اور ہم آخرت کی پکڑ سے بچ جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد نے فرمایا ''مومن کے جسم میں جو اذیت وہ بیماری آتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔'' (مسند احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۹۸) اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کو جو رنج دکھ پریشانی اور تکلیف آتی ہے حتیٰ کہ اسے جو کانٹا چبھتا ہے، اللہ تعالیٰ بہر حال اس سے اس مسلمان کے گناہ مٹاتا ہے۔'' (بخاری کتاب المرضیٰ باب ۳، مسلم کتاب البر حدیث ۴۶۷)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری: وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ﴿۳۰﴾ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! میں تجھے اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ یاد رکھو تمہیں دنیا میں جو مرض، سزا یا بلا آتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اور اللہ کا حلم اس سے زیادہ ہے کہ کسی گناہ پر دنیا میں پکڑ کرنے کے بعد اس پہ آخرت میں پھر سزا دے اور جس گناہ پہ اللہ نے دنیا میں پکڑ نہ کی تو اس کا کرم اس سے زیادہ ہے کہ اس پہ آخرت میں پکڑ کرے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۷۸)

[30] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصیبت تم پر آنی ہے وہ آکر رہے گی، تم اللہ کو روک نہیں سکتے۔ کیونکہ تمہارا کوئی ایسا کارساز مددگار نہیں جو اللہ سے مقابلہ کر سکے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والی پہاڑوں جیسی (بلند) کشتیاں ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے

رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ

تو وہ سمندر کی پشت پہ کھڑی رہ جائیں۔ اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے شخص کے لیے بڑی نشانیاں ہیں یا وہ لوگوں کے

بِمَا كَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ

کرتوتوں کے باعث کشتیوں کو تباہ کر دے اور بہت سوں کو معاف کر دے، اور ہماری آیات میں جھگڑا کرنے والے جان لیں کہ

مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ

ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں [31] تو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا سامان ہے

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ۚ

اور جو اللہ کے پاس ہے وہی بہتر اور لازوال ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔[32]

[31] اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ عظیم نشانی ہے کہ پہاڑوں جیسی بلند کشتیاں یعنی عظیم بحری جہاز اور بیڑے (SHIPS) پانی پر محوسفر رہتے ہیں اور ڈوبتے نہیں۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو جس ہوا کی طاقت سے کشتیاں چلتی ہیں، اسے روک دے تو کشتیاں سمندر کی پشت پر کھڑی رہ جائیں اور ہوا پر کسی انسان کا کنٹرول نہیں، وہ اللہ ہی کے حکم سے چلتی ہے۔ پھر انسان اللہ سے نافرمان کیوں ہوتا ہے بلکہ اسے چاہیے کہ اللہ کی طرف سے مصیبت آنے پر صبر رکھے اور راحت ملنے پر شکر بجالائے۔ آج کل بحری جہاز ہوا کی بجائے ڈیزل والے انجن کی طاقت سے چلتے ہیں۔ مگر تیز ہوا ان کے لئے بھی باعثِ خوف وخطر ہوتی ہے، جو بڑے بڑے جہازوں کو اُلٹا دیتی اور طوفانی لہروں کو ان پر چڑھا دیتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ بعض کشتیوں کو سمندر میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور اکثر کو معاف کر دے یعنی انہیں تباہی سے محفوظ رکھے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا ہماری آیات سے جھگڑا کرنے یعنی قرآن مجید سے انکار کرنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ اللہ کی پکڑ سے کوئی جائے پناہ نہیں۔

[32] حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے اپنا سارا مال راہِ خدا میں صدقہ کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس پر انہیں ملامت کی، تب یہ آیت اتری: فَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ

شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ الخ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۳۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق کا عمل قابل تعریف ہے کیونکہ تمہیں دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے، یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور دنیوی زندگی کسی وقت بھی ختم ہوسکتی ہے۔ مگر جو تم اللہ کی راہ میں دے دو گے وہ آخرت میں تمہارے لئے خیر کا باعث ہوگا اور لازوال نعمت بن جائے گا اور یہ توفیق ابوبکر صدیق جیسے ایمان والوں کو ملتی ہے جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(1) انسان کو اپنی ہر کوشش میں آخرت کا فائدہ مدنظر رکھنا چاہیے، جیسا کہ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی سے معلوم ہوا، تو جس کام میں آخرت کا نقصان ہو وہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے مگر افسوس ہم اکثر اس کا الٹ کرتے ہیں۔

(2) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور توکل: اللہ تعالیٰ نے لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ کہہ کر ان کے ایمان اور توکل کی گواہی دی۔ اور بلاشبہ وہ ایمان میں سب سے پہلے نمبر پر ہیں۔ اور ان کا توکل ایسا ہے کہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حالات کی سنگینی دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمیت اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لشکر اسامہ کو مدینہ طیبہ سے باہر نہ بھیجنے کا مشورہ دیا، مگر خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا ہے اسے ابوقحافہ کا بیٹا کیسے روک سکتا ہے، رہا مدینہ طیبہ تو اس کی حفاظت کرنے والا اللہ ہے۔ چنانچہ وہ لشکر روانہ ہوا اور جدھر گیا فتوحات کرتا گیا اور مدینہ طیبہ بھی محفوظ رہا، گویا توکل ہو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا ہو۔

وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

اور جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور جب وہ غصہ میں آئیں تو معاف

یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ

کر دیتے ہیں [33] اور جو اپنے رب کا حکم مانتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا کار حکومت ان کے

شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ

باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔ اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جب ان پر سرکشی ہو تو بدلہ لیتے ہیں۔ [34]

[33] پچھلی آیت میں مومنین کی یہ صفات بتائی گئیں ایمان اور توکل، اب ان کی تیسری صفت بتائی جارہی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کا تعین قرآن و حدیث نے کیا ہے، اور فواحش وہ ہیں

جنہیں ہر مذہب اور ہر معاشرہ بُرا کہتا ہے جیسے چوری، دھوکہ، جھوٹ وغیرہ یہ دونوں باہم مل بھی سکتے ہیں۔ کبیرہ گناہ ہر وہ عمل ہے جس کی یا تو دنیا میں سزا مقرر ہو جیسے قتل، چوری، زنا، تہمت زنی وغیرہ یا آخرت میں اس پر عذاب بتایا گیا ہو جیسے جھوٹ، غیبت، تکبر وغیرہ۔

کبیرہ گناہوں کی ایک اجمالی فہرست

امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے کبیرہ گناہوں کی ایک اجمالی فہرست اس طرح لکھی ہے۔

شرک، قتل ناحق، پاکدامن عورت پہ تہمت، زنا، مال یتیم کا کھانا، جادو، والدین کی نافرمانی، دین میں الحاد، سود خوری، چوری، شراب نوشی، راہزنی، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بدگمانی، حب دنیا، والدین کو بالواسطہ یا بلا واسطہ لعنت کرنا (بالواسطہ لعنت یہ ہے کہ کسی کے والدین کو لعنت کرنا کہ وہ بدلے میں اس کے والدین کو لعنت کرے) صحابہ و اہل بیت کو گالی دینا، گانا گانا، غیبت، کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا، ناپ تول میں کمی، تکبر، حسد، عہد شکنی، خیانت، ترک نماز، ترک زکوٰۃ، ترک صوم، ترک حج، قرآن یاد کر کے بھلا دینا، گواہی چھپانا، قطع رحمی، دو آدمیوں میں فساد ڈالنا، غیر خدا کی قسم اٹھانا، مشت زنی، تقسیم میں ناانصافی، لواطت، حالت حیض میں بیوی سے ہم بستری، مہنگائی پر خوش ہونا، اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا، جانور سے بدفعلی، نجومی کی تصدیق، جوا کھیلنا، نوحہ گری، منافقت، گانا اور بیہودہ اشعار سننا، کسی کے گھر بلا اجازت داخل ہونا، خوبصورت لڑکے کو بنظر شہوت دیکھنا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا چھوڑ دینا، ظالم حکمرانوں سے عطیات لینا، کسی کا مذاق اُڑانا وغیرہ۔ (روح البیان جلد ۸ صفحہ ۲۲۸)

یہ 52 مذکورہ گناہ ہائے کبیرہ بطورِ مثال ہیں، ورنہ ان کی حقیقی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے اور بہت سے گناہ کبیرہ اس فہرست میں شامل نہیں ہیں، مثلاً طہارت کے حوالہ سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا، وضوء و غسل میں لاپرواہی سے کوئی حصہ خشک چھوڑ دینا، سونے کے برتنوں میں وضوء و غسل اور کھانا پینا کرنا۔ نماز کے حوالہ سے نماز کو مکروہ وقت میں یا وقت گزار کر پڑھنا، امام سے پہلے سجدے میں چلے جانا، نمازی کے آگے سے گزرنا، قبر کے سامنے نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ کے باب میں بلا حاجت لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ مانگنا۔ روزہ کے حوالہ سے بیوی کا شوہر کی رضا کے بغیر نفل روزہ رکھنا جو شوہر کے لیے باعثِ ایذاء ہو، وقت سے قبل روزہ افطار کرنا۔ حج کے حوالہ سے حرام مال سے حج کرنا وغیرہ۔ امام ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر میں چار سو ستاسٹھ کبائر گنوائے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ میں آیات و احادیث سے اس کا عذاب بیان کیا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مومنین کی چوتھی صفت یہ بتائی کہ وہ غصہ میں درگزر سے کام لیتے ہیں۔ یعنی ان میں بُردباری و تحمل ہوتا ہے۔

[34] مومنین کی پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے ہر حکم پر سر تسلیم ختم کرتے ہیں، اس میں کوئی حجت بازی

نہیں کرتے۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ مومنین نماز قائم کرتے ہیں یعنی اسے اس کے تمام ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ اپنا امیر باہمی مشورہ سے منتخب کرتے ہیں (یعنی ان میں سے کوئی شخص ان پر جابر حاکم بن کر نہیں بیٹھ جاتا کہ ان پر اپنی مرضی ٹھونستا رہے، بلکہ ان کا امیر انکے باہمی مشورہ سے منتخب کیا جاتا ہے) اور آٹھویں صفت یہ ہے کہ وہ ہمارے دیئے ہوئے مال کو ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنا اللہ ہی کی راہ میں خرچ کرنا ہے، خواہ وہ بیوی بچوں پر خرچ کیا جائے۔

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ سے نظام حکومت کا مراد ہونا

اس جگہ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ میں امر سے امارت وحکومت کا مراد ہونا اسی طرح ہے جیسے اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ (نساء، ۵۹) وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ (انفطار، ۱۹) میں الامر سے حکومت واقتدار مراد ہے۔ اسی طرح حدیث میں اس کی مثالیں یہ ہیں:

لایزال هذا الامر فی قریش مابقی منهم اثنان، یہ کار خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گا جب تک مسلمانوں میں سے دو آدمی بھی موجود ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب ۲)

ان جعل لی محمد الامر من بعده، اگر محمد ﷺ اپنے بعد حکومت مجھے دیدیں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب ۲۵)

اطیعوا ذا امرکم تدخلوا جنة ربکم۔ اپنے حاکم کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہوگے۔ (ترمذی کتاب الجمعہ باب ۸۱)

اسلام میں موروثی بادشاہت کا کوئی جواز نہیں

جب دلائل سے ثابت ہوگیا کہ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ میں امارت کا بیان ہے یعنی مسلمانوں کا امیر ان کے باہمی مشورہ سے بنتا ہے۔ تو یہ جائز نہیں کہ ایک خاندان زبردستی مسلمانوں کی تقدیر کا مالک بن جائے اور باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا زمامِ اقتدار سنبھال لے، خواہ وہ ظالم وجابر اور فاسق و فاجر ہوں اور ان کے امیر المومنین بننے میں مومنین کی مرضی اور مشورہ شامل نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین افراد پر لعنت کرتے تھے۔ اول: جو شخص لوگوں کا امام (پیشوا اور امیر) بن جائے اور لوگ اسے ناپسند رکھتے ہوں۔ دوم: وہ عورت جو یوں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس پر (بجا طور پہ) ناراض ہو۔ سوم: وہ شخص جو حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ سنے اور مسجد نہ آئے۔

(ترمذی کتاب الصلوۃ باب ۱۴۸ حدیث ۲۰۸)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کو دوسرے آدمی کے گھر میں جھانکنا جائز

نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ کسی قوم کا امام بن جائے اور خود ہی کو اس کے لئے مخصوص ٹھہرا لے، سوا اس کے کہ لوگ اسے دعوت دیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ ساری قوم سے خیانت کرنے والا ہے۔'' (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴۸ حدیث ۳۵۷)
مگر افسوس آج امت مسلمہ کے مرکز پر ایسے ہی زبردستی کے پیشوا اور موروثی بادشاہ مسلط ہیں، جنہوں نے امت کو کفار کے ہاتھ گروی رکھ کر اپنے مفادات حاصل کئے ہوئے ہیں اور اپنی بادشاہت بچا رکھی ہے۔

موجودہ جمہوریت (Democrycy) کو اسلامی شورائی نظام حکومت بنایا جاسکتا ہے

جب اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی کے تحت مسلمانوں کا امیر مشورہ سے بننا ضروری ہے تو جمہوریت بھی مشورہ کی ایک صورت ہے، مگر اس میں بہت ہی خرابیاں ہیں اگر انہیں دور کر دیا جائے تو اسے اسلامی شورائی نظام میں بدلا جاسکتا ہے۔ اس بارہ میں ان تبدیلیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول: ووٹ دینے والے کے لئے پابند احکام شرع اور دینی و دنیوی لحاظ سے تعلیم یافتہ ہونا لازم قرار دیا جائے، یہ نہیں کہ عالم و جاہل، نیک و بد، عادل و ظالم، مرد و عورت، اور دانا و احمق کا ووٹ ایک جیسا قرار پائے جیسا کہ موجودہ نظام جمہوریت میں ہے۔ دوم: ایک ہی ملکی پارلیمنٹ ہو اور اس کے ممبر کا الیکشن لڑنے والے امیدواروں کے دینی و دنیوی اعتبار سے تعلیم یافتہ اور اچھا مسلمان ہونا لازم ٹھہرایا جائے۔ سوم: جو لوگ ممبر منتخب ہوں وہ تاحیات ممبر ہوں اور ان کی ایک تعداد مقرر ہو، اگر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے یا سنگین اخلاقی جرائم میں ملوث ثابت ہو تو اسے معطل قرار دے کر اس کی جگہ دوسرا شخص منتخب ہو۔ چہارم: تمام ممبرز اپنے میں سے کسی کو ملک کا حاکم اعلیٰ چنیں، اور وہ تاحیات حاکم اعلیٰ ہو، سوا اس کے کہ وہ فوت ہو جائے، یا اس میں اعتقادی یا عملی بگاڑ آجائے، تو اسے معطل کر کے پارلیمانی ممبرز نئے حاکم کا چناؤ کریں۔ اگر ایسا کر لیا جائے تو یہی جمہوریت اسلامی نظام حکومت بن سکتی ہے۔ الغرض کسی بھی شورائی نظام سے امیر چنا جائے اور اہل مشورہ سے مشورہ لیا جائے تو وہ اسلامی نظام حکومت ہے۔

امامت کا شیعی تصور، قرآن سے متصادم ہے

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَيۡنَهُمۡ سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کا امیر یا امام ان کے مشورہ ہی سے مقرر ہوتا ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی امام کی امامت یا حاکم کی حکومت پر نص نہیں ہے۔ چنانچہ خلفاء راشدین کو مشورے ہی سے منتخب کیا گیا۔ البتہ اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ امام اللہ کی طرف سے منصوص ہوتا ہے اور انہوں نے اپنی مرضی کے بارہ امام بنا رکھے ہیں جن میں سب سے پہلے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور گیارہ امام ان کی اولاد میں سے ہیں مگر خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس نظریہ کے خلاف شورائی نظام کی حمایت کی اور اسے اللہ تعالیٰ کا جاری کردہ نظام قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:
انما بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر وعثمان على ما بايعوهم عليه، وانما الشورى

للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذالك لله رضا. ''میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور شوریٰ کا حق مہاجرین و انصار کا ہے (جو اس وقت امت میں سب سے بڑھ کر اہل علم و تقویٰ تھے) جب وہ کسی شخص کی امامت پہ اتفاق کرلیں اور اسے امام (حاکم) بنا دیں تو وہی اللہ کا پسندیدہ امام ہے پھر کسی حاضر یا غائب کو اس سے اختلاف کا حق نہیں۔''

(نہج البلاغہ خط ۶ صفحہ ۳۶۶ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس قول سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

اول: انتخاب امیر کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ طریقہ اہل علم و تقوی کا باہمی مشورہ ہی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اسی شورائی نظام کے حامی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ قرآنی ارشاد وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ کی تفسیر فرما رہے ہیں۔ شیعہ علماء اس قول کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جوابی خط میں لکھا ہے، گویا آپ نے فرمایا ہے کہ اے معاویہ! تمہارے نزدیک مہاجرین و انصار کا اجتماع کسی کو امام و خلیفہ بناتا ہے تو اس معیار کے مطابق میں ہی امام ہوں۔ مگر یہ انتہائی غلط تاویل ہے، اگر ایسا ہوتا تو اس قول کی عبارت یوں ہوتی: وانما الشوری عندکم للمهاجرين والانصار، کہ تمہارے نزدیک مشورہ کا حق مہاجرین و انصار کا ہے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے صراحتاً فرمایا کہ امیر کے انتخاب کے لیے مشورہ کا حق مہاجرین و انصار کا ہے، یعنی آپ نے قرآنی ارشاد وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ کی تفسیر میں فرمایا وانما الشوری للمهاجرين والانصار، اسی لیے اس سے قبل آپ نے فرمایا کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی اور جو شرائط ان کے لیے تھیں وہی میرے لیے ہیں۔

دوم: حضرت علی رضی اللہ عنہ خود کو منصوص من اللہ امام نہیں سمجھتے، بلکہ خود کو لوگوں کا منتخب امام و خلیفہ قرار دیتے ہیں اور اپنی امامت و خلافت پر لوگوں کے انتخاب کو دلیل بناتے ہیں۔ اگر آپ خود کو منصوص من اللہ امام جانتے ہوتے، تو اپنی امامت پہ قرآن و سنت سے صریح نصوص لاتے۔ حیرت ہے کہ اہل تشیع حضرت علی کو وہ کچھ بنا رہے ہیں جس سے وہ خود منکر ہیں۔

سوم: آپ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ خلفاء قرار دیتے ہیں اور ان کی خلافت سے کسی حاضر و غائب کو انکار کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ ان کی خلافت کے قیام کو اپنی خلافت کے لیے بطور دلیل لاتے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

اور برائی کا بدلہ ویسی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور صلح جو ہو تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بے شک

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ

وہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا اور جس نے ظلم کے بعد بدلہ لیا تو ایسے لوگوں پر کوئی پکڑ نہیں، پکڑ تو ان

سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي

لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق سرکشی کریں۔

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ

ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو صبر کرے اور درگزر سے کام لے تو یہ بڑی

اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

ہمت کے کاموں میں سے ہے۔[35]

[35] اہل ایمان کی نوویں صفت یہ ہے کہ اگر باہر سے کفار ان پہ سرکشی کریں یا اندر سے کچھ لوگ ان کے خلاف بغاوت کر دیں تو ان سے پورا بدلہ لیتے ہیں، پھر غلبہ پانے کے بعد اگر چاہیں تو معاف بھی کر دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معافی دینے والے لوگ پسند ہیں اور جو شخص اپنے اوپر ظلم کا بدلہ لے، اس پر کوئی پکڑ نہیں یعنی کوئی اعتراض نہیں۔ اعتراض تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق بغاوت کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے عذاب شدید ہے البتہ جو حاکم باغیوں پر قابو پانے کے بعد صبر اور درگزر سے کام لے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

درگزر اور معاف کرنے کی فضیلت

یہاں سے معلوم ہوا کہ جب انسان بدلہ لینے پہ قادر ہونے کے باوجود درگزر سے کام لے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اقال مسلما اقاله الله عثرته۔ ''جس نے کسی مسلمان کی لغزش کو معاف کیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی لغزش کو معاف فرمائے گا۔'' (ابوداود کتاب البیوع حدیث ۳۴۶۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم کیا سمجھتے ہو کہ طاقتور پہلوان کون ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: پہلوان وہ ہوتا ہے جسے عام لوگ پچھاڑ نہ سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا لکنه الذی یملك نفسه عند الغضب۔ ''نہیں، بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے اوپر کنٹرول (قابو) رکھے۔'' (ابوداود کتاب الادب حدیث ۴۷۷۹)

وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ وَّلِىٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيۡنَ لَمَّا

اور اللہ جس کو (اسکی ضد کے باعث) گمراہ رکھے تو اس کے بعد اسکا کوئی مددگار نہیں [36]

رَاَوُا الۡعَذَابَ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِيۡلٍ‌ۚ ۝ وَتَرٰٮهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ

اورتم دیکھو گے کہ ظالمین جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا (یہاں سے) واپسی کا کوئی رستہ ہے [37] اورتم انہیں دیکھو گے

عَلَيۡهَا خٰشِعِيۡنَ مِنَ الذُّلِّ يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِىٍّ‌ ؕ وَقَالَ الَّذِيۡنَ

جب ان کو آگ پر پیش کیا جائے گا تو وہ ذلت سے سر جھکائے (جہنم کو) خفیہ نظروں سے دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے روز قیامت

اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ

کہیں گے کہ آج نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے خود کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں رکھا۔

اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ‏ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ اَوۡلِيَآءَ

یاد رکھو کہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہوں گے [38] اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو انہیں

يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِيۡلٍؕ‏ ۝

اللہ کے مقابلہ میں مدد دے سکیں، اور جسے اللہ گمراہ رکھے اس کے لئے کوئی راہ نہیں ہے [39]

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ‌ ؕ مَا لَكُمۡ

تم اپنے رب کی اطاعت کرلو اس سے قبل کہ وہ دن آجائے جس کا اللہ کی طرف سے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں، تمہارے لئے

مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ‏ ۝ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ

اس دن کوئی پناہ نہ ہو گی۔ اور نہ انکار کی گنجائش، [40] پھر اگر وہ منہ پھیریں تو ہم نے آپ کو ان کا

عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا‌ ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ‌ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا

نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کے ذمے تو صرف (دین کا) پہنچانا ہے [41] اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے

رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ فَاِنَّ

رحمت دیں تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر لوگوں کو کسی گناہ کے سبب جو ان کے ہاتھ پہلے کر چکے کوئی مصیبت پہنچے تو پھر انسان

الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

سخت ناشکرا بن جاتا ہے۔[42]

احوالِ قیامت، انسان کی ناشکری اور دلائلِ توحید

[36] اگر یہاں سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کو گمراہ کر دے تو پھر اس شخص کا کیا قصور؟ پھر اسے عذاب دینے کا کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کسی کو ابتداء سے گمراہ نہیں قرار دیتا بلکہ وہ بندے کو مواقع فراہم کرتا ہے، مگر جب بندہ حق کو سمجھ کر پھر اس کے مقابلہ پر اُتر آتا اور اسے دبانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بطورِ سزا اس کے دل پر گمراہی کی پکی مہر لگا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

ذٰلِكَ یَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ ''یوں اللہ ہر متکبر و سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔'' (مومن، ۳۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ ''اللہ حد سے بڑھنے والے سخت جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (مومن، ۲۸) ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا:

كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابٌ ﴿۳۴﴾ ''ایسے ہی اللہ اس شخص کو گمراہ قرار دیتا ہے جو حد سے بڑھ کر تکذیب کرنے والا ہے۔'' (مومن، ۳۴) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل پہ تب ہی مہر لگاتا ہے، جب وہ دینِ حق کا مقابلہ کرنے میں حد سے گزر جاتا ہے۔

[37] کفار کو جب جہنم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تاکہ انہیں اس میں پھینکا جائے تو وہ کہیں گے کہ کیا دنیا میں واپس جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟ دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے:

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی النَّارِ فَقَالُوۡا یٰلَیۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۷﴾ بَلۡ بَدَا لَهُمۡ مَّا كَانُوۡا یُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ ''اگر تم دیکھو تو عجیب منظر ہوگا جب کفار کو جہنم پر پیش کیا جائے گا، تو وہ کہیں گے اے کاش! ہمیں دنیا میں لوٹایا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات سے انکار نہ کریں اور ہم مومن بن جائیں، بلکہ (معاملہ یہ ہے کہ) جو چیز وہ پہلے چھپاتے تھے وہ ان پر ظاہر ہوگئی، اور اگر انہیں لوٹایا جائے تو وہی کفر دوبارہ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا اور وہ جھوٹے ہیں۔'' (انعام، ۲۷)

[38] کفار جب جہنم کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو ان میں اسکے دیکھنے کی ہمت نہ ہوگی وہ اسے پوشیدہ نظروں یعنی کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔ یعنی اس وقت وہ جہنم کو یوں دیکھیں گے جیسے بکرا، قصاب کی طرف اور پھانسی پانے والا جلاد کی طرف دیکھتا ہے۔ اس وقت ایمان والے کہیں گے کہ آج وہی لوگ نقصان میں ہیں جنہوں نے دنیا میں خود کو اور اپنے گھروالوں کو خسارے میں ڈالا یعنی کفر کی راہ پر لگایا۔ ایسے ظالم لوگ ایسے دائمی عذاب میں ہی مبتلا ہوں گے۔

[39] یعنی روز قیامت کفار کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا جو انہیں اللہ سے مقابلہ کر کے چھڑا لے۔ یہ ساری باتیں سننے کے باوجود اگر کفار کو خوف نہ آئے تو اس کا معنی یہی ہے کہ ان کے دلوں پر اللہ کی طرف سے ضلالت کی مہر لگ چکی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ باقی نہیں ہے۔ معلوم ہوا روز قیامت کفار کا کوئی مددگار نہ ہوگا یعنی مومنین کے مددگار ہوں گے جو ان کی شفاعت کریں گے۔

[40] لہٰذا اے لوگو! قیامت کا دن آنے سے قبل اللہ کی اطاعت کرلو، کیونکہ اس دن کے آجانے کے بعد اس کے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی اس دن کوئی انسان اپنے جرائم سے انکار کر سکے گا۔ اس سے موت کا وقت بھی مراد ہوسکتا ہے کہ جب وہ آجائے تو اس کے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں اور اس وقت انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن میں ہے کہ ''اے لوگو! اللہ کی راہ میں خرچ کرلو اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو پھر وہ کہے گا اے میرے رب کاش! تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تو میں بہت صدقے کروں گا اور صالح بن جاؤں گا مگر جب کسی جان کی موت آجاتی ہے تو اللہ اسے مہلت نہیں دیتا۔'' (منافقون آیت، ۱۰) اور یہ اس لیے ہے کہ جس کی موت آگئی گویا اس پر قیامت قائم ہوگئی۔

[41] اگر کفار اس قدر واضح دلائلِ توحید ورسالت سن کر بھی منہ پھیریں، تو آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کو ہم نے ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا کہ ہر صورت انہیں مومن بنائیں، آپ کے ذمہ صرف یہ ہے کہ دین کا پیغام ان تک پہنچا دیں۔

[42] انسان کو جب اللہ تعالیٰ رحمت چکھاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوجاتا ہے اور اپنے رب کو بھول جاتا ہے بلکہ کہتا ہے: اِنَّمَآ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ ؕ ''یہ نعمت تو مجھے میرے علم کی وجہ سے دی گئی ہے۔'' (قصص، ۷۸) اور جب لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت آجائے تو اس وقت انسان ناشکری پہ آجاتا ہے اور کہتا ہے مجھے کبھی کوئی خیر ملی ہی نہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا ہے۔ یہ انسان کی جلد بازی و ناشکری ہے انسان کو سمجھنا چاہیے کہ اس کی ہر خوشی و غمی، نعمت ونقمت اور رحمت وزحمت اللہ کی طرف سے ہے۔

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا
اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہے بیٹیاں دیتا ہے
وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُکۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَیَجۡعَلُ مَنۡ
اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بے اولاد
یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا
کر دیتا ہے۔ بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے [43] اور کسی انسان کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے
وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ
کلام کرے سوا وحی کے، یا پردے کے پیچھے سے، یا یہ کہ وہ رسول (فرشتہ) بھیجے جو اللہ کے حکم سے وحی کرے جو اللہ چاہے،
اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۵۱﴾
بے شک وہ بلند ہے حکمت والا ہے۔[44]

[43] آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے وہ جو چاہے پیدا کرے جو نہ چاہے نہ پیدا کرے۔ وہ جس کو چاہے بیٹیاں ہی بیٹیاں دے، بیٹا کوئی نہ دے اور جسے چاہے صرف بیٹے ہی دے بیٹی نہ دے اور جسے چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دے اور جسے چاہے کچھ بھی نہ دے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کے لئے کیا بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سے اولاد کی دعا کرنی چاہیے

جب اللہ ہی بیٹے یا بیٹیاں دینے والا ہے تو اللہ ہی سے اولاد کی دعا کرنا چاہیے کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ سے کہنا کہ مجھے اولاد دے دو مناسب نہیں ہے۔ ہاں ان سے یہ کہنا چاہیے کہ میرے لئے اولاد کی دعا کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اولاد کی دعا کرواتے تھے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحب اولاد ہونے کی دعا کروائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے اللہ! انس کو مال اور اولاد عطا فرما'' اس کے بعد انصار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی مالدار نہ تھا اور حجاج کے زمانہ تک ان کے بیٹوں، بیٹیوں اور پوتے پوتیوں کی تعداد ایک سو بیس تک پہنچ گئی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۰۸)

اس حدیث سے دلیل مل رہی ہے کہ حل مشکلات کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے اور چونکہ

سماعِ موتیٰ کے حق ہونے پہ اہل السنت کا اجماع ہے اس لیے فوت شدہ بزرگانِ دین کے مزارات پہ جا کر ان سے حصولِ اولاد اور دیگر مقاصد کے لیے دعاء کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ محبوب عمل ہے۔ البتہ مانگنا اللہ ہی سے چاہیے۔

اولاد نہ ہونے پر بیوی کو منحوس سمجھنا جہالت ہے

کئی جہلاء اپنے ہاں اولاد کے نہ ہونے پر بیوی کو منحوس سمجھنے لگتے بلکہ طلاق دے دیتے ہیں، یہ سراسر جہالت ہے اولاد دینا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ اس کا اعلان ہے وَیَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ ''وہ جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے'' اسی طرح جس عورت سے صرف بیٹیاں ہوں بیٹا نہ ہو اسے بھی منحوس سمجھ لیا جاتا ہے یہ بھی قرآن سے متصادم نظریہ ہے۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا۔ وہ ''جسے چاہے صرف بیٹیاں دیتا ہے۔''

بیٹیاں بھی اللہ کی عطاء ہیں، انکی پیدائش پہ پریشان نہیں ہونا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے یہاں بیٹیوں کا ذکر بیٹوں سے قبل فرمایا، تاکہ ہمیں یہ سبق حاصل ہو کہ بیٹیوں کو بیٹوں سے کمتر نہ جانا جائے اور ان کی پیدائش پر منہ نہ بنالیا جائے۔ قرآن مجید کے مطابق بیٹیوں کی پیدائش پہ کفار کے منہ غصہ سے سیاہ ہو جاتے تھے اور وہ انہیں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمۡسِکُهٗ عَلٰی هُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی مبارک دی جائے تو اس کا چہرہ غصہ سے سیاہ ہو جاتا ہے، اس مبارک بادی کی بُرائی سے بچنے کے لیے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ آیا اسے ذلیل بن کر رکھ لے یا مٹی میں دبا دے، سن لو وہ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔'' (نحل، ۵۹) لہٰذا مومن کو چاہیے کہ بیٹی کی پیدائش پہ خوش ہو اور اسے اللہ کی رحمت جان کر قبول کرے۔ اگر بیٹا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو بیٹی بھی اللہ کی رحمت ہے۔ حدیث مبارک میں ہے ''جس شخص کو اللہ دو بیٹیاں دے اور وہ ان کی بہتر تربیت کرے پھر ان کی شادی کر دے، تو وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان آڑ بن جائیں گی۔'' (ابن ماجہ کتاب الادب باب ۳)

[44] یہود نے نبی اکرم ﷺ سے کہا اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کو دیکھ کر اس سے کلام کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام اللہ کو دیکھتے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید میں یہ آیت اتاری: مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ۔ الخ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی بشر سے اللہ کا کلام کرنا تین ہی طریقہ سے ہوتا ہے اور ان تینوں طریقوں میں اللہ کا دیکھنا شامل نہیں ہے، بلکہ تینوں طریقوں میں اللہ کو دیکھے بغیر اس کا کلام حاصل کرنا ہی شامل ہے۔

وحی کی تین اقسام

اول: (وحیاً) یعنی اللہ اپنے نبی پر وحی فرمائے۔ وحی کا معنی خفیہ پیغام ہے یعنی اللہ اپنے نبی کے دل پر اس کی نیند یا بیداری میں براہِ راست القاء کرے درمیان میں کسی فرشتہ کا واسطہ نہ ہو۔ چنانچہ نیند کے بارہ میں حدیث ہے کہ اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور حضور ﷺ کے لئے ابتداء میں اچھے خوابوں سے سلسلۂ وحی کا آغاز کیا گیا۔ جبکہ بیداری میں وحی کا معنی یہ ہے کہ نبی کے دل پر کسی بات کا القاء کیا جائے جیسے حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ روح القدس نے میرے وجدان میں یہ بات ڈالی ہے (حاکم) اور آپ گھنٹیوں کی سی آواز سنتے تھے جس سے آپ کی پیشانی مبارک پسینے سے شرابور ہو جاتی، یہ بھی دل پہ القاء ہی کی ایک صورت تھی۔

دوم: (مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ) کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے پردہ کے پیچھے سے براہِ راست کلام کرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کلام فرماتا تھا اور وہ اللہ کو دیکھتے نہ تھے صرف کلام سنتے تھے۔ قرآن میں ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: يٰمُوۡسٰٓى اِنِّىۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ ''اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں تو تم اپنی جوتیاں اتار دو۔'' (طٰہٰ، ۱۲) وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ⑰ ''اے موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔'' (طٰہٰ، ۱۷) گویا یہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست سوال و جواب تھا، درمیان میں کسی فرشتہ کا واسطہ کا نہ تھا اور نبی پاک ﷺ سے بھی اللہ تعالیٰ کا براہِ راست کلام فرمانا حدیث طیبہ میں وارد ہے۔

جیسے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ صرف ایک حرف (طریقہ) پر قرآن پڑھو۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ! میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو حرفوں پر قرآن پڑھو، میں نے پھر وہی بات عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے سات حروف پر قرآن کے پڑھنے کی اجازت دے دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے جو تین بار مجھ سے رجوع کیا ہے اس پر آپ مجھ سے تین حاجات مانگ سکتے ہیں تو میں نے دو بار عرض کیا اے اللہ! میری امت کی بخشش فرما، اے اللہ! میری امت کی بخشش فرما اور تیسری دعا میں نے روز قیامت کے لئے رکھ لی جب ساری مخلوق بشمول ابراہیم علیہ السلام میری طرف رجوع کرے گی (اور اس وقت بھی آپ کی یہی دعا ہوگی کہ اے اللہ! میری امت کی بخشش فرما) (مسلم کتاب فضائل القرآن حدیث ۲۷۳) اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ سے براہِ راست کلام فرمایا مگر یہ حجاب کے پیچھے سے تھا اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا شامل نہ تھا۔

سوم: (اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا) ''اللہ اپنے نبی کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے'' اور وہ اللہ کی طرف سے جو اللہ چاہے اللہ کے نبی تک خفیہ پیغام پہنچاتا ہے۔ یاد رہے فرشتے کے آنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی پر غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ فرشتے کو دیکھتا اور اس سے کلام لیتا ہے۔ اس وقت نبی بشری حالت سے ملکی حالت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ وحی دینے والے فرشتے اور وحی لینے والے نبی کے درمیان حالت کی موافقت ضروری ہے۔ دوسری صورت یہ

ہے کہ فرشتہ ملکی حالت سے بشری صورت کی طرف منتقل ہوکر آتا ہے جیسے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کسی اعرابی یا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا؟

اس آیت سے استدلال کر کے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج اللہ رب العزت کو دیکھا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی نبی سے کلام کرنے کی یہاں تین ہی صورتیں بیان کی گئی ہیں جن میں نبی کا اللہ کو دیکھنا شامل نہیں ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو کیسے دیکھ لیا؟

مگر یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ کا عمومی حالات سے تعلق ہے جب اللہ کا نبی زمین پر موجود ہو، اسوقت اس پہ اترنے والی وحی مذکورہ تین صوتوں ہی میں ہوسکتی ہے۔ جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اس وقت دیکھا جب آپ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے اور عرش الٰہی سے بلند تر تشریف لے گئے تھے اسوقت آپ پر جو وحی فرمائی گئی وہ صرف آپ سے ہی مخصوص ہے وہ کسی اور نبی کو عطا نہ فرمائی گئی۔ اسی کے بارہ میں فرمایا گیا: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ (النجم ۱۰)

اسی طرح لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام، ۱۰۳) سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کو نہ دیکھنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کا اس حالت سے تعلق ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے نور خاص کے ساتھ تجلی فرمائے کیونکہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ ''محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔'' حضرت عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کہ ''اللہ کو نگاہیں پا نہیں سکتیں۔'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تم پر افسوس، یہ اس وقت ہے جب اللہ اپنے خاص نور کے ساتھ تجلی فرمائے وَقَدْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ۔ جب کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے۔'' (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النجم باب ۳ حدیث ۳۲۷۹)

گویا اس حالت سے ہٹ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اللہ کا نبی اللہ کو دیکھ سکتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہ انہوں نے بار بار کہا حتی کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی۔ (تفسیر قرطبی جلد ۷ صفحہ ۵۶ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ
اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے زندگی بخش کلام وحی کیا ہے۔ آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے
وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ
اور ایمانی احکام کیا ہیں [45] بلکہ ہم نے اسے نور بنایا ہے ہم اس کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔
وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی
اور آپ بلاشبہ سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں، اس اللہ کا راستہ جس کے لئے ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں میں
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع
اور جو زمین میں ہے، آگاہ رہو کہ اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹتے ہیں۔ [46]

ع ۵ / ۲

[45] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے وحی کے مذکورہ تینوں طریقوں کے ساتھ آپ کی طرف روح (یعنی وہ کلام جو روح کی طرح زندگی بخش ہے) کی وحی کی ہے۔ اس سے قبل آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے یعنی آپ نے کسی سے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی، آپ کو جو کچھ پڑھایا اللہ نے پڑھایا۔ یا یہ معنی ہے کہ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتابت کیا ہے۔ کیونکہ کتاب بمعنی تحریر بھی ہے جیسے لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ۔ ''ہر مدت کے لئے ایک تحریر ہے۔'' (رعد، ۳۸)

مقصد یہ ہے کہ آپ نزولِ وحی سے قبل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، کیونکہ اگر آپ پہلے سے کتابوں کا مطالعہ کرنا اور لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو منکرین کہتے کہ آپ نے پہلی آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی طرف سے نئی کتاب لکھ دی ہے اور اس کا نام قرآن رکھ لیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نزولِ وحی سے قبل ایسے رکھا کہ آپ نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ آپ کی زبان سے جاری ہونے والے علوم و معارف کے چشمے اللہ نے جاری کئے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا الْاِيْمَانُ اور آپ نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے؟ یہاں ایمان سے ایمانی احکام مراد ہیں، یعنی آپ نزولِ وحی سے قبل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق اور دیگر احکام اسلام سے واقف نہ تھے، یہ احکام ہم ہی نے آپ پر اتارے ہیں۔ ایمان سے احکام کا مراد ہونا قرآن میں وارد ہے۔ چنانچہ جب قبلہ تبدیل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے سوال کیا گیا کہ ہم نے پہلے قبلے کی طرف رخ کر کے جو نمازیں پڑھیں ان کا کیا بنے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ''اللہ تمہارے ایمان (یعنی اعمال) کو ضائع نہیں کرتا۔'' (بقرہ، ۱۴۳) تو جس طرح یہاں ایمان سے ایمانی اعمال مراد ہیں اسی طرح مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ میں ایمان

سے ایمانی اعمال مراد ہیں، کہ آپ نزول وحی سے قبل اعمال کی تفصیل نہیں جانتے تھے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ایمان کے مفہوم ہی سے بے خبر تھے۔

[46] یعنی ہم نے قرآن اتار کر اسے ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم جسے چاہیں ہدایت دے دیتے ہیں۔ اور اے پیارے حبیب ﷺ! آپ کا کام لوگوں کو سیدھا راستہ بتا دینا ہے، آگے راستے پر کسی کو چلانا ہمارا کام ہے۔ آپ لوگوں کو بتاتے رہیں کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

الحمدللہ آج 22 رجب المرجب 1429ھ بمطابق 27 جولائی 2008ء بروز اتوار بعد نماز فجر سورہ شوریٰ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ زخرف

تلاوت کی ترتیب میں یہ قرآن کریم کی 43 ویں سورت ہے اور نزول کی ترتیب میں 62 ویں سورت ہے۔ اسے سورہ زخرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ زخرف ہے وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ کُلُّ ذٰلِكَ۔ (آیت، ۳۵) اور یہ لفظ اسی سورت میں ہے کہیں اور نہیں، تو اسی سے سورۃ کا نام رکھا گیا ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔

اس میں سات (7) رکوعات، نواسی (89) آیات، آٹھ سو (800) کلمات اور تین ہزار چار سو (3400) حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت میں یہ خصوصی مضامین ہیں، حقانیتِ قرآن، انبیاء سابقین کی سرکش قوموں کا عبرتناک انجام، انسان پہ انعاماتِ الٰہیہ، کفار عرب کا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھنے کا رد، ردِ شرک، اثباتِ توحید، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغی مساعی، قرآن کے بارہ میں کفار کے شبہات کا رد، ذکرِ رحمان سے غفلت کا انجام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ حق دینا، اس کا انکار اور اس پہ نزول عذاب، حقیقت دنیا، علاماتِ قیامت منجملہ نزول عیسیٰ علیہ السلام، احوالِ قیامت، صفاتِ الٰہیہ اور اخلاقِ مرسلین کا بیان، اور موت کا ذکر۔

اس سے قبل سورہ شوریٰ ہے، جس کے پہلے رکوع میں وحی الٰہی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ نزول کا بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے اور یہی بیان سورہ زخرف کے پہلے رکوع میں ہے۔ اسی طرح شوریٰ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تفصیلی بیان ہے اور یہی مضمون زخرف کے ابتدائی رکوعات کا ہے۔ اس طرح ان دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبات وتشابہات ہیں، اس لیے ان دونوں کو اکٹھا لایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ۸۹ ۴۳ سُوۡرَۃُ الزُّخۡرُفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۳ رکوعاتہا ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ﴿۳﴾

مع

حا، میم، قسم ہے روشن کتاب کی [1] ہم نے اسے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو [2]

وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ؕ﴿۴﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ

اور یہ اصل کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے ہاں بلند حکمت والا قرآن ہے [3] کیا ہم تمہیں اس لئے نصیحت کرنا چھوڑ دیں

صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾ وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی

کہ تم حد سے بڑھنے والی قوم ہو؟ اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی

الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾ فَاَہۡلَکۡنَاۤ

انبیاء بھیجے اور ان کے پاس جو بھی نبی آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، تو ہم نے

اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّ مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ

ان سے سخت تر پکڑ والے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے [4] اور اگر تم ان سے پوچھو کہ

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَہُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ

آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ انہیں عزت والے علم والے رب نے پیدا کیا ہے [5] اللہ وہ ہے

لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَہۡدًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ۚ﴿۱۰﴾

جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ [6]

قرآن کے بھیجنے والے خدا اور لانے والے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت

[1] حٰمٓ کے بارہ میں پہلے بھی کچھ کلام ہو چکا ہے۔ یہاں امام اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ حٰمٓ اللہ کے دو اسماء حنان اور منان کی طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو عظیم صفات کی قسم اٹھائی پھر قرآن مبین کی۔ قرآن کو مبین اس لئے کہا گیا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ما کان وما یکون کا بیان فرما دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ ''اور ہم نے آپ پر قرآن کو ہر چیز کا واضح بیان بنا کر اتارا ہے۔'' (نحل، ۸۹)

[2] یعنی اے اہل عرب! ہم نے تم میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عربی قرآن اتارا ہے تا کہ تم سمجھو اور آگے دوسری قوموں کو سمجھاؤ۔ اس سے تین فوائد معلوم ہوئے۔

(1) قرآن کی زبان صرف عربی ہے: غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ ہوسکتا ہے مگر وہ قرآن نہیں۔ کیونکہ مخلوق سے ممکن نہیں کہ خالق کے کلام کا اس کے تمام معارف کے ساتھ ترجمہ کر سکے۔ اسی لئے غیر عربی میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

(2) عربی زبان کی فضیلت: سید الرسل اور سید الکتب کی زبان عربی ہے لہٰذا یہ سید اللغات ہے۔

(3) صحابہ کرام ساری امت کے استاذ ہیں: اور ان کے استاذ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جیسا کہ لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ سے اشارہ ملتا ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل عرب تھے، تو ان کی آسانی کے لیے قرآن کو عربی میں اتارا گیا تا کہ وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سمجھ کر آگے باقی امت کو سمجھا دیں، اگر قرآن عربی میں نہ اترتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے کیسے سمجھتے اور آگے باقی امت کو کیسے سمجھاتے؟

[3] قرآن مجید اصل کتاب میں محفوظ ہے یعنی لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۲۱﴾ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾ ''بلکہ وہ بزرگی والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔'' (بروج، ۲۲) اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِیۡمٌ ﴿۷۷﴾ فِیۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾ ''بے شک وہ بزرگی والا قرآن ہے جو مخفی کتاب میں تحریر ہے۔'' (واقعہ، ۷۷) یعنی قرآن پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا، پھر وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا۔ لہٰذا لوح محفوظ کو اصل کتاب کہا گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن بلند ہے اور حکمت والا ہے۔ معلوم ہوا قرآن سب کتابوں سے عظیم ہے۔ اور اس کی عظمت کو کوئی گھٹا نہیں سکتا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے عَلِیٌّ حَكِیۡمٌ قرار دیا ہے۔

[4] یعنی اے قرآن کے منکرو! کیا ہم اس لئے تمہیں قرآن کے ذریعے نصیحت کرنا چھوڑ دیں کہ تم اس کی صداقت کے سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت میں حد سے بڑھ رہے ہو؟ نہیں، ہم قرآن کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتے رہیں گے۔ تم سے پہلے لوگوں میں بھی ہم نے انبیاء بھیجے اور انہوں نے بھی انبیاء کا اور ان پر اترنے والی وحی کا مذاق اڑایا، تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ حالانکہ وہ اپنی پکڑ یعنی قوت میں منکرین قرآن سے سخت تر تھے، جیسے قوم عاد وثمود اور قوم فرعون

وغیرہ۔اور اگر منکرین قرآن باز نہ آئے تو وہ بھی اللہ کی پکڑ میں آ جائیں گے۔ چنانچہ بدر و احزاب اور طائف وحنین کے معرکوں میں مشرکین عرب کا غرور خاک میں ملا دیا گیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے تمام اہل عرب کو راہِ حق دکھا دی۔اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن اور قرآن کی منکر قوموں کے لیے وارننگ ہے۔

[5] کفار عرب بھی مانتے تھے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے اور وہ عزیز وعلیم ہے۔مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اکیلا اللہ سارے نظام کائنات کو نہیں چلا سکتا تو ان کے جھوٹے خدا اللہ کے مددگار ہیں۔جیسے انہوں نے کہا
اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ۝ ''کیا اس نے (حضور ﷺ نے) کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا مان لیا ہے یہ تو بہت عجیب بات ہے۔'' (ص،۵)

مگر یہ ان کی عجیب بدحواسی تھی کہ جس رب کو وہ ارض وسما کا خالق جانتے تھے، اسے اس کائنات کے تنہا چلانے سے عاجز مانتے تھے۔کیا جو رب کائنات کو بنا سکتا ہے وہ اسے چلا نہیں سکتا؟

[6] اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لئے گہوارہ بنایا ہے۔جس طرح بچے کو گہوارے میں پالا جاتا اور خوراک مہیا کی جاتی اور اس کی نگہداشت کی جاتی ہے۔اسی طرح انسان کو زمین کی گود میں پالا جاتا، خوراک دی جاتی اور نگہداشت کی جاتی ہے۔اور زمین کو آغوش مادر کی طرح نرم بنایا گیا ہے نہ پانی کی طرح نرم نہ لوہے کی طرح سخت۔پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کے لئے راستے بنائے تاکہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔اگر اللہ تعالیٰ نے زمین کے قرار کے لئے اس پر پہاڑ کھڑے کئے ہیں تو ان کے اندر بھی وادیاں رکھی ہیں جو انسانوں کو راستوں کا کام دیتی ہیں، اگر یہ وادیاں نہ ہوتیں اور پہاڑ ایک دوسرے سے پیوست ہوتے تو انسانوں کا زمین کی اطراف میں ادھر سے ادھر آنا جانا دشوار تر ہو جاتا۔پھر انسان کس قدر ناشکرا ہے کہ ایسے رحیم وکریم رب کی نعمتیں تو لوٹتا ہے مگر اس کے کہنے پر نہیں چلتا۔

وَالَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِكَ

اور جس نے آسمان سے ایک اندازے سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ساتھ مردہ علاقہ کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تمہیں (روز قیامت)

تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ

نکالا جائے گا [7] اور جس نے تمام جوڑے پیدا کئے [8] اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سواری کرتے ہو، تاکہ تم

وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّکُمۡ

ان کی پشت پر برابر بیٹھو، پھر جب تم ان پر سیدھے بیٹھ جاؤ تو اپنے رب کی

اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ

نعمت یاد کرو اور کہو: پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارے لئے تابع کیا اور ہم اس کی

مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ

طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اللہ کی جزء بنا دیا

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَکَفُوۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾ ع

بے شک انسان کھلا ناشکرا ہے۔ [9]

[7] اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسا کر مردہ علاقہ کو زندہ کر دیتا ہے یعنی وہاں سے پودے اور درخت اُگتے ہیں، جن کے بیج (Seeds) سے آگے مزید پودے اور درخت اُگتے ہیں اور یہ توالد و تناسل زندگی کی علامت ہے۔ اسی طرح روز قیامت اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ یعنی جس طرح وہ خشک گٹھلیوں اور بیج میں سے لہلہاتے درخت نکالتا ہے، یونہی وہ خشک ہڈیوں میں دوبارہ زندگی ڈال سکتا ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ دو بار صور کے پھونکے جانے کے درمیان میں چالیس دن کا فاصلہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا، تو لوگ زمین سے یوں اُگیں گے جیسے پودے اُگتے ہیں (پھر ان کی ارواح ان میں واپس داخل کی جائیں گی) (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ زمر باب ۳)

یاد رہے جیسے اللہ تعالیٰ بارش کے پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے یونہی قرآنی آیات کی بارش سے مردہ قلوب زندہ ہوتے اور ان سے اعمالِ صالحہ کے پودے اُگتے ہیں۔

[8] اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے جوڑے بنائے یعنی متضاد صفات کی اشیاء۔ جیسے انسان وحیوان میں نر و مادہ، پھر انسانوں میں مومن و کافر، عاقل و جاہل، نیک خو و بد خو اور پھلوں میں کڑوا میٹھا، گرم سرد وغیرہ۔ الغرض کائنات کی رنگا رنگی اس کے خالق کی عظمتوں پر شاہد ہے۔

[9] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بحری و بری سفر کے لئے بالترتیب کشتیاں اور چوپائے بنائے تاکہ اے انسانو! تم ان کی پیٹھ پر برابر بیٹھ کر سفر کرسکو اور اس وقت تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کر کے بے ساختہ کہو سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ یعنی پاک ہے وہ رب جس نے یہ کشتی اور یہ جانور ہمارے تابع کئے ورنہ ہم اپنی طاقت سے اسے تابع نہیں کر سکتے تھے اور ہم نے اپنے رب کے پاس واپس جانا ہے۔ آج انسان کی سواری کے لئے سائیکل، موٹر سائیکل، کار اور ہوائی جہاز وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں اور ان سب کو بھی اللہ ہی نے انسان کے تابع کیا ہے یعنی انسان کو ان کے بنانے اور چلانے کا شعور دیا ہے۔ لہٰذا ان جدید سواریوں پہ بیٹھتے ہوئے بھی یہ دعا کرنی چاہیے۔

سواری پہ بیٹھ کر دعا مانگنے کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان سمجھے کہ وہ اللہ کی مدد کے ساتھ ہی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے، اگر اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو انسان ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ ہم نے بار ہا دیکھا ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں بڑے بڑے منصوبے لیکر گھروں سے نکلتے ہیں، مگر راستہ میں ان سے حادثہ ہو جاتا ہے اور وہ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز ہوا میں پھٹ جاتے ہیں، گاڑیوں کا ایکسیڈینٹ ہو جاتا ہے۔

آج سے قریباً تیس برس قبل میں نے اخبار میں خبر پڑھی تھی کہ پشاور کے قریب ایک گاؤں میں کسی نوجوان کی شادی تھی۔ وہ شہر سے پھول لینے کے لیے گیا تاکہ ان کے ہار بنائے جائیں اور وہ ان کو شادی پہ پہنے۔ مگر افسوس واپس آتے ہوئے راستہ میں اس کا ایکسیڈینٹ ہو گیا، اس کی موت واقع ہو گئی اور جو پھول وہ لایا تھا وہ اس کی شادی کی بجائے اس کی قبر پہ ڈالے گئے۔

اس لیے مومن کو اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھا رہا ہے کہ وہ سواری پہ بیٹھ کر یہ دعا پڑھے، تاکہ اللہ کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو جائے اور اسے اپنے سفر میں کامیاب کرے اور کسی حادثہ سے بچائے۔ مگر یہ مقام افسوس ہے کہ ہم میں سے کئی لوگ سواری پہ بیٹھتے ہی اللہ کا نام لینے کی بجائے گانے کی کیسٹ لگا دیتے ہیں، گویا اپنی ہلاکت کو خود دعوت دیتے ہیں۔ اگر حیا سوز گانا سنتے ہوئے موت آ گئی تو یہ بہتری کی علامت نہیں ہے۔

آغازِ سفر کی مسنون دعائیں

معلوم ہوا سواری پہ سیدھے بیٹھ کر آغاز سفر سے قبل یہ قرآنی دعا ضرور پڑھنی چاہیے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مروی ہے کہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر رکاب میں قدم رکھا پھر سوای پہ سیدھے

ہو کر بیٹھے تو کہا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ پھر تین بار کہا: الحمد للہ اور تین بار کہا: اللہ اکبر، پھر سُبۡحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ پڑھا (یعنی اے اللہ! تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے خود پر زیادتی کی اے اللہ! مجھے بخش دے) پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہنس پڑے۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا آپ کیوں ہنسے؟ فرمایا میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک بار ایسے ہی کیا جیسے میں نے کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کیوں ہنس پڑے؟ فرمایا جب بندہ رب اغفرلی (اے میرے رب مجھے بخش دے) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر فرماتا ہے میرے بندے کو معلوم ہے کہ میرے سوا اسے کوئی بخشنے والا نہیں۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سواری پہ اپنے ساتھ پیچھے بٹھایا۔ جب آپ سواری پہ سیدھے بیٹھ گئے تو تین بار سبحان اللہ تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہا پھر لا الٰہ الا اللہ پڑھا، پھر سواری پہ دراز ہوئے اور مسکرا دیے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جو شخص سواری پہ سوار ہو کر ایسا ہی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو کر یوں مسکراتا ہے (خوش ہوتا ہے) جیسے میں مسکرایا ہوں۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۳۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سواری پہ سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے، پھر سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ پڑھتے، پھر یہ دعا مانگتے۔

اَللّٰهمّ انّی اسئلُك فی سفرِنا هذا البِرَّوالتقوىٰ ومن العملِ ماترضیٰ اللهم هوّنْ علینا السفرَ وَاطْوِ عنّا البُعدَ اللّٰهم انت الصاحبُ فی السفرِ والخلیفةُ فی الاهلِ۔ ''اے اللہ! میں اس سفر میں تجھ سے بھلائی، تقویٰ اور تیرا پسندیدہ عمل مانگتا ہوں، اے اللہ! ہم پر سفر کو آسان کر دے اور اس کی لمبائی کو لپیٹ دے، اے اللہ! تو سفر میں میرا ساتھی اور اہل وعیال کا نگہبان ہے۔'' (مسلم کتاب الحج حدیث ۴۲۵)

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصۡفٰىکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمۡ بِمَا

کیا جو اللہ نے پیدا کیا اس میں سے اس نے (اپنے لئے) بیٹیاں لے لیں اور تمہیں بیٹوں کے لئے چن لیا؟ اور جب ان میں سے کسی کو

ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡہُہٗ مُسۡوَدًّا وَّ ہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا

اس چیز کی (بیٹی کی) بشارت دی جائے جو وہ رحمان کے لئے بیان کرتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے بھرا ہوتا ہے [10]۔

فِی الۡحِلۡیَۃِ وَ ہُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ ﴿۱۸﴾

تو کیا جو زیورات میں پلے بڑھے اور جھگڑے میں بات واضح نہ کر سکے (اسے اللہ نے اپنی اولاد بنا لیا؟)[11]

اللہ کے لئے اولاد ماننے کی برائی

[10] کفار عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ دراصل فرشتوں کے بارہ میں ان کا ایک غلط خیالی تصور تھا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے شادی کی تو اس سے کچھ ارواح نے جنم لیا انہی کو وہ ملائکہ سمجھتے تھے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۲۳) گویا وہ جنات ہی کو ملائکہ سمجھتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، وہی ان کے معبودانِ باطلہ تھے جنہیں وہ متصرف فی العالم اور اللہ تعالیٰ کے مددگار ٹھہراتے تھے اور دوسری طرف وہ اپنے ہاں بیٹی کی پیدائش کو اپنے لئے سخت عار جانتے تھے، وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے منکرو! کیا اللہ نے اپنے لئے بیٹیاں رکھ لیں اور تمہیں بیٹے دے دیئے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ان منکروں میں سے کسی کو بشارت دی جائے کہ اس کے ہاں بیٹی ہوئی ہے تو اس کا منہ غصے سے سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ خدائے رحمٰن کے لئے بیٹیاں تسلیم کرتا ہے۔ کیا اسے ایسا کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا وہ خود کو اللہ سے بھی معزز سمجھتا ہے؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۱﴾ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی ﴿۲۲﴾ ''کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو غیر منصفانہ ہے۔'' (نجم، ۲۱)

بیٹی کی پیدائش پر سوگ کرنا کفار کا کام ہے، مومنوں کا نہیں

کفار عرب بیٹی کی پیدائش پر غصے سے آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ افسوس آج بعض مسلمانوں کے خیالات بھی اسی طرح کے ہیں اگر ان کے ہاں چند بیٹیاں لگاتار پیدا ہو جائیں، تو غصے میں بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے ہاں بیٹی ہوئی اور اس نے اسے حقیر نہ جانا نہ

بیٹا ہونے کو اس پر ترجیح دی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔'' (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۲۰ حدیث ۵۱۴۶)

[11] یعنی کفار نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں مانیں۔ حالانکہ عورت ایسی مخلوق ہے، جو زیوروں میں پلتی بڑھتی ہے یعنی جسمانی طور پر کمزور ہے۔ اور یہی نہیں وہ عقل میں بھی کمزور ہے کیونکہ جھگڑے میں اپنی بات واضح نہیں کر سکتی اور غصے میں اس کے اوسان خطاء ہو جاتے ہیں، اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے اور وہ دلیل پیش کرنے کی بجائے شدت جذبات سے ناسمجھ بچوں کی طرح رونے لگتی ہے۔ کیا اللہ نے ایسی کمزور مخلوق ہی کو اپنی اولاد بنانا تھا؟

زیورات عورتوں کے لئے حلال ہیں مردوں کے لئے نہیں

اَوَمَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَةِ سے معلوم ہوا کہ عورت کو اللہ رب العزت نے زیورات پہننے کے لئے بنایا ہے تاکہ وہ اپنے حسن و جمال سے اپنے شوہر کو متاثر کر سکے اور ایک کامیاب بیوی ثابت ہو۔ چنانچہ وہ زیورات میں پلتی بڑھتی ہے اور جوں جوں جوان ہوتی ہے زیورات کی کئی قسمیں پہننے لگتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرد زیورات اور جسمانی حسن سے نہیں بلکہ اپنی شجاعت و بہادری، اپنے علم و فضل اور اپنے اعلیٰ اوصاف و اخلاق سے صنف مخالف کو متاثر کرتا ہے۔ اسی فرق کو واضح کرنے کے لئے شریعت نے مرد کے لئے زیورات حرام کئے ہیں۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس لوہے کی انگوٹھی پہن کر آیا آپ نے فرمایا ''میں تم پر اہل جہنم کا زیور دیکھتا ہوں''، وہ دوبارہ پیتل کی انگوٹھی پہن آیا آپ نے فرمایا ''مجھے تم سے بتوں کی بو آتی ہے''، وہ سونے کی انگوٹھی پہن آیا۔ آپ نے فرمایا ''یہ لباس تو صرف جنت میں ملے گا'' (دنیا میں حلال نہیں) اس نے عرض کیا میں کیا زیور پہن سکتا ہوں؟ فرمایا ''صرف چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن ایک مثقال سے کم ہو۔''

(ایک مثقال ساڑھے سات ماشہ ہے، بہار شریعت جلد ۱۶ صفحہ ۷۰) (ترمذی کتاب اللباس باب ۴۳ حدیث ۱۷۸۵، ابوداؤد کتاب الخاتم باب ۴، نسائی کتاب الزینۃ باب ۴۶، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۳)

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے مردوں کے لئے ریشم اور سونا حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔'' (ترمذی کتاب اللباس حدیث ۱۷۲۰)

عورت مرد کے مقابلہ میں ناقصۃ العقل ہے

وَهُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ ⑱ سے معلوم ہوا عورت مرد کے مقابلہ میں عقلی طور پر کمزور ہے، اسی لئے اس کی گواہی مرد کے مقابلہ میں شرعاً نصف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عورتو! صدقہ اور استغفار کیا کرو میں نے تمہیں جہنم میں زیادہ دیکھا ہے'' ایک عورت نے عرض کیا: وہ کیوں؟ آپ نے

فرمایا ''تم لعنت ملامت اور شوہر کی نافرمانی زیادہ کرتی ہو۔ اور تم سے بڑھ کر عقل اور دین میں کوئی ناقص نہیں۔'' اس نے پھر عرض کیا: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا ''عقل کا نقصان یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور دین کا نقصان یہ کہ کئی ایام میں تم نماز و روزہ ادا نہیں کر سکتیں۔'' (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۳۲)

اس کا یہ معنی نہیں کہ عورت نچلے درجہ کی مخلوق ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ جس طرح اس کا جسم کمزور ہے، اسی طرح اس کے قویٰ بھی کمزور ہیں جن میں عقل و خرد بھی شامل ہے۔ اسی لئے مشکل آنے پر وہ رونے دھونے لگتی ہے جبکہ مرد بڑے سے بڑے مصائب میں بھی جذبات پر کنٹرول رکھتا ہے اور حالات پہ اس کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑتی۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا، کیا وہ ان کی تخلیق پر حاضر تھے؟

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ

تو عنقریب ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا۔ اور انہوں نے کہا: اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے،

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ؕ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ

انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف اٹکل لگاتے ہیں، کیا ہم نے اس سے قبل انہیں کوئی کتاب دی تھی کہ وہ اس سے

قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا

دلیل پکڑتے ہیں؟ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا تو ہم ان کے نقش قدم پر

عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ

راہ پاتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے آپ سے قبل کسی بستی میں جو بھی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو وہاں کے

نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر اقتداء

مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ

کرتے ہیں۔ تو نبی نے کہا: اگر میں تمہارے پاس اس دین جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا، سے بڑھ کر ہدایت والا دین لے آؤں

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

(تو کیا تم اسے مانو گے؟) وہ کہنے لگے تمہیں جو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس سے منکر ہیں۔ تب ہم نے ان سے انتقام لیا، تو دیکھو

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

جھٹلانے والوں کا کیسا انجام تھا۔ [12]

[12] یعنی مشرکین نے فرشتوں کو عورتیں قرار دیا ہے، کیا جب فرشتے بنائے جا رہے تھے تو وہ وہاں موجود تھے؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ۝ ''کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا ہے اور وہ وہاں موجود تھے؟'' (صافات، ۱۵۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا فرشتوں کو عورتیں اور اللہ کی بیٹیاں کہنا ان کے نامۂ اعمال میں لکھ لیا جائے گا اور روز قیامت اس پر ان سے سوال ہوگا۔

دراصل کفار عرب نے فرشتوں کے خیالی بت بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی تھی اور وہ عورتوں کی شکل والے بت تھے، کیونکہ ان کے نزدیک فرشتے اللہ کی بیٹیاں یعنی مونث تھے۔ چنانچہ ان کے نام بھی انہوں نے مونث والے رکھے تھے، جیسے لاۃ، یہ ان کے نزدیک اللہ کی مونث تھی۔ العزیٰ ان کے نزدیک اللہ کی صفت الاعزّ کی مونث تھی۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہے: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ''کفار اللہ کو چھوڑ کر چند عورتوں کی پوجا کرتے ہیں۔'' (نساء، ۱۱۷)

کفار نے جنات کو ملائکہ کا نام دے کر اور انہیں اللہ کی اولاد مان کر ان کی عبادت شروع کر دی تھی۔ اور ان کی دلیل یہ تھی کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت کیسے کر سکتے تھے؟ اللہ نے چاہا تو ہم نے ان کی عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے جواب میں فرمایا کہ ان کے پاس کوئی ٹھوس علم نہیں، وہ محض خیالات کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں؟ ہاں ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس دین پر پایا ہم اسی پر چلیں گے اور پہلے انبیاء کے مقابلہ میں بھی ان کی قوموں کے دولت مند متکبروں نے یہی کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے ہم اپنے باپ دادا کے دین کی اقتداء کریں گے۔ تو ہر نبی نے انہیں یہی سمجھایا کہ اگر میں تمہارے باپ دادا کے دین سے بہتر راہنمائی کرنے والا دین تمہارے سامنے رکھوں تو پھر بھی تم اسے قبول نہ کرو گے؟ تو کفار نے یہی کہا کہ ہاں ہم تمہارے لائے ہوئے دین سے بہرحال انکار ہی کریں گے خواہ وہ کیسا ہے۔ جب کفار کی ہٹ دھرمی یہاں تک بڑھ جاتی تھی، تو ہم ان سے انتقام لیتے یعنی انہیں ہلاک کر دیتے تھے۔ تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) دین حق کا مقابلہ کرنے والی قوتیں بالآخر تباہ ہو جاتی ہیں:

آج جن مغربی طاغوتی طاقتوں نے اہل اسلام پر مظالم روا رکھے ہوئے ہیں اور ان پر اپنے نظریات جبراً ٹھونسنا چاہتے ہیں ان کا خاتمہ بھی قریب ہے۔

(2) شریعت کے خلاف باپ دادا کی تقلید جائز نہیں:

مومن کو چاہیے کہ وہ خاندان کی بجائے خدا کی بات مانے، خدا کو چھوڑ کر خاندان کا کہنا ماننا کفار کا طریقہ ہے۔ مگر آج یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص الیکشن پہ کھڑا ہو تو اس کا خاندان اسی کو ووٹ دیتا ہے، خواہ وہ بدکردار بد اطوار اور معاشرہ

کے لیے ناسور ہو اور وہ منتخب ہو کر صرف لوٹ مار کرتا ہے۔ آج ہمارے وطن عزیز پاکستان کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے، اسمبلیوں میں جانے والے لوگوں میں ایک بڑی تعداد لٹیرے ڈاکوؤں کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کے صدقے وطنِ عزیز پر رحم فرمائے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیۡ
اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے فرمایا: بے شک جنہیں تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، سوا
فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ ﴿۲۷﴾
اس رب کے جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے راہ دے گا[13]

دنیوی نعمتوں کی بے قدری اور اُخروی نعمتوں کی قدر و منزلت

[13] آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا مگر عرف میں وہ آپ کا باپ ہی سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اسی نے آپ کو پالا پوسا تھا وہ اور آپ کی باقی قوم، سب بت پرست لوگ تھے تو آپ نے انہیں فرمایا: میں تمہارے ان جھوٹے خداؤں سے سخت بیزار و متنفر ہوں۔ مجھے صرف اس سچے رب سے محبت ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہ مجھے ضرور راہ دے گا یعنی مجھے تم سے دور کر دے گا۔ چنانچہ آپ کو حکم ہوا کہ اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر فلسطین چلے جائیں۔ ان آیات میں مشرکین مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جب انہیں اولادِ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہونے پر فخر ہے، تو وہ بت پرستی سے باز کیوں نہیں آتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بت شکن تھے اور یہ لوگ بت گر ہیں۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ

اور اللہ نے یہی بات، ان کی نسل میں باقی رکھی تا کہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں [14] بلکہ میں نے انہیں

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اور ان کے باپ دادا کو متاع دنیا دی یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور روشن رسول آ گیا۔ پھر جب ان کے پاس حق آیا

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى

تو انہوں نے کہا یہ جادو ہے اور ہم ان سے منکر ہیں [15] اور انہوں نے کہا یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ و طائف) میں سے

رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا

کسی بڑے شخص پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنے والے ہیں؟ ہم نے ان کے مابین

بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

ان کی معیشت کو دنیوی زندگی میں تقسیم کیا ہے اور ہم نے درجات میں انہیں ایک دوسرے پر بلند کیا ہے تا کہ وہ

دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا

ایک دوسرے سے بیگار لیں اور جو (دولت) وہ جمع کرتے ہیں اس سے آپ کے رب کی رحمت

يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ

بہتر ہے [16] اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی گروہ (کفار) بن جائیں گے تو ہم رحمان سے

بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ لا

انکار کرنے والوں کے لئے ان کی چھتیں اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی کی بنا دیتے

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِــُٔوْنَ ۝ لا وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ

اور ان کے گھروں کے دروازوں کو اور جن تختوں پہ وہ بیٹھتے ہیں انکو چاندی اور سونے کے بنا دیتے۔ اور بے شک یہ سب کچھ

لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾

حقیر سامان دنیا ہے اور آپ کے رب کے ہاں پرہیز گاروں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔[17]

[14] یعنی ابراہیم علیہ السلام کا شرک سے یہ انکار اور توحید پر اصرار ایسا مبارک کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں ہمیشہ باقی رکھا، اسے کبھی ختم نہ ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا تاکہ دوسرے لوگ بھی رجوع کریں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ موجود رہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور شرک سے بیزار تھے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں: وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ (بقرہ، ۱۳۲) والی وصیت اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ہمیشہ جاری رہی۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۳۳) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں اسلام کی وصیت کرنے والے ہمیشہ باقی رہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۸۲)

ایمان آبائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيۡ عَقِبِهٖ کے تحت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے طویل کلام کیا اور ثابت کیا ہے کہ واقعتاً ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ایمان والے لوگ ہمیشہ رہے اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد بھی تھے تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ (الحاوی للفتاوی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ تا ۲۰۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) اور اس پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ فرمایا: رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ''ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) نے کہا اے اللہ! ہمیں اپنے حضور جھکنے والے بنا اور ہماری نسل میں ایک گروہ رکھ جو تیرے حضور جھکنے والا ہو اور ہمیں ہمارے احکام دین سکھا اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا رحم والا ہے اور اے ہمارے رب! ان میں (اس گروہ میں) ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما۔'' (بقرہ، ۱۲۷)

یعنی حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے دعا کی کہ ان کی ذریت میں جو گروہ اللہ کے حضور جھکنے والا ہو، اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوں۔ چنانچہ انکی یہ دعا قبول ہوئی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسل ابراہیم واسماعیل علیہما السلام میں سے ایسے لوگوں کے ہاں جنم لیا جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے آگے جھکنے والے تھے اور یہی معنی ہے وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيۡ عَقِبِهٖ کا۔

آبائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان پہ مفسر کے قلم سے لکھی ہوئی ایک تحقیقی نعت

منبعِ افضل ایمان ہیں آبائے رسول
مخزنِ اکملِ ایمان ہیں آبائے رسول

پڑھ لو قرآں وَتَقَلُّبَكَ خدا فرمائے
موردِ آیۂ قرآن ہیں آبائے رسول

كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيۡ عَقِبِهٖ پڑھ لو
دین توحید کی پہچان ہیں آبائے رسول

منتقل ان میں ہوا نورِ حبیبِ داور | ایسے خوش بخت ہیں ذیشان ہیں آبائے رسول
ان کی پیشانیاں تھیں نورِ نبی سے روشن | مطلعِ جلوۂ عرفان ہیں آبائے رسول
قصۂ فیل میں وہ جدِ نبی کا کردار | بیتِ رحمان کے دربان ہیں آبائے رسول
قصۂ تقوائے عبداللہ کو پڑھ لو طیبؔ | کیسے اربابِ احسان ہیں آبائے رسول

عظمتِ اہل بیتِ رسول ﷺ

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ عَقِبِهٖ کا یہ تقاضا بھی ہے کہ اولادِ ابراہیمی میں تا قیامت ایمان باقی رہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی اولاد کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے نسل ابراہیمی کو تا قیامت باقی رکھا ہے اور ان میں وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً کے مطابق نورِ ایمان بھی باقی رکھا ہے۔ اسی لئے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت و اہل بیت اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسری سے جدا نہ ہوں گی، حتیٰ کہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں گی۔'' (مسلم کتاب فضائل الصحابۃ حدیث ۲۴۰۸)
یعنی میری اہل بیت کی اکثریت ہمیشہ قرآن سے وابستہ رہے گی تا کہ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً کی پیش گوئی پوری ہو۔

[15] یعنی ہم نے کفارِ مکہ اور ان کے مشرک باپ دادا کو سامان دنیا دیا تا آنکہ ان میں قرآن اتر آیا اور رسول مبین ﷺ تشریف لے آئے۔ مگر جب ان کے پاس قرآن کی صورت میں حق آیا، تو انہوں نے اسے جادو اور رسول مبین کو جادوگر قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو مبین اس لئے کہا گیا کہ آپ ہی نے قرآن کے معانی و معارف بیان فرمائے ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ قرآن کی تفسیر بیان نہ فرماتے تو ہم قرآن کا معنی مفہوم کبھی نہ جان سکتے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ۔ ''تا کہ آپ بیان فرمائیں جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے۔'' (نحل، ۴۴)

اس سے ضرورت حدیث کی طرف بھی اشارہ ملا کہ فہم قرآن کے لیے رسول مبین ﷺ کے بیان کی ضرورت ہے، جو ہمیں حدیث کی صورت میں ملتا ہے۔

[16] کفارِ مکہ کہتے تھے کہ مکہ اور طائف کے دونوں شہروں میں سے کسی عظیم آدمی یعنی کسی بڑے مالدار یا سردار پر قرآن کیوں نہیں اتارا گیا؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس قول میں ان کا مکہ کے ولید بن مغیرہ اور طائف کے مسعود بن عمرو ثقفی کی طرف اشارہ تھا، کیونکہ مکہ میں ولید بن مغیرہ سے بڑھ کر کوئی مالدار نہ تھا اور وہ شاعر و دانا بھی تھا۔ اور طائف میں مسعود بن عمرو ''بنو ثقیف'' کا بڑا سردار تھا۔ گویا ان کے نزدیک عظمت کا معیار کسی کا زیادہ مالدار اور صاحب اقتدار ہونا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت کا معیار ایمان و تقویٰ ہے: اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ

اَتۡقٰکُمۡ ؕ ''تم میں سے اللہ کے ہاں معزز تر وہ ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہے۔'' (حجرات، ۱۳) چونکہ رسول اللہ ﷺ ساری انسانیت کے اندر ایمان وتقویٰ میں سب سے عظیم تر ہیں اس لئے آپ کو نبوت کا سب سے اعلیٰ مقام دیا گیا، القصہ۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا کفار اللہ کی رحمت کو (یعنی نبوت کو) اپنی مرضی سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے پاس دنیوی زندگی سے متعلق جو اسباب معیشت ہیں وہ بھی ہم نے ان کے درمیان اپنی مرضی سے تقسیم کئے ہیں اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر اسبابِ معیشت میں بلندی دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں، تو ہم نے اپنی مرضی سے جس کو جس قدر مال واقتدار دینا چاہا دے دیا۔ جبکہ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت تو لوگوں کے جمع کردہ مال ودولت دنیا سے کہیں عظیم ترنعمت ہے۔ تو اس نعمت کو اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کی بجائے لوگوں کی مرضی پر کیوں کر تقسیم کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا نبوت وہبی منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عطاء سے جن کو چاہا یہ منصب جلیل دے دیا۔ لہٰذا مرزا قادیانی کا کہنا کہ اس نے اطاعتِ رسول کے ذریعے خود کو رنگِ رسول میں رنگ کر مقام نبوت پایا ہے صریح کفر والحاد ہے۔ ایک تو دروازۂ نبوت ہی بند کر دیا گیا ہے دوسرا نبوت کسی کے کسب سے نہیں، اللہ تعالیٰ کے وہب سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ اللہ جانتا ہے جہاں اس نے اپنی رسالت کو رکھنا ہے۔'' (انعام، ۱۲۴)

[17] یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کفار کی دولت دیکھ کر سارے انسان کافر ہو جائیں گے تو ہم کافروں کو اتنی دولت دے دیتے کہ ان کی چھتیں، سیڑھیاں اور مسندیں سب سونے اور چاندی کی بنا دیتے، تو اس حکمت کی وجہ سے ہم نے کفار کو اس قدر دولت نہیں دی، اس سے کم تر دی ہے۔ لہٰذا دولت دنیا کی اللہ کے ہاں کچھ قدر نہیں، ورنہ یہ اللہ کے دشمنوں کو نہ ملتی۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے اپنے دشمنوں پہ زیادہ نچھاور کرتا ہے اس لیے کہ یہ چیز اللہ کے ہاں سب سے زیادہ بے قدر ہے تو مومنوں کو کفار کے پاس زیادہ دولت دیکھ کر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دولتِ دنیا کی بے قدری

چونکہ کفار کے لئے آخرت میں کوئی نعمت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھائیوں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا ہے۔ کیونکہ مال واسباب اس دنیا کی زینت ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اللہ نے اخروی نعمتیں تیار کی ہیں تو انہیں اپنی آخرت پہ نظر رکھنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔'' (مسلم کتاب الزہد حدیث ۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں مکھی کے پر

جتنی بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔" (ترمذی کتاب الزہد باب ۱۲)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں ان لوگوں میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے۔ آپ اس بکری کے پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "یہ مردہ بکری اس کے مالک کے ہاں کس قدر بے قیمت تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! واقعی یہ بہت بے قیمت تھی، اسی لیے تو اس کے مالک نے اسے گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: دنیا کا مال اللہ کے ہاں اس مردار سے بھی بے قدر ہے۔"

(ترمذی کتاب الزھد باب ۱۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور اس کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس کے پاس کچھ عقل نہیں" (یعنی کافر کے لیے آخرت میں کوئی گھر یا مال نہیں اور جو مومن مال دنیا کے پیچھے پڑے گا اس کا بھی یہی حال ہے کہ مال دنیا چند روزہ ہے اور آخرت کے لیے اس نے کچھ بنایا ہی نہیں) (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۷۱)

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾

اور جو شخص خدائے رحمان کے ذکر سے منہ موڑے ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے

وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى

اور وہ (شیاطین) انہیں (سیدھے) راستے سے روکتے ہیں اور وہ خود کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں [18] یہاں تک کہ

اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ﴿۳۸﴾

جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا اے کاش! میرے اور تمہارے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا

وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿۳۹﴾

تو تم کیا ہی بُرے ساتھی ہو [19] اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج تمہارا عذاب میں مشترک ہونا تمہیں نفع نہ دے گا [20]

اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَمَنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۴۰﴾

تو کیا آپ بہرے کو سنا سکتے یا اندھے کو اور جو کھلی گمراہی میں ہو اسے ہدایت دے سکتے ہیں؟ [21]

فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ۙ﴿۴۱﴾ اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ

اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو ہم (بہر حال) ان سے ضرور انتقام لیں گے۔ یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا

فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى

ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر قادر ہیں۔ تو آپ اس (کتاب) کو تھامے رکھیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ بے شک آپ

صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ ۚ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۴۴﴾

سیدھے راستے پر ہیں [22] اور یہ (قرآن) آپ اور آپ کی قوم کے لئے ذکر ہے، تو عنقریب تم لوگوں سے پوچھا جائے گا [23]۔

وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ

اور آپ ان رسولوں سے پوچھیں جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کہ کیا ہم نے رحمن کے علاوہ خدا بنائے ہیں

ع
اٰلِهَةً یُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾

جن کی عبادت کی جائے؟[24]

کفر پر ڈٹ جانے کی دنیوی واخروی سزا

[18] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر (قرآن) سے منہ موڑ لے یعنی کفر پہ ڈٹ جائے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا پکا ساتھی بن جاتا ہے اور اسے کبھی ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتا، ایسے لوگوں کو شیاطین راہِ ہدایت سے روکے رکھتے ہیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ راہ ہدایت پر ہیں۔ اب جو مریض اپنی مرض کو شفاء جانے، داء کو دوا اور اعداء کو اطباء سمجھے اسے صحت کیسے مل سکتی ہے؟ قرآن مجید میں ہے: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ ''ہم نے ان پر ان کے ساتھی (شیاطین) مقرر کر دیئے جنہوں نے ان کے ماحول کو ان کے لئے آراستہ کر دیا۔'' (فصلت، ۲۵)

یاد رہے ہر انسان کے ساتھ ایک قرین (ساتھی) فرشتہ ہوتا ہے اور ایک قرین شیطان۔ فرشتہ اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بلاتا ہے اور شیطان اس کی نافرمانی کی طرف۔ اگر انسان نافرمانی پہ جم جائے تو فرشتہ معطل کر دیا جاتا ہے اور شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں شیطان کو بھگا دیا جاتا ہے اور فرشتہ اس کی مدد میں لگ جاتا ہے چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے''، سیدہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا: کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا ''ہاں میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے مجھے اس پر غلبہ دیا تو وہ اسلام لے آیا۔'' (صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث ۷۰)

اس پر مزید وضاحت سورہ قٓ کے دوسرے رکوع میں آئے گی ان شاء اللہ۔

[19] روز قیامت جب کافر اپنے قرین شیطان کو دیکھے گا تو اس کی خوفناک شکل کو دیکھ کر کہے گا کاش! دنیا میں تم مجھ سے اتنا دور ہوتے جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے۔ تم کتنے بُرے ساتھی ہو۔ مروی ہے کہ کافر جب قبر سے اٹھے گا تو اس کا شیطان اس کا ہاتھ پکڑ لے گا پھر دونوں کو اکٹھے جہنم میں پھینکا جائے گا۔ اس وقت وہ شیطان سے کہے گا کاش! میرے اور تمہارے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔

[20] جب کفار اور ان کے ساتھی شیاطین دونوں جہنم میں اکٹھے جل رہے ہوں گے، تو کفار سے کہا جائے گا آج اگر تمہیں گمراہ کرنے والے شیاطین تمہارے ساتھ عذاب میں شریک ہیں تو اس میں تمہیں کیا فائدہ ہے؟ تمہارا فائدہ تو یہ تھا کہ تم شیاطین کی بات نہ مانتے۔

[21] یعنی اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جن لوگوں کے مسلسل کفر کے سبب بطورِ سزا ان کے کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا

کر ہم نے انہیں بہرہ اور اندھا کر دیا ہے، کیا آپ انہیں ہدایت دے سکتے ہیں؟ نہیں دے سکتے۔ اسی لئے فرمایا گیا:
اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ﴿۵۲﴾ ''آپ مردہ دلوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔'' (روم، ۵۲)

[22] معنیٰ یہ ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے دشمنان اسلام سے ذلت وخواری کا جو وعدہ کیا ہے وہ انہیں ضرور پہنچے گی، خواہ ہم آپ کو وفات دے دیں اور بعد میں ان پر اللہ کی پکڑ آئے یا آپ کو جیتے جی وہ منظر دکھا دیں۔ بہر حال آپ پر جو کتاب اتاری گئی ہے آپ اسے تھامے رکھیں کیونکہ آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ رہا کفار کا معاملہ تو وہ ہم پر چھوڑ دیں، ہم جانیں اور وہ جانیں، ذَرۡنِىۡ وَالۡمُكَذِّبِيۡنَ ''مجھے چھوڑیں اور جھٹلانے والوں کو۔'' (مزمل، ۱۱)
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں صورتیں پیدا فرمائیں، حضور سید عالم ﷺ کی موجودگی میں فتح بدر وحنین اور فتح مکہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین کو شدید ذلت سے دوچار کیا اور آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے چند ہی برسوں میں دین کا پرچم دنیا کے ایک بڑے حصہ پر لہرا دیا اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا نام ونشان مٹ گیا۔

[23] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! یہ قرآن آپ اور آپ کی امت کے لئے اللہ کا ذکر ہے یعنی اس کے پڑھنے سے اللہ کی یاد دلوں میں تازہ ہوتی ہے، لہٰذا اے لوگو! تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے قرآن پر کس قدر عمل کیا۔

[24] اے رسول معظم ﷺ! آپ ان رسولوں سے پوچھیں جو آپ سے قبل دنیا میں آئے کہ کیا خدائے رحمان کے سوا کوئی خدا ہے جس کی عبادت کی جا سکے؟ تو ہر رسول یہی جواب دے گا کہ صرف خدائے رحمان ہی قابل عبادت ہے۔

حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام

یہاں وَسۡئَلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ سے معلوم ہوا کہ سارے رسول زندہ ہیں۔ کیونکہ سوال اسی سے کیا جا سکتا ہے جو سنتا، سمجھتا، جانتا اور جواب دے سکتا ہو۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ شب معراج جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسول ﷺ! آپ انبیاء سے پوچھیں کیا اللہ کے سوا کوئی ہستی قابل عبادت ہے؟ مگر آپ کو توحید پہ اس قدر پختہ یقین تھا کہ آپ نے سوال نہ کیا (گویا اللہ تعالیٰ کا حکم استحبابی تھا)۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۸۸)
اور تمام انبیاء کا مسجد اقصیٰ میں جمع ہونا ان کی حیات پر دلیل ہے اور یہ حیات جسمانی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفر معراج کی تفصیل میں یہ بھی فرمایا: میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا، تو میں نے دیکھا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۶۴)
اب کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جسم کی صفت ہے۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اپنی حیات جسمانی کے ساتھ زندہ

ہیں۔ حیات انبیاء پہ اس سے قبل سورہ زمر آیت 30 کے تحت بھی مفصل کلام گزر چکا ہے، وہاں بھی دیکھ لیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ

اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے ساتھی سرداروں کے پاس بھیجا۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۶ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ۝۴۷ وَمَا

تو انہوں نے فرمایا میں رب کائنات کا رسول ہوں، جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لائے تو وہ ان کا

نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

مذاق اڑانے لگے [25] اور ہم انہیں جو بھی نشانی دکھاتے وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی، اور ہم انہیں عذاب میں ڈالتے تاکہ وہ

یَرْجِعُوْنَ ۝۴۸ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا

باز آئیں، اور وہ کہنے لگتے کہ اے جادوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر، اس عہد کے سبب جو اس نے تجھ سے

لَمُهْتَدُوْنَ ۝۴۹ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ۝۵۰

کر رکھا ہے۔ تو ہم ضرور ہدایت پکڑیں گے [26] پھر جب ہم ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ عہد توڑ دیتے [27]

موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ، قوم فرعون کا انکار اور ان کی غرقابی

[25] اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے رہا ہے کہ جس طرح فرعون اپنی ساری طاقت کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تباہ ہو گیا تھا، آپ کے دین کے دشمن بھی یونہی ختم ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر فرعون اور اس کے ساتھی جادوگر سرداروں کے پاس بھیجا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ میں اللہ رب العالمین کا رسول بن کر آیا ہوں اور انہیں نشانیاں دکھائیں، مگر وہ ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ جادوگری ہے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے دس برس غائب رہ کر بڑا جادو سیکھ کر آئے ہیں۔

[26] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کئی نشانات دکھائے۔ جن میں سے ہر نشان پہلے سے بڑا تھا اور وہ یہ تھا کہ انہیں طرح طرح کے عذابات میں مبتلا کیا گیا، ہر عذاب پہلے عذاب سے بڑا تھا۔ ہر عذاب پر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے اے جادوگر! اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر، کیونکہ اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ تمہاری ہر دعا ضرور سنے گا۔ اگر تمہاری دعا سے یہ عذاب ٹل جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ در اصل ان کے ہاں جادوگر ہونا کوئی عیب نہ تھا وہ

اسے بڑا علم اور فضل جانتے تھے۔ گویا انہوں نے کہا اے عالم! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر، یا وہ ضد وعناد سے یہ بات کہتے تھے یعنی وہ سمجھتے تھے کہ موسیٰ نے اپنے جادو سے ہم پر یہ عذابات مسلط کئے ہیں۔

[27] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے فرعونیوں سے عذاب اٹھا لیتے تو وہ عہد توڑ دیتے اور ایمان لانے کی بجائے کفر پر ڈٹ جاتے۔ قرآن مجید میں ہے: ہم نے فرعونیوں پر طوفان، مکڑیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کا عذاب بھیجا۔ یہ واضح نشانیاں تھیں مگر انہوں نے تکبر کیا، وہ مجرم لوگ تھے۔ جب ان پر عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر، کیونکہ اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تم نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم تم پر ایمان لائیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے، پھر جب ہم ایک مدت تک جس پر انہوں نے پہنچنا ہوتا تھا ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ عہد توڑ دیتے۔ (اعراف، ۱۳۴)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) اخلاق نبوت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعونی لوگ بار بار عذابات کے ٹلنے کی دعا کرواتے، آپ دعا کر دیتے اور عذاب ٹل جاتا مگر وہ ایمان نہ لاتے۔ معلوم ہوا صبر، درگزر اور دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کرنا اخلاقِ پیغمبرانہ ہیں۔

(2) انبیاء کی قبولیتِ دعا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جتنی بار فرعونیوں کے لئے دعا کی ہر بار قبول ہوئی اور عذابات ٹلتے رہے۔ جب ان کی دعا کفار کے حق میں اس قدر مقبول ہے تو مومنین کے حق میں کس قدر مقبول ہوگی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے نائبین علماء ربانیین کی دعا بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح مقبول ہے اور وہ ولئن سئلنی لاعطینه (بخاری، مسلم) کا مصداق ہوتے ہیں۔ ان سے دعا کروانا چاہیے۔

(3) عہد شکنی کفار کا کام ہے:

فرعونیوں نے بار بار عہد توڑا، گویا عہد شکنی کفار کا کام ہے۔ مگر صد افسوس! آج یہ مسلمانوں نے اپنا لیا ہے۔ اور کفار کی حالت اس بارہ میں ان سے بہتر ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ

اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی کہ اے میری قوم! کیا میرے پاس مصر کی بادشاہی نہیں ؟

الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا

اور کیا یہ نہریں میرے حکم سے نہیں بہتیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ [28] بلکہ میں اس (موسیٰ) سے بہتر ہوں

الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ

جو پست ہے اور کھل کر بات نہیں کر سکتا [29] اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے

ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ

یا اس کے پاس لگاتار فرشتے کیوں نہیں آتے؟ تو فرعون نے اپنی قوم کو بیوقوف بنا دیا۔

فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

وہ اس کی اطاعت کرنے لگے کیونکہ وہ بدعمل لوگ تھے۔لہذا جب انہوں نے ہمیں غضب دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

اوران سب کو غرق کر دیا اور انہیں بعد والوں کے لئے پیش رو اور نمونہ بنا دیا۔[30]

[28] فرعون نے اپنی قوم سے کہا دیکھو میں بادشاہ مصر ہوں۔ میرے حکم پر نہریں چلتی ہیں، دراصل مصر میں دریائے نیل سے چھوٹی بڑی کئی نہریں نکلتی ہیں جو سارے مصر کو سیراب کرتی ہیں، فرعون نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میرے حکم سے چلتی ہیں۔ حالانکہ نہریں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں وہ جب چاہے پانی کو خشک کر دے، مگر جاہل کو کون سمجھائے۔

[29] فرعون نے کہا بتاؤ میں بہتر ہوں یا موسیٰ جو پست انسان ہے (معاذ اللہ) اور کھل کر بات نہیں کر سکتا۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بچپن سے ایک لکنت تھی، جو زبان پر انگارہ رکھنے سے آئی تھی۔ جس کا واقعہ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِىْۤ اَمْرِىْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ﴿۲۸﴾ (طٰہٰ، ۲۵) کے تحت گزر چکا ہے۔ جب آپ کو نبوت دی گئی تو آپ نے یہ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ لکنت دور کر دی مگر فرعون پرانی بات کو دہرا کر طعنہ زنی کر رہا تھا۔

کسی نبی کو خود سے پست کہنا کفر ہے اور مرزا کے کفریات

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کہا هُوَ مَهِينٌ وہ مجھ سے پست ہے۔ افسوس یہ فرعونی وراثت مرزا غلام احمد قادیانی کو ملی، اس نے کہا: ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (استغفر اللہ)
(رسالہ دافع البلاء مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۴۰)

اس کا کہنا یہ بھی ہے: اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز (مرزا غلام احمد قادیانی) اسرائیلی یوسف (یوسف علیہ السلام) سے بڑھ کر ہے۔ میری گواہی اللہ نے دی اور یوسف بن یعقوب انسانی گواہی کا محتاج ہوا۔ (استغفر اللہ)
(براہین احمدیہ جلد ۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۹۶)

اس کے علاوہ مرزا قادیانی کہتا ہے

آدم نیز احمد مختار   در برم جامۂ ہمہ ابرار
آنچہ دادست ہر نبی را جام   داد آں جام را مرا بتمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے   من بعرفاں نہ کمترم زکسے
زندہ شد ہر نبی بآمدنم   ہر رسولے نہاں بپیرھنم

یعنی میں آدم ہوں میں احمد مختار بھی ہوں۔ میں نے تمام ابرار کا لباس پہن رکھا ہے۔ ہر نبی کو جو جام (تھوڑا تھوڑا) دیا گیا وہ جام مجھے سارے کا سارا دیا گیا۔ انبیاء اگرچہ بہت ہوئے مگر میں عرفان میں کسی سے کم تر نہیں ہوں۔ ہر نبی میرے آنے پر زندہ ہو گیا، ہر رسول میرے لباس میں پوشیدہ ہے۔ (معاذ اللہ)
(نزول المسیح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۷۶)

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و رفعت کے مقابلہ میں کافرانہ و جاہلانہ تعلّی کرتے ہوئے اپنے فارسی کلام میں کہتا ہے۔ ؎

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم   عیسیٰ کجا ست تا بنہد پا بمنبرم

یعنی میں وہ ہوں کہ بشارات کے مطابق آیا ہوں، عیسیٰ (علیہ السلام) کا یہ مقام کہاں ہے کہ میرے منبر پر قدم رکھ سکے۔
(معاذ اللہ) (ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳)

فرعون نے خود کو ایک نبی سے بہتر کہا اور مرزا نے خود کو سب انبیاء سے افضل قرار دیا۔ یعنی فرعون کا بھی ریکارڈ توڑ دیا۔

[30] فرعون نے کہا موسیٰ (علیہ السلام) پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے۔ کیونکہ فرعون نے اپنے ساتھی سرداروں کو سونے کے کنگن پہنا رکھے تھے اور ان کے گلے میں سونے کے ہار ڈالے ہوئے تھے (بغوی خازن، مظہری وغیرہ) اور اس نے کہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) پر فرشتے کیوں نہیں اترتے؟ فرشتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترتے تھے مگر فرعون کو نظر نہیں آتے

تھے۔ الغرض یوں اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا کر اپنے پیچھے لگا یا۔ کیونکہ وہ بد عمل لوگ تھے وہ اس کے پیچھے لگ گئے انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ فرعون بار ہا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے سامنے ذلیل وخوار ہو چکا ہے۔ اس طرح جب یہ قوم اللہ کے غضب کو للکارنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو غرق کر دیا اور پچھلے لوگوں کے لئے انہیں نشان عبرت بنا دیا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) مردوں کا سونا پہننا فرعونی طریقہ ہے:

فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡہِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَہَبٍ سے اشارہ ملتا ہے کہ مردوں کا سونا پہننا فرعونی سوچ اور کام ہے۔ مومن کے لئے شریعت نے سونا پہننا حرام قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کفار کے لئے سونا دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس باب ۵)

(2) ہر دور کے فرعون کا انجام ذلت ہے:

فَجَعَلۡنٰہُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ سے معلوم ہوا کہ دین حق کے خلاف اٹھنے والی ہر فرعونی طاقت کا انجام ذلت وخواری ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ وقتی کمزوری سے دلبرداشتہ نہ ہوں، بلکہ اپنی اصلاح کریں، کامیابی انہی کی ہے۔ ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ جہاں معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا

اور جب عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی مثال بیان کی جائے تو آپ کی قوم اس سے منہ موڑتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمارے خدا بہتر ہیں یا وہ

خَیۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنۡ

(یعنی عیسیٰ علیہ السلام) وہ صرف جھگڑے کے لئے یہ بات کہتے ہیں۔ بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ [31] عیسیٰ (علیہ السلام) تو بس

هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ﴿۵۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ

ایک بندے ہیں جن پر ہم نے انعام فرمایا اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے مثال بنایا [32] اور اگر ہم چاہتے

لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ

تو تمہارے بدلے فرشتے زمین میں تمہارے جانشین بنا دیتے [33] اور بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی علامت ہیں تو تم

فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾

اس نشانی میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔[34]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اور قیامت کے احوال

[31] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری: اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾ یعنی ''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں تم اس میں ضرور وارد ہو گے۔'' (انبیاء، ۹۸) تو کفار مکہ میں سے عبداللہ بن زبعری نے کہا، دیکھو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے ہیں اور یہود عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں تو کیا عیسیٰ و عزیر بھی جہنم کا ایندھن ہیں؟ اگر وہ جہنم کا ایندھن ہیں تو ہمارے خداؤں کے ایسا ہونے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۰۳، ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۱، بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال دے کر حق سے منہ موڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے خدا بہتر ہیں یا عیسیٰ (علیہ السلام)؟ اگر عیسیٰ (علیہ السلام) بہتر ہو کر جہنم کا ایندھن ہیں تو ہمارے خداؤں کا جہنم کا ایندھن ہونا کچھ قابل اعتراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار صرف جھگڑے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی مثال دیتے ہیں۔ کفار کے اس اعتراض کے تین جوابات دیے گئے ہیں:

اول: کفار کا یہ اعتراض محض ہٹ دھرمی تھا ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ میں ما غیر ذوی العقول کے لئے ہے اور اس سے بت، آگ اور شمس وقمر وغیرہ اشیاء مراد ہیں، جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ عیسیٰ وعزیر علیہما السلام اور فرشتے ذوی العقول میں سے ہیں ان کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوم: اس جگہ ابن کثیر نے اس مفہوم کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب کفار مکہ نے مذکورہ اعتراض کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کفار حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما السلام یا فرشتوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ ان شیاطین کی عبادت کرتے ہیں جنہوں نے انہیں شرک میں (یعنی عیسیٰ وعزیر علیہما السلام اور فرشتوں کی عبادت میں) بتلا کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۲)

اسی لئے قرآن مجید میں ہے کہ جب روز قیامت اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ مشرکین لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ تو جواب میں فرشتے کہیں گے: بَلۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ "نہیں بلکہ وہ جنات (شیاطین) کی عبادت کرتے تھے۔" (سباء، ۴۱)

سوم: بعض روایات کے مطابق کفار کے مذکورہ اعتراض کے جواب میں اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ الخ کے بعد والی آیت اتری: اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ یعنی "جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی (جنت) لکھی جا چکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔" (انبیاء، ۱۰۱) یعنی حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما السلام کیلئے تو جنت لکھی جا چکی ہے وہ اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ الخ سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی تفصیل ہم اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ کے تحت سورہ انبیاء میں لکھ چکے ہیں۔

[32] یعنی عیسیٰ علیہ السلام ہمارے خاص بندے ہیں ہم نے ان پر انعام کیا کہ بن باپ پیدا کیا اور نبوت و کتاب عطا فرمائی اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے مثال یعنی راہنما بنایا۔

[33] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے انسانو! اگر ہم چاہتے تو تمہیں دنیا سے اٹھا کر تمہاری جگہ فرشتے بسا دیتے جو ہماری عبادت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، مگر ہم نے تمہیں زمین پر بسا رکھا ہے اور تم پر نعمتوں کی برسات کی ہے تاکہ تم اللہ کا حق بندگی ادا کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

[34] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک علامت ہیں کیونکہ وہ قرب قیامت میں آسمان سے اُتریں گے، لہٰذا اس علامت میں یا قیامت کے آنے میں شک نہیں کرنا چاہیے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے کہ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مراد ہے، لِاَنَّهٗ يَنۡزِلُ مِنَ السماءِ قُبَيۡلَ قيامِ القِيامَةِ کیونکہ وہ قیامت سے کچھ عرصہ قبل آسمان سے اُتریں گے۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۰۵)

یاد رہے کہ حدیث کے مطابق قیامت کی دس بڑی علامات ہیں جیسے سورج کا مغرب سے طلوع، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، امام مہدی کا ظہور، دجال کا خروج، دابۃ الارض کا ظہور، یاجوج وماجوج کا خروج، ایک عظیم دھوئیں کا آنا، وغیرہ۔ حدیث

میں قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کثرت سے وارد ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں کن نشانیوں کے ساتھ نازل ہوں گے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لینزلن ابن مریم حکما عدلا فلیکسرنّ الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعنّ الجزیة ولتترکنّ القلاص فلا یسعی علیها ولتذهبن الشحناء والتباغض والتحاسد ولیُدعوُنّ الی المال فلا یقبله احد۔ ''اللہ کی قسم! ضرور عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھا دیں گے، اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی ان سے کام نہیں لیا جائے گا اور لوگوں کے سینوں سے بغض وحسد ختم ہو جائے گا وہ اس قدر مال تقسیم کریں گے کہ کوئی لینے والا نہ رہے گا۔'' (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الجزیة ویفیض المال حتی لایقبضه احد حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا ومافیها۔ ''اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ وقت قریب ہے جب عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہونگے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھا دیں گے اور اسقدر مال بہائیں گے کہ اسے کوئی قبول نہیں کرے گا اور حتیٰ کہ ایک سجدہ لوگوں کے نزدیک دنیا کی ہر نعمت سے بہتر ہوگا۔''

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ۴۹ حدیث ۳۴۴۸)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کے نکلنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد فرمایا

ثم ینزل عیسی بن مریم علیہ السلام عند المنارة البیضاء شرقی دمشق فیدرکه عند باب لُد فیقتله۔ ''پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دمشق کے مشرقی منارہ کے قریب نازل ہونگے، تو وہ دجال کو پالیں گے اور بابِ لُد کے قریب اسے قتل کریں گے۔'' (ابوداود کتاب الملاحم باب ۱۴ حدیث ۴۳۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس بینی وبینه یعنی عیسی بن مریم نبی وانه نازل فاذا رأیتموه فاعرفوه رجل مربوع الی الحمرة والبیاض بین ممصرتین کأن رأسه یقطر وان لم یصبه البلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویهلك الله فی زمانه الملل کلها الاالاسلام ویهلك المسیح الدجال فیمکث فی الارض اربعین سنة ثم توفی فیصلی علیه المسلمون، میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے وہ نازل ہونے والے ہیں، جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لو

ان کا رنگ سرخ وسفید ہے، دو زرد چادریں ان کے زیب تن ہونگی، ان کا سر ایسا ہوگا کہ اس سے قطرے گرتے ہونگے خواہ اسے تری نہ پہنچے، وہ اسلام پر کفار سے جہاد کریں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا ہر دین کو ہلاک کر دے گا،، وہ مسیح دجال کو قتل کریں گے، پھر زمین میں چالیس برس رہیں گے پھر فوت ہونگے، تو مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابی داود کتاب الملاحم باب ۱۴ حدیث ۴۳۲۴)

نزول کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انیس (19) نشانیاں

ادھر مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ احادیث کے مطابق قرب قیامت میں آنے والے عیسیٰ ابن مریم سے مراد وہ خود ہے۔ اب ہم ایک نظر ان نشانیوں پہ ڈالتے ہیں جو مذکورہ بالا احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت میں ان میں پائی جائیں گی، تو ان احادیث کے مطابق نشانیاں درج ذیل ہیں:

(اول): ان کا نام عیسیٰ (علیہ السلام) ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا: لیوشکن ان ینزل فیکم عیسیٰ بن مریم

(دوم): ان کی والدہ کا نام (سیدہ) مریم ہے۔ والدہ کا نام اس لیے لیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی۔

(سوم): وہ نازل ہونگے، یعنی زمین پہ پیدا نہیں ہونگے۔ کیونکہ وہ پہلے پیدا ہو چکے ہیں۔

(چہارم): وہ نازل ہو کر حکومت کریں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ ساری زمین پہ حکومت کریں گے۔ کیونکہ یہاں یہ تخصیص نہیں کی گئی کہ وہ کہاں حکومت کریں گے۔

(پنجم): وہ صلیب کو توڑ دیں گے، یعنی دنیا سے عیسائیت کا نام ونشان ختم کر دیں گے۔ کیونکہ صلیب عیسائیت کا نشان ہے۔

(ششم): وہ خنزیر کو قتل کر دیں گے، یعنی آج عیسائی لوگ شوق سے خنزیر کھاتے ہیں اور بزعم خود محبت عیسیٰ علیہ السلام کا دم بھی بھرتے ہیں۔ مگر جب آپ خنزیر کی حرمت کا اعلان کریں گے تو پھر کوئی شخص خنزیر کو نہیں کھائے گا، بلکہ اسے جہاں پائے گا قتل کرے گا۔

(ہفتم): آپ جزیہ اٹھا دیں گے، یعنی ان کے آنے پر دنیا میں کوئی کافر نہیں رہے گا۔ لہٰذا آپ کفار سے وصول کیا جانے والا جزیہ بھی ختم کر دیں گے۔

(ہشتم): آپ اتنا مال بہائیں گے کہ پھر اسے کوئی وصول کرنے والا نہیں ہوگا۔

(نہم): لوگ مال دنیا سے اس قدر بے نیاز ہو جائیں گے کہ ان کے نزدیک سجدۂ عبادت ہی دنیا کی ہر نعمت سے محبوب تر ہوگا۔

(دہم): ان کے نزول کے بعد اونٹنیاں کام میں نہیں لائی جائیں گی، لوگ ان سے کوئی کام نہیں لیں گے۔

(یازدھم): لوگوں کے دلوں سے بغض، حسد اور کینہ نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں مال کے لالچ سے عموماً پیدا ہوتی ہیں جب لوگ مال ہی سے بے نیاز ہونگے تو حسد بھی ختم ہوجائے گا۔

(دوازدہم): ان کے جسم پہ نزول کے وقت دو زرد چادریں ہوں گی۔ دراصل جب وہ آسمان پہ اٹھائے گئے تھے تو ان کے جسم پہ دو زرد چادریں تھیں، وہ انہی چادروں میں نازل ہونگے۔

(سیزدھم): ان سے سر کے بالوں سے بوقت نزول قطرے برستے ہونگے حالانکہ وہ سر پہ پانی نہیں ڈالیں گے۔ دراصل آسمان پہ اٹھائے جانے کے وقت وہ غسل خانہ سے نہا کر نکلے تھے کہ اٹھا لیے گئے، جب وہ واپس اتریں گے تو ان کی زلفوں سے پانی کے قطرے اسی طرح گرتے ہوں گے۔

(چہاردہم): وہ کفار سے اسلام پر جہاد کریں گے۔

(پانزدہم): ان کے آنے پر اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ہر دین کو ہلاک کردے گا۔

(ششدہم): وہ فلسطین کے شہر لُد کے دروازہ پہ دجال کو جا پائیں گے اور اسے قتل کریں گے۔ لُد اسرائیل کا مشہور شہر ہے۔

(ہفدھم): وہ زمین میں چالیس برس رہیں گے۔

(ہژدہم): وہ ملک شام کے شہر دمشق میں نازل ہونگے۔

(نوزدھم): وہ سفید منارہ پر نازل ہونگے۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی نشانی مرزا غلام احمد قادیانی میں پائی جاتی ہے؟

اب تمام دنیائے مرزائیت سے درج ذیل انیس سوالات ہیں، جنہیں وہ گوشِ دل سے سنیں اور نظرِ انصاف سے دیکھیں۔ پھر ان کا جواب دیں:

(1) کیا مرزا غلام احمد قادیانی کا نام عیسیٰ ہے؟ مرزا قادیانی خود اپنی ہر کتاب کے اختتام پہ اپنا نام مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے۔ پھر وہ کس منہ سے خود کو ان احادیث کا مصداق ٹھہراتا ہے؟

(2) کیا مرزا کی ماں کا نام مریم تھا؟ مرزا نے خود اپنی ماں کا نام چراغ بی بی لکھا ہے، پھر مرزا کا خود کو ابن مریم کہنا کیسے جائز ہے؟ اور قرآن میں جہاں بھی عیسیٰ علیہ السلام کا اکیلے ذکر ہوا انہیں ساتھ میں ابن مریم ضرور کہا گیا کیونکہ ان کا ابن مریم ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مریم کے آنے کا ذکر کیا۔ اب مرزا قادیانی کس طرح اپنے آپ کو ابن مریم کہتا ہے، کیا اس کا بھی کوئی باپ نہیں؟

(3) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ کیا مرزا قادیانی آسمان سے ٹپکا ہے؟ کیا وہ پیدا نہیں ہوا؟ پھر کس طرح وہ مسیح موعود ہونے کا مدعی ہے؟

(4) وہ نزول کے بعد ساری دنیا پہ حکومت کریں گے۔ کیا مرزا قادیانی کو کسی جگہ کی حکومت حاصل ہوئی ہے؟ اسے تو قادیان پہ بھی حکومت حاصل نہ تھی، پھر اس کا دعوائے مسیح موعود کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

(5) حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے، یعنی عیسائیت کا نام ونشان مٹا دیں گے۔ کیا مرزا قادیانی کے آنے سے عیسائیت کا نام ونشان مٹ گیا تھا؟ اگر نہیں تو پھر اسے مسیح موعود کا دعوی کرتے ہوئے شرم کیوں نہ آئی؟

(6) کیا مرزا قادیانی کے آنے پر لوگ خنزیروں کو قتل کر کے دنیا سے مٹانے لگے تھے؟ اس کا جواب نفی میں ہے، تو پھر مرزا قادیانی لوگوں کو کیسے دھوکہ دے سکتا ہے؟

(7) کیا مرزا نے کفار سے جزیہ اٹھا دیا تھا؟ جزیہ تو تب اٹھ سکتا ہے جب دنیا سے کفار کا وجود ختم ہو جائے، تو کیا دنیا میں کوئی کافر نہیں رہا؟ پھر مرزا کو مسیح موعود کے دعوی سے کچھ بھی حیا نہ آئی؟

(8) کیا مرزا قادیانی نے دنیا میں اتنا مال بہایا تھا کہ پھر کوئی مال قبول کرنے والا نہ رہا تھا؟ مرزا بیچارہ تو خود لوگوں سے پیسہ مانگتا رہا اور اسی حالت میں مر گیا۔ پھر اسکا دعوی مسیحیت موعودہ کتنی بڑی سفاہت وحماقت ہے، چلو وہ تو احمق تھا ہی، مگر کیا اسے ماننے والے بھی سب احمق ہو گئے ہیں؟

(9) کیا مرزا قادیانی کے آنے کے بعد سب لوگ مال دنیا سے اس قدر بے نیاز و بے رغبت ہو گئے کہ سجدہ عبادت ہی ہر کسی کے نزدیک سب سے اعلیٰ نعمت ہے؟ اگر یہ کیفیت آج بھی پیدا نہیں ہوئی تو پھر قادیانیوں کی عقل پہ تالے کیوں پڑ گئے ہیں؟

(10) کیا اونٹنیوں سے کام لیا جانا دنیا سے ختم ہو گیا ہے؟ اگر یہ آج تک بھی ختم نہیں ہوا تو مرزائیوں کی آنکھیں کب کھلیں گی؟ جب موت کا فرشتہ آ کر گلا دبا لے گا؟

(11) کیا مرزا قادیانی کی وجہ سے ہر انسان کے دل سے حسد، کینہ اور بغض جیسی تمام بُری صفات نکل گئی ہیں؟ مرزا بیچارا تو خود محمدی بیگم کے شوہر کے حسد وبغض میں اسقدر سوختہ ہوا کہ یہی جذبہ رقابت دل میں لیے وہ دنیا سے بے نیل مرام روانہ ہوا۔ مگر پھر بھی اسے عیسی ابن مریم اور مسیحِ موعود کا دعوی کرتے ہوئے کبھی جھجھک نہ آئی۔ کسی نے کہا تھا، بھیا! آدمی کو ڈھیٹ ہونا چاہیے، شرم تو آنی جانی چیز ہے۔

(12) مرزا قادیانی کے جسم پہ کونسی دو زرد چادریں تھیں جن کا حدیث مسلم میں ذکر آیا ہے۔ مرزا قادیانی نے اس کی تاویل یہ کی کہ اس کے جسم میں دو بیماریاں اس سے مراد ہیں ایک نچلے دھڑ میں یعنی کثرت پیشاب، دوسری اوپر کے دھڑ میں یعنی دردسر۔ سبحان اللہ کہاں شفائیں دینے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کہاں بیماریوں کا مرقع مرزا قادیانی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(13) مرزا قادیانی کے سر سے کون سے قطرے گرتے تھے؟ اس کی کوئی تاویل خود مرزا بھی نہیں کر سکا۔

(14) سچا مسیح موعود بقول رسول اللہ ﷺ کفار سے اسلام پر جہاد کرے گا اور جھوٹا مسیح جہاد کی حرمت کا اعلان کرتا ہے پھر بھی سب شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر مسیح موعود بنتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(15) کیا مرزا قادیانی کے آنے پر ساری دنیا سے اسلام کے سوا ہر مذہب ختم ہو گیا تھا؟ اگر ایسا آج تک نہیں ہوا تو پھر احمقوں کے سر پہ سینگ نہیں ہوتے، وہ اپنی حرکتوں سے جانے جاتے ہیں

(16) مرزا قادیانی نے باب لُد پہ کونسا دجال قتل کیا تھا؟ کیا وہ فلسطین گیا تھا؟ کیا اس نے کبھی باب لد دیکھا تھا؟ مرزا تو ہندوستان سے باہر نکلا ہی نہیں، پھر کدھر گیا دعویٰ مسیح موعود؟

(17) کیا مرزا قادیانی زمین پہ چالیس برس رہا تھا؟ نہیں، اس کی پیدائش 1839ء میں اور موت 1908ء میں ہوئی، یوں اس کی عمر 69 سال تھی، تو اسکا ان احادیث مبارکہ کی پیش گوئیوں سے کیا تعلق ہے؟

(18) کیا مرزا قادیانی دمشق کے مشرقی حصہ میں اترا تھا؟ نہیں، وہ تو انڈیا سے باہر قدم تک نہیں رکھ سکا۔ کیونکہ وہ انڈیا میں خود کو انگریزوں کی عیسائی حکومت کے سایہ کرم ہی میں محفوظ جانتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے اس سایہ سے باہر قدم رکھا تو اہل اسلام اسے ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔

کیونکہ اس نے اللہ تعالی، انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کو اس قدر گالیاں بکی ہوئی تھیں کہ وہ خود کو سلمان رشدی کی طرح کفار کی پناہ ہی میں محفوظ سمجھتا تھا، لہذا اس کا دمشق جانے سے کیا واسطہ؟

(19) کیا مرزا قادیانی کسی سفید منارہ پر نازل ہوا تھا؟ ہرگز نہیں، اس کا نزول سے کیا تعلق؟ البتہ اس نے قادیان میں ایک سفید منارہ بنانے کا حکم دیا (جیسے فرعون نے ہامان کو ایک اونچا منارہ بنانے کا حکم دیا تھا) تا کہ وہ اس پہ چڑھ کر اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کرے، مگر وہ منارہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ مرزا قادیانی بصد حسرت وندامت فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ بتایئے اس سے بڑھ کر احادیث مبارکہ کی تضحیک اور اپنی حماقت وسفاہت کے اظہار کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟

اس جگہ ہم نے صرف چار احادیث کی روشنی میں آنے والے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی انیس نشانیاں بتائی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے آپ ہماری تصنیف ''حیات مسیح ابن مریم'' کا مطالعہ کریں۔ جس میں اس موضوع پر چالیس احادیث صحیحہ کی روشنی میں مسیح موعود کی ایک سو علامات بتائی گئی ہیں اور یہ کہ ان میں سے کوئی ایک علامت بھی مرزا غلام احمد قادیانی میں موجود نہیں اس کتاب کو بنظر انصاف پڑھنے والا شخص مرزائی نہیں رہ سکتا۔

مگر حیرت ہے کہ مرزائیوں نے کس طرح مرزا قادیانی کو مسیح موعود مان لیا؟ وجہ اس کی یہی ہے کہ مرزا قادیانی نے ان کو سمجھا دیا کہ اب کسی حدیث کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تازہ وحی کی موجودگی میں کسی حدیث کی حاجت نہیں ہے۔ سورہ احزاب کی آیت ختم نبوت (آیت 40) کے نیچے ہم نے لکھا ہے کہ کس طرح مرزا قادیانی حدیث رسول ﷺ کی تضحیک کرتا ہے۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ

اور تمہیں شیطان (اس سے) روک نہ دے، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) واضح دلائل لے کر آئے

قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ ۚ

تو فرمایا: میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تمہیں بعض وہ چیزیں بیان کرتا ہوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا

تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک وہی میرا اور تمہارا رب ہے تو اسی کی عبادت کرو، یہی

صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ

سیدھا راستہ ہے [35] پھر کئی گروہ باہم اختلاف کرنے لگے تو ظالم لوگوں کے لئے

ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿۶۵﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ

دردناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے ،وہ صرف قیامت کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس

تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ

اچانک آ جائے اور انہیں شعور تک نہ ہو [36] گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے

عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۷﴾ ؕ ع

دشمن ہوں گے سوا پرہیزگاروں کے [37]

ع ٦ ١١ ١٢

[35] عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیتِ عیسیٰ کا رد فرمایا جارہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے پاس واضح دلائل یعنی معجزات، جیسے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ، لے کر آئے تو فرمایا اے لوگو! میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے حکمت لے کر آیا ہوں اور جن امور میں تم اختلاف کرتے ہو میں ان میں سے بعض اہم امور پر روشنی ڈال کر حق وصواب کے راستہ کی وضاحت کرتا ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے ہوئے میری اطاعت کرو اور یہ کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔

معلوم ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام توحید کے علمبردار ہیں اس کے باوجود نصاریٰ کا انہیں خدا کہنا بڑی گمراہی ہے، انجیل میں

بھی آپ کی تعلیم یہی نظر آتی ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ آپ فرماتے ہیں: ''اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اور تم اس سے اپنے سارے دل، عقل، جان اور طاقت سے محبت رکھو'' (انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۹) ''اور ہمیشہ کی زندگی (راہ نجات) یہ ہے کہ اے اللہ! لوگ تجھے خدائے واحد و برحق اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں'' (یعنی توحید ورسالت پر ایمان لائیں)۔ (انجیل یوحنا باب ۱۳ آیت ۳)

[36] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان واضح تعلیمات کے باوجود مختلف گروہوں نے ان کے بارہ میں مختلف گمراہ کن نظریات اپنا لئے کسی نے کہا وہ تین میں سے تیسرے خدا ہیں، کسی نے انہیں ابن اللہ کہا اور کسی نے عین اللہ کہہ دیا۔ جبکہ یہود نے انہیں گالیاں دینا شروع کر دیا، تو ایسے ظالموں کے لئے روز قیامت دردناک عذاب ہے یہ لوگ صرف قیامت کے اچانک آجانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ تب وہ حقیقت کو تسلیم کریں گے کیونکہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خوب واضح کریں گے کہ انہوں نے زندگی بھر اللہ کی توحید کا درس دیا تھا۔ (مائدہ، ۱۱۷)

[37] یعنی لوگ اپنے دوستوں کے کہنے پر دنیا میں کفر کرتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا ماننا وغیرہ، مگر یہ دوست روز قیامت کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے بلکہ اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ البتہ پرہیزگار لوگ اس دن بھی اپنی دوستی نبھائیں گے معنی یہ ہے کہ دنیوی مفادات پہ مبنی دوستیاں روز قیامت دشمنیاں بن جائیں گی مگر ایمان اور تقویٰ پہ مبنی دوستیاں اس دن بھی کام آئیں گی۔

روزِ قیامت، محبتِ انبیاء و اولیاء اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام آئے گی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دو آدمی ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت رکھیں ان میں سے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں ہو۔ تو روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں جمع کر دے گا اور محبت کرنے والے سے کہے گا: یہ ہے وہ شخص جس سے تم محبت رکھتے تھے۔'' (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ بروایت ابن عساکر)

حدیث مبارکہ کے مطابق روز قیامت اللہ تعالیٰ سات قسم کے افراد کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا اس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں دو آدمی وہ بھی ہوں گے جنہوں نے محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی۔ (بخاری کتاب الاذان باب ۳۶)

لہٰذا علماء حق اور اولیاء کاملین سے محبت روز قیامت کام آئے گی۔ اسی طرح انبیاء و مرسلین کی محبت اس سے زیادہ کام آئے گی اور سب سے بڑھ کر سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کام آئے گی۔

حدیث مبارکہ میں ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے آپ سے اسقدر محبت ہے کہ جب مجھے آپ یاد آتے ہیں تو میں دوڑ کر آپ کے پاس حاضر ہو جاتا ہوں اور جب تک دیکھ نہ لوں صبر نہیں آتا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ تو جنت میں بہت اعلیٰ مقام میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں گیا تو آپ کو وہاں کیسے دیکھ سکوں گا؟ تب

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ؕ ۶۹ ''جو شخص اللہ ورسول کی اطاعت کرے تو وہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں کے ساتھ ہوگا، یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان کی رفاقت کیا ہی خوب ہے۔''

(نساء،۶۹)(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ جلد ۲ صفحہ ۱۶)

يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ‌ۚ ۶۸ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے (تم وہ لوگ ہو) جو ہماری آیات پر

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ‌ۚ ۶۹ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ۷۰

ایمان لائے اور اطاعت گزار تھے [38] تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں نوازا جائے گا [39]

يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّاَكۡوَابٍ‌ ۚ وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ

ان پر سونے کے تھالوں اور جاموں کے دور چلیں گے اور وہاں وہ سب کچھ ہو گا جسے دل چاہیں اور جس سے

الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ‌ ۚ وَاَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ‌ۚ ۷۱ وَتِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡۤ

آنکھیں لذت پائیں اور تم وہاں ہمیشہ رہو گے [40] اور یہ وہ جنت ہے جس کے

اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۷۲ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۷۳

تم وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہارے لئے اس میں بہت سے پھل ہیں جن سے تم کھاؤ گے۔ [41]

ردِّ شرک اور احوال قیامت

[38] یعنی متقین سے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں کیونکہ تمہارے لئے بخشش ہے اور جنت میں تمہیں کبھی کوئی غم لاحق نہ ہوگا۔ معتمر بن سلیمان سے روایت ہے کہ لوگ روز قیامت سخت گھبراہٹ میں ہوں گے، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی: يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ‌ ۶۸ یہ ندا سن کر سب انسانوں (بشمول کفار) کو بخشش کی امید لگے گی، مگر ساتھ ہی پکارا جائے گا: اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ‌ ۶۹ یہ پکار سن کر کفار مایوس ہو جائیں گے صرف مومنین کو امید بخشش رہ جائے گی۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۴)

اس جگہ قرطبی کی منقولہ روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے بعد تیسری آواز آئے گی: اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ تب اہل کبائر اپنا سر جھکا لیں گے اور صرف اہلِ تقویٰ سر اٹھائے ہوں گے اور ان سے سب خوف وحزن دور کر دیا جائے گا۔ (قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۰)

ممکن ہے یہ ندا باب شفاعت کے کھلنے سے قبل ہو، کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے: شفاعتی لاھل الکبائر من امتی ''میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے۔'' (ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۲۱)

[39] متقین سے کہا جائے گا کہ تم خود بھی جنت میں جاؤ اور اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ آج تم پر انعامات کی برسات ہو گی، یہاں صرف بیویوں کا ذکر ہے اور دوسری جگہ اولاد اور والدین کا ذکر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ۔ ''وہ باغات عدن میں خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباء بیویوں اور اولاد میں سے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں گے۔'' (رعد، ۲۳) اور صلاحیت سے مراد ایمان ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ۔ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے۔'' (طور، ۲۱)

یاد رہے جو بیوی کسی مومن کے نکاح میں مرتی ہے وہ جنت میں اس کے ساتھ ہو گی اور جو عورت شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد دوسرا نکاح کر لے وہ دوسرے شوہر کے ساتھ لاحق کر دی جائے گی۔ اسی لئے ازواج رسول ﷺ کے لئے دوسرا نکاح حرام قرار دیا گیا تاکہ وہ جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوں۔

[40] اللہ تعالیٰ اہل جنت پہ کس طرح اپنی نعمتوں کی برسات کرے گا۔ اس کا نظارہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

جنتی نعمتوں کا ایک نظارہ احادیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جنت میں سب سے نچلے درجہ کا شخص وہ ہوگا جو سب سے آخر جنت میں جائے گا۔ اس کے لئے ایک سو برس کی مسافت تک جنت کا ٹکڑا لکھ دیا جائے گا جس میں سونے کے محلات اور موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ ہر روز اس کے آگے صبح وشام ستر ہزار سنہری تھال لائے جائیں گے، ہر تھال کا رنگ جداگانہ ہو گا کھانے کی لذت اول تا آخر یکساں ہو گی۔'' (ابن کثیر عن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۱۴۵)

اور حضرت عبدالرحمن سابطہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جنت میں گھوڑا ہو گا؟ مجھے گھوڑا پسند ہے۔ آپ نے فرمایا تم سرخ یاقوتی گھوڑے پر سوار ہو گے جو تجھے جنت میں اڑا کر جہاں تم چاہو گے لے جائے گا۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا: وہاں اونٹ بھی ہو گا مجھے اونٹ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا وہاں

تمہارے دل کو پسند آنے اور آنکھوں کو لذت دینے والی ہر چیز دی جائے گی۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۴۱)

یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ جنت میں کسی کے دل میں بری خواہش نہیں آئے گی کیونکہ وہاں شیطان اور نفس ساتھ نہ ہو گا۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ کیا ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کیا جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو پھر جنت تو جرائم اور فواحش کی آماجگاہ بن جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہاں اچھی خواہشات ہی دل میں آئیں گی اور انکو فورا پورا کیا جائے گا۔

[41] وارث کا لفظ اس لئے بولا گیا کہ ہر شخص کے لئے جنت اور دوزخ میں ایک ایک جگہ بنائی گئی ہے۔ اور پھر جو لوگ دنیا میں آ کر کافر ہو گئے ان کے لئے جنت میں جو جگہ تھی وہ مومنوں میں بانٹ دی جائے گی اور جنت میں کافروں کی جگہیں مومنوں کو دے دی جائیں گی تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے: کما رواہ ابو ھریرۃ عن النبی ﷺ۔

(ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۸۶)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ

بے شک مجرم لوگ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ ان سے عذاب

فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ وَنَادَوْا

ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا مگر وہ خود ہی ظالم تھے [42] اور وہ

يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ

پکاریں گے اے مالک (داروغۂ جہنم) تمہارے رب کو ہمارا کام تمام کر دینا چاہیے، وہ کہے گا تم یہیں ٹھہرو گے

بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۚ

ہم تمہارے پاس حق لائے مگر تم میں سے اکثر حق کو ناپسند رکھتے تھے [43] کیا انہوں نے داؤ تیار کیا ہے تو

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ

ہم نے بھی تدبیر پختہ کی ہے [44] کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی رازداری اور سرگوشی نہیں سنتے؟ کیوں نہیں؟ جبکہ ہمارے فرستادہ (فرشتے)

يَكْتُبُوْنَ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ سُبْحٰنَ

ان کے پاس لکھتے ہیں [45] آپ فرمائیں اگر رحمن کے لئے اولاد ہوتو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں گا۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا

آسمانوں اور زمین کا رب جو عرش کا رب ہے اس بات سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو (اپنے کفر میں) ڈوبیں

وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ

اور کھیلیں، حتیٰ کہ اپنے اس دن کو جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ [46]

[42] یعنی کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یہ ظلم انہوں نے اپنے اوپر خود کیا وہ دنیا میں کفر پہ ڈٹ گئے اگر انہیں دنیا میں ابدی زندگی دی جاتی تو وہ ابدی کفر کرتے تو ان کی نیت کے مطابق انہیں ابدی سزا ہوگی۔ معلوم ہوا کہ دوزخ میں ہمیشہ رہنا کفار سے خاص ہے اور وہ دوزخ میں رحمتِ خداوندی سے مایوس ہونگے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان اپنے گناہوں کی

وجہ سے وہاں گیا تو ہمیشہ کے لیے نہ ہوگا نہ ہی وہ وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگا، بلکہ جلد یا بدیر اسے شفاعت مصطفیٰ ﷺ آ پہنچے گی اور وہ وہاں سے نکال کر ہمیشہ کے لیے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

[43] جہنم کے داروغہ کا نام مالک ہے، کفار اسے کہیں گے اے مالک! تمہارے رب کو چاہیے کہ ہمیں موت دے دے تا کہ ہماری جان چھوٹ جائے مگر وہ کہے گا ''تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو گے، تمہارے پاس ہم حق لائے مگر تم اکثر حق سے نفرت کرتے تھے۔'' اکثر اس لئے کہا کیونکہ بعض کفار ایمان بھی لے آتے ہیں۔

جہنم میں کفار کی دائمی حسرت و درماندگی کا دردناک منظر

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کفار داروغۂ جہنم جس کا نام مالک ہے سے کہیں گے یا مالك ليقض علينا ربك، تو چالیس برس تک انہیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، اس کے بعد کہا جائے گا: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ کہ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تب وہ اللہ کو پکاریں گے، کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پہ ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم ظالم لوگ تھے، اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال، اگر ہم نے دوبارہ کفر کیا تو ہم ضرور ظالم ہونگے۔''

(المومنون، آیت ۱۰۶)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کچھ جواب نہ دے گا بلکہ خاموشی اختیار فرمائے گا اور یہ خاموشی دو مرتبہ دنیا کی عمر کے برابر ہوگی (اللہ اکبر)۔ اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ ''یہاں ذلیل ہو کر رہو اور مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔'' (المومنون، ۱۰۸) اس کے بعد کفار کے منہ پہ تالا لگا دیا جائے گا وہ کوئی بات نہ کر سکیں گے، صرف گدھوں کی طرح آوازیں نکالیں گے پہلے ان کے منہ سے چیخ نکلے گی اور آخر میں گدھے کی سی رینگ (لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ وہاں وہ چیخیں گے اور رینگیں گے)۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۴۱)

[44] قیامت تک آنے والے دشمنان اسلام کے بارہ میں کہا جا رہا ہے کہ اگر انہوں نے دین حق کے مٹانے کے لئے اپنا داؤ پختہ کیا ہے تو ہم نے بھی اپنے دین کو غالب رکھنے کی مضبوط تدبیر کر رکھی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے۔'' (فتح، ۲۸) اور حدیث مبارکہ میں ہے: الاسلامُ يَعلُو وَلا يُعلَى عَلَيه۔ ''اسلام غالب آتا ہے (ہمیشہ) مغلوب نہیں رہتا۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۹) للہذا مسلمانوں کو موجودہ کمزور حالت کے سبب مایوس نہیں ہونا چاہیے، یہ حالت ان کی تنبیہ کے لئے ہے انہیں جلد اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔

[45] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم دشمنانِ دین کے دلی خطرات سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ ہمارے فرشتے انہیں لکھ بھی رہے ہیں۔ معلوم ہوا انسان کے صرف ظاہری اعمال ہی نہیں اس کے دلی خطرات اور ارادے بھی لکھے جا رہے ہیں۔

اسی لئے روز قیامت نیات کے مطابق فیصلے کئے جائیں گے۔

[46] یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں جیسے کفار عرب نے فرشتوں کا نام لے کر جنات و شیاطین کو اللہ کی اولاد مان رکھا تھا۔ ان کے رد میں فرمایا جارہا ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرمادیں کہ اگر خدائے رحمن کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا، لہٰذا ارض و سما اور عرش علیٰ کا رب اولاد سے پاک ہے جو کفار اس کے لئے بتاتے ہیں۔ جب وہ ساری کائنات کا رب ہے تو اسے اولاد کی کیا ضرورت؟ اولاد تو اس لئے ہوتی ہے تاکہ انسان کے مرتبہ، رزق اور تعلقات میں وسعت ہو اور اس کے مرنے کے بعد اس کا نام زندہ رہے، تو رب کائنات کو ان چیزوں کی کیا حاجت ہے؟

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾

اور اللہ وہ ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہ حکمت والا علم والا ہے۔ اور برکت والا ہے

وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ

اللہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کی بادشاہی ہے اور اسی کے پاس

عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ

قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے [47] اور جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے

دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

مگر وہی بندے رکھتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور حق کو جانتے ہوں [48] اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس

مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ

نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے، تو وہ کہاں بھٹکتے ہیں [49] اور رسول (ﷺ) کے یا رب کہنے (کے میٹھے بول)

قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

کی قسم، یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، آپ ان سے درگزر کریں اور کہہ دیں کہ سلام ہو، تو عنقریب وہ جان لیں گے [50]

ع ۷ ۱۲ وقف لازم

[47] یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ارض و سما میں کوئی عبادت کے لائق نہیں کیونکہ سب حکمتوں اور علوم کا وہی مالک ہے۔ اسی کے لئے ساری کائنات کی بادشاہی ہے، وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی اور جب آئے گی تو سب لوگ اسی کی بارگاہ

میں پیش ہوں گے، پھراس کے سوا کوئی اور کس طرح مستحق عبادت ہوسکتا ہے۔

[48] کفار عرب سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا اللہ پر زور رکھتے ہیں وہ ان کے مصائب کو اللہ سے زبردستی حل کروا سکتے ہیں اور روز قیامت وہ انہیں اللہ سے زبردستی چھڑوالیں گے۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ کفار کے جھوٹے خدا کسی شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ شفاعت کا حق انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم رکھتے ہیں جو حق کی گواہی دیتے اور حق آشنا ہیں۔

[49] یعنی اگر کفار عرب سے پوچھا جائے کہ جن جھوٹے خداؤں کو وہ پوجتے اور انہیں اللہ کی اولاد اور اس کے نائبین و وزراء مانتے ہیں انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو کفار بھی یہی جواب دیں گے کہ انہیں اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تو اللہ کی مخلوق اللہ پر کیسے دھونس جما سکتی ہے اور کس طرح اس سے اپنی مرضی کے فیصلے کروا سکتی ہے؟

[50] حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یارب یارب کہہ کر اپنے رب سے اپنی قوم کی شکایت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرماتے ہوئے کہا: وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ الخ (درمنثور عن ابن جریر وعبد بن حمید جلد ۷ صفحہ ۳۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنے رسول کے یارب کہنے کی قسم! یہ کفار ایمان نہیں لائیں گے اس لئے آگے فرمایا کہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان سے درگزر کریں اور ان سے کہہ دیں کہ سلام ہو یہ سلام متارکہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِى الۡجٰهِلِيۡنَ۝۵۵ ''تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں سے بات نہیں کرنا چاہتے۔'' (قصص، ۵۵) معلوم ہوا اللہ کو اپنے حبیب کی اداؤں سے پیار ہے اسی لیے وہ ان کے دعا مانگنے کے دلنواز انداز کی قسم اٹھاتا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ ہے مرتبہ تجھ کو خدا نے دیا — نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا — تیرے شہر و کلام و بقاء کی قسم

الحمد للہ آج 5 شعبان المعظم 1429ھ بمطابق 7 اگست 2008ء بروز جمعرات بعد نماز فجر سورہ زخرف کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ الدخان

سورۃ الدخان ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی 63ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 44ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے اس میں تین (3) رکوعات، انسٹھ (59) آیات، تین سو چھیالیس (346) کلمات اور ایک ہزار چار سو اکتیس (1431) حروف ہیں۔ اسے سورۃ الدخان اس لئے کہتے ہیں کہ دخان کا معنی دھواں ہے اور اس میں قیام قیامت سے قبل دنیا میں ظاہر ہونے والے عظیم دھوئیں کا یوں بیان ہے: فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ ''انتظار کرو جس دن آسمان ایک بڑا دھواں لے آئے۔'' (آیت،۱۰)

فضیلت

اس سورت کی فضیلت میں ایک تو یہی بات ہے کہ یہ حوامیم سورتوں کا حصہ ہے، جن کی فضیلت ہم سورہ غافر کے آغاز میں لکھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سورت کے خصوصی فضائل ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے کسی رات سورۂ دخان پڑھ لی، وہ اس حالت میں صبح کرے گا کہ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے استغفار کریں گے۔'' (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس نے جمعہ کی رات (جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات) میں سورۃ دخان پڑھی وہ یوں صبح کرے گا کہ اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔'' (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن سورۂ دخان پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔''

(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۳۹۷ بروایت ابن مردویہ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس نے جمعہ کی رات سورہ دخان پڑھی اس کی بخشش کر دی جائے گی اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی۔'' (دارمی کتاب فضائل القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۵۷ باب ۲۲)

مضامین

سورہ دخان کے آغاز میں شب براءت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پھر اس میں قیامت کی ہولناکیاں اور اُس دن کی شدید پکڑ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور فرعونیوں کی آپ سے مخالفت اور بالآخر ان کی ہلاکت کا حال بتایا گیا ہے اور سورت کے آخر میں جنتی نعمتوں کی خوبصورت منظر کشی کی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۵۹ ۴۴ سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ ۶۴ رکوعاتها ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾

حا، میم، قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا ہے، بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔

فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ﴿۴﴾ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۚ﴿۵﴾

اس رات میں ہر حکمت والے کام کو نمٹا دیا جاتا ہے[1] (یہ نزول قرآن) ہمارے حکم سے ہے، بے شک ہم ہی رسول بھیجتے ہیں،

رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۶﴾

یہ آپ کے رب کی رحمت ہے، بے شک وہی سننے جاننے والا ہے[2]

مع ۱۱

شب براءت کی فضیلت

[1] وہ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ جس میں قرآن اتارا گیا اور اس میں ہر حکمت والے کام کو نمٹا دیا جاتا ہے، سے کون سی رات مراد ہے اس بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین سے یہی مروی ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسری جگہ صاف فرمایا گیا ہے اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ﴿۱﴾ کہ ”ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے۔“ (قدر،۱)

مگر مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک اس جگہ لیلۃ مبارکہ (برکت والی رات) سے شب براءت یعنی نصف شعبان کی رات مراد ہے۔

چنانچہ حضرت عکرمہ (تابعی) فیھا یُفۡرَقُ کُلُّ امرٍ حکیمٍ کہ اس مبارک رات میں ہر حکمت والا کام نمٹا دیا جاتا ہے، کے تحت فرماتے ہیں:

فِیۡ لَیۡلَۃِ النِّصۡفِ مِنۡ شَعۡبَانَ یُبۡرَمُ اَمۡرُ السَّنَۃِ وَ یُنۡسَخُ الۡاَحۡیَاءُ مِنَ الۡاَمۡوَاتِ وَ یُکۡتَبُ الحاجُّ ”نصف شعبان کی رات (پندرھویں رات) میں پورے سال کے فیصلے کر دیئے جاتے ہیں، زندوں میں سے جن

کی موت آنی ہے ان کا نام لکھ دیا جاتا ہے اور جس نے حج کرنا ہے اس کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔''
(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۸۷ روایت ۱۸۵۳۱ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخفس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

تُقطعُ الآجالُ مِنْ شعبانَ الی شعبانَ حتی اَنَّ الرجلَ لینکحُ و یُولَدُ لهٗ و قدخَرَجَ اسْمُهٗ فی الموتٰی۔ ''ہر شعبان میں دوسرے شعبان تک تمام اموات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ ہونا ہوتا ہے، مگر اس کا نام مُردوں کی فہرست میں لکھا جا چکا ہوتا ہے'' (کہ وہ اس سال کی فلاں تاریخ کو مر جائے گا) (ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۳۱۱۱۰ مطبوعہ مکتبہ علمیہ بیروت)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا ماہ شعبان روزے رکھتے تھے۔ میں نے اس بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

اس ماہ میں اللہ تعالیٰ ہر مرنے والی جان کا فیصلہ کر دیتا ہے (کہ اگلے شعبان تک کون کس وقت مر جائے گا) تو میں چاہتا ہوں کہ میری موت اس حالت میں لکھی جائے کہ میں روزے سے ہوں۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۰۷ بروایت مسند ابی یعلی)

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فی لیلة النصف من شعبان یوحی الله الی ملك الموت بقبض كل نفس یرید قبضها فی تلك السنة۔ ''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں ملک الموت کو وحی فرماتا ہے اور اس برس جس جس نے مرجانا ہے اسے اس کے بارہ میں آگاہ کر دیتا ہے۔'' (درمنثور بروایت دینوری فی مجالسہ جلد ۷ صفحہ ۴۰۱)

ان روایات کی روشنی میں جب فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ سے نصف شعبان کی رات مراد ہے تو لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ سے بھی یہی رات مراد ٹھہری۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلۃ البراءت (نصف شعبان کی رات) سے لے کر لوح محفوظ سے تمام امور کے فیصلوں کا لکھا جانا (فرشتوں کے رجسٹروں میں نقل کیا جانا) شروع کیا جاتا ہے اور لیلۃ القدر میں اس سے فراغت ہوتی ہے، تب ارزاق کا نسخہ (رجسٹر) میکائیل علیہ السلام کو دے دیا جاتا ہے اور جنگوں کی تفاصیل جبرائیل علیہ السلام کو دے دی جاتی ہے۔

(قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

اگر امام قرطبی کی یہ بات درست مان لی جائے تو لیلۃ القدر کے بارہ میں بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۛ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ اور یہاں لیلۃ مبارکہ کے بارہ میں فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ﴿۴﴾ کے درمیان خوبصورت مطابقت ہو جاتی ہے اور یہ ایک خوبصورت کلام ہے۔

رہا یہ سوال کہ لیلۃ القدر میں بھی نزول قرآن بتایا گیا اور لیلۃ مبارکہ یعنی نصف شعبان کی رات میں بھی یہی چیز بتائی گئی تو اس میں کیا تطبیق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس میں بھی تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ قرآن کو پہلے علم الٰہی سے لوح محفوظ میں اتارا گیا، پھر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا، پھر وہاں سے قلب رسول ﷺ پر اُتارا گیا۔ تو ممکن ہے لیلۃ مبارکہ یعنی نصف شعبان میں قرآن کو علم الٰہی سے لوح محفوظ میں اتارا گیا ہو اور لیلۃ القدر میں وہاں سے آسمان دنیا پر لایا گیا ہو۔

بہر حال جب گزشتہ روایات سے واضح ہو گیا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ اگلی نصف شعبان تک تمام اہم امور کے فیصلے فرما دیتا ہے اور اس رات کا نزولِ قرآن سے بھی تعلق ہے، تو اس رات میں خصوصی عبادات کا بجا لانا اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ٹھہرا۔

نصف شعبان کی رات کی برکات اور اس میں عبادت کا ثواب

چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا کان لیلۃُ النصفِ من شعبانَ فَقُومُوا لَیۡلَھَا وصُومُوا نَھَارَھَا۔ جب نصف شعبان کی رات آئے تو اس میں شب بیداری کرو اور اگلے دن روزہ رکھو۔ پھر فرمایا جب یہ رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں غروب شمس کے ساتھ ہی (اپنی شان کے مطابق) آسمان دنیا پر اتر آتا ہے اور فرماتا ہے: اَلَا مِنۡ مُسۡتَغۡفِرٍ فَاَغۡفِرُلَہٗ اَلَا مِنۡ مُسۡتَرۡزِقٍ فَاَرۡزُقُہٗ اَلَا مِنۡ مُبۡتَلًی فَاُعَافِیۡہِ اَلَا مِنۡ سَائِلٍ فَاُعۡطِیۡہِ۔ یعنی کیا کوئی بخشش کا طلبگار ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کیا کوئی رزق کا چاہنے والا ہے کہ میں اسے رزق دے دوں؟ کیا کوئی مبتلائے مصیبت ہے کہ میں اسے عافیت سے نواز دوں؟ اور کیا کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اسے عطا کر دوں؟ اسی طرح کیا کوئی ہے، کیا کوئی ہے فرماتا رہتا ہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الاقامہ حدیث ۱۳۸۸ باب ۱۹۱)

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ پھر اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرما دیتا ہے، مگر مشرک اور حاسد کی بخشش نہیں فرماتا۔'' (ابن ماجہ کتاب الاقامہ حدیث ۱۳۹۰ باب ۱۰۱)

نصف شعبان کی رات رسول اللہ ﷺ کا قبرستان میں تشریف لے جانا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا میں نے ایک رات حضور ﷺ کو بستر پر موجود نہ پایا۔ میں آپ کو ڈھونڈنے نکلی تو دیکھا آپ قبرستان بقیع میں محو دعا ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نے سمجھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم سے زیادتی کریں گے؟ (یعنی تمہاری باری کسی دوسری زوجۂ رسول کو دے دی جائے گی؟) میں نے عرض کیا: نہیں، مجھے ایسا کوئی گمان نہیں ہے بس میں نے آپ کو نہ پایا تو ڈھونڈنے نکلی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(آج نصف شعبان کی رات ہے) اور اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے: فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ بَنِي كَلْبٍ۔ پھر بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ اہل ایمان کی بخشش فرما دیتا ہے۔ (سنن ترمذی حدیث ۷۳۹، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۱۹۱ حدیث ۱۳۸۹)

امام بیہقی نے اس حدیث کو مفصل طریقہ سے روایت کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میرے بستر پہ بیٹھے، پھر تھوڑی دیر بعد اٹھ کر باہر نکل گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ قبرستان بقیع میں اہل ایمان کے لئے دعاء بخشش فرما رہے ہیں، میں واپس اپنے حجرے میں آ گئی۔ میرے پیچھے ہی آپ بھی آ گئے اور فرمایا اے عائشہ! تمہارا سانس کیوں پھولا ہوا ہے؟ میں نے ماجریٰ عرض کیا، آپ نے فرمایا: آج میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا یہ نصف شعبان کی رات ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے مگر اس رات مشرک، حاسد، قاطع رحم، متکبر، والدین کے نافرمان اور شراب کے عادی شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا۔

پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا آج رات تم مجھے شب بیداری کی اجازت نہ دو گی؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طویل تر سجدہ فرمایا۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں آپ کی روح تو قبض نہیں کر لی گئی۔ میں نے آپ کے پاؤں کو چھوا تو اس میں حرکت ہوئی۔ تب میں نے سنا آپ یہ دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ ”اے اللہ! میں تیرے عذاب سے تیری معافی کی، تیری ناراضگی سے تیری رضا کی اور تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تیری ذات عظیم ہے جیسے تو خود اپنی تعریف کر سکتا ہے اس طرح میں تیری تعریف نہیں کر سکتا“ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: صبح میں نے آپ کو یہ دعا سنائی تو آپ نے فرمایا: یہ دعا یاد رکھو اور دوسروں کو بھی یاد کرا دو۔ کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے یہ دعا مجھے یاد کروائی ہے اور کہا ہے کہ اسے سجدے میں پڑھا کروں۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۰۳ بروایت بیہقی)

خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو شب بیداری کرنا، اللہ تعالیٰ سے بخشش، رزقِ حلال، عافیت اور دیگر امور خیر مانگنے چاہئیں، کفر و شرک، حسد، تکبر، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی جیسے گناہوں سے دور رہنے کا عہد کرنا چاہیے، قبرستان جانا اور اہل ایمان کی بخشش کی دعا کرنا چاہیے اور خصوصاً مذکورہ دعا کو یاد کرنا اور اسے سجدے میں پڑھنا چاہیے اور اگلے دن روزہ رکھنا چاہیے۔

اگر ہو سکے تو اس رات نماز تسبیح پڑھی جائے اس کی عظیم فضیلت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا عباس! اگر تم سے ہو سکے تو یہ نماز روزانہ پڑھو، نہیں تو ہفتے میں ایک بار پڑھو، نہیں تو مہینے میں ایک بار اور نہیں تو سال میں ایک بار

پڑھو اور وہ بڑا بدنصیب ہے جو اسے زندگی میں ایک بار بھی نہ پڑھے۔ جس نے ایک بار نماز تسبیح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے بڑے، نئے پرانے اور خفیہ و علانیہ سب گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (ابوداؤد کتاب التطوع باب ۱۴)

نماز تسبیح کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعات پڑھی جائیں ہر رکعت میں 75 بار یہ تسبیح پڑھی جائے: سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ۔ اس طرح کہ سورہ فاتحہ سے قبل 15 بار، پھر رکوع میں جانے سے قبل 10 بار، پھر رکوع میں 10 بار، پھر رکوع سے اٹھ کر 10 بار، پھر پہلے سجدے میں 10 بار، پھر سجدے سے اٹھ کر 10 بار، پھر دوسرے سجدے میں 10 بار۔ اسی طرح ہر رکعت میں پڑھا جائے۔

نوافل کا با جماعت پڑھنا کیسا ہے؟

یاد رہے نماز تسبیح کو شب براءت اور شب قدر میں آج کل اکثر مساجد میں با جماعت بھی پڑھا جاتا ہے، یہ اچھا عمل ہے اس سے لوگوں کو روکنا نہیں چاہیے، حدیث مبارکہ میں نوافل کا با جماعت پڑھنا بھی ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا تم کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے لئے وہاں نماز پڑھوں۔ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ وہاں کھڑے ہوئے، آپ نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی۔ آپ نے دو رکعات پڑھیں پھر ہم نے آپ کے سلام کے ساتھ سلام کہا۔ (صحیح بخاری کتاب التہجد باب صلوٰۃ النوافل جماعۃً حدیث ۱۱۸۶)

امام بخاری کا باب صلوٰۃ النوافل جماعۃً کے عنوان کے تحت اس حدیث کا روایت کرنا معاملہ کو خوب واضح کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نفل کو با جماعت بھی پڑھا ہے۔

البتہ فقہاء نے نوافل کی جماعت کے لئے تداعی یعنی اعلان کرنے کو مکروہ جانا ہے۔ اعلان کرنا یہ ہے کہ اشتہارات اور اعلانات کے ذریعہ اس کی خوب تشہیر کی جائے۔ گویا اگر تداعی کے بغیر نماز تسبیح جماعت سے پڑھی جائے تو پھر کسی کو بھی اس پہ اعتراض نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جو نوافل با جماعت پڑھے وہ تداعی کے ساتھ نہیں تھے، یعنی پہلے سے اس کا اعلان نہیں تھا اور تداعی کے ساتھ بھی کراہت ہی کا فتویٰ ہے، نہ کہ حرمت کا۔ اور یہ کراہت بھی ظنی ہے، یعنی استدلالی ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت پہ کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں نماز تسبیح با جماعت سے لوگوں میں جو ذوق و شوق دیکھنے میں آتا ہے اور مسجدیں شب براءت میں اس کی وجہ سے بھر جاتی ہیں تو اس طرح یہ کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

نوافل کی جماعت کی کراہت تنزیہی ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نوافل کی جماعت کو جو مکروہ کہا جاتا ہے تو یہ کراہت تنزیہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ

کراہت متفق علیھا نہیں ہے، بعض ائمہ اسے مکروہ جانتے ہیں اور بعض مستحب۔ چنانچہ مراقی الفلاح میں علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں:

قد اختلف علماء الشام فی صفة احیاء لیلة النصف من شعبان علی قولین احدهما انه استحب احیاءها بجماعة فی المسجد طائفة من اعیان التابعین کخالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقهم اسحاق بن راهویه۔ نصف شعبان کی رات میں شب بیداری کرنے میں علماء شام میں اختلاف ہوا ہے، اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو مسجد میں با جماعت شب بیداری کرنا مستحب ہے، یہ قول جلیل القدر تابعین کی ایک جماعت کا ہے، جیسے خالد بن معدان، لقمان بن عامر اور اسحاق بن راہویہ۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جب کسی عمل کے استحباب و کراہت میں اختلاف ہو تو اگر اس کی کراہت مانی بھی جائے تو وہ تنزیہی ہو سکتی ہے، تحریکی نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی نجس کی نجاست میں اختلاف ہو جائے تو وہ نجاست غلیظہ نہیں رہتی نجاست خفیفہ بن جاتی ہے، جیسے حلال جانوروں کا پیشاب۔ اس میں حدیث اہل عرینہ کی وجہ سے اختلاف ہو گیا تو فقہاء نے اس کی حرمت کو خفیفہ قرار دیا۔ اسی طرح جب نوافل کی جماعت کی کراہت میں اختلاف ہے تو اسے تنزیہی کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اسی لیے اس کراہت کے بارہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ صاف فرماتے ہیں: اظہر یہ کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، یعنی خلاف اولیٰ لمخالفة التوارث۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۴۳۱) جب یہ کراہت تنزیہی ہے تو اس کی مخالفت میں شدت کرنا اور اسے مکروہ تحریمی کی طرح روکنا کسی طرح قرین مصلحت نہیں ہے۔

وقف لازم

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ۞ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا

جو آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے، کا رب ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا

ہُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۞ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ

اور مارتا ہے۔ وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے، بلکہ کفار شک میں مبتلا

یَّلۡعَبُوۡنَ ۞ فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۞ یَّغۡشَی

مصروف لعب ہیں۔ تو آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان کھلا دھواں لے آئے جو لوگوں کو

النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۞

ڈھانپ لے گا (لوگ کہیں گے) یہ دردناک عذاب ہے۔[3]

[2] یعنی شب براءت میں قرآن کا نازل ہونا ہمارے حکم سے ہے کیونکہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے اور اے پیارے رسول یہ آپ ﷺ! کے رب کی رحمت ہے، بے شک وہ سننے جاننے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون رسالت کا حقدار ہے۔

رات کو دن پر فضیلت ہے

فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ سے معلوم ہوا نزول قرآن کا شرف رات کو ملا۔ علاوہ ازیں شب قدر، شب ترویہ اور شب عرفات وغیرہ کی برکات رات ہی میں رکھی گئیں۔ لہٰذا جو شخص قرب الٰہی چاہتا ہے وہ رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرے۔ اسی لیے نماز نماز تہجد کو سنت بنایا گیا اور رسول اللہ ﷺ پہ نماز تہجد فرض رکھی گئی اور امت کے لیے اس کو نبی اکرم ﷺ کی سنت بنایا گیا اور اکثر بڑے بڑے انعامات رات کو ہوئے، معراج شریف رات کو ہوا، نزول قرآن رات میں ہوا۔

عظمت قرآن کریم

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ سے معلوم ہوا جس رات میں قرآن اترے، وہ برکت والی رات بن جاتی ہے۔ تو جس کھانے پر قرآن پڑھا جائے کیا وہ برکت والا نہیں بن سکتا؟ حدیث کے مطابق تو صرف بسم اللہ پڑھنے سے کھانے شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے تو الحمد للہ اور قل ھو اللہ پڑھنے سے کھانے میں برکت کیوں نہ آئے گی؟ لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر قرآن پاک کے پڑھنے کو بعض لوگوں کا حرام کہنا اور اس کھانے کو خون وخنزیر کی طرح حرام اور غلیظ

بتانا قطعی نا قابل فہم اور انتہاء پسندی ہے۔ اور حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کھانا سامنے رکھ کر برکت کے لئے دعا فرماتے اور پڑھتے تھے مشکوٰۃ باب المعجزات میں ایسی کثیر احادیث منقول ہیں۔

شب براءت میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے

فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ میں ہمارے لئے درس عبرت ہے کہ ہم اس رات اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائیں اور دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے اگلے سال میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں جہلاء کی ایک بڑی جماعت ہے جو شب براءت میں توبہ واستغفار کرنے کی بجائے اس رات میں آتش بازی کا مظاہرہ کرتے اور اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں۔ اور یہ آتش بازی کئی بار بڑے حادثات کا سبب بن جاتی ہے۔ آتش بازی میں متعدد قباحتیں اور گناہ شامل ہیں، جیسے دوسرے مسلمانوں کو ایذاء دینا، جسے حدیث میں حرام اور گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اسراف اور مال کا ضیاع ہے، جو پیسہ اس رات میں آتش بازی پہ لگایا جاتا ہے وہ صدقہ وخیرات پہ لگایا جائے۔ ہمارے لاکھوں بھائی بھوکے مر رہے ہیں اور ہم اپنا مال آگ میں جھونک رہے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ اس کا حساب نہیں لے گا؟

[3] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی سب سے پہلی نشانی دجال کا ظہور ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو محشر کے میدان کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ جہاں وہ رکیں گے رک جائے گی جب چلیں گے چل پڑے گی۔ اور قیامت سے قبل ایک دھواں ظاہر ہوگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ وہ دھواں کیسا ہوگا؟ حضور ﷺ نے یہی آیت پڑھی: يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱۰ پھر فرمایا وہ دھواں مشرق ومغرب میں پھیل جائیگا اور چالیس دن تک رہے گا مومن کو تو اس سے صرف زکام سا ہوگا اور کافر پر اس سے نشہ سا چھا جائے گا اور وہ دھواں اس کے نتھنوں کانوں اور دبر سے نکلے گا۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۷ حدیث ۳۱۰۶۱)

رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ

اے ہمارے رب! ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں۔ اب انہیں کیسے نصیحت ہو جبکہ ان کے پاس

جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا

روشن عظمت والا رسول آیا، پھر انہوں نے اس سے منہ موڑا اور وہ کہنے لگے کہ یہ سکھایا ہوا مجنون ہے [4] بے شک

كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ

ہم کچھ عذاب دور کریں گے (مگر) تم پھر (کفر کی طرف) لوٹو گے، وہ دن یاد کرو جب ہم بڑی پکڑ کے ساتھ

الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

پکڑیں گے، ہم بدلہ لینے والے ہیں [5]

وقف لازم

وقف لازم

[4] جب کفار پر دھواں چھا جائے گا (اور غالباً یہ صور پھونکے جانے سے کچھ ہی قبل ہوگا) تو وہ پکار اٹھیں گے یا اللہ یہ بڑا دردناک عذاب ہے اسے اٹھا لے ہم ایمان لاتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار مکہ کو نصیحت کیسے مل سکتی ہے جبکہ اُن کے پاس رسول مبین ﷺ تشریف لائے (مبین اس معنی میں کہ ان کی رسالت آفتاب کی طرح واضح ہے) مگر انہوں نے ان سے منہ موڑتے ہوئے کہا کہ یہ تعلیم یافتہ مجنون ہے (معاذ اللہ) یعنی خود تو مجنون ہے مگر کوئی شخص اسے پڑھاتا ہے۔ دراصل مکہ میں دو عجمی غلام رہتے تھے کفار مکہ کہتے تھے کہ یہ دو عجمی غلام آپ کو پڑھاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىۡ يُلۡحِدُوۡنَ اِلَيۡهِ اَعۡجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۳﴾ ''ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: اسے تو کوئی بشر سکھاتا ہے، حالانکہ جس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ عجمی ہے جبکہ یہ قرآن تو فصیح عربی ہے۔''

(نحل، ۱۰۳)

[5] جب قرب قیامت میں دھواں ظاہر ہوگا اور کفار اس کی تکلیف سے چلا اٹھیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم یہ عذاب تھوڑی دیر کے لئے اٹھا لیں گے مگر تم ایمان نہیں لاؤ گے، بلکہ کفر ہی کی طرف لوٹو گے اور ہم تم پر پھر عذاب مسلط کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور جب کفار کسی صورت ایمان نہ لائیں گے تو ان پر خسف اور مسخ جیسے عذاب آجائیں گے۔

آگے فرمایا کہ قیامت کا وہ دن یاد کرو جب ہم سخت پکڑ کریں گے یعنی قیامت کے عذابات تم پر دنیوی عذابات سے کہیں سخت تر ہیں۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ۝۱۷ اَنۡ اَدُّوۡۤا

بلاشبہ ہم نے ان سے قبل قوم فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس ایک معزز رسول آیا۔ (اور اس نے کہا کہ) اے اللہ

اِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۝۱۸ وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ ۚ

کے بندو! میری اطاعت کرو میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ اور اللہ پر سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس

اِنِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱۹ وَاِنِّىۡ عُذۡتُ بِرَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ۝۲۰

کھلی دلیل لایا ہوں۔ اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو

وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِىۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ۝۲۱ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ۝۲۲

اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ [6] تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں

فَاَسۡرِ بِعِبَادِىۡ لَيۡلًا اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ۝۲۳ وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ

(اللہ نے فرمایا) تم میرے بندوں کو رات کے کسی پہر لے جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور سمندر میں راستہ

مُّغۡرَقُوۡنَ ۝۲۴ كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۝۲۵ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۝۲۶

کھلا چھوڑ دو (اس میں) وہ لشکر ڈبویا جائے گا۔ وہ کتنے ہی باغات چشمے، کھیتیاں، عمدہ مکانات

وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ ۝۲۷ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ۝۲۸

اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ مزے اڑاتے تھے [7] ہم نے یونہی کیا اور دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا تو

فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ ۝۲۹ ع

ان پر آسمان اور زمین نہ روئے اور نہ انہیں مہلت دی گئی [8]

[6] یعنی جس شخص یا قوم کے دل پر گمراہی کی مہر لگ جائے اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، خواہ انہیں کس قدر دلائل دیئے جائیں۔ جیسے قبل ازیں قوم فرعون کو آزمایا گیا، ان کے پاس بڑی عزت والا رسول آیا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، انہوں نے قوم فرعون سے کہا کہ اے بندگان خدا! میری اطاعت کرو میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوں اور امانت

دار ہوں یعنی اللہ کا پیغام بلا کمی بیشی مکمل طور پر پہنچاتا ہوں،اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس کھلی دلیل لایا ہوں یعنی معجزۂ عصا اور ید بیضاء۔مگر قوم فرعون پر ان باتوں سے کچھ اثر نہ ہوا۔الٹا انہوں نے کہا: اے موسیٰ! اگر تم اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔آپ نے فرمایا مجھے اللہ کی پناہ کافی ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے اور اگر تم ایمان نہیں لانا چاہتے ہو تو نہ لاؤ مگر میرا راستہ نہ روکو مجھ سے الگ رہو اور مجھے میرا کام کرنے دو۔

[7] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو (جو ایمان لا چکے ہیں) راتوں رات مصر سے نکال لے چلو اور آگاہ رہو کہ فرعون تمہارا پیچھا ضرور کرے گا۔لہٰذا اے موسیٰ علیہ السلام آپ سمندر کو پھٹا ہوا چھوڑ دیں تاکہ اس میں فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو جائے،یعنی جس طرح عصا مار کر آپ نے سمندر کو پھاڑا ہے اسے دوبارہ عصا مار کر ملا نہ دیں بلکہ اسے کھلا چھوڑ دیں۔چنانچہ ساری قوم فرعون کو اس پھٹے ہوئے سمندر میں غرق کر دیا گیا اور وہ اپنے پیچھے باغات، چشمے، کھیتیاں، مکانات اور کئی نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ مزے اُڑاتے تھے۔

[8] یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو ان کے باغات اور مکانات کا وارث بنایا گیا۔دوسری جگہ فرمایا گیا:

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾

''ہم نے قوم فرعون کو باغات، چشموں خزانوں اور معزز مقام سے نکالا اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا'' (شعراء،۵۷)

ممکن ہے بنی اسرائیل غرقابی فرعون کے بعد واپس مصر آئے ہوں اور یہاں کا انتظام سنبھال کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صحرائے سینا کی طرف نکلے ہوں، یا فتح بیت المقدس کے بعد واپس مصر آئے ہوں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قوم فرعون غرق ہو گئی مگر ان پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور جب ان پر عذاب آ گیا تو انہیں مہلت نہ دی گئی فوراً ڈبو یا گیا۔

ان پر آسمان وزمین کے نہ رونے کی بات اس لئے کی گئی کہ حدیث مبارکہ کے مطابق جب بندۂ مومن مرتا ہے تو جہاں وہ عبادت کرتا ہے زمین کا وہ حصہ روتا ہے اور آسمان کے جس دروازے سے اس کے اعمال صالحہ اٹھائے جاتے تھے اور جس دروازے سے اس کا رزق اُتارا جاتا تھا، وہ دروازے اس مومن کے فراق میں روتے ہیں۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورۃ الدخان)

یعنی کافر کے لیے ایسی کوئی چیز نہیں روتی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ

اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے۔ بے شک وہ

كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

سرکش اور حد سے بڑھنے والا تھا اور بلاشبہ ہم نے انہیں ایک علم کے سبب تمام جہانوں پر چن لیا [9]

وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ۝ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۝ إِنْ

اور انہیں وہ نشانیاں دیں جن میں کھلی آزمائش تھی۔ یہ لوگ (کفار) کہتے ہیں کہ بس

هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ۝ فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ

یہی ہماری پہلی موت ہے اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (لہٰذا اے مومنو) اگر تم

صَادِقِينَ ۝ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ

سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ [10] کیا یہ لوگ (طاقت میں) بہتر ہیں یا قوم تبع اور جو لوگ ان سے قبل تھے، بہتر تھے؟

إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

ہم نے انہیں ہلاک کر دیا کہ وہ مجرم لوگ تھے [11]

منکرینِ قیامت کا رد اور فکر آخرت

[9] جب فرعونی ہلاک ہو گئے تو بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے نجات مل گئی کیونکہ فرعون سرکش و ظالم انسان تھا وہ بنی اسرائیل سے ذلت آمیز کام لیتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے علم کی وجہ سے اپنے وقت میں تمام اقوام عالم پر فضیلت عطا فرمائی۔ چونکہ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے گئے اور کتابیں اتاری گئیں تو کتاب اور سنت انبیاء کے علم سے انہیں دوسری اقوام پر برتری دی گئی۔ چونکہ دنیا کی دیگر اقوام اس وقت کفر و ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھیں اس لئے بنی اسرائیل اپنے اس ایمانی علم کی وجہ سے سب اقوام پر برتر ٹھہرے (مگر یہ برتری اُس دور میں تھی، اب امت محمدیہ ایمان کی وجہ سے سب امتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ ''تم سب امتوں سے افضل ہو تمہیں لوگوں کی ہدایت کے لیے بنایا گیا ہے۔'' (آل عمران، ۱۱۰) اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے

اپنی آیات دیں، جن میں آیات تورات بھی داخل ہیں اور معجزات موسویہ بھی۔ اور یہ ان کے لئے بڑی آزمائش تھی کہ وہ اس کے بدلے شکر بجالاتے ہیں یا کفر کرتے ہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) علم انسان کے لئے برتری کا معیار ہے۔ وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰی عِلۡمٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۲﴾ سے معلوم ہوا کہ انسانی برتری کا معیار اللہ تعالیٰ نے علم کو قرار دیا ہے۔

(2) سب سے بڑا علم کتاب وسنت کا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کتاب وسنت کا علم دیا گیا اور اسی کو ان کے لیے وجہ بزرگی قرار دیا گیا۔

[10] کفار مکہ قیامت سے انکار کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ بس ہم پر ایک بار موت آئے گی اور ہماری ہستی ختم ہو جائے گی، اس کے بعد نئی زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے: اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ممکن سمجھتے ہو اور اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ہمارے پرانے فوت شدہ باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ۔ حالانکہ یہ ان کی غلط دلیل تھی۔ دوبارہ جی اٹھنا تو جزاء وسزا کے لئے ہے اور جزاء وسزا کا دن ابھی نہیں آیا۔ ابھی تو دنیا ہے، دنیا میں ہر انسان کو ایک ہی بار موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اچھے اعمال کر لے یا بُرے اعمال کما لے۔ دنیا میں کسی کے دوبارہ اٹھائے جانے کا کوئی امکان نہیں۔

[11] یعنی کفار مکہ سے کہیں زیادہ طاقتور قوموں نے جب اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے لائے ہوئے دین سے دشمنی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا جیسے تبع کی قوم اور ان سے پہلے لوگ مثلاً عاد وثمود اور قوم فرعون وغیرہ، یعنی اگر کفار مکہ نے بھی یہی طرز عمل رکھا تو ان کی ہلاکت بھی قریب ہے۔ مگر اللہ کا احسان ہوا کہ بدر واحزاب وغیرہ کی پے بہ پے شکستوں نے کفار مکہ کو راہ دکھائی اور وہ فتح مکہ کے موقع پر سب کے سب ایمان لے آئے۔ اس میں قیامت تک آنے والی تمام اسلام دشمن کفری و طاغوتی طاقتوں کے لئے صریح وارننگ ہے کہ وہ اسلام دشمنی کا خطرناک تباہ کن راستہ مت اختیار کریں۔

یمن کے بادشاہ تُبَّع حمیری کا رسول اللہ ﷺ سے سات سو برس قبل آپ پر ایمان لانا

یاد رہے تبع ایک مسلمان بادشاہ تھا یمن پر اس کی حکومت تھی اس کا زمانہ حضور ﷺ سے قریباً سات سو برس قبل ہے۔ اس کا اصل نام السعد ابو کریب حمیری تھا اور تبع یمن کے ہر بادشاہ کا سرکاری لقب تھا۔ اس نے اہل یمن کو دین اسلام کی دعوت دی جو لوگوں نے قبول کی، مگر اس کے جانے کے کچھ عرصہ بعد اہل یمن نے بت پرستی کا راستہ اختیار کر لیا۔ تب ان پر تباہی آئی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور سورہ سبا کے دوسرے رکوع میں بھی اسکا ذکر ہے۔ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ تبابعۂ یمن (شاہانِ یمن) میں سے ایک بادشاہ (یہی تبع حمیری) یمن سے نکلا اور فتوحات کرتا ہوا سمرقند تک جا پہنچا۔ اس

تبع
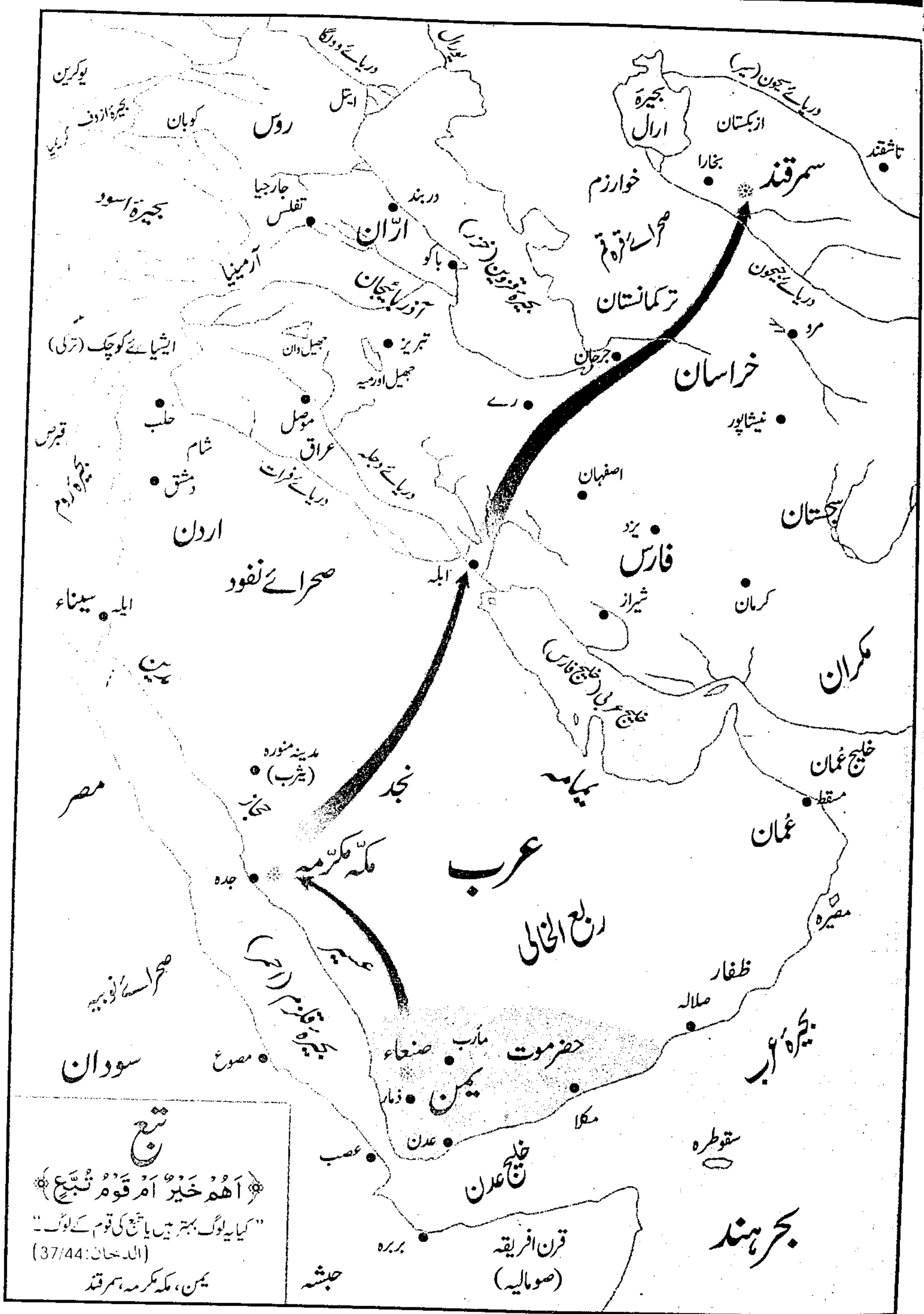
﴿ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ﴾

"کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے لوگ۔"

(الدخان: 37/44)

یمن، مکہ مکرمہ، سمرقند

یوکرین
بحیرۂ ازوف
کوبان
روس
ایتل
دریائے وولگا
دریائے سیحون (سیر)
بحیرۂ ارال
ازبکستان
تاشقند
بخارا
سمرقند
خوارزم
بحیرۂ اسود
جارجیا
تفلس
دربند
اران
باکو
آرمینیا
آذربائیجان
صحرائے قرہ قم
ترکمانستان
دریائے جیحون
مرو
ایشیائے کوچک (ترکی)
تبریز
جھیل وان
جھیل ارومیہ
جرجان
خراسان
رے
حلب
موصل
نیشاپور
قبرص
شام
عراق
دریائے دجلہ
دریائے فرات
دمشق
اصفہان
سجستان
اردن
یزد
فارس
ابلہ
صحرائے نفود
شیراز
کرمان
ایلہ
سیناء
خلیج فارس
مکران
خلیج عربی
مدینہ منورہ (یثرب)
نجد
یمامہ
خلیج عمان
مصر
حجاز
مسقط
عمان
مکہ مکرمہ
عرب
جدہ
مصیرہ
ربع الخالی
ظفار
صلالہ
صحرائے نوبیہ
مأرب
حضرموت
صنعاء
سوڈان
مصوع
یمن
ذمار
مکلا
سقوطرہ
عدن
خلیج عدن
عصب
قرن افریقہ (صومالیہ)
بربرہ
حبشہ
بحر ہند

کا ملک دور دور تک پھیل گیا، اسی نے حیرہ (یمن کا شہر) آباد کیا۔ وہ مشرق کی طرف فتوحات کرتے ہوئے بڑھا (غالباً شمال مشرق مراد ہے) وہاں سے وہ واپس اپنے پایۂ تخت یمن کی طرف لوٹ رہا تھا کہ مدینہ طیبہ سے اس کا گزر ہوا۔ اہل مدینہ نے اس کی بہت مہمان نوازی کی۔ وہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوا اور ان پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

مدینہ طیبہ کے یہودی علماء نے اسے بتایا کہ وہ اس شہر پر حملہ کرنے سے باز رہے انہوں نے اسے شہر مکہ پر حملہ سے بھی باز کیا اور کہا کہ مکہ میں اللہ کا وہ گھر ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور مدینہ طیبہ میں ان کا مدفن ہوگا۔ تبع ان باتوں سے بہت متاثر ہوا وہ یہودی علماء کو اپنے ساتھ یمن لے گیا۔ راستہ میں مکہ شہر آیا اس نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا اور اسے غلاف چڑھایا اور یہیں سے غلاف کعبہ کے چڑھائے جانے کی رسم شروع ہوئی۔ پھر وہ یمن پہنچا اور اہل یمن کو عقیدۂ توحید کی دعوت دی، لوگ اس کی باتوں پر ایمان لائے۔

آگے ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے کہ یمن کا ایک کافر بادشاہ یہودی علماء کے ہاتھ پر دین موسوی میں داخل ہوا اس نے عہد بنی جرہم میں حج بیت اللہ ادا کیا۔ بیت اللہ کو غلاف چڑھایا اس کے لئے بہت سا خزانہ وقف کیا اور چھ ہزار اونٹ ذبح کئے۔

مروی ہے کہ جب تبع بادشاہ مدینہ کے علماء یہود کے ہاتھ پر ایمان لایا اور اسے بتایا گیا کہ اس شہر مدینہ میں وہ رسول تشریف لانے والے ہیں جن کا نام نامی احمد ہوگا تو اس نے آپ کی تعریف میں چند عربی اشعار کہے اور انہیں ایک خط میں لکھ کر اہل مدینہ میں سے بڑے عالم کے سپرد کیا۔ وہ خط انصار کے پاس نسل در نسل موجود رہا۔ آخر وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں ان کے گھر جلوہ فرما ہوئے تو وہ خط آپ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

شَھِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰہِ بَادِی النَّسَمْ
فَلَو مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِہٖ لَکُنْتُ وَزِیْراً لَہٗ وَابْنَ عَمْ
وَ جَاھَدْتُ بِالسَّیْفِ اَعْدَآءَ ہٗ وَ فَرَّجْتُ عَنْ صدرہٖ کُلَّ غَمْ

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ خالق ارواح کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر اُن کے عہد تک پہنچی تو میں ان کا وزیر اور چچازاد بھائی (مخلص ساتھی) ہوں گا اور تلوار کے ساتھ ان کے دشمنوں سے جہاد کر کے ان کے سینے کا ہر غم دور کر دوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی لئے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَاتَسُبُّوا تُبَّعَا فَاِنَّہٗ قَدْ کَانَ اَسْلَمَ ''تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ اسلام لے آیا تھا۔'' (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۸۹ حدیث ۱۸۵۵۴ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے اسکو محض کھیل کے لئے نہیں بنایا ہم نے آسمان

بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ

و زمین کو برحق ہی بنایا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بے شک فیصلے کا دن ہی ان سب کی

اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا

مقرر میعاد ہے [12] جس دن کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کو کچھ بچا نہ سکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ سوا اس کے

مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع

جس پر اللہ رحم کرے بے شک وہ غالب ہے رحمت والا ہے [13]

[12] منکرین قیامت سمجھتے ہیں کہ یہ ارض وسما کی تخلیق یونہی بے مقصد اور محض کھیل ہے۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک کوئی یوم الجزاء نہیں آنے والا، تو اس کا یہی معنی ہے کہ یہ دنیا محض بیکار بنی ہے بس لوگ زندہ ہوتے اور مر جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہم نے ارض وسماء کی تخلیق محض کھیل کے لئے نہیں کی بلکہ اسے برحق بنایا ہے یعنی اس کا عظیم مقصد ہے جو یہ ہے کہ اللہ نے آسمان کا چھت بنایا، زمین کا فرش بچھایا، پھر اس گھر کو شمس وقمر کے چراغوں سے منور فرمایا، پھر اس گھر میں انسان کو بسایا، تاکہ اسے آزمایا جائے کہ وہ ان نعمتوں کے بدلے فرماں برداری کرتا ہے یا نافرمانی۔ اور اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اسی لئے وہ یوم الفصل ہے اس میں سب انسان جمع ہوں گے اور ان کے مابین فیصلہ ہوگا۔ لہٰذا اس دن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

[13] روز قیامت میں کوئی مولیٰ (رشتہ دار یا دوست) کسی مولیٰ کو کچھ بچا نہ سکے گا ہاں جس پر اللہ رحم کرے یعنی اسے ایمان وتقویٰ کی دولت دے، وہ روز قیامت اپنے قریبیوں اور دوستوں کی مدد کرے گا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ''گہرے دوست اس دن دشمن ہوں گے سوا متقین کے۔'' (زخرف، ۶۷) اور اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ حافظ قرآن اپنے خاندان کے سات افراد اور شہید اپنے خاندان کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا اور انہیں بخشوائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ﴿ۚۖ۴۴﴾ کَالۡمُہۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾

بے شک درخت زقوم (کا پھل) مجرم کا طعام ہو گا، جو پیٹوں میں پگھلے تانبے کی طرح جوش مارے گا

کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوۡہُ فَاعۡتِلُوۡہُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿ۖۖ۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ

جیسے اُبلتا پانی جوش مارے [14] اسے پکڑو، پھر اسے وسط جہنم کی طرف ہانک لے چلو پھر اس کے سر پر

رَاۡسِہٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ﴿ؕ۴۸﴾ ذُقۡ ۚۙ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ ہٰذَا

کھولتے پانی کا عذاب انڈیلو [15] اب مزہ چکھ، تو بڑا عزت والا کرامت والا ہے [16] یہ وہ عذاب ہے جس میں تم

مَا کُنۡتُمۡ بِہٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾

شک کرتے تھے، بے شک پرہیزگار لوگ امن والے مقام میں ہوں گے، باغوں اور چشموں میں،

یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾ کَذٰلِکَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ

باریک اور موٹی (ہر طرح کی) ریشم پہنیں گے۔ آمنے سامنے بیٹھیں گے [17] معاملہ اسی طرح ہے۔ اور ہم موٹی آنکھوں والی

بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿ؕ۵۴﴾ یَدۡعُوۡنَ فِیۡہَا بِکُلِّ فَاکِہَۃٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا

حوروں سے ان کا نکاح کریں گے [18] وہ جنت میں ہر طرح کا پھل منگوائیں گے اور امن میں ہوں گے

الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَۃَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَ وَقٰہُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۶﴾ فَضۡلًا مِّنۡ

وہ پہلی موت کے سوا کوئی موت نہ چکھیں گے۔ اللہ نے انہیں عذاب جہنم سے بچا لیا۔ یہ آپ کے رب کا

رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّہُمۡ

فضل ہے جو عظیم کامیابی ہے [19] ہم نے تو قرآن کو آپ ہی کی زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ

یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ فَارۡتَقِبۡ اِنَّہُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ع

نصیحت پکڑیں [20] تو آپ انتظار کریں، انہیں بھی انتظار کرنا ہوگا۔ [21]

دوزخ کے عذابات اور جنت کے انعامات کا ذکر

[14] ابو مالک سے مروی ہے کہ جب قرآن میں جہنم کے درخت زقوم کا ذکر ہوا تو ابوجہل نے کہا یہ کچھ نہیں، محمد (ﷺ) کے ڈرانے میں نہ آؤ۔ کھجور اور مکھن کو ملا کر کھاؤ، تو یہ زقوم ہے۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا درخت زقوم کا پھل اثیم یعنی کافر کے پیٹ میں پگھلے تانبے کی صورت اُترے گا اور کھولتے پانی کی طرح جوش مارے گا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۱۸)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں اگر درخت زقوم کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر گر جائے تو ساری زمین جل کر راکھ ہو جائے اور کبھی ایک تنکا بھی انسانوں کے لئے پیدا نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵۷)

[15] اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابوجہل جیسے کافر کو پکڑو اور اسے مارتے ہوئے جہنم کے وسط میں لے چلو اور اس کے سر پر گرم پانی انڈیلو۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ فرشتہ کافر کے سر پر لوہے کی سلاخ مار کر اس کا سر پھاڑ دے گا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ پھر اس کے سر پر کھولتا پانی انڈیلے گا، جو اس کے بدن میں اُترے گا اور اس کے پیٹ کی آنتیں بہہ کر اس کی ایڑیوں میں جمع ہو جائیں گی۔ (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۷)

[16] یعنی ابوجہل جیسے ہر دشمن دین کو جہنم کا درخت زقوم کھلا کر اور کھولتا پانی اس پہ انڈیل کر بعد میں اسے کہا جائے گا کہ اب مزہ چکھو تم بہت عزت و کرامت والے ہو۔ یہ جملہ اسے شرمندہ کرنے کے لئے بطورِ تعریض کہا جائے گا۔

تعریض سے جھوٹ لازم نہیں آتا

معلوم ہوا تعریض سے جھوٹ لازم نہیں آتا۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے جو انہوں نے کہا: بَلۡ فَعَلَہٗ ٭ کَبِیۡرُہُمۡ ہٰذَا کہ ''یہ بت توڑنے کا عمل اس بڑے بت نے کیا ہے۔'' (انبیاء، ۶۳) آپ نے یہ جملہ بت پرستوں کو شرمندہ کرنے کے لئے بطورِ تعریض کہا۔ لہٰذا اس سے عصمت انبیاء پر اعتراض نہیں آتا۔ اور نہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت قائم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تعریض تو یہاں خود رب العالمین کے کلام میں بھی ثابت ہو گئی، تو کیا معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو بھی جھوٹا کہا جائے گا؟

اور وہ جو بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روز قیامت شفاعت کرنے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ میں نے تین جھوٹ بولے تھے اس لیے میں اللہ کی بارگاہ میں نہیں جا سکتا۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء) تو یہ ان کا مبنی بر تواضع قول ہے کہ وہ اپنی تعریض کو بھی جھوٹ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یہاں سے ان اہل تشیع کا بھی رد ہو گیا جو بخاری کی اس حدیث کی وجہ سے کتاب صحیح بخاری اور مذہب اہل سنت کو مطعون کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری بخاری نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جھوٹا بنا دیا۔ مگر اب واضح ہو گیا کہ تعریض جھوٹ نہیں ہے۔

[17] کفار کی سزا کے بعد مومنین کی جزاء بتائی جا رہی ہے تو فرمایا کہ متقین بڑے عزت والے مقام میں ہوں گے باغوں اور چشموں میں ان کی رہائش ہوگی اور وہ باریک اور موٹا ہر قسم کا ریشم زیب تن کریں گے اور وہ محبت بھرے انداز میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ یاد رہے یہاں متقین کہا گیا ہے اور تقویٰ کا پہلا درجہ ایمان ہے، دوسرا عمل صالح، تیسرا اخلاص۔ لہٰذا محض ایمان رکھنے والا بدعمل مومن بھی کسی نہ کسی درجہ میں جنت کا مستحق ہے۔ اس سے اعلیٰ درجہ عمل صالح والوں کا ہے اور اس سے اعلیٰ درجہ مخلصین کا ہے۔

[18] حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حور کو حور اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حیرت سے ہے کیونکہ حور کا حسن دیکھ کر نگاہ حیرت زدہ رہ جائے گی۔ اس کی پنڈلی کا رنگ اس کے کپڑوں میں سے دکھائی دے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر جنتی حور کسی کڑوے سمندر میں منہ کا لعاب ڈال دے تو وہ اس کی مٹھاس سے میٹھا ہو جائے۔''

(ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۹۰ حدیث ۱۸۵۵۸)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر جنتی حور اہل دنیا پر اپنا چہرہ ظاہر کرے تو آسمان و زمین اس کے نور سے روشن ہو جائیں۔ (درمنثور بروایت ابن ابی الدنیا جلد ۷ صفحہ ۴۲۱)

[19] اہل جنت جو پھل منگوائیں گے اس کے موسم کے ختم ہو جانے کے بارہ میں وہ پر امن ہوں گے اور وہ موت سے بھی پُرامن ہوں گے۔ ان پر ایک بار جو موت آئی تھی وہ ہے، دوبارہ موت نہیں آئے گی۔ ان کی حیات دائمی ولازوال ہو گی۔ اور اے پیارے محبوب یہ ان پر آپ کے رب کا فضل ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روز قیامت موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اسے جنت و نار کے درمیان ٹھہرایا جائے گا پھر اسے وہاں ذبح کیا جائے گا۔ تب اہل جہنم موت سے مایوس ہو جائیں گے اور ان کے غم کی انتہاء نہ رہے گی اور اہل جنت بھی موت سے مامون ہو جائیں گے اور ان کی فرحت کی انتہاء نہیں ہوگی۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۲۱)

جنت میں جو جائے گا اللہ کی رحمت ہی کے ساتھ جائے گا

فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكَ سے معلوم ہوا کہ جس کو بھی جنت ملے گی اللہ کے فضل سے ملے گی۔ اسی لئے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کرو سیدھی راہ پر چلو اور قربتیں پیدا کرو کیونکہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرا بھی مگر اللہ نے مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۱۸ حدیث ۶۴۶۷)

ایک حدیث مبارکہ اس طرح بھی مروی ہے کہ روز قیامت ایک شخص کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا تم میری رحمت کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ، وہ کہے گا یا اللہ تو نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں چلے جاؤ؟ کیونکہ میں نے دوزخ میں جانے والا کوئی عمل کیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے

گا، اچھی بات ہے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا، مگر یہ بتاؤ کہ تمہیں گناہوں سے بچنے اور نیکی ہی نیکی کرنے کی توفیق کون دیتا رہا؟ میں نے ہی تمہیں اس کی توفیق دی، لہذا میری رحمت کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔

[20] سورہ دخان کا آغاز بھی ذکر قرآن سے ہوا تھا اور اختتام بھی اسی پر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کی زبان پر قرآن کو آسان کر دیا ہے یعنی آپ قرآن کے مطالب و معانی کو کھول کھول کر بتاتے ہیں یوں آپ کی زبان فیض ترجمان نے قرآن کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا لوگوں کے لئے آسان کر دیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔ ''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان فرمائیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔'' (نحل، ۴۴)

حجیت حدیث

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ سے معلوم ہوا کہ حدیث رسول ﷺ کے بغیر قرآن کا سمجھنا مشکل ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ فہم قرآن کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں وہ اس آیت میں غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اقیموا الصلوۃ فرمایا ہے۔ اب نمازوں کے کیا اوقات ہیں، کتنی نمازیں روزانہ فرض ہیں، ان کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہمیں حاصل ہوا۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وآتوا الزکوۃ، اب زکوۃ کس پہ فرض ہے، کتنے وقت کے بعد فرض ہوتی ہے، کتنے مال پہ لازم ہے اور کس کو دی جاسکتی ہے کس کو نہیں؟ یہ باتیں بھی رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک ہی سے حاصل ہوئی ہیں۔

[21] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ انتظار کریں اور آپ کے دشمنوں کو بھی انتظار کرنا ہوگا۔ کچھ ہی وقت میں ظاہر ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ جلد ہی امتحان کا وقت ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے غلبۂ دین کے دروازے کھول دیئے۔

الحمدللہ آج 10 شعبان 1429ھ بمطابق 12 اگست 2008ء بروز منگل بعد نماز مغرب سورہ دخان کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ الجاثیہ

یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی 65ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 45ویں سورت ہے۔ اسے جاثیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ''اور تم دیکھو گے کہ ہر امت (روز قیامت) گھٹنوں کے بل جھکی ہوگی۔'' (آیت، ۲۸) اسی مناسبت سے اسے جاثیہ کہا گیا کیونکہ یہ الفاظ کسی اور سورت میں نہیں ہیں۔ اور سورتوں کے نام ایسی یہی مناسبات سے رکھے گئے ہیں

اس سورت میں چار (4) رکوعات، سینتیس (37) آیات، چار سو اٹھاسی (488) کلمات اور دو ہزار ایک سو اکانویں (2191) حروف ہیں۔ یہ مکی سورت ہے۔ البتہ اس کی آیت قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ (آیت، ۱۴) کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین

اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں قدرتوں اور نعمتوں کا بیان ہے اور ان کے منکروں کے عذاب کی تفصیل ہے۔ دوسرے رکوع میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی ناشکری کے سبب ان کی ہلاکت کا بیان ہے۔ تیسرے رکوع میں دنیائے فانی کی حقیقت اور آخرت کی پائیداری کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں قیامت کی شدید پکڑ اور اس کی ہولناکی کا ذکر ہے۔

اس سے قبل سورہ دخان ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بیان کی گئی ہیں اور یہی مضمون سورہ جاثیہ کے پہلے دونوں رکوعات میں ہے۔ اسی طرح دخان میں قوم فرعون اور قوم تبع کی نافرمانیاں بیان کی گئی ہیں اور یہی مضمون جاثیہ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اجمالی طور پر ہے، تو انہی مناسبات کی وجہ سے ان دونوں سورتوں کو یک جا کیا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۳۷ ۴۵ سورۃ الجاثیۃ مکیۃ ۶۵ رکوعاتھا ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم ۝۲ ان فی السمٰوٰت

حا میم۔ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب ہے حکمت والا ہے۔ بے شک آسمانوں

والارض لاٰیٰت للمؤمنین ۝۳ وفی خلقکم وما یبث من دآبۃ اٰیٰت

اور زمین کی تخلیق میں ایمان لانے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [1] اور خود تمہاری تخلیق میں اور جو جانور اللہ نے پھیلائے ہیں ان میں

لقوم یوقنون ۝۴ واختلاف الیل والنھار وما انزل اللہ من السمآء

یقین لانے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [2] اور رات دن کے آنے جانے میں اور جو اللہ نے آسمان سے

من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریٰح اٰیٰت لقوم

رزق اتارا پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور ہواؤں کے پھیرنے میں عقل کرنے والے لوگوں کے لئے

یعقلون ۝۵ تلک اٰیٰت اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد

بڑی نشانیاں ہیں [3] یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو وہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد

اللہ واٰیٰتہ یؤمنون ۝۶

کس بات پر ایمان لائیں گے۔[4]

آیات قدرت اور قرآن سے انکار کا انجام

[1] حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتیں عموماً ذکر قرآن ہی سے شروع ہوتی ہیں، یہاں بھی قرآن ہی کا ذکر آغاز میں لایا گیا اور ارشاد ہوا کہ یہ کتاب خدائے غالب و دانا کی طرف سے نازل کردہ ہے اور جو لوگ ایمان لانا

چاہتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین میں بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ مثلاً آسمان میں شمس وقمر اور ستارے نظر آتے ہیں یہ کس نے بنائے ہیں؟ شمس وقمر کا ہزاروں برس سے اپنے اپنے مدار میں ایسی مقرر رفتار سے گھومنا کہ ایک منٹ سیکنڈ کا فرق نہ آئے، کس کے حکم سے ہے؟ اور وہ اللہ کے سوا کون ہے؟

یونہی اتنی بڑی زمین کو ایک مقرر رفتار پر کس نے گھمایا ہے، زمین کا مجموعی رقبہ پچاس کروڑ ستانویں لاکھ مربع کلومیٹر ہے، اتنی بڑی زمین کو فضا میں کس نے معلق کر رکھا ہے اور سائنس دانوں کے مطابق زمین کا سورج کے گرد مدار چھپن کروڑ چھیانویں لاکھ دس ہزار میل یا پچانویں کروڑ نوے لاکھ کلومیٹر ہے اور اس مدار میں زمین سال بھر میں ایک دائرہ مکمل کرتی ہے اور جب سے وہ بنی ہے اسی طرح گھوم رہی ہے؟ آخر اسے کس نے گھمایا ہے وہ اللہ کے سوا کون ہے؟ تو جس رب نے یہ نظام بنایا، وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے اور ہم پر لازم ہے کہ اس کے ارسال کردہ انبیاء اور اس کی نازل کردہ کتب پر ایمان لائیں جن میں سے آخری نبی محمد مصطفی ﷺ ہیں اور آخری کتاب قرآن ہے۔

[2]　خود انسان کے ہر عضو میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہزاروں نشانیاں رکھی ہیں، اگر انسان ان میں غور کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پہ یقین کامل حاصل ہو جائے، ہم اس میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

انسان کے وجود میں توحید ربانی کی بعض دلیلیں

انسان کی آنکھوں میں بینائی کا نظام اس قدر گہرا ہے کہ آج تک سائنس اسے مکمل طرح سمجھ نہیں سکی۔ حالانکہ بظاہر آنکھ میں پانی کے چند قطروں کے سوا کچھ نہیں، ناک میں سونگھنے کی صلاحیت ہے کسی اور عضو میں نہیں یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے؟ یہی حال کانوں کا ہے، زبان کو قوت گویائی کس نے دی ہے؟ بظاہر یہ بھی گوشت کا ایک لوتھڑا ہی ہے اور جانوروں کی زبان کو کس نے خاموش کیا ہے۔ پھر زبان کے نیچے دائیں بائیں دو جھلیاں ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے لعاب کے دو چشمے بہائے ہیں۔ انسان جیسے ہی منہ میں لقمہ ڈال کر اسے چباتا ہے تو ان دونوں چشموں سے لعاب اُبلنے لگتا ہے جو لقمے کے ساتھ مل کر اسے اس قدر نرم کر دیتا ہے کہ وہ آسانی سے گلے سے نیچے اتر جاتا ہے۔ اگر یہ لعاب نہ ہوتا تو انسان کچھ کھا نہ سکتا اور بھوکا مر جاتا۔

اور جانوروں میں بھی انسانوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں کئی جانور ہم سے بہت طاقتور ہیں جیسے گھوڑا، اونٹ ہاتھی وغیرہ مگر کس طاقت نے انہیں ہمارے لئے مسخر کیا ہے کہ ہم ان پر بیٹھ کر انہیں جدھر چاہیں ہانک لے جاتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ ان چیزوں میں غور کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور کبھی اس کے احکام سے سرتابی نہ کرے۔

سائنسی علوم کا پڑھنا قرآن کی منشاء ہے اور بعض مسلم سائنسدانوں کا ذکر

کیونکہ ان آیات میں فلکیات، ارضیات، موسمیات اور حیوانیات میں غور کی دعوت دی گئی ہے اور یہی اہم سائنسی علوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ان قرآنی آیات پہ عمل کرتے ہوئے اللہ کی کائنات میں غور وفکر شروع کیا اور کئی

سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ علامہ ابوریحان البیرونی (متوفی 1048 عیسوی) نے دسویں صدی عیسوی میں علم فلکیات (ایسٹرونومی) کی بنیاد رکھی اور شمس وقمر کی گردشوں کا تعین کیا اور اس کے وضع کردہ اصول آج بھی ناقابل تردید ہیں۔

اس سلسلہ میں ان کی کتاب ''القانون المسعودی'' علم فلکیات کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس میں حساب دور شمس وقمر کے ایسے اٹل قوانین بتائے گئے ہیں، جن کو آج تک چیلنج نہیں کیا جاسکا، حالانکہ سائنس بہت ترقی کرگئی ہے۔ اسی طرح علم طب کے بنیادی اصول بھی علامہ ابوریحان نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں مقرر کیے۔ برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں یہ کتاب The Book of Kenan کے نام سے پڑھائی جاتی ہے۔

اسی طرح کیمسٹری (علم کیمیا گری) کا پہلا موجد بھی ایک مسلمان سائنس دان ہے، اسے انگریز بھی فادر آف کیمسٹری کہتے ہیں، یعنی جابر بن حیان، اس کا سن وفات 817 عیسوی ہے۔ اس نے گندھک اور تیزاب جیسی دھاتیں ایجاد کیں۔ یونہی ابن زہر (متوفی 1162 عیسوی) ہے، یہ علم نیرالوجی (علم الاعصاب) کا موجد اول ہے۔

اس کے علاوہ ابوعبداللہ محمد بن موسی خوارزمی (متوفی 850 عیسوی) الجبرا (علم حساب) کا موجد ہے۔ اس کی کتاب ''المختصر فی حسب الجبر'' آج تک یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ مگر افسوس مسلمانوں نے اپنے آباء کی محنتوں سے منہ موڑ لیا اور اغیار نے ان سے استفادہ کرکے اتنی ترقی کی کہ آج ہم ان کے محتاج ہوگئے ہیں۔

[3] رات دن کا آگے پیچھے ایک مقرر رفتار کے ساتھ ہزاروں برس سے کسی کمی بیشی کے بغیر آنا جانا ہم پر اللہ کی قدرت، توحید اور عظمت واضح کرتا ہے۔ اگر ہمیشہ دن ہوتا تو گرمی اور ہمیشہ رات ہوتی تو سردی اس قدر بڑھ جاتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتا۔ آخر یہ سلسلۂ شب و روز کس نے بنایا ہے؟

پھر کس کے حکم سے بارشیں برستی ہیں اور زمین سے غلہ اُگتا ہے۔ جب بارشیں رک جائیں تو سب سائنس دان بھی اوپر ہی کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ یا اللہ رحم فرما۔ ہماری سائنس دھری کی دھری پڑی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں اٹھائے پھرتی ہیں اگر ہوا نہ ہوتی تو انسان کیسے زندہ رہتا؟ ہوا رک جائے تو انسان مرنے لگتا ہے، تو صرف اللہ تعالیٰ کا کرم ہی انسان کو لئے پھرتا ہے۔ مگر انسان ایسا ظالم و جاہل ہے کہ پھر بھی اس سے انکار کرتا ہے۔

[4] یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سچی کتاب ہے تو اس جیسی کتاب ہدایت کے بعد منکرین کو مزید کون سی ہدایت چاہیے جسے وہ قبول کریں گے؟ کیونکہ قرآن کے بعد تو کوئی کتاب نہیں اُترنے والی؟ تو وہ اللہ کی اس کتاب کے بعد کس کتاب کے منتظر ہیں؟ یہ قرآن کے آخری کتاب اور صاحب قرآن محمد مصطفیٰ ﷺ کے آخری رسول ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔

منکرینِ حدیث کے ایک غلط استدلال کا جواب

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ سے منکرین حجیت حدیث استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کے بعد کس حدیث کی ضرورت ہے؟ مگر یہ غلط استدلال ہے حدیث کا معنی مطلقاً بات ہے خود قرآن کو بھی حدیث کہا گیا ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا۔ ''اللہ نے سب سے اچھی بات کو کتاب کی صورت میں نازل کیا ہے۔'' (زمر، ۲۳) تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کے بعد کس کتاب کی ضرورت ہے؟

رہی حدیث رسول ﷺ تو وہ الگ چیز ہے وہ قرآن کی تفسیر ہے اس کے بغیر قرآن کا سمجھنا محال ہے ابھی چند آیات پیچھے فرمایا گیا: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ''اے پیارے رسول (ﷺ)! ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کیا ہے۔'' (دخان، ۵۸)

وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

ہر بہتان طراز مجرم کے لئے ہلاکت ہے، جو اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر (اپنے کفر پر) متکبرانہ اصرار

كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا

کرتا ہے جیسے اس نے انہیں سنا ہی نہیں، تو اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دو، جب اسے ہماری آیات میں سے

اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ

کچھ کا علم ہو تو وہ اس کا مذاق اُڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے [5] ان کے پیچھے جہنم ہے۔

وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ۚ

اور جو مال انہوں نے کمایا وہ انہیں کچھ بچا نہ سکے گا اور نہ وہ (جھوٹے معبود) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنایا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ هٰذَا هُدًی ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ

اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، یہ ہے ہدایت۔ اور جو لوگ ہماری آیات سے انکار کریں، ان کے لئے

لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝ ع

دردناک ہلاکت کا عذاب ہے۔ [6]

[5] یہ آیات نضر بن حارث کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ وہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ وہ

بغرض تجارت ایران ویمن کا سفر کرتا تھا، اس نے اسفند یار و رستم اور دوسرے عجمی بادشاہوں کے قصے یاد کر رکھے تھے۔ جب کسی مجلس میں حضور ﷺ وعظ فرما کر جاتے، تو وہ آپ کے بعد وہاں لوگوں کو قصے سناتا اور کہتا بتاؤ میری کہانیاں زیادہ خوبصورت ہیں یا محمد کی؟ یہ شخص بدر میں گرفتار ہوا، باقی قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا مگر اسے قتل کیا گیا۔ کیونکہ اگر اسے چھوڑا جاتا تو وہ مزید گمراہی پھیلاتا۔ ایسے لوگوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے لئے ویل (ہلاکت) ہے اور ویل جہنم کی ایک وادی بھی ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن سن کر بھی تکبر سے منہ موڑتے ہیں بلکہ قرآن کا مذاق اُڑاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

[6] ایسے لوگوں کو ان کا کمایا ہوا مال اور ان کے جھوٹے خدا جنہیں وہ اپنا کارساز سمجھتے ہیں، انہیں روز قیامت اللہ کی پکڑ سے ہرگز نہ بچا سکیں گے۔ کیونکہ قرآن ہی راہِ ہدایت ہے اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ آیات کو جھٹلائیں ان کا انجام دردناک عذاب ہی ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا وہ کافر ہے جس کا مال اسے روز قیامت کچھ فائدہ نہ دے گا۔ گویا مومن کو اس کا مال فائدہ دے گا۔ اسی لئے حدیث مبارکہ ہے کہ جہنم سے بچ جاؤ، خواہ کھجور کی ایک ڈلی کے ساتھ۔

(بخاری کتاب الزکوۃ باب ۱۰)

گویا آدھی کھجور کا صدقہ بھی مومن کو جہنم سے بچا سکتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا، تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

فضل تلاش کرو اور شکر بجا لاؤ اور اللہ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے

جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سب کو مسخر کیا، بے شک اس میں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں [7] آپ ایمان والوں سے فرما دیں

يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا

کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے (عذاب والے) دنوں کی امید نہیں رکھتے، تاکہ وہ ایک قوم کو ان کے کسب کی

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى

سزا دے، [8] جو شخص اچھا عمل کرے وہ اس کے اپنے فائدہ کے لئے ہے اور جو برائی کرے اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم

رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے [9] اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت

وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ ۚ وَاٰتَيْنٰهُمْ

اور نبوت عطا کی اور انہیں عمدہ چیزوں کا رزق دیا اور تمام جہانوں پر فضیلت دی [10] اور انہیں معاملۂ دین کے

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا

کھلے دلائل دیئے پھر انہوں نے تب ہی اختلاف کیا جب ان کے پاس علم آ گیا، باہمی سرکشی

بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

کے سبب، بے شک آپ کا رب روز قیامت ان کے مابین اس بات میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے [11]

بندوں کے لئے اللہ کی نعمتیں اور ہدایت کا سامان

[7] قرآن کے منکروں سے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سمندر کو اپنے حکم سے مسخر کیا ہے کہ تم اس کی پشت پر کشتیوں کے ذریعے ہزاروں میل کا سفر کرتے اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے یعنی رزق حلال ڈھونڈتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ سمندر کو مسخر نہ کرتا تو تم اس میں اُترتے ہی ڈوب جاتے اور ایک خشکی کا انسان دوسری خشکی کے ثمرات سے کبھی متمتع نہ ہو پاتا۔ کیونکہ مختلف اطراف زمین کی اجناس ایک دوسرے کی طرف بحری جہازوں کے ذریعے ہی منتقل ہوتی ہیں، لیکن اگر ایسا نہ ہوسکتا تو انسان کی زندگی بہت ابتر ہوتی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسانو! اللہ نے تمہارے لئے آسمان وزمین کی ہر چیز مسخر کردی ہے یعنی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، یعنی ستارے تمہیں ضیاء دیتے ہیں درخت اور پودے تمہیں غذا دیتے ہیں اور جانور تمہیں بقا دیتے ہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) رزق حلال کے لئے دور ودراز کا سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر حرج ہوتا اور یہ چیز خلاف تقویٰ وتوکل ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ. خلاف تقویٰ یہ چیز ہے کہ حرام مال کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے۔

(2) رزق اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے رزق کو اپنے زور بازو کی بجائے اللہ کے فضل کا نتیجہ جانے۔ انسان کی محنت ایک سبب ہے اور مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہے۔

(3) ساری کائنات انسان کے لئے ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے لئے۔ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا سے معلوم ہوا ساری کائنات انسان کی خدمت کے لیے ہے اور مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ سے معلوم ہوا کہ انسان اللہ کی عبادت کے لئے ہے۔ اس میں یہ درس ہے کہ انسان کا شمس وقمر، ستاروں، جانوروں اور پتھروں کو سجدے کرنا اس کی عظیم جہالت ہے، یہ چیزیں تو انسان کی خدمت کے لیے بنائی گئی ہیں۔

[8] مکہ میں ایک کافر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گالی دی، آپ نے منہ توڑ جواب دینا چاہا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں درگزر سے کام لینے کا حکم دیا گیا کیونکہ مکہ میں اذنِ جہاد نہیں آیا تھا۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۵۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنین ان کفار سے جو اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہیں درگزر سے کام لیں، اللہ خود ہی انہیں ان کے کسب کی سزا دے گا۔

مظلوم اقلیت میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے درسِ عمل

اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کسی خطۂ ارض کے مسلمانوں کے وہ حالات ہوں، جو ارض مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

تھے یعنی وہ اقلیت اور محکومیت ومظلومیت میں ہوں جیسے آج فلسطینی وکشمیری مسلمانوں کا حال ہے تو وہ اپنے وجود کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے درگزر اور حسن معاملہ سے کام لیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ (آل عمران، ۲۸) یہ حکم محکوم ومجبور مسلمانوں کے لئے ہے، مگر دوسرے آزاد مسلمانوں کے لئے حکم ہے کہ وہ ان محکوم ومظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے کفار سے جہاد کریں۔ چنانچہ ہجرت کے بعد مکہ میں پھنسے ہوئے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے جہاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ "تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی مدد کے لئے جہاد نہیں کرتے جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ ہم پر ظلم کرتے ہیں۔" (نساء، ۷۵) لہٰذا آج دنیا بھر کے مسلمانوں پہ لازم ہے کہ اپنے فلسطینی، کشمیری، افغانی اور عراقی مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جہاد کریں اور انہیں کفار کی چیرہ دستی سے بچائیں۔

[9] یعنی جو نیکی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو بُرائی کرتا ہے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ اپنا معاملہ بگاڑتا ہے۔ کیونکہ روز قیامت ہر چیز کا حساب ہو جائے گا۔

ایصالِ ثواب کے خلاف ایک غلط استدلال کا رد

اس جگہ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ سے بعض لوگ ایصالِ ثواب کی نفی ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان جو نیکی کرتا ہے اس کا فائدہ صرف اسی کو مل سکتا ہے کسی اور کو نہیں۔ مگر یہ نہایت غلط استدلال ہے، کیونکہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہا جائے: من اشتریٰ شیئًا فلنفسہٖ یعنی جس نے کوئی چیز خریدی اس کا مالک وہی ہے۔ اب اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ اپنی خریدی ہوئی چیز کسی کو نہیں دے سکتا۔ یونہی جس نے اچھا عمل کیا اس کے ثواب کا اصل مالک تو وہی ہے، مگر وہ جسے چاہے اس کا ثواب دے بھی سکتا ہے۔

جیسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ اپنی والدہ کے لئے پانی کا صدقہ کرو۔ انہوں نے کنواں کھدوایا اور کہا: هٰذِهٖ لِاُمِّ سعد۔ یہ کنواں والدۂ سعد کے نام کا ہے۔

(ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب ۴۱ حدیث ۱۶۸۱)

معنی یہ ہے کہ جب تک کنوئیں سے لوگ پانی پئیں گے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ثواب پہنچے گا۔ تو ایصال ثواب سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی، مگر وہ حج نہ کر سکی اور فوت ہوگئی۔ کیا میں اس

کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: نعم حُجّی عنها، ہاں تم اس کی طرف سے حج کرسکتی ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الصید باب ٢٢)

یعنی جب تم اس کی طرف سے حج کروگی تو اسے اس کا اجر پہنچے گا۔

[10] یعنی قرآن کوئی نئی کتاب نہیں، اس سے قبل بھی کتابیں آسمان سے اتریں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب تورات اتری اور انہیں حکومت مصر دی گئی اور ان میں انبیاء کرام بھیجے گئے جیسے حضرت موسیٰ، ہارون اور یوشع بن نون علیہم السلام اور میدانِ تیہ میں ان پر عمدہ کھانے اتارے گئے اور یوں ان کو ایمان کی وجہ سے تمام اقوام عالم پر فضیلت دی گئی۔ یہ فضیلت ان کے پاس رہی تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کی کتاب ونبوت سے انکار کیا تو یہ فضیلت ان سے چھن گئی اور امتِ محمدیہ کو مل گئی چنانچہ فرمایا گیا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (آل عمران، ١١٠) کیونکہ امت محمدیہ نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ونبوت کو سینے سے لگالیا۔ معلوم ہوا ایمان کے بغیر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

[11] یعنی بنی اسرائیل کو انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب کے ذریعے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارہ میں سینکڑوں پیش گوئیاں کی گئیں اور ان پر دین کا معاملہ خوب واضح کیا گیا۔ مگر اس علم کے باوجود انہوں نے محض حسد وعناد کے سبب قبول حق سے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ روز قیامت ان پر واضح کردے گا کہ وہ جان بوجھ کر جس چیز سے اختلاف کرتے تھے، اس کا انجام کیا ہے؟

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ

پھر ہم نے آپ کو معاملۂ دین میں خصوصی شریعت پر قائم کیا تو آپ اس کی اتباع کریں اور جاہل لوگوں کی خواہشات کی

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

اتباع نہ کریں۔ وہ آپ کو اللہ سے کچھ بچا نہیں سکتے، بے شک ظالم لوگ آپس میں

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا مددگار ہے [12] یہ سب لوگوں کے لئے عبرتیں ہیں

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ

اور یقین لانے والے لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے [13] کیا برائیاں کرنے والے لوگ سمجھتے ہیں

اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ

کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اس طرح کہ ان کا جینا مرنا

وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

ایک جیسا ہو جائے؟ وہ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں[14]

[12] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بعد اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو شریعت عطا فرمائی ہے تو آپ اس پر قائم رہیں اور اس سے مخالفت کرنے والے جہلاء کی باتوں پہ کان نہ دھریں، وہ آپ کا کچھ بھلا نہیں کر سکتے۔ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے مددگار ہیں یہ مسلمانوں کے مددگار نہیں ہیں، مسلمانوں کا مددگار اللہ ہے۔ دوسری جگہ واضح فرمایا گیا: لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ ''یہود و نصاریٰ کو اپنا مددگار مت سمجھو، وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔'' (مائدہ،۵۱)

یاد رہے بسا اوقات کچھ غیر مسلم ممالک مسلمانوں کی مدد میں کھڑے ہوتے ہیں، درحقیقت اس میں ان کا اپنا مفاد ہوتا ہے، وہ مسلمانوں کی مدد کے لیے نہیں اٹھتے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی پالیسیاں امت مسلمہ کے اجتماعی مفادات کے تحت مرتب کریں۔

[13] یعنی یہ قرآن تمام انسانوں (بشمول کفار) کے لئے باعثِ عبرت ہے اور یقین لانے والے مسلمانوں کے لئے

دنیا میں ہدایت (راہ عمل) اور آخرت میں رحمت (یعنی باعث مغفرت وحصول جنت) ہے۔

[14] مراد یہ ہے کہ کفر کرنے والے لوگ مومنوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں اور بُرے اعمال کرنے والے صالحین کے برابر کیسے رکھے جا سکتے ہیں اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور جن کے نزدیک قیامت کا کوئی تصور نہیں ہے، وہ دوسرے لفظوں میں یہی کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد کافر ومومن اور فاسق وصالح دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کہ کافر و فاسق کے لئے کوئی سزا نہیں اور مومن وصالح کے لئے کوئی جزا نہیں۔ دونوں برابر ہو گئے یہ کس قدر بُرا فیصلہ ہے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر جان کو اس کے عمل کی جزا دی جائے

وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی

اور ان پر کچھ زیادتی نہ کی جائے گی [15] تو ذرہ بتاؤ کہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا [16] اور اسے اللہ نے

عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ

ایک علم کے باوصف گمراہ کیا [17] اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو

یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا

اللہ (کے گمراہ کرنے) کے بعد اسے کون ہدایت دے گا تو تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے [18] کفار کہتے ہیں کہ یہ صرف

الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

ہماری دنیوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی نہیں مارتا۔ انہیں اس کا کچھ

عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ

علم نہیں۔ وہ محض گمان لڑاتے ہیں [19] اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی دلیل

حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ

اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ ۔آپ فرما دیں کہ

یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَلٰكِنَّ

اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے، پھر وہ تمہیں مارے گا پھر تمہیں روز قیامت کی طرف جس میں کوئی شک نہیں، جمع کرے گا مگر

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

اکثر لوگ نہیں جانتے [20]

توحید اور قیامت کے اثبات پر دلائل

[15] اللہ تعالیٰ نے ارض و سماء کو برحق پیدا کیا ہے یعنی انہیں بہت سے اعلیٰ وارفع مقاصد کے لئے بنایا ہے مثلاً ان میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا ظہور ہو جیسے مُحِی، مُمیت، خالق، رازق، مصور، جبار، قدیر، قابض، باسط، عفو، غفور، خافض، رافع وغیرہ۔ اگر یہ کائنات ارضی وسماوی معرض وجود میں نہ آتی، تو ان اسماء الٰہیہ کا ظہور نہ ہوتا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حسن مطلق و کمال محض ہے اور حسن چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے کمال کا تقاضا ہے کہ اسے سراہا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا ہوا کہ کائنات و مخلوقات کو پیدا کیا جائے تا کہ اس حسن مطلق کی حمد وثنا ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارض وسماء کو اس لئے بھی بنایا گیا کہ ہر جان کو اس کے عمل کی جزادی جائے یعنی انسان کو بنایا جائے جو روز قیامت اپنے عمل کے مطابق جنت یا دوزخ پائے۔ گویا انسان کا وجود تخلیق کائنات کے اہم مقاصد میں سے ہے اور دوسری تمام مخلوقات کا وجود انسان کے طفیل ہے۔ اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔

[16] اس کا ایک معنی یہ ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی باتوں سے انکار کر کے اپنی خواہشات کی بات مانتے ہیں گویا انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

دوسرا معنی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کفار عرب جس پتھر کو اچھا جانتے، اس کی پوجا شروع کر دیتے اور جب اس سے اچھا پتھر مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک کر نئے پتھر کو پوجنے لگتے یعنی خواہش کے بدلنے سے ان کا خدا بھی بدل جاتا، گویا خواہش ہی ان کا خدا تھا۔ (قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۲۷، بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۵۳)

یہ آیت ہمیں درس دیتی ہے کہ خواہش کو دین کے تابع کرنا مومن کا کام ہے اور دین کو خواہش کے تابع کرنا کافر کا طریقہ ہے۔

[17] علم پر گمراہ کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر ڈٹ جائیں گے۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ ان لوگوں کو علم دیا گیا، پھر بھی انہوں نے ضد وعناد سے کام لیا۔ تب انہیں بطور سزا مستقلاً گمراہ قرار دیا گیا۔ اور یہی قانون فطرت ہے۔

[18] مروی ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی۔ حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ ابوجہل ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ محو طواف تھا۔ وہ ولید سے کہنے لگا: واللہ میں جانتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے ہم بچپن سے اسے صادق و امین کہتے آئے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی پختہ عقل کو پہنچا تو ہم نے اسے کاذب و خائن کہنا شروع کر دیا۔ ولید نے کہا: پھر تم اس پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوجہل نے کہا قریش کی لڑکیاں کہیں گی کہ میں نے روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے

ابوطالب کے یتیم (بھتیجے) کی پیروی کرلی، لات وعزیٰ کی قسم! میں کبھی اس کی پیروی نہیں کروں گا۔تب یہ آیت اتری: وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ۔ الخ (قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۷۰)

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص حق کو خوب سمجھ کر ابوجہل کی طرح باطل پہ اُڑ جائے، اللہ تعالیٰ بطورِ سزا اس کے کانوں اور دل پر گمراہی کی پکی مہر اور آنکھوں پر مستقل پردہ ڈال دیتا ہے جیسے کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ ''اسی طرح اللہ ہر متکبر و ظالم شخص کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔'' (مومن، ۳۵)

[19] کفارِ عرب کہتے تھے کہ ہماری ایک نسل مرتی ہے تو دوسری نسل جنم لے لیتی ہے، بس زمانہ یونہی ہمیں مارتا اور جلاتا جارہا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، اس لئے قیامت کے آنے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: کفارِ عرب سمجھتے تھے کہ زمانہ ہر چھتیس برس کے بعد لوٹ آتا ہے یعنی موسم واپس آجاتا ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۶۲) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ ایسی باتیں کہنے والے لوگوں کو حقیقت کا کچھ علم نہیں وہ محض وہم وگمان میں مبتلا ہیں۔

کفار کا یہ کہنا کہ زمانہ چھتیس سال بعد لوٹ آتا ہے، اس معنی میں ہے کہ ہر سال قمری برس شمسی برس سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے۔ یوں تین برسوں میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے اور چھتیس برسوں میں پورے سال کا فرق پڑ جاتا ہے اور قمری ماہ کا موسم وہیں لوٹ آتا ہے جہاں چھتیس برس پہلے تھا۔

زمانے کو بُرا نہیں کہنا چاہیے

کفار کا کہنا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ایک طرح سے زمانے کو بُرا کہنا تھا کہ وہ ہمیں مارتا اور تباہ کرتا ہے، مگر مومن کو ایسا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يؤذيني ابنُ آدمَ يسبُّ الدهرَ و انا الدهرُ کہ ابن آدم مجھے ایذاء دیتا ہے، وہ زمانے کو بُرا کہتا ہے اور زمانہ میں ہوں (یعنی میرے ہاتھ میں زمانہ ہے) میرے ہاتھ میں سب معاملہ ہے، میں دن رات کو آگے پیچھے لاتا ہوں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ جاثیہ)

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص زمانے کو بُرا نہ کہے کیونکہ زمانہ تو اللہ ہے۔'' (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مطلب یہ ہے کہ کئی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو کتنا بُرا زمانہ آگیا ہے، کئی کہہ دیتے ہیں ہم نے زمانے کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ حالانکہ ان کو ایسا نہیں کہنا چاہیے، وہ یوں کہیں کہ اہلِ زمانہ بہت بُرے ہوگئے ہیں یا ہم نے اہلِ زمانہ کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے ہیں، کیونکہ زمانہ تو بُرا نہیں ہوتا، لوگ بُرے ہوتے ہیں۔

کئی جہلاء ایسے ہیں کہ اگر انہیں تیز دھوپ تنگ کرے تو اسے گالی دیتے ہیں، زیادہ سردی ستائے تو اسے بُرا کہنے

لگتے ہیں۔ حالانکہ گرمی سردی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، انہیں برا کہنا دراصل اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ زمانہ کو گالی دیتے ہیں اور زمانہ میں ہوں، یعنی میں ہی زمانہ کو چلا رہا ہوں۔

[20] یعنی منکرین قیامت کو جب حقانیتِ قیامت کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو وہ کج بحثی کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھ سکتا ہے اور تم اس بات میں سچے ہو تو ہمارے اگلے باپ دادا کو دوبارہ زندہ کر کے لے آؤ۔ تب ہم مانیں کہ انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے۔ حالانکہ ان کی یہ بات قطعی جاہلانہ تھی۔ کیونکہ دوبارہ زندہ ہونا جزاوسزا کے لئے ہے اور اس کے لئے یوم قیامت مقرر ہے۔ دنیا دارِعمل ہے یہاں وہ جزاوسزا نہیں ہے جو قیامت میں ہوگی اور دنیا میں ہر جان کو ایک ہی بار آنے کا موقع دیا جاتا ہے دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر ان کے مطالبہ پر ان کے آباء واجداد کو زندہ کر دیا جاتا، تو بھی وہ ہرگز ایمان نہ لاتے اور عذاب الٰہی کا شکار ہو جاتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کی مذکورہ بات کے جواب میں فرمایا کہ یاد رکھو تمہیں زمانہ نہیں بلکہ اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی تمہیں روز قیامت جمع کرے گا مگر اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

درسِ توکل اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عظیم توکل

اس آیت سے ہمیں عظیم درسِ توکل ملتا ہے کہ جب موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو کسی ظالم و جابر حاکم کے ڈر سے احکام دین سے دست برداری کیوں کی جائے۔ مروی ہے کہ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور غصہ سے کہا کیا تم ہمیں بددعائیں دیتے ہو؟ فرمایا: ہاں، کہا کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ تم اللہ کے نافرمان اور سنت نبی کے مخالف ہو، دشمنانِ خدا کو عزیز اور دوستانِ خدا کو ذلیل جانتے ہو۔ اس نے کہا میں تمہیں برے طریقہ سے قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر میں جانتا ہوتا کہ موت وحیات تیرے ہاتھ میں ہے تو میں تیری عبادت کرتا۔ حجاج نے کہا تم مجھ سے کیسے بچ سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سکھلائی تھی کہ جو اسے صبح وشام پڑھ لے اس پہ نہ جادو اثر کرتا ہے نہ ظالم کا ظلم اور میں نے وہ دعا صبح پڑھی تھی۔ حجاج نے کہا وہ دعا مجھے بھی سکھاؤ، فرمایا بخدا ہرگز نہیں، حجاج نے انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھیوں نے پوچھا تم نے انس کو کیسے چھوڑ دیا؟ کہنے لگا اس کے دائیں بائیں دو شیر منہ کھولے کھڑے تھے، اور قریب تھا کہ مجھ پہ حملہ کر دیتے۔ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وقت وصال قریب آیا تو آپ نے اپنے ایک خادم کو وہ دعا سکھلائی، دعا یہ تھی:

بسم الله الرحمن الرحيم. بسم الله خيرِ الاسماء. بسم اللهِ الّذی لا یضُرُّ معَ اسْمه شیئٌ فی الارضِ ولا فی السماء. ''اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے، اللہ کے نام سے جو سب سے بہتر نام ہے، اس اللہ کے نام سے کہ اس کے نام کی موجودگی میں کوئی شیء نقصان نہیں دے سکتی، نہ زمین میں نہ آسمان میں۔''

(روح البیان جلد ۸ صفحہ ۴۵۹)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ

اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن باطل پرست

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ قف كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ

خسارے میں رہیں گے [21] اور تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل جھکا دیکھو گے، ہر گروہ کو اس کے اعمال نامہ کی طرف بلایا جائے گا

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ

(کہا جائے گا) آج تمہیں تمہارے عمل ہی کی جزا دی جائے گی [22] یہ ہماری تحریر ہے جو تم پر حق واضح کرتی ہے۔

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہم تو وہی کچھ لکھتے تھے جو تم عمل کرتے تھے، تو جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے

الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور وہ کھلی کامیابی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ قف اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ

مگر جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا تم پر میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ پھر تم نے تکبر کیا

وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور تم مجرم لوگ تھے [23]

روز قیامت کے احوال اور منکرین قیامت کی شامت اعمال

[21] آسمان و زمین میں حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے، باقی ہر حاکم کی حکومت اسی کے حکم سے ہے۔ وہ جسے چاہے حکومت دیدیتا ہے جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس کے مقابلہ میں جھوٹے خداؤں کی حکومت مانتے ہیں، ایسے باطل پرست لوگ روز قیامت خسارے میں رہیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں نیا نظام لانے والے بھی خسارے میں رہیں گے۔

[22] روز قیامت جب دوزخ کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا تو ایسا وقت آئے گا کہ ہر گروہ اور ہر انسان اللہ تعالیٰ کے حضور خوف کے مارے گھٹنوں کے بل جھک جائے گا۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی نفسی نفسی پکارنے لگیں گے۔ مروی ہے کہ قیامت میں ایک گھڑی آئے گی جو دس برس پر مشتمل ہوگی، اس میں سب لوگ گھٹنوں کے بل جھکے ہوں گے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہوں گے اے اللہ! آج میں صرف اپنے بارہ میں سوال کروں گا۔ (قرطبی ج ١٦ صفحہ ١٧٤)

عبداللہ بن باباہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اونچے ٹیلوں پر روز قیامت جہنم کے آگے گھٹنوں کے بل جھکے ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ١٠ صفحہ ٣٢٩٢ حدیث ١٨٥٤١) اس وقت کہا جائے گا کہ آج ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی یعنی عدل ہوگا، یہ سن کر ہر کوئی کانپنے لگے گا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر باب شفاعت کھول دیا جائے گا تو یہ کیفیت ختم ہو جائے گی اور عدل کے ساتھ فضل کا باب بھی کھل جائے گا۔

[23] روز قیامت جب ہر کسی کے سامنے اس کا اعمال نامہ رکھا جائے گا تو کہا جائے گا یہ اپنا عمل نامہ Service Book دیکھ لو جو کچھ تم نے کیا وہ ہم نے یعنی ہمارے فرشتوں نے اس میں لکھ دیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ ایمان اور اچھے عمل والے ہیں، انہیں ان کا رب اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل کرے گا (یاد رہے اچھے عمل میں یہ بھی داخل ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد سچی توبہ کر کے گناہ چھوڑ دیا جائے) مگر جنہوں نے دنیا میں کفر کیا اور کفر ہی پہ مر گئے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم پر میری آیات یعنی قرآن نہیں پڑھا جاتا تھا؟ ضرور پڑھا جاتا تھا مگر تم نے قرآن کے مقابلہ میں تکبر کیا اور تم عادی مجرم تھے یعنی حق کو جان پہچان کر بھی باطل پر اڑتے تھے، اس لئے آج تمہارے نصیب میں صرف جہنم ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ

اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے

مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲ وَبَدَا لَهُمْ

قیامت کیا ہے، ہم تو بس ایک گمان رکھتے ہیں اور ہمیں اس کا یقین نہیں [24] اور ان پر ان کے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳ وَقِيْلَ الْيَوْمَ

اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہی عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور ان سے کہا جائے گا آج

نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

ہم تمہیں بھلادیں گے جیسے تم نے آج کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارے لئے کوئی

نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ

مددگار نہیں ہیں [25] یہ اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق ٹھہرا لیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے

الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۳۵ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

دھوکہ دے دیا۔ تو آج وہ جہنم سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان سے رضا لی جائے گی [26] لہٰذا اللہ ہی کے لئے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۶ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ

سب تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اسی کے لئے آسمانوں اور زمین میں

وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳۷ ع

سب بڑائی ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے [27]

ع ۴ ۲۰

[24] منکرینِ قیامت سے روزِ قیامت مزید کہا جائے گا کہ جب تمہیں قیامت کی پکڑ کا خوف دلایا جاتا تھا تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے۔ یہ بس ایک گمان ہے اور ہمیں اس پر یقین نہیں۔ آج دیکھ لو قیامت تمہارے سامنے ہے یعنی تم نے جنتی نعمتوں سے انکار کیا اس لئے آج تم ان سے محروم رہو گے، کیونکہ جو شخص کسی نعمت کے وجود ہی سے انکار کرے وہ اس کا حقدار نہیں مانا جاتا۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ معتزلہ رؤیت باری تعالیٰ سے روزِ قیامت محروم رہیں

گے کیونکہ وہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یونہی منکرینِ ایصالِ ثواب آج بھی مرنے کے بعد ایصالِ ثواب کی برکات سے محروم نظر آتے ہیں اور روزِ قیامت بھی محروم ہی رہیں گے۔

[25] روزِ قیامت منکرین قیامت سے کہا جائے گا کہ جیسے تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اسی طرح آج تمہیں بھلا دیا جائے گا یعنی تم کو جہنم میں پھینک کر دوبارہ تمہاری طرف کبھی دیکھا نہیں جائے گا۔ یاد رہے اللہ رب العزت بھولنے سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں ہے: لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَلَا یَنۡسَی ﴿۵۲﴾ ''میرا رب نہ بہکتا ہے نہ بھولتا ہے۔'' (طٰہٰ، ۵۲) وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا۔ ''اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے۔'' (مریم، ۶۴) اور جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے بھولنے کا لفظ ہے، اس سے ترک کرنے کا معنی مراد ہے یعنی اللہ کفار کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں ترک کردے گا۔

[26] معلوم ہوا قرآن کی کسی آیت کا مذاق اُڑانا کفر ہے۔ مذاق اُڑانے میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ معنی کے خلاف کسی آیت کا خود ساختہ نیا معنی گھڑا جائے، جیسے منکرین ختم نبوت خاتم النبیین کا معنی بگاڑتے ہیں، منکرین معجزات قرآن کریم میں معجزات انبیاء والی آیات کا معنی بگاڑتے ہیں، یہ بھی قرآن سے استہزاء ہے۔ ایسے لوگ پکے جہنمی ہیں وہ کبھی جہنم سے نکالے نہ جائیں گے اور نہ کبھی ان سے ان کی رضا پوچھی جائے گی۔

[27] جب ارض و سما کا خالق اللہ ہے اور وہی تمام کائنات کا پالنے والا ہے تو پھر وہی ہر تعریف کا مستحق ہے اور ارض و سماء میں اسی کے لئے سب بڑائی ہے اور وہی سب پہ غالب ہے اور وہی سب حکمتوں کا مالک ہے۔ یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(1) ہمارے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اور لِلّٰہِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الۡاَرۡضِ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارے پاس جو کچھ ہے اسی کی امانت ہے وہ جب چاہے امانت واپس لے سکتا ہے، خواہ وہ مال ہو یا اولاد۔ لہٰذا کسی بھی مالی یا جانی صدمہ پر اللہ تعالیٰ کا شکوہ جائز نہیں بلکہ اس کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔

(2) ہر تعریف کا مالک اللہ ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی خوبی اسی کی پیدا کردہ ہے تو وہی مستحق تعریف ہے۔ انسان کو اپنی کسی خوبی پہ نازاں ہونے کی بجائے خوبی دینے والے رب کی حمد کرنی چاہیے۔

(3) تکبر صرف اللہ کے لائق ہے۔ وَلَہُ الۡکِبۡرِیَآءُ میں یہ درس ہے کہ ہر بڑائی اللہ کے لئے ہے تو اسی کا حق ہے کہ وہ بڑائی کرے اسی لئے اس کا نام المتکبر ہے، اس کے سوا کسی کو بڑائی کرنے کا حق نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے عظمت میرا تہبند ہے اور کبریائی میری چادر ہے۔ اور جو مجھ سے میرا تہبند یا میری چادر چھیننے کی کوشش کرے میں اسے آگ میں پھینکوں گا۔ (ابوداؤد کتاب اللباس باب ۲۵، ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۱۶) اللہ تعالیٰ ہمیں تکبر سے محفوظ رکھے اور عاجزی عطا فرمائے۔ آمین!!

الحمدللہ آج 13 شعبان 1429ھ بمطابق 15 اگست 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر سورہ جاثیہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الاحقاف

سورۃ الاحقاف ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 46ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 65ویں سورت ہے۔اسے احقاف کا نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ۔ یعنی ''ہود (علیہ السلام) نے اپنی قوم عاد کو مقام احقاف پر ڈر سنایا۔'' (احقاف،۲۱)
چونکہ یہ الفاظ قرآن مجید میں کہیں اور نہیں ہیں اس لئے اسے یہ نام دیا گیا، یہ مکمل مکی سورت ہے۔اس میں چار (4) رکوعات، پینتیس (35) آیات چھ سو چوالیس (644) کلمات اور دو ہزار پانچ سو پچانویں (2595) حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں اثباتِ توحید وسالت، حقانیتِ قرآن اور عظمت رسالت کا بیان ہے۔دوسرے رکوع میں رسالتِ موسوی، برالوالدین، والدین کی نافرمانی کا انجام اور جنت ونار کی منظر کشی، تیسرے رکوع میں قوم عاد کا ذکر، اور آخری رکوع میں جنات کے ایک گروہ کا حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ایمان لانا بیان کیا گیا ہے۔اور اسی سے متعلق دیگر موضوعات ہیں۔
اس سے قبل سورہ جاثیہ ہے اسمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت ورسالت کی حقانیت پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔جیسا کہ اس کے دوسرے اور تیسرے رکوع کا مضمون ہے اور یہ مضمون احقاف میں بھی پھیلا ہوا ہے، اسی طرح ان دونوں سورتوں میں اثباتِ قیامت پہ بھی زور دیا گیا ہے۔تو یہ مناسبات ان دونوں کے یک جا ہونے کا باعث ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۳۵ ۴۶ سُورَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ۶۶ رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

حا، میم، اس کتاب کا اتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب ہے حکمت والا ہے۔ ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، مگر برحق اور ایک مقرر مدت کے لیے۔ اور کافروں کو جس چیز (کے انکار) سے

اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ

ڈرایا گیا وہ اسی سے منہ موڑتے ہیں [1] آپ فرمائیں کہ ذرا بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، مجھے دکھاؤ

مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ

انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا ہے، کیا ان کے لئے آسمانوں میں کوئی شراکت ہے؟ میرے پاس اس

مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ وَمَنْ اَضَلُّ

(قرآن) سے قبل کی کوئی کتاب یا کوئی علمی نشان لاؤ، اگر تم سچے ہو [2] اور اس سے بڑا

مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ

گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا اُس کو پوجے جو قیامت تک اس کی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور وہ (بت)

عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۞ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا

ان کی پکار سے بے خبر ہیں اور جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو وہ (بت) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی

بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥

عبادت سے انکار کریں گے۔[3]

ردِ شرک اور صداقت قرآن کا بیان

[1] یعنی زمین وآسمان کو قیامت تک کے لئے بنایا گیا ہے اور جب قیامت قائم ہوگی تو زمین وآسمان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔اور انسانوں نے زمین پہ رہ کر آسمان سے اترنے والی نعمتیں حاصل کر کے اس کے عوض جو عمل کیا، اس کا قیامت میں حساب لیا جائے گا۔مگر یہ کفار کی بدقسمتی ہے کہ انہیں اللہ ورسول کی مخالفت سے ڈرایا جاتا ہے اور وہ اس سے منہ موڑتے ہیں یعنی اس سے عبرت لیتے ہوئے اپنی عاقبت کے سنوارنے کا کچھ فکر نہیں کرتے۔گویا مومن کی یہ شان ہے کہ وہ ان چیزوں سے باز آتا ہے جن کے بارہ میں اسے اللہ کی طرف سے ڈرایا جاتا ہے۔

[2] یعنی اے بت پرستو! تمہیں بتوں کے خدا ہونے کا دھوکہ کیسے ہوا؟ کیا انہوں نے زمین کی کوئی چیز تخلیق کی ہے یا آسمان کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اور مشرکین عرب بھی مانتے تھے کہ اللہ ہی خالق ارض وسما ہے۔قرآن مجید میں ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ ''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا۔'' (لقمان، ۲۵) جب مشرکین کے نزدیک بھی اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے تو پھر وہ کس دلیل سے اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک کہتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مشرکو! کیا تمہارے پاس قرآن سے پہلے کی نازل شدہ کوئی کتاب یا علمی دلیل ہے کہ جس کی وجہ سے تم قرآن کی بات نہیں مانتے؟ اگر کوئی ہے تو لاؤ۔معلوم ہوا کافر کی تذلیل کیلئے اس سے دلیل مانگی جا سکتی ہے۔لہٰذا جھوٹے مدعی نبوت سے معجزہ طلب کیا جاسکتا ہے تاکہ اسے رسوا کیا جائے۔البتہ اگر اس کی نبوت کا امکان مان کر اس سے معجزہ طلب کیا جائے تو وہ کفر ہے۔

[3] مشرکین عرب سے کہا جارہا ہے کہ وہ اپنے بتوں کو اپنے مصائب میں مدد کے لئے پکارتے ہیں۔حالانکہ وہ قیامت تک ان کی پکار نہیں سن سکتے بلکہ وہ ان کی پکار سے قطعی بے خبر ہیں اور روز قیامت ان کے جھوٹے خدا ان کے دشمن ہوجائیں گے اور کہہ دیں گے کہ انہیں ان کی عبادت کی کوئی خبر نہ تھی۔قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ⑳ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ㉙ ''ان کے جھوٹے خدا ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' (یونس، ۲۹) دراصل جو لوگ بتوں، ستاروں اور آگ وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں، روز قیامت ان سب کو اسی ذلت اور حسرت وندامت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء پہ چسپاں کرنے کی مذمت

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' فصل ثانی میں انبیاء و اولیاء کو غائبانہ پکارنے کو شرک قرار دیا ہے۔ اور تمام نجدی وہابی علماء اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ جو لوگ انبیاء و اولیاء کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ کوئی یا علی کہتا ہے کوئی یا رسول اللہ پکارتا ہے، ان سے بڑا کوئی گمراہ نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ لہٰذا یا رسول اللہ کہنا شرک ہے اسی طرح کسی نبی ولی سے استغاثہ و استعانت بھی کفر و شرک ہے جس میں مشرکین عرب مبتلا تھے۔ مگر یہ استدلال بڑی انتہا پسندی اور گمراہی پہ مبنی ہے۔ بتوں کے حق میں اترنے والی آیات کو انبیاء و اولیاء پہ چسپاں کرنا اور کافروں کے حق میں اترنے والی آیات کو مومنوں پر لاگو کرنا امتِ مسلمہ کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وھی الاوثانُ یعنی لایسمعون ولا یفھمون۔ ''وہ بت ہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔''

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

امام خازن اور امام بغوی کے یکساں الفاظ ہیں وہ کہتے ہیں:

لانھا جمادٌ لا تسمع ولا تفھم۔ ''کیونکہ وہ پتھر ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔''

(تفسیر بغوی و خازن جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''اور ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے، جو قیامت تک بھی اسکا کہنا نہ کرے اور ان کو انکے پکارنے کی خبر نہ ہو۔'' (تفسیر بیان القرآن سورہ احقاف ص ۴۵۴)

پھر دیکھئے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ واضح فرما رہا ہے: وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ ''جب لوگ اٹھائے جائیں گے اس وقت وہ جھوٹے خدا ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے'' اب کون مسلمان ہے جو کسی نبی یا ولی کی عبادت کرتا یا اسے خدا و معبود مانتا ہے۔ اہلِ ایمان، انبیاء و اولیاء سے وسیلہ پکڑتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کا اللہ پر کوئی اختیار نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے لئے دعا کر سکتے ہیں اور دعا بھی تب کرتے ہیں جب اس کی رضا دیکھتے ہیں۔ جب کہ یہ آیت ان مشرکین عرب کے حق میں اُتری، جو اپنے جھوٹے خداؤں کا اللہ تعالیٰ پر اختیار مانتے تھے۔ ان کے نزدیک اللہ کو ان کی بات بہرصورت ماننا پڑتی تھی۔

اسی لئے ان کے ردّ میں فرمایا گیا: مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ ''ظالموں کے لئے کوئی ایسا

دوست اور سفارشی نہیں جس کی اطاعت کی جائے۔'' (یعنی اس کی بات ضرور مانی جائے) (مومن، ۱۸)
یہ اس لیے فرمایا گیا کہ مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کے بارہ میں سمجھتے تھے کہ انکی بات اللہ کو ماننا پڑتی ہے۔ کیونکہ مشرکین عرب سمجھتے تھے کہ اللہ اگرچہ ارض وسما کا خالق ہے، مگر وہ اکیلا سارے نظام کائنات کو نہیں چلاسکتا، لہٰذا ان کے (جھوٹے) خدا اللہ کا نظام چلانے میں اس کے مددگار ہیں۔

اسی لئے انہوں نے کہا:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ ''اس شخص (محمد ﷺ) نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنالیا یہ بہت عجب بات ہے۔'' (ص، ۵) تو ایسے کھلے مشرکوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کے بارہ میں نازل شدہ آیات کو مومنوں اور انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا کس قدر ظلم و زیادتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کے بارہ میں فرماتے تھے:

هم شرار خلق الله انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المسلمين، ''وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر لوگ ہیں انہوں نے کفار کے حق میں اترنے والی آیات کا رخ کیا اور انہیں مومنین پہ چسپاں کر دیا۔''

(بخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب ۶ حدیث ۶۹۳۰)

یارسول اللہ ﷺ پکارنے کا جواز، عملِ صحابہ اور عملِ اکابر دیوبند سے

رہا رسول اکرم ﷺ کو غائبانہ یارسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارنا، تو اس کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

یونہی یاعلی کہنے کا بھی یہی معنی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روح مبارک متوجہ ہو۔ اسے شرک کہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود اپنے بزرگوں کو مشرک قرار دینے کے مترادف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ یمامہ میں یامحمداہ کے نعرے لگاتے تھے۔ وكان شعارهم يومئذ يامحمداه۔ یعنی اس دن ان کا خصوصی نعرہ یہ تھا: یامحمداہ۔ اور یہ جنگ دور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ہوئی اور یہ نعرہ لگانے کا حکم صحابی رسول حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ دار الریان بیروت)

اور خود مولانا اشرف علی تھانوی، رسول اللہ ﷺ کو پکارتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

ياشفيعَ العبادِ خُذْ بِيَدِى	انت فى الاضطرارِ معتَمدِى
ليس لى ملجأً سواك اغِثْ	مسّنى الضّرّ سيدِى سندِى
غشّنى الدهرُيابنَ عبد الله	كُنْ مُغيثاً فانت لى مددى

ترجمہ: اے بندوں کی شفاعت کرنے والے آقا ﷺ! میرا ہاتھ پکڑیں، حالتِ مجبوری میں میرا آپ ہی پہ سہارا ہے۔

آپ کے سوا میری کوئی جائے پناہ نہیں ہے میری مدد کو آیئے، اے میرے سردار اے میرے سہارے! مجھے تکلیف آ پہنچی ہے۔اے ابن عبداللہ! مجھے زمانہ نے گھیر لیا ہے، آپ میری مدد فرمائیں کیونکہ آپ ہی میری مدد کرنے والے ہیں۔

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یا رسولِ کبریا فریاد ہے — یا محمدِ مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو یا نبی — میرا حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل — اے مرے مشکل کشا فریاد ہے

(کلیات امدادیہ، نالہ امداد غریب صفحہ ۹۰ مطبوعہ دار الاشاعۃ اردو بازار لاہور)

اب جو شخص اس آیت وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ الخ سے استدلال کر کے غیر خدا کو غائبانہ پکارنے پر فتویٰ کفر و شرک لگائے، اسے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر مولانا اشرف علی تھانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو کافر و مشرک کہنا پڑے گا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ

اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو کفر کرنے والے حق کے بارہ میں جب وہ ان کے پاس آ گیا ہے،

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ

کہتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے [4] کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے آپ نے خود گھڑا ہے۔ آپ فرمائیں اگر میں نے اسے گھڑا ہے تو تم مجھے

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ

اللہ سے کچھ بچا نہیں سکتے۔ وہ خوب جانتا ہے تم جس بات میں پڑتے ہو، اللہ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے

وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ

اور وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے [5] آپ فرمائیں میں رسولوں میں سے کوئی نیا نہیں ہوں اور میں (ازخود) نہیں جانتا جو

اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا

میرے ساتھ کیا جائے گا اور نہ وہ جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا، میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور میں تو

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ

بس کھلا ڈرانے والا ہوں [6]، آپ فرمائیں کہ ذرا بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور تم اس سے انکار کرتے ہو

شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو (تمہارا کیا حال ہوگا) جبکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ (موسیٰ علیہ السلام) نے اس کی مثل کتاب کی گواہی دی ہے۔ پھر وہ ایمان لایا

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ ع

اور تم تکبر کرتے ہو۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا [7]

ع ۱

[4] کفار کہتے تھے کہ جس طرح جادوگر اپنے جادو سے کسی کو یوں اپنے تابع کر لیتے ہیں کہ وہ اپنے والدین اور اقرباء کو چھوڑ دیتا ہے یونہی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی قرآن کی صورت میں بعض لوگوں پہ جادو کر دیا ہے اور وہ اپنے تمام خاندان کو چھوڑ کر اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ سرداران عرب اپنی نجی محفلوں میں یہ تسلیم کرتے تھے کہ قرآن کریم کی

جادو سے کوئی مشابہت نہیں ہے، بلکہ یہ حکمت و دانائی سے پُر کلام ہے۔

[5] کفار کا یہ گمان بھی تھا کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے نہیں اتارا بلکہ حضور ﷺ نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ فرمائیں اے منکرو! اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے تو پھر اللہ مجھے پکڑے گا، تمہیں نہیں۔ اور تم مجھے اللہ سے بچا نہ سکو گے۔ لہٰذا تم مجھ پر بھروسہ کرو اور میرا معاملہ میرے رب پر چھوڑ دو اور سچی بات یہ ہے کہ نبی پر بھروسہ کرنا ہی اصل ایمان ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ یہ بھی فرمادیں کہ جن گمراہیوں میں تم پڑے ہو، اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ وہ میرے تمہارے درمیان گواہ ہے یعنی جب وہ تمہیں میری رسالت پر گواہی دیتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (فتح، ۲۸) تو تم ایمان کیوں نہیں لاتے۔

لہٰذا کَفٰی بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ سے معلوم ہوا حضور ﷺ کے لئے اللہ رب العزت کی گواہی کافی ہے، اگر کوئی شخص بھی آپ کی گواہی نہ دے تو بھی آپ کی رسالت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ آپ ساری کائنات سے بے نیاز ہیں، ہر کوئی آپ کا نیاز مند ہے۔

[6] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرمادیں کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں کہ تمہیں میرے بطورِ رسول آنے پر تعجب ہو، مجھ سے قبل ہزاروں انبیاء کرام آئے ہیں۔ اور اے پیارے رسول! آپ یہ بھی فرمادیں کہ میں از خود کچھ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا: وَمَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا یُفْعَلُ بِیْ ''میں اللہ کا رسول ہوں اور میں (از خود) نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۳)

مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ کا ارشاد مبنی بر تواضع ہے

یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بطورِ تواضع ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ جب انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا، یعنی کفار نے تمہاری تبلیغ دین کے جواب میں تمہیں کیا کہا؟ تو انبیاء کرام علیہم السلام کہیں گے: لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۝۱۰۹ ''ہمیں کچھ علم نہیں ہے اے اللہ! تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔'' (مائدہ، ۱۰۹) اب انبیاء کا یہ کہنا تواضعاً ہی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے آگے اپنے علم کی تواضعاً مکمل نفی کردیں گے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انبیاء جانتے نہ ہونگے، اسی طرح مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ کا یہ معنی نہیں ہے کہ واقعی حضور ﷺ کو اپنے انجام کے بارہ میں معاذ اللہ کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہے اچھا ہے یا برا؟ بلکہ آپ تواضعا اپنے علم کی نفی کر رہے ہیں۔ اسکے چند دلائل ہیں۔

اول: رسول اکرم ﷺ کا اخروی عظیم مقام (جس پر آپ کو روز قیامت فائز کیا جائیگا) آپ پر ابتداء دورِ اسلام ہی میں واضح کردیا گیا تھا۔ چنانچہ سورۃ الضحیٰ اس وقت نازل ہوئی جب ابتداء اسلام میں کچھ دیر کے لئے وحی منقطع ہوئی تھی۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ''آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' (سورۃ الضحیٰ، ۵) اور اس آیت کے تحت صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ امتی امتی کہہ کر آنسو بہاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر فرمایا: انّا سنُرضيك في امتك۔ ''اے پیارے رسول ﷺ! ہم آپ کی امت کے بارہ میں آپ کو راضی کر دیں گے۔''

(صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۴۶)

پھر مکی دور ہی میں آپ سے فرمایا گیا: عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ''قریب ہے وہ وقت کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔'' (بنی اسرائیل، ۷۹) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ''جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کریں وہ روز قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پہ اللہ نے انعام فرمایا ہے، جیسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔'' (سورۃ نساء، ۶۹)

کیا ان آیات بینات کی موجودگی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی عاقبت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا؟

دوم: حضور سید عالم ﷺ کی شان تو بہت عظیم ہے آپ کے صحابہ کے لیے قرآنِ مجید میں جنت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

''سبقت لے جانے والے پہلے لوگ یعنی مہاجرین و انصار صحابہ اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ انکی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہے وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے انکے لیے جنتی باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔'' (سورۃ توبہ، ۱۰۰)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ یعنی ''اللہ نے سب صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔''

(سورہ حدید ۱۰)

جب آپ کے صحابہ کا اخروی مقام اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا ہے تو یہ کہنا کہ آپ کو اپنے اخروی مقام کا پتہ نہ تھا، کیسی جاہلانہ بات ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے ''تقویۃ الایمان''، فصل ثانی صفحہ 35 میں اس آیت وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ الخ سے استدلال کرتے ہوئے ایسی ہی افسوس ناک باتیں لکھی ہیں، جن سے امتِ مسلمہ میں بہت انتشار پیدا ہوا۔

سوم: حضور سید کائنات ﷺ نے کئی احادیث میں اپنے اخروی درجات کو واضح فرمایا ہے جیسے حدیث مبارکہ میں

ہے کہ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور آدم علیہ السلام ہوں یا کوئی اور، سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۱)

اور حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب انبیاء کو ایک مقبول دعا دی گئی جو انہوں نے دنیا میں مانگ لی اور میں نے اسے آخرت کے لیے رکھ لیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات باب ۱)

اور ہم پیچھے عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل، ۷۹) کے تحت تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت آپ کو کیا کیا مناصب عالیہ عطا فرمائے گا۔

چہارم: صرف یہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخروی درجاتِ عالیہ کو تفصیل سے بتا دیا ہے۔ جیسے آپ کا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمانا ہے کہ آج رات میرے پاس فرشتہ آیا اور مجھے یہ خبر دی:

ان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة والحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة.

کہ بیشک فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

(جامع ترمذی کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کا نام لے کر ان کے لیے جنت کا اعلان فرمایا۔

تو پھر یہ سمجھنا کس قدر جہالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ اپنے انجام کی یا کسی کے انجام کی خبر نہ تھی۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا: وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ یہ مبنی برتواضع ہی ہے۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ میں اللہ کے بتائے بغیر از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا یا تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ اس آیت مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ کو منسوخ ماننا صحیح نہیں ہے اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح ۲) اس کی ناسخ ہے۔

مگر یہ روایت کثیر آیات واحادیث کی نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے نامقبول ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ کے نزول تک آپ کو اپنی آخرت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا۔ حالانکہ یہ آیت چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی کیونکہ پوری سورہ فتح حدیبیہ سے واپسی پہ راستہ میں نازل ہوئی اور اس آیت میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا۔

جبکہ ابتداء اسلام ہی میں: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کہہ کر آپ کو آپ کے اخروی مقام رفیع سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ پھر مکی دور ہی میں عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ کہہ کر آپ کو آپ کا عظیم اخروی مقام دکھا دیا گیا تھا۔ پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ نے مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ کو منسوخ کیا

ہے۔صحیح یہی ہے کہ قول مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ الخ بنی بر تواضع ہے۔

ابن جریر، قرطبی اور دیگر بعض اجلہ مفسرین نے مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ کی ایک تفسیر یہ بھی کی ہے جو مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کفار سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ میرا اور تمہارا معاملہ کیا ہوگا، یعنی ممکن ہے میری تکذیب کی وجہ سے تم پہ ویسا عذاب آجائے جیسا پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے مکذبین پہ آتا تھا اور وہ ہلاک کر دیے جاتے تھے، آیا تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوگا یا نہیں، مجھے معلوم نہیں۔مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ پہ منکشف کر دیا کہ آپ کا دین غالب آئے گا اور یہ کہ آپ کی موجودگی میں آپ کے مکذبین پہ عذاب نہیں آئے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (توبہ، ۳۳) اور فرمایا: وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ط (انفال، ۳۳)

(ابن جریر طبری، جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۶، قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۸۶)

[7] وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ سے بنی اسرائیل کے وہ اکثر لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو شرم دلاتے ہوئے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے تو آپ کی رسالت پر گواہی دے دی اور ایمان لے آئی اور تم قوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہو کر آپ پر ایمان نہیں لاتے، یہ کیسی محرومی ہے۔مگر بات یہ ہے کہ جو لوگ حق کو جان پہچان کر کفر پر اَڑ جائیں، اللہ ایسے ظالموں کے دلوں پہ مہر لگا دیتا ہے اور انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ

اور کافروں نے ایمان والوں کے بارہ میں کہا: اگر یہ (قرآن) بھلا ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔ اور جب

لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ

کفار نے اس سے ہدایت نہیں پائی ہے، تو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے، [8] جبکہ اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) کی

مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ

کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ (قرآن) تصدیق کرنے والی کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے تاکہ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

ظالموں کو ڈرائے اور یہ نیکوکاروں کے لئے بشارت ہے [9] بے شک جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ

اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اس پر ڈٹ گئے ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ وہ اہل جنت ہیں

الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ان کے عمل کی جزا ہے [10]

صداقت قرآن، اطاعت والدین اور فکر آخرت

[8] کفارِ مکہ اکثر مالدار لوگ تھے اور مسلمان اکثر غرباء، تو کفار نے ازراہِ تکبر کہا کہ اگر اس دین اور اس کتاب میں کچھ بھلائی ہوتی تو وہ ہمیں ضرور ملتی، ہم اس سے محروم نہ رہتے۔ جب اللہ نے ہمیں مال دیا ہے تو دین کیوں نہیں دیا؟ جب یہ دین ہمیں نہیں ملا تو یہ ہے ہی غلط۔ یہ اسی طرح ہے جیسے انہوں نے غریب صحابہ کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ بھی کہا: اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ ''کیا ان لوگوں کو اللہ نے ہم پر ترجیح دی ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے جواب دیا) کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جانتا نہیں ہے۔'' (سورہ انعام، ۵۳)

اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ اس کتاب یا اس دین سے ہدایت نہیں پا سکے، تو وہ کہنے لگے یہ تو ہے ہی پرانا جھوٹ۔ گویا انہوں نے قولِ خدا کی بجائے اپنی ذات کو معیارِ حق قرار دیا اور سمجھا کہ جو انہیں ملا ہے وہی حق ہے

اور جونہیں ملا وہ باطل ہے۔ اب اس شخص کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے جو جھوٹا ہونے کے باوجود اپنی ذات کو معیار حق قرار دے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے مرزا قادیانی نے کہا: ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق اور میری وحی سے معارض نہیں ہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

(ضمیمہ نزول المسیح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۰)

یعنی مرزا قادیانی نے اپنی خودساختہ وحی کو معیارِ حق قرار دے کر اس سے معارض تمام احادیث نبویہ کو معاذ اللہ ردّی کہہ کر پھینک دیا، تو جو شخص احادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں اپنی خودساختہ وحی پیش کرے اور آپ ﷺ کے ارشادات کو ردّی قرار دے کر پھینک دے، اس کا اسلام و ایمان سے کیا تعلق ہے۔ گویا وہ خود کو رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں پیش کر رہا ہے۔

[9] یعنی قرآن مجید سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات اپنے وقت میں ہدایت اور رحمت بن کر اتری اور قرآن کریم پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ کو قرآن سے منہ موڑنے کی بجائے اس پر ایمان لانا چاہیے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو جہنم سے ڈرائے اور نیکوکاروں کو جنت کی بشارت سنائے۔

[10] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی پالنے والا مان لیا پھر وہ اس پر ڈٹ گئے یعنی ان کے دل میں یہ بات پختہ ہوگئی کہ ان کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ان کے تمام معاملات کا کفیل اللہ ہے، وہ سب جہان سے بے نیاز ہوگئے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی طاقت کا خوف نہ رہا۔ ایسے لوگوں پہ دنیا میں کوئی خوف نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کسی کی پکڑ سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی اس کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے حکم پر سر جھکاتے ہیں اور آخرت میں انہیں کوئی غم نہ ہوگا، وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے یہ ان کے عمل کی جزاء ہے۔ بلاشبہ انبیاء کرام، صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کاملین رحمۃ اللہ علیہم کی زندگیاں اسی بے خوفی کی آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے وقت کے بڑے بڑے جابر و ظالم حکمرانوں کو للکارا اور دعوتِ حق دی۔ یہاں سے ہمیں توکل، صبر اور استقامت کا درس ملتا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ موجودہ آستانوں میں بیٹھے اکثر سجادہ نشینوں کا ان آیات سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ صرف اپنے بزرگوں کی قبروں پہ تجارت کر رہے ہیں اور ان کا نام بیچ کر کھا رہے ہیں۔ اور یہی حال آج علماء کی ایک بڑی تعداد کا ہے کہ وہ حق گوئی کی بجائے مصلحت بینی سے کام لیتے ہیں۔ تاہم مشائخ و علماء میں بعض وہ بھی ہیں جو آج بھی حق گوئی سے نہیں گھبراتے، مگر وہ بہت ہی کم ہیں اور دین ایسے لوگوں کی برکت سے زندہ ہے۔

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسَانًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے [11] اسے اس کی ماں نے تکلیف سے (پیٹ میں)

كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ

اٹھایا اور تکلیف سے جنا [12] اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک تھا [13] یہاں تک کہ وہ اپنی پختہ عمر کو پہنچا اور

اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ

چالیس برس کا ہو گیا تو کہنے لگا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر کروں

عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ وَاَصۡلِحۡ لِىۡ فِىۡ ذُرِّيَّتِىۡ ۚ

جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائیں اور ایسے نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں۔ اور میرے لئے

اِنِّىۡ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاِنِّىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۱۵ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ

میری اولاد میں بہتری فرما۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ

اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَنَـتَجَاوَزُ عَنۡ سَيِّاٰتِهِمۡ فِىۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَـنَّةِ ؕ وَعۡدَ

ہم ان کا بہترین عمل قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ یہ سچائی کا

الصِّدۡقِ الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ۝۱۶

وہ وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا [14]

[11] یاد رہے کہ کسی شخص کو اس کا حق لوٹا دینا عدل ہے اور اسے اس کے حق سے زیادہ دینا احسان ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ۔ ''اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔'' (نحل، ۹۰) تو عدل کا حکم پہلے دیا گیا احسان کا بعد میں، کیونکہ عدل مثل فرض ہے اور احسان مثل نفل۔ اور یہ اطاعت والدین کی اہمیت کا عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین سے عدل کرنے کی بجائے ان سے احسان کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً جب بیٹا بالغ و عاقل ہو جائے تو وہ جو کمائے وہ اسی کا ہے۔ شرعاً اس کے والدین اس کے مال سے جبراً کچھ نہیں لے سکتے وہ اپنی مرضی سے انہیں جو چاہے دے، نہ چاہے تو نہ دے اور یہ عدل ہے۔ مگر احسان یہ ہے کہ بیٹا اپنا سارا مال والدین کے قدموں

میں ڈھیر کردے اور انہی کو سب کچھ کا مالک جانے اور جو حدیث میں ہے اَنْتَ وَ مَالُكَ لِاَبِیْكَ ”تم اور تمہارا مال تمہارے باپ ہی کا ہے۔“ (ابوداؤد حدیث نمبر ۳۵۳۰) یہ اسی درجۂ احسان کی تعلیم ہے۔

[12] اللہ تعالیٰ انسان کو یاد دلا رہا ہے کہ اس کے والدین نے اس کے لیے کیا کیا تکالیف برداشت کی ہیں۔ اگر انسان ان تکالیف کو اپنے سامنے رکھے تو کبھی اپنے والدین کے سامنے اُف تک نہ بولے۔

والدین اپنی اولاد کے لیے کیا کیا تکالیف اٹھاتے ہیں

چنانچہ ماں کی تکالیف بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ تکلیف کے مارے سیدھی طرح چل نہیں سکتی، آرام سے بیٹھ نہیں سکتی، حتیٰ کہ بستر پر آرام سے کروٹ نہیں بدل سکتی، اسے الٹیاں آتی ہیں، سر چکراتا ہے اور ہاضمہ خراب رہتا ہے۔ پھر جب وہ بچے کو جنتی ہے تو اس پر قیامت گزر جاتی ہے اور کئی مائیں بچے کو جنتے ہوئے جان کی بازی ہار جاتی ہیں۔ انسان کو کیا خبر کہ اس کی ماں نے اس کے لئے کیا کیا تکالیف اٹھائی ہیں۔

اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک شخص نے سخت گرمی میں اپنی والدہ کو کندھوں پہ اٹھا کر لمبا سفر طے کیا (غالباً حج کروایا) پھر اس نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: شائد یہ ولادت کے دردوں میں سے ایک درد کا بدلہ ہو جائے۔ (کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۴۷۲)

اللہ تعالیٰ نے ماں کی تکالیف بطور مثال بیان فرمائی ہیں، ورنہ باپ اپنی اولاد کے لیے جو صعوبتیں اور پریشانیاں اٹھاتا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ باپ اپنی اولاد کا پیٹ پالنے کے لیے در در کے دھکے کھاتا ہے، اپنا سب سکون و آرام برباد کرتا ہے، سارا دن محنت مزدوری کر کے گھر آتا ہے، اس کا جسم تھکاوٹ سے چور چور ہوتا ہے، ابھی اس کی نیند پوری نہیں ہوتی اور تھکاوٹ دور نہیں ہوتی کہ اگلی صبح پھر کام کاج کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے، یونہی اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔ باپ اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے پتھر اٹھاتا ہے، آگ کی بھٹیوں میں اترتا ہے، دھکتے تنوروں میں داخل ہوتا ہے۔ غریب الوطنی کے دکھ سہتا ہے اور اس راہ میں کئی بار اپنی جان سے بھی گزر جاتا ہے۔ پھر جب بچے بڑے ہو کر والدین کا کہنا نہیں مانتے اور ان سے بے ادبی سے پیش آتے ہیں، تو اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے دل پہ کیا گزرتی ہے۔

ماں کا حقِ خدمت زیادہ ہے اور باپ کا حقِ اطاعت

اللہ تعالیٰ نے والدین سے احسان کی وصیت کے بعد صرف ماں کی تکالیف گنوا کر ماں کے حقِ خدمت کی فوقیت واضح کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: میرے حسن مصاحبت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، اس نے عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، اس نے عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب ۲، مسلم کتاب البر حدیث ۱)

گویا باپ کا حق ایک بار بتایا گیا اور ماں کا تین بار۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدمت میں ماں کا حق زیادہ ہے اور اطاعت میں باپ کا، کیونکہ بچوں کی ماں پر بھی ان کے باپ کی اطاعت لازم ہے، کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے اور مرد اپنی بیوی اور اپنے بچوں سمیت سب کا سربراہ ہے اور ان سب پہ اس کی اطاعت لازم ہے۔ خدمت یہ ہے کہ اگر باپ کو مثلاً ایک سو روپے بطورِ خدمت پیش کرے، تو ماں کو دو سو روپے پیش کرے۔ لیکن اگر باپ کچھ کہے اور ماں کچھ تو اسے چاہیے کہ باپ کی مانے اور بے ادبی ماں کی بھی نہ کرے، کیونکہ خود اس کی ماں پر بھی اس کے باپ کی اطاعت لازم ہے، کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے۔

[13] یعنی بچے کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کا عمل تیس ماہ (اڑھائی برس) تک جاری رہتا ہے اور بچے کی ماں اس عرصہ میں شدید تکالیف سے گزرتی رہتی ہے۔ چنانچہ دودھ پلانے کے عرصہ میں ماں کو شدید بھوک لگتی ہے، تھکاوٹ محسوس کرتی ہے اور اس کی اپنی صحت پر اثر پڑتا ہے اور عموماً مائیں اس دوران اپنے شیر خوار بچے کی گندگی اپنے ہاتھ سے صاف کرتی، اسے سردی گرمی سے بچاتی، محبت کی لوریاں دے دے کر پالتی اور سو جان سے قربان جاتی ہیں۔ پھر اگر بچہ بڑا ہو کر اس ماں کا دل دکھائے، تو یہ کس قدر ظلم ہے۔

حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے تحت فرمایا یہاں حمل اور دودھ چھڑانے کی مجموعی مدت تیس ماہ بتائی گئی ہے، کیونکہ فرمایا گیا: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ۔ ''مائیں اپنے بچوں کو دو سال مکمل دودھ پلائیں''۔ (سورہ بقرہ، ۲۳۳) اور جب تیس ماہ میں سے دو برس نکال لئے جائیں تو حمل کے لئے باقی چھ ماہ ہی بچتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۹۴ روایت ۱۸۵۶۶)

لہٰذا اگر شادی کے چھ ماہ بعد کسی عورت کو بچہ ہو تو وہ صحیح النسب اور اپنے والدین کا شرعی وارث ہے خواہ اسے موجودہ D.N.A ٹیسٹ نہ مانے۔ کیونکہ ٹیسٹ میں غلطی ہو سکتی ہے اور اللہ کا قانون اٹل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الولد للفراش وللعاھر الحجر، ''بچہ اسی کا ہے جس کا بستر ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔'' (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۹)

دودھ پلانے کی عمر زیادہ سے زیادہ دو برس ہے

جب حمل کی مدت چھ ماہ مقرر ہو گئی تو دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ دو برس ٹھہری۔ لہٰذا جس بچے نے دو سال کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پیا اس کی رضاعت اس سے ثابت ہے اور اس پر تمام رضاعی رشتے حرام ہیں۔ اور جو دو برس کی عمر کے بعد دودھ پیئے، اس کی رضاعت ثابت نہیں اور نہ ہی ایسا کرنا جائز ہے۔

[14] حضرت عطاء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حتّٰی اذا بلغ اشدّہٗ سے لے کر اگلا

کلام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا۔ وہ اٹھارہ برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی بن گئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بیس برس تھی۔ دونوں تجارت کے لئے شام گئے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ ایک راہب نے یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا ان کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب راہب نے کہا بخدا یہ نبی ہیں اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں بیٹھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا یقین بیٹھ گیا۔ پھر وہ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے کبھی جدا نہ ہوتے تھے۔

جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس برس کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا، تو وہ فوراً ایمان لے آئے۔ اس وقت ان کی عمر اڑتیس برس تھی۔ جب ان کی عمر چالیس برس ہوئی (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً) تو انہوں نے دعا کی: رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ۔ یعنی اے اللہ! جو تو نے مجھے ایمان، صحت، اولاد اور میرے والدین کو تونگری دی ہے ان نعمتوں پر تو مجھے شکر اور عمل صالح کی توفیق عطا فرما۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ ان کے دونوں والدین اسلام لائے (اور صحابی ہوئے) اور یہ اعزاز کسی دوسرے مہاجر صحابی کو نہ ملا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ دعا وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ اس طرح قبول ہوئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نو ایسے غلام آزاد کئے جنہیں ایمان لانے کی وجہ سے مبتلائے عذاب کیا جاتا تھا جیسے حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما وغیرہ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۹۵)

میں کہتا ہوں ان کی دعا کے آخری الفاظ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ کہ مجھے میری اولاد میں بہتری عطا فرما، اس شان سے قبول ہوئی کہ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو بھی ایمان اور شرف صحابیت حاصل ہوا۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کر رہے ہیں۔ یاد رہے یہ آیات اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتریں، تاہم ان کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے والدین سے بھلائی کرے اور جب وہ پختہ عمر کو پہنچے تو اپنے والدین اور اپنی اولاد کے لئے نیک دعائیں کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چند خصوصیات

ان آیات کی روشنی میں اور ان کے شانِ نزول کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چند خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں اور انکی کچھ دیگر خصوصیات بھی ہیں، جن میں سے کچھ اس طرح ہیں۔

اول: وہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئے، جیسا کہ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ میں اس طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اس آیت کے شان نزول کے مطابق انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا پہلے سے علم ہو چکا تھا اور حدیث صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جس شخص پر بھی اسلام پیش کیا اسے کچھ تردد ہوا، سوا ابوبکر

کے، کہ اس نے کسی تردد اور فکر کے بغیر فوراً اسلام قبول کیا۔"

(کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۵۵۵ حدیث ۳۲۶۱۲ بروایت دیلمی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث کتبِ اہلِ تشیع میں سے روضۃ الصفا جلد 2 صفحہ 277 میں بھی موجود ہے۔

دوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مال خرچ کرنے اور حق خدمت ادا کرنے میں انکی مثال نہیں۔ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس جو مال تھا وہ سب دربار رسالت میں حاضر کر دیا، وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ میں یہ چیز بھی داخل ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اِنَّ مِنْ اٰمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ مِنْ مالہٖ و صُحبتہٖ ابابکرٍ "بے شک مجھ پر اپنے مال اور اپنی صحبت کے ذریعے سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابو بکر ہے۔"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۸۰، ترمذی کتاب المناقب باب ۱۵)

سوم: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نو مومن غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ ابھی تفسیر قرطبی کے حوالے سے گزرا کہ بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ نے نو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں ان کے آقا ان کے ایمان کی وجہ سے نشانۂ ظلم بناتے تھے۔ چنانچہ آپ کے اسی کردار کی تعریف میں یہ آیت بھی نازل ہوئی: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾

(اللیل، ۱۷ تا ۲۰)

چہارم: عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سات افراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے، عشرہ مبشرہ میں سے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا باقی تمام افراد آپ کی تبلیغ سے اسلام لائے ان کے علاوہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے کئی جلیل القدر صحابہ انکی تبلیغ سے اسلام میں داخل ہوئے جیسے حضرت عثمان بن مظعون، ابو سلمہ اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہم۔ اس کی تفصیل الریاض النضرہ میں دیکھیں جس کا ترجمہ راقم الحروف کے قلم سے چھپ چکا ہے۔

پنجم: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت سب سے افضل ہے۔ دوسرے صحابہ نے اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ ہجرت کی، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ پھر راہِ ہجرت میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں پہ اٹھا کر غارِ ثور میں لے گئے، پھر اپنی قمیص پھاڑ کر غار کے تمام سوراخ بند کیے اور جو سوراخ باقی رہ گیا، اس پہ انہوں نے اپنی ایڑی رکھ دی۔ گویا وہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جان کی بازی لگانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پھر جب سانپ نے ان کی ایڑی کو ڈسا تو وہ ڈنگ پہ ڈنگ سہتے رہے، مگر انہوں نے حرکت نہ کی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: کاش ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی زندگی کی ہجرت والی رات مجھے مل جائے اور اس کے بدلے میں میری زندگی بھر کی نیکیاں وہ لے لیں۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے تھے: کاش میری ساری زندگی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو مل جائے اور ان کی زندگی کا وہ دن مجھے مل جائے، جب وصال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قبائل عرب مرتد ہو گئے اور زکوۃ دینے

سے انکار کر دیا تو ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے کہا واللہ! اگر وہ زکوۃ کی ایک رسی بھی روک لیں گے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا۔ (نسائی شریف)

ششم: ان کا جہاد سب سے افضل ہے۔ اسلام میں پہلی جنگ مقام بدر میں ہوئی۔ اس جنگ سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کو پکڑنے نکلے تھے۔ وہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور کفار مکہ نے اس بات کا بدلہ لینے کے لئے کہ ان کے قافلہ کا تعاقب کیوں کیا گیا ہے، مکہ سے بڑا لشکر لے کر نکل پڑے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ مدینہ طیبہ واپس جا کر جنگ کی تیاری کر کے واپس آئیں، تو سفر ہی میں بدر کا رخ کیا گیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ ولولہ خیز تقریر کی کہ سب صحابہ کا خون جہاد کے لئے جوش مارنے لگا۔ ان کے بعد جو شخص بھی بولا ان کی اتباع میں بولا۔ گویا انہوں نے صحابہ کو میدان جنگ میں اتارا، اس طرح حق و باطل کی پہلی جنگ میں فتح اسلام کا پہلا پتھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رکھا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں سب صحابہ کو میدان میں اتارا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی مشاورت کے لئے اپنے ساتھ عریشہ میں رکھا۔ گویا سب صحابہ کا میدان میں اترنا ایک طرف اور ابو بکر صدیق کا عریشہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا ایک طرف۔ پھر غزوۂ احد میں وہ اپنے بیٹے کا سر قلم کرنے کے لئے میدان میں اُتر آئے، یہ جذبۂ جہاد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے حصہ میں آیا۔

ہفتم: 9 ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنایا گیا۔ یہ اعزاز آپ کے سوا کسی کے حصہ میں نہ آیا۔ اور یہ امیر الحجاج بنایا جانا حقیقت میں آپ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی طرف اشارہ تھا۔

ہشتم: بوقتِ وصال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (سورہ نور، ۵۵) کے تحت ہم شیعہ سنی روایات کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے جاتے ہوئے اپنے مصلیٰ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے گئے تھے اور یہ ان کے خلیفۃ الرسول خلیفۂ اول بلا فصل ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نہم: وہ ہر نیکی میں سبقت لے جانے والے تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کس نے جنازہ میں شرکت کی ہے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے، آپ نے فرمایا آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے، آپ نے فرمایا آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے۔ آپ نے فرمایا جس میں یہ سب چیزیں (ایک دن میں) جمع ہو گئیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۲)

اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل صلوۃ کو روز قیامت جنت کے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا، اہل جہاد کو باب الجہاد سے، روزہ داروں کو باب الریان سے اور اہل صدقہ کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جسے جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائیگا؟ آپ نے فرمایا: نعم وارجو ان تکون منہم، ''ہاں، اور مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں

میں سے ہوگے۔'' (صحیح بخاری کتاب الفضائل حدیث ۳۶۶۶)

دہم: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چار پشتیں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ اور والدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ عنہا کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ ان کی بیٹی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا صحابیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہر نسبتی ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما صحابی رسول ہیں۔ اسی طرح انکے بیٹے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے ابو عتیق بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم بھی صحابی ہیں۔ اور یہ ان کی دعا وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ کا اثر ہے۔

اس جگہ تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہر نیکی مقبول اور ہر خطا مغفور ہے، اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ اس پر دال ہے۔

(2) آپ اہل جنت میں سے ہیں۔ جیسا کہ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ سے واضح ہے۔ اور ابھی ہم حدیث نقل کر چکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تمہیں جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انت عتیق اللہ من النار، ''تم اللہ کی طرف سے جہنم سے آزاد کردہ ہو۔'' (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۶۷۹)

اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک نام عتیق بھی ہے۔

(3) چالیس سال انسان کی سب سے پختہ عمر ہے۔ بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً سے پتہ چلا کہ چالیس برس انسان کی سب سے پختہ تر عمر ہے۔ چنانچہ اسی عمر میں انبیاء کو نبوت عطا کی گئی۔ دراصل چالیس برس تک جوانی کی فوج مکمل غالب رہتی ہے، اس کے بعد جوانی اور بڑھاپے میں جنگ کا آغاز ہوجاتا ہے اور پچاس برس میں جوانی کی فوج واضح پسپائی اختیار کرلیتی اور بڑھاپا غالب آجاتا ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ چالیس برس تک نیکی کے کاموں میں جتنا زور لگا سکتا ہے لگا لے، کیونکہ بڑھاپا غالب آنے کے بعد بسا اوقات انسان چاہت کے باوجود نیکی کے کئی کام نہیں کرسکتا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحت کو مرض سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، فرصت کو مشغولیت سے پہلے، مالداری کو فقر سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت شمار کرلو (اور نیکی کمالو، ورنہ بعد میں حسرت رہ جائے گی)

(مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۰۶)

وَالَّذِىۡ قَالَ لِوَالِدَيۡهِ اُفٍّ لَّـكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِىۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ وَقَدۡ خَلَتِ

اور جس نے اپنے والدین سے کہا تم پر افسوس ہے، کیا تم مجھے ڈراتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا اور مجھ سے قبل کئی قومیں

الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِىۡ‌ۚ وَهُمَا يَسۡتَغِيۡثٰنِ اللّٰهَ وَيۡلَكَ اٰمِنۡ ‌ۖ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ

گزر گئی ہیں اور اس کے والدین نے اللہ سے فریاد کرتے ہوئے اسے کہا تجھ پر افسوس! ایمان لے آؤ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو وہ کہنے لگا:

حَقٌّ ‌ۖۚ فَيَـقُوۡلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ‏ ﴿۱۷﴾ اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ حَقَّ

یہ تو بس پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر فیصلہ (عذاب) ٹھہر چکا ہے، یہ ان

عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ‌ؕ اِنَّهُمۡ

امتوں میں شامل ہیں جو ان سے قبل جنوں اور انسانوں میں سے گزر گئیں، بے شک وہ سب

كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ‏ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا‌ ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ

خسارے میں تھے [15] اور سب لوگوں کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کی پوری جزا دے

وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۱۹﴾ وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ ؕ اَذۡهَبۡتُمۡ

اور ان پر ظلم نہ ہوگا [16] اور وہ دن یاد کرو جب کافروں کو دوزخ پر پیش کیا جائے گا (کہا جائے گا) تم نے اپنی

طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا‌ ۚ فَالۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ

دنیوی زندگی میں اپنی نعمتیں ختم کر لیں اور ان سے خوف نفع اٹھا لیا، تو آج تمہیں

عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَبِمَا

ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیوں کہ تم زمین میں ناحق بڑے بنتے اور (اپنے رب سے)

كُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ‏ ﴿۲۰﴾

نافرمانی کرتے تھے [17]

ع ۲

[15] والدین کی اطاعت کرنے والے کی عظمت بتانے کے بعد والدین کی نافرمانی کرنے والے شخص کی بُرائی بتائی جارہی ہے۔ تو فرمایا کہ ایک کافر شخص ہے جو قیامت کو نہیں مانتا اور اس کے والدین مومنین ہیں۔ وہ ان سے گستاخی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم پر افسوس، کیا تم مجھے قیامت کے آنے سے ڈراتے ہو؟ حالانکہ مجھ سے قبل کئی امتیں گزر گئی ہیں اور واپس نہیں آئیں، اسی طرح میں بھی مر کر واپس نہیں آؤں گا۔ اس کے والدین نے اللہ سے اس کے لیے ہدایت مانگتے اور اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ خدا کے لئے تم ایمان لے آؤ، تم پر افسوس ہے کہ تم قیامت سے انکار پر ڈٹے ہو حالانکہ اللہ کا وعدۂ قیامت سچا ہے۔ مگر اس نے جواب میں کہا کہ قیامت ایک افسانہ ہے جو پہلے لوگوں نے گھڑا اور اب تک آرہا ہے۔ دراصل یہ ہر ایسے اس شخص کی کہانی ہے جسے اس کے والدین اچھی بات کی تلقین کریں جس میں اس کی اخروی نجات ہے مگر وہ ان کی بات کا مذاق اُڑائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا کہ ان پر پہلی مجرم، جناتی اور انسانی قوموں کی طرح فیصلۂ عذاب ٹھہر چکا ہے کہ وہ ہمیشہ خسارے میں رہیں گے۔

[16] ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جنت یا دوزخ میں درجات دیئے جائیں گے۔ والدین کی اطاعت کرنے والوں کے لئے انعامات کے درجات ہیں اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے عذابات کے درجات، اللہ سب کو ان کی پوری جزا و سزا دے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

مومن جنّات بھی جنت میں جائیں گے

اس بات پہ سب کا اتفاق ہے کہ کافر جنات دوزخ میں جائیں گے، مگر کیا مومن جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اس بارہ میں اختلاف ہے۔ ایک موقف یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور اس آیت میں اسی موقف کی تائید ملتی ہے، کیونکہ اس جگہ پہلے کہا گیا: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ۝۱۸ یعنی ان سے پہلے گزرنے والے دشمن اسلام جن وانس خسارے میں رہیں گے۔ (احقاف، ۱۸) پھر فرمایا گیا: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝۱۹ ''اور ان (جن وانس) میں سے ہر کسی کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں اور اللہ انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے گا اور ان پہ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔''

(سورہ احقاف، ۱۹)

مطلب یہ ہوا کہ ہر جن اور انسان کا درجہ اس کے اعمال کے مطابق ہوگا اور اللہ ہر کسی کو اس کے عمل پورا بدلہ دے گا اور کسی پہ ظلم نہیں ہوگا۔ اب اس میں شک نہیں کہ ایمان والے انسان تو جنت میں جائیں گے تو اس آیت کی روشنی میں مومن جنات بھی جنت میں جانے چاہئیں۔ اسی طرح سورہ الرحمان میں اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے انہیں جنتی نعمتیں گنوائی ہیں اور بار بار انہیں فرمایا ہے کہ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے جنتی نعمتیں ہیں۔

مگر جولوگ جنات کے لیے جنت نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان کے لیے جنت کی عطا واضح کہیں نہیں ہے ہاں ان کے لیے دوزخ کا صریح بیان ہے، جیسے فرمایا گیا: لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ۝۱۱۹ ''ہم جہنم کو ضرور جنوں اور انسانوں سے بھریں گے۔'' (ھود،۱۱۹، السجدہ،۱۳) مگر یہ دلیل مضبوط نہیں ہے، کیونکہ قرآن میں جنات کے لیے جنت کی صریح نفی بھی نہیں ہے۔ البتہ ان کے لیے جنت کے ملنے کے اشارے موجود ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہی قرین قیاس ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے، تاہم وہ انسانی شکل میں جنت میں جائیں گے۔ گویا یہ کہنا صحیح ہے کہ دوزخ میں انسان ہی جائیں گے۔

[17] روز قیامت کفار کو دوزخ کے سامنے لایا جائے گا تو وہ تھر تھر کانپ رہے ہوں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں اپنی نعمتیں اُڑا لیں، آج تمہارے ناحق تکبر اور تمہاری بدعملی کے بدلے تمہارے لئے صرف ذلت کا عذاب ہے۔ گویا کافر کے لئے آخرت میں کچھ نعمت نہیں، صرف عذاب ہے اور مومن اگر اچھے اعمال کرے تو اس کے لئے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت میں بھی بھلائی ہے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ

اور عاد کے قومی بھائی (ہود علیہ السلام) کو یاد کریں جب انہوں نے مقام احقاف پر ڈر سنایا[18] جبکہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کئی ڈرانے والے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

(انبیاء) گزرے ہیں، کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں[19] قوم عاد نے کہا:

عَظِيْمٍ ۝۲۱ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے روک دو؟ تو جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لے آؤ اگر تم سچے ہو،

الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۲ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ

انہوں نے فرمایا (عذاب کا) علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں تمہیں وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ مگر میں تمہیں جاہل قوم

اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۳ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا

دیکھتا ہوں[20] پھر جب انہوں نے (عذاب کو) بصورت بادل اپنی وادیوں کے سامنے دیکھا تو کہا یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے

عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۴ۙ

(ہود علیہ السلام نے کہا) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جو تم نے جلد مانگا تھا، یہ (خوفناک) ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے، یہ ہر چیز کو

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اپنے رب کے حکم سے تباہ کردے گی، تو ان کی یہ حالت ہوگئی کہ صرف ان کے (اجڑے) گھر ہی نظر آتے تھے، ہم مجرم قوم کو ایسے ہی

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۲۵ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا

سزا دیتے ہیں [21] اور بلاشبہ ہم نے انہیں وہ قدرت دی جو (اے اہل مکہ) تمہیں نہیں دی ہے۔ اور ہم نے انہیں

وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ

کان، آنکھیں اور دل دیے تھے، مگر نہ انہیں ان کے کانوں نے کچھ فائدہ دیا، نہ آنکھوں نے

وَلَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِذۡ كَانُوۡا یَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمۡ

اور نہ دلوں نے، کیونکہ وہ اللہ کی آیات سے انکار کرتے تھے۔ اور انہیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس کا

مَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع

وہ مذاق اڑاتے تھے۔[22]

قوم عاد کی سرکشی اور ان کا عبرت ناک انجام

[18] حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہا گیا، کیونکہ وہ انہی میں سے تھے۔ ان میں سے کسی کے بیٹے، کسی کے بھائی اور کسی کے بھتیجے یا بھانجے تھے۔ تو وہ ان کے قومی بھائی تھے، قوم عاد یمن کے جس علاقہ میں رہتی تھی، اسے احقاف کہتے تھے۔ احقاف حِقْفٌ کی جمع ہے جس کا معنی ریت کا اونچا اور طویل ٹیلہ ہے۔ چونکہ وہ ریگستانی علاقہ تھا جہاں ریت کے اونچے ٹیلے تھے اس لئے وہ احقاف کہلاتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کے کچھ بعد ہے۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(1) انسانی اخوت کے اعتبار سے کفار کو بھائی کہا جا سکتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو اَخَا عَادٍ یعنی قوم عاد کا بھائی کہا گیا۔ کیونکہ وہ اسی قوم میں سے تھے اسی طرح سب انسان ایک ہی ماں باپ سے ہیں اور کبھی بھائی کہہ کر بلانا کفار کو متاثر کر سکتا اور انہیں دین کے قریب لا سکتا ہے۔ لہٰذا انسانی اخوت کی بنا پر کفار کو بھائی کہنا جائز ہے۔

(2) صالحین کا ذکر امرِ الٰہی ہے۔ اس جگہ اُذْكُرْ اَخَا عَادٍ کہا گیا اور دوسرے مقامات پر وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اور اُذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ وغیرہ الفاظ قرآن میں بکثرت ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء کے ذکر کا حکم دیتا ہے، کیونکہ ان کی سیرت و عظمت کا بیان دلوں کو اللہ کے قریب کرتا ہے اور مجالس میلاد النبی اور محافل اعراس بزرگان دین کا بھی یہی مقصد ہے۔ تاہم ضروری ہے کہ ان محافل کو خلاف شرع امور سے پاک رکھا جائے۔

[19] یعنی حضرت ہود علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے انہوں نے بھی اور حضرت ہود علیہ السلام نے بھی انسانیت کو یہی تعلیم دی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، ورنہ تم بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب سے دوچار ہو سکتے ہو، یاد رہے عبادت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سر اطاعت خم کر دیا جائے۔ عبادت صرف چند مذہبی رسوم کی بجا آوری کا نام نہیں ہے بلکہ بندے کا اپنے خالق و مالک کے ہر حکم پر سر جھکا دینا کمال عبادت ہے۔ دراصل ہمارے دلوں میں کچھ بت ہیں جیسے کبر، حسد، بغض وغیرہ، ہم اللہ تعالیٰ کا حکم چھوڑ کر ان کا حکم مانتے ہیں اور ان

بتوں کا توڑنا بھی تقاضائے توحید ہے۔علامہ اقبال نے خوب کہا۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے   تیرے ضمیر میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

[20] قوم عاد نے کہا: اے ہود! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب ہم پر لے آؤ۔آپ نے فرمایا عذاب کب آئے گا اس کا علم تو اللہ کو ہے۔میرا کام تو وہ پیغام تم تک پہنچانا ہے، سو وہ میں پہنچا رہا ہوں۔البتہ مجھے نہیں لگتا کہ تم اللہ کا پیغام مانو گے کیونکہ تم مجھے جاہل لوگ نظر آتے ہو۔گویا کسی قوم پر تب ہی عذاب آتا تھا جب وہ عذاب کو للکارنے لگتے تھے۔اکثر ہلاک ہونے والی قوموں کا یہی حال بتایا گیا ہے۔

[21] قوم عاد ریگستانی علاقہ میں رہتی تھی اور صرف بارشی پانی پر ان کا گزارہ تھا۔ان پر پہلا عذاب یہ آیا کہ سات برس تک بارش بند ہو گئی مگر انہوں نے اس سے سبق نہ سیکھا اور اللہ و رسول کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اپنے شرک پر کمر بستہ رہے۔آخر ایک دن سیاہ بادل اُمڈ آیا۔وہ بہت خوش ہوئے کہ سیاہ بادل پانی سے بھرا ہوتا ہے خوب برسے گا، مگر وہ عذاب تھا۔حضرت ہود علیہ السلام نے آخری کوشش کرتے ہوئے انہیں سمجھایا کہ یہ عذاب ہے اس کے ساتھ ایسی طوفانی ہوا آ رہی ہے جو سب کچھ تباہ کر دے گی، مگر انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔آخر ایسی ہوا چلی کہ پہلے ان کے جانور جو بستی سے باہر گھوم رہے تھے، مکڑیوں کی طرح ہوا میں اُڑنے لگے، لوگ بھاگ کر گھروں میں گھسے تو ہوا ان کے دروازے توڑ کر گھروں میں گھس گئی اور ہوا کے بگولے انہیں اٹھا اٹھا کر سر کے بل زمین پر مارنے لگے اور ایک شخص بھی زندہ نہ بچا، صرف ان کے خالی مکانات رہ گئے۔اور اللہ مجرموں کو ایسے ہی عذاب دیتا ہے۔

معلوم ہوا انسانوں کی نحوست سے جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور یہ بات انسانوں کے لئے باعثِ شرم ہے۔جب ان کے کرتوتوں سے قحط سالی آتی ہے، تو جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور ان کی ہلاکت کا بوجھ بھی انسانوں پر پڑتا ہے۔

طوفانی ہوا کے چلنے پر ڈرنا چاہیے اور اس وقت کی خصوصی دعاء

یاد رکھنا چاہیے کہ تیز طوفانی ہوا کے چلنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللّٰھمّ انی اسئلُك خیرَھا وخیرَ ما فیھا وخیرَ ما اُرسلتْ به واعوذُبك من شرّھا وشرّ ما فیھا وشر ما ارسلت به۔ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا اور جو اس میں ہے اور جس مقصد کے لیے اسے بھیجا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی شر سے اور جو اس میں ہے اور جس مقصد کی لیے اسے بھیجا گیا ہے اسکی شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آسمان پہ بادل چھا جاتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا آپ کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے۔پھر جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ کا چہرہ کھل اٹھتا۔میں نے ایک بار عرض کیا کہ

ایسا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہیں یہ بادل ویسا نہ ہو جیسا قوم عاد پر بھیجا گیا تھا۔
(صحیح مسلم کتاب الاستسقاء حدیث ۱۵)

شائد آپ کی یہ کیفیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال، ۳۳) کے نزول سے قبل کی ہو۔ اس میں ہمارے لیے درسِ عمل ہے کہ بادلوں کے گرجنے اور تیز ہواؤں کے چلنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کریں اور اُس کی پکڑ سے پناہ مانگیں۔

[22] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قوم عاد کو ہم نے جو طاقت دی، وہ کفار مکہ کے پاس ہرگز نہیں ہے۔ جب ان کی قوت انہیں نہ بچا سکی تو یہ کفار کس بھروسے پر اتراتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قوم عاد کو کان، آنکھیں اور دل دیئے تھے تاکہ وہ حق کو سنیں، دیکھیں اور مانیں، مگر انہوں نے کانوں، آنکھوں اور دلوں سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا کیونکہ وہ ہود علیہ السلام پہ اترنے والی آیاتِ خداوندی اور آپ کے معجزات سے انکار کرنے پر اَڑ گئے تھے۔ تو آخر وہ اسی عذاب میں گھر گئے جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔ یہ آیت قیامت تک آنے والی اسلام دشمن قوتوں کے لئے وارننگ ہے کہ دینِ حق کی بیخ کنی کی کوشش کرنے والی قوموں کو اللہ بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور بلاشبہ ہم نے تمہارے آس پاس کئی بستیاں ہلاک کی ہیں اور ہم نے (ان کے لئے) کھول کر

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا

نشانیاں بیان کیں تاکہ وہ باز آئیں [23] تو ان (بتوں) نے ان کی مدد کیوں نہ کی جن کو انہوں نے اللہ کے سوا

عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا

بطورِ وسیلہ معبود بنا رکھا تھا بلکہ وہ ان سے روپوش ہو گئے۔ اور یہ ان کا بہتان تھا جو وہ جھوٹ

مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا

گھڑتے تھے [24] اور یاد کریں (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جب ہم نے آپ کی طرف جنات کے ایک گروہ کا رخ موڑا تاکہ وہ قرآن سنیں، چنانچہ

قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ

جب وہ اس پر حاضر ہوئے تو باہم کہنے لگے: خاموش رہو، جب تلاوت ختم ہوئی تو وہ اپنی قوم کی طرف مبلغ بن کر لوٹے [25]۔ (اور جا کر کہا)

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى

اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد اتری ہے وہ اپنے سے قبل والی کتابوں کی تصدیق کرتی

طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ

اور سچائی اور سیدھی راہ کی ہدایت کرتی ہے [26]۔ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے (رسول) کی بات مانو اور اس پر

ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ

ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے گا۔ اور جو اللہ کے داعی کی

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ

بات نہ مانے وہ (اللہ کو) زمین میں عاجز نہیں کر سکتا اور اللہ کے مقابل اس کے کوئی مددگار نہ ہوں گے، وہ لوگ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

کھلی گمراہی میں ہیں۔[27]

[23] کفار مکہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے آس پاس کئی بستیاں ہلاک کی ہیں ہم نے انہیں اپنی آیات کھول کر بیان کی تھیں، تا کہ وہ کفر و شرک سے باز آئیں، مگر وہ نہ آئے تو آخر کار ہلاک ہوئے۔ چنانچہ سرزمین مکہ سے جانب شمال میں اردن اور شام کے علاقوں میں قوم لوط، قوم ثمود اور اہل مدین کے کھنڈرات موجود ہیں اور جانب جنوب میں حدودِ یمن میں قوم عاد اور قوم سبا کی تباہی کے نشانات موجود ہیں اور مکہ سے شمال مغرب میں مصر واقع ہے جہاں فرعونی دور کے کھنڈرات اور اہرام زبانِ حال سے منکر قوموں کی تباہی کی داستان بتا رہے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل مکہ! تم شام و یمن کے تجارتی اسفار میں ان کھنڈرات کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔

[24] یعنی پہلی مشرک قوموں نے جھوٹے خدا بنا رکھے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں انکا روسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے جھوٹے خداؤں نے ان کی مدد کیوں نہ کی اور انہیں تباہی سے کیوں نہ بچایا؟ بلکہ جب ان پر عذاب آیا تو ان کے جھوٹے خدا کہیں نظر ہی نہیں آئے، کیونکہ وہ سب بہتان اور من گھڑت جھوٹ تھا۔

دراصل مشرکین سمجھتے تھے اور دور حاضر کے ہندو اور بدھ مت کے لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ یا بھگوان تنہا ساری خدائی کو نہیں چلا سکتا۔ اس لئے ان کے دوسرے خدا اس کے مددگار خدا ہیں یعنی چھوٹے اور نائب خدا جو دوسری مخلوق کے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اسی باطل نظریہ کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ۔ ''اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی اس کے عجز کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔'' (بنی اسرائیل، ۱۱۱)

اس آیت کا انبیاء و اولیاء کے وسیلہ سے کوئی تعلق نہیں، وہ اپنی جگہ جائز و برحق ہے اور کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں مانتا، نہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ ''اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کی جناب میں وسیلہ تلاش کرو۔'' (مائدہ، ۳۵) اور خود حضور ﷺ نے صحابہ کو سکھایا کہ یوں وسیلہ مانگا کرو: اللھم انی اسئلك و اتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة۔ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے رحمت والے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعاء کرتا ہوں اور ان کے ذریعہ تیری طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری مشکل آسان فرما دے۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۱۸)

جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سن کر ایمان لانا

[25] یعنی اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر بعض انسان آپ پر ایمان نہیں لاتے تو پریشانی کی بات نہیں، ہم نے آپ کا پیغام جنات میں پھیلا دیا ہے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ کے مطابق تین بار جنات کے گروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ایمان لائے۔ پہلی بار نو جنات آئے اور یہی واقعہ اس جگہ قرآن میں بیان فرمایا جا رہا ہے اور یہی واقعہ سورۂ جن میں زیادہ تفصیل سے مذکور ہے۔

پہلی بار جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ میں جنات کو نہ دیکھا اور نہ انہیں قرآن سنانا مقصود تھا، بلکہ آپ چند صحابہ کے ساتھ بازارِ عکاظ کی طرف تشریف لے گئے۔ ان دنوں شیاطین کو آسمان کے قریب جانے سے روک دیا گیا تھا اور ان پر شعلے پڑتے تھے۔ شیاطین نے واپس آ کر قوم کو اس صورت حال سے آگاہ کیا، قوم نے کہا ضرور زمین پر کوئی حادثہ ہوا ہے تم مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور وجہ تلاش کرو۔ تو انہی میں سے کچھ جنات مکہ کی طرف نکل آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت صحابہ کے ساتھ مقام نخلہ میں نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ جنات نے قرآن سنا تو پکار اٹھے کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمان کے قریب جانے سے روکا گیا ہے (یعنی جب سے اس کا نزول شروع ہوا آسمانوں پر شیاطین کے لئے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں) چنانچہ وہ اپنی قوم میں واپس جا کر کہنے لگے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ''ہم نے عجیب (لذت انگیز) قرآن سنا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔'' (جن، ۱) (بخاری کتاب التفسیر سورہ جن)

دوسری بار جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا

جنات سے دوسری ملاقات کا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ نو جنات حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سن کر اپنی قوم میں گئے تو ان کی تبلیغ سے تین سو جنات متاثر ہوئے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے مکہ مکرمہ آئے۔ مقام حجون پر یہ ملاقات ہوئی، آپ ساری رات جنات کے ساتھ رہے اور انہیں احکام دین سمجھاتے رہے۔ بعد میں آپ نے صحابہ کو جنات کی اس ملاقات کی جگہ دکھائی اور ان کی آگ کے نشانات بتائے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۵۰) آج کل اس جگہ مکہ مکرمہ میں ایک مسجد قائم ہے، جسے مسجد جن کہتے ہیں۔ حجاج اس کی زیارت کرتے اور وہاں دو نفل پڑھتے ہیں۔ اس ملاقات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی صحابی ساتھ نہ تھا۔

تیسری بار جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا

جنات سے تیسری ملاقات میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو

شخص جنات کا معاملہ دیکھنا چاہے وہ آج رات میرے ساتھ آجائے۔ چنانچہ میرے سوا کوئی حاضر نہ ہوا۔ آپ مجھے لے کر بالائی مکہ کی طرف چل پڑے۔ ایک جگہ پہنچ کر آپ نے مجھے بٹھایا اور میرے گرد دائرہ کھینچ کر مجھے اس کے اندر بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ کچھ آگے جا کر حضور سرکار دو عالم ﷺ نے کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر سیاہ سائے جمع ہو گئے کہ آپ ان میں چھپ گئے۔ جب آپ کی تلاوت ختم ہوئی تو وہ سائے بادلوں کی طرح چھٹ گئے اور آپ میرے پاس واپس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ہڈی اور لید کو ان کی (جنات کی) غذا بنا دیا ہے، لہٰذا ان چیزوں سے کوئی انسان استنجاء نہ کرے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۹ حدیث ۳۱۳۱۸)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان جنات کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ گویا نو جنات کی تبلیغ سے تین سو جنات اسلام لائے اور تین سو جنات کی تبلیغ سے بارہ ہزار جنات نے اسلام قبول کیا۔ یہ تبلیغ کا فائدہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ جو سنے، اسے آگے پہنچائے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے جو سنو اسے آگے پہنچاؤ کہ ممکن ہے جسے آگے حدیث پہنچے وہ مجھ سے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔''
(صحیح بخاری کتاب العلم باب ۹، مسلم کتاب قسامۃ حدیث ۲۹)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) قرآن جنات پر بھی اثر کرتا ہے اور وہ ایمان لے آتے ہیں۔ جنات آج بھی مساجد میں آتے اور قرآن سنتے ہیں، اسی لئے نمازی کو چاہیے کہ جب وہ اختتام نماز پر سلام کہے تو جنات کو بھی نیت میں رکھے۔

(2) قرآن کو خاموشی سے سننا چاہیے، جنات نے قرآن سنا تو باہم کہا: اَنْصِتُوْا چپ رہو، جنات پہلی ہی بار قرآن کے سننے سے اس کا یہ ادب جان گئے۔ اگر انسان بار بار کی یاددہانی کے باوجود نہ جانے تو اس کے لئے مقام شرم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو جاؤ اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (اعراف، ۲۰۴) اسی لئے فقہ حنفی اور مالکی کے مطابق نماز میں مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں۔

(3) قرآن کا پیغام سن کر دوسروں تک پہنچانا چاہیے، جنات قرآن کو سن کر اپنی قوم میں مبلغ بن کر واپس گئے۔ جیسا کہ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ سے ظاہر ہے۔

[26] جب جنات نے حضور سرور کونین ﷺ سے پہلی بار قرآن سنا تو واپس جا کر اپنی قوم کو بتایا کہ یہ قرآن تورات کے بعد اترا ہے اور گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ حضرت عطا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جنات یہودی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی (گویا انہوں نے اپنی یہودی قوم سے کہا کہ اب تورات پہ اڑنا راہِ نجات نہیں بلکہ قرآن کی اتباع راہِ نجات ہے) (قرطبی، خازن، مدارک، بغوی، مظہری وغیرہم)

[27] جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ اللہ کے داعی محمد مصطفی ﷺ پر ایمان لے آؤ تو اللہ تمہارے سابقہ گناہ مٹا دے گا (کیونکہ اسلام لانے سے زمانۂ کفر کے سب گناہ مٹ جاتے ہیں) اور تمہیں روز قیامت کے دردناک عذاب سے بچالے گا اور جو شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نہ ہی اللہ کے مقابل کوئی جھوٹا خدا ان کی مدد کرسکتا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) جنات کے جنت میں جانے کی تحقیق:

اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ سے معلوم ہوا کہ مومن جنات کو جہنم سے بچالیا جائے گا۔ اس سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ مومن جنات کو جہنم سے بچایا جانا ہی ان کے ایمان کی جزا ہے۔ دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ جیسے جنات کفر کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے، یونہی ایمان کی وجہ سے وہ جنت میں جائیں گے۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۷۰) امام مالک، ابن ابی لیلیٰ اور ضحاک رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت میں اس بارہ میں توقف مروی ہے۔ تاہم ابھی پیچھے آیت 18 اور 19 کے تحت ہم لکھ آئے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے مومن جنات کے جنت میں جانے کے اشارے ملتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب

(2) ختم نبوت:

اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ سے معلوم ہوا اب تا قیامت حضور خاتم المرسلین ﷺ کی اتباع سے نجات وابستہ ہے، جس نے آپ کی اتباع کرلی اسے کسی اور نبی کے ماننے کی ضرورت نہیں۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ يَعۡىَ بِخَلۡقِهِنَّ

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا ہے اور ان کی تخلیق سے وہ تھکا نہیں ہے

بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡـىِۦَ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۳۳ وَيَوۡمَ

وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے، کیوں نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے [28] اور وہ دن

يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيۡسَ هٰذَا بِالۡحَـقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰى

یاد کرو جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں؟ وہ کہیں گے؛ کیوں نہیں ہمیں اپنے

وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝۳۴ فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ

رب کی قسم (یہ حق ہے)۔ اللہ فرمائے گا تو پھر عذاب چکھو، کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔ تو (اے رسول) صبر کریں جیسے

اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسۡتَعۡجِلْ لَّهُمۡ ؕ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَ مَا

بڑے عزم والے رسولوں نے صبر کیا اور کفار کے حق میں جلدی نہ کریں، جس دن وہ عذاب دیکھیں گے جس کا ان سے

يُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنۡ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا

وعدہ کیا گیا تھا (تو کہیں گے) گویا وہ دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) رہے تھے۔ یہ ہے پیغام، تو کیا نافرمان لوگوں کے سوا بھی

الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝۳۵

کوئی ہلاک کیا جاتا ہے [29]

[28] جس رب کو ارض وسما کی تخلیق اور ان میں انسانوں کے بسانے سے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی، وہ انسانوں کے دوبارہ اٹھانے پر کیوں قادر نہیں ہے۔

[29] ایک قول کے مطابق تمام رسولانِ گرامی اولوالعزم ہیں اور مِّنَ الرُّسُلِ میں من برائے بیان ہے۔ جبکہ حضرت مجاہد کے قول کے مطابق پانچ رسول اولوالعزم ہیں۔ حضور ﷺ، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام، انہی پانچ کے بارہ میں یہ آیت ہے: وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى۔ (سورہ احزاب، ۷) اس صورت میں من برائے تبعیض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ اس طرح صبر کریں،

جیسے بڑے عزم وحوصلہ والے رسولانِ گرامی نے راہِ حق میں صبر کیا۔ اور آپ کفار کے بارہ میں دعائے ہلاکت کی جلدی نہ کریں (کیونکہ آپ کا لقب ہی رحمۃ للعالمین ہے) روز قیامت اللہ ہی کفار کو پکڑے گا اس دن وہ عذاب سے دو چار ہونے کے بعد یوں محسوس کریں گے جیسے وہ دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے تھے۔ یعنی قیامت اور اس کے بعد کی طوالت کے مقابلہ میں دنیا میں گزارا ہوا وقت انہیں صرف ایک لمحہ محسوس ہوگا۔ یہ کفار کے لئے پیغام ہے اگر وہ اسے نہ مانیں تو ہلاکت نافرمانوں ہی کا نصیب ہے۔

الحمدللہ آج 20 شعبان 1429ھ بمطابق 21 اگست 2008ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر سورہ احقاف کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہ سورہ مبارکہ ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی 94ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 47ویں سورت ہے۔ اسے سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے شروع ہی میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکور ہے اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا: اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ اسے سورۂ قتال بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں کفار سے قتال کا حکم ہے۔ یہ مکمل مدنی سورت ہے، اگرچہ اس کے بہت سے مضامین مکی سورتوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ اس میں قتال کا حکم ہے اس لئے اس کے مدنی سورت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس میں چار (4) رکوعات اور اڑتیس (38) آیات ہیں۔

مضامین

اس کے پہلے رکوع میں رسالت محمدیہ کا اثبات ہے، حکم جہاد ہے اور راہِ حق میں جام شہادت نوش کرنے والے شہداء کی عظمت کا بیان ہے۔ دوسرے رکوع میں مومنین کے لیے جنتی نعمتوں کا ذکر جمیل ہے، پھر منافقین کی منافقانہ چالوں کا بیان ہے۔ تیسرے رکوع میں بھی جہاں منافقین کی منافقت طشت از بام کی گئی ہے، وہاں اللہ و رسول کی اطاعت پہ زور دیا گیا ہے اور آخری رکوع میں حقیقتِ دنیا، فکرِ آخرت اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت پہ بات ہوئی ہے۔

اس سے قبل سورہ احقاف ہے، جس میں بعض انبیائے سابقین کا ذکر ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کی مسلسل تکذیب کی تو ان پہ اللہ کا عذاب نازل ہوا جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے ان کی تکذیب کی تو ان پہ عذاب الٰہی نازل ہوا۔ جبکہ سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے منکرین پہ پہلی امتوں کے منکرین کی طرح کوئی آسمانی عذاب نازل نہیں ہوگا، بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں میدان جنگ میں ذلت وخواری سے دوچار کر کے ان کی قوت کا خاتمہ کیا جائے گا، یہی ان کا عذاب ہے۔ اس لیے سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کفار سے جنگ کا حکم فرمایا گیا ہے اور ان کو نشانِ عبرت بنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سورہ توبہ میں فرمایا گیا:

قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ ''کفار سے لڑائی کرو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔''

(سورہ توبہ ۱۴)

یہ مقام افسوس ہے کہ اللہ رب العزت تو کفار کو ہمارے ہاتھوں عذاب دینا چاہتا ہے، مگر ہم ان کے ہاتھوں مار کھانا چاہتے ہیں اور کھا رہے ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۳۸ ۴۷ سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ ۹۵ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے [1] اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ

ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اور جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا گیا اس پر ایمان لائے جو کہ ان کے رب کی طرف سے

رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

حق ہے، تو اللہ نے ان کی برائیاں مٹا دیں اور ان کا حال اچھا کر دیا [2] یہ اس لئے ہے کہ کفر کرنے والے

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ

باطل کے پیروکار ہیں اور جو ایمان لائے وہ حق کے پیروکار ہیں، جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اسی طرح

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

اللہ لوگوں کے لئے ان کی مثالیں بیان فرماتا ہے [3]

ایمان اور کفر کا تقابل اور کفار سے لڑائی کا حکم

[1] کفار مکہ سمجھتے تھے کہ وہ متولیانِ کعبہ ہیں، وہ حجاج کی رہائش و خوراک کا انتظام کرتے ہیں اور اگر کوئی قیامت آنے والی ہے، تو یہ چیز ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کفر کرنے اور اللہ کی راہ (دین اسلام) سے روکنے والوں کے تمام نیک اعمال کو اللہ روز قیامت ضائع کر دے گا۔ گویا کافر کی کوئی نیکی اسے روز قیامت کام نہ آئے گی اور مومن کی کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی بشرطیکہ وہ رضاء الٰہی کے لئے کی گئی ہو۔

یہاں نہایت افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ شیعہ فرقہ کے ہاں معتبر مفسرین جیسے شیخ علی بن ابراہیم قمی اور ملا فیض کاشانی

وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول ﷺ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وولایت سے انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا، تو اللہ نے انکے اعمال یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر ان کا جہاد کرنا وغیرہ سب ضائع کر دیا۔ (معاذ اللہ)

(تفسیر قمی صفحہ ۶۲۵ مطبوعہ ایران، تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۵۶۰ مطبوعہ ایران)

اس بدبودار غلیظ تحریر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں شیعہ مفسرین کے مطابق اہل تشیع کے حقیقی نظریات سامنے آتے ہیں، جنہیں وہ تقیہ کے پردے میں چھپائے رکھتے ہیں اور اس کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ کو کافر کہنے والا خود کافر ہے اور ان کے اعمال کو ضائع کہنے والے شخص کے اپنے اعمال ضائع ہیں، صحابہ کی عظمت کی گواہی قرآن یوں دے رہا ہے:
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز (سورہ فتح، ۲۹)

اور ان کے جنتی ہونے کا اللہ تعالیٰ نے یوں اعلان فرمایا: لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ (سورہ حدید، ۱۰) اب جو شخص نص قرآنی کے مطابق جنتی لوگوں کو کافر کہے، اسکے اپنے کافر وجہنمی ہونے میں کیا شک ہے؟

[2] یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ محمد مصطفی ﷺ پر ایمان لائے اور آپ پہ نازل ہونے والی ساری وحی کو مان کر اس کے مطابق نیک عمل کرتے رہے اللہ ان کی خطائیں مٹا دے گا (کیونکہ ایمان لانے کے سبب سابقہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں) اور ان کا حال اچھا کر دے گا یعنی انہیں جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرمائے گا۔ یہ آیت اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم تا قیامت ہر مومن متقی شخص کو محیط ہے۔

معارفِ اسم محمد ﷺ

یہاں حضور سیدِ کائنات ﷺ کا اسم محمد (ﷺ) وارد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ اسم مبارک چار بار آیا ہے اور چاروں بار اس کے ساتھ حضور ﷺ کی رسالت بیان کی گئی ہے اور آپ پر قرآن کا نزول بتایا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اگر قرآن میں آپ کا نام نہ لیا جاتا، تو کوئی ملحدین قرآن کا نزول کسی دوسرے شخص پر مان لیتے۔ اس لئے چار بار آپ کے نام کی صراحت کی گئی کیونکہ چار کا عدد اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہے۔ اسم اللہ کے حروف چار ہیں، اسم محمد کے حروف چار ہیں، بڑی آسمانی کتابیں چار ہیں، بڑے فرشتے چار ہیں۔ خلفائے راشدین چار ہیں وغیرہ۔ اسم محمد ﷺ کے معارف پر سورہ آل عمران آیت 144 کے تحت کچھ گفتگو ہو چکی ہے اور مزید سورہ فتح آیت 29 کے تحت آ رہی ہے۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) حجیتِ حدیث:

بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ سے معلوم ہوا حضور سید کائنات ﷺ پر نازل ہونے والی ہر وحی پر ایمان ضروری ہے، خواہ وہ قرآن کی صورت میں وحی متلو ہو یا حدیث کی صورت میں وحی غیر متلو۔ یعنی قرآن کو نماز میں پڑھا جاتا ہے، مگر حدیث کو نماز میں نہیں پڑھا جا سکتا، بس یہ فرق ہے ان دونوں میں۔

(2) ختم نبوت:

کَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ سے معلوم ہوا حضور خاتم المرسلین ﷺ پر ایمان لانا نجات کی ضمانت ہے اور آپ کے بعد کسی نئے نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر آپ کے بعد کوئی نیا نبی مانا جائے تو اس آیت کو منسوخ کہنا پڑے گا، کیونکہ پھر دوسرے لفظوں میں آپ پر ایمان لانا نجات کے لئے ناکافی ٹھہرا۔

(3) ایمان لانے سے زمانہ کفر کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں:

کَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ میں واضح کر دیا گیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پہ نازل ہونے والی ساری وحی پہ ایمان لے آئے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ ''اے رسول کریم (ﷺ)! آپ کافروں سے فرما دیں، اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان سے جو گناہ پہلے ہو چکے وہ سب معاف کر دیے جائیں گے۔'' (انفال، ۳۸) مگر افسوس ہے اہل تشیع پر کہ وہ اب بھی حضرت سیدنا عمر فاروق، خالد بن ولید، ابوسفیان و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ قبل اسلام کی باتوں کو اچھال کر اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی وجہ سے ان سب خطاؤں کو معاف فرما دیا۔

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار کے اعمال اس لیے باطل اور مومنوں کے اعمال اس لیے مقبول ہیں کہ کفار باطل پرست اور مؤمنین حق پرست ہیں۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ
لہٰذا جب تم کفار کے مدمقابل (جنگ میں) آؤ تو ان کی گردنیں اڑاؤ، حتیٰ کہ جب تم ان پر مکمل قابو پا لو
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۬
تو انہیں خوب جکڑ لو، پھر خواہ احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے لو [4] یہاں تک کہ جنگ کی ضرورت نہ رہ جائے [5]
ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ
یہ ہے حکم، اور اگر اللہ چاہتا تو کفار سے خود بدلہ لے لیتا۔ مگر (وہ چاہتا ہے) کہ تمہیں ایک دوسرے سے آزمائے [6]
وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ
اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا وہ ضرور ان کی راہنمائی کرے گا
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶
اور ان کا حال اچھا کر دے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی انہیں پہچان کرا دے گا [7]،

[4] لہٰذا اے حق پرست مومنو! جب تم میدانِ جنگ میں اُترو تو کفار کی گردنیں اُڑانے میں سستی نہ دکھاؤ اور یاد رکھو کہ کفار سے جنگ کا مقصد خوں ریزی نہیں، بلکہ حق کا بول بالا کرنا اور باطل کا زور توڑنا ہے تاکہ زمین پر زمین کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام حق نافذ ہو اس لئے جب تم باطل پرستوں پر مکمل قابو پا لو تو مزید کوئی گردن اُڑائے بغیر دشمنانِ حق کو زنجیروں میں جکڑ لو، اسکے بعد ان جنگی قیدیوں کو خواہ مفت میں آزاد کر دو تاکہ کفار تمہارے احسان مند ہوں اور اسلام کے قریب آئیں اور خواہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

جنگی قیدیوں کے بارہ میں احکام

یاد رہے کہ جنگی قیدیوں کو مفت میں آزاد کیا جا سکتا ہے اور فدیہ (بدلہ) مالی بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے مال لیا جائے اور جانی بھی کہ قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جائے۔ جنگی قیدیوں کو مفت آزاد کرنے کی مثال یہ ہے کہ علاقہ نجد سے قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار کر کے لایا گیا، وہ دو دن تک مسجد نبوی کے ستون سے بندھا رہا۔ آخر نبی اکرم ﷺ نے اسے کسی فدیہ کے بغیر چھوڑ دیا، وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے جا کر غسل کیا اور واپس آ کر کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے داخل اسلام ہو گیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! پہلے مجھے آپ سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہ تھی، اب مجھے آپ سے

بڑھ کر کسی سے محبت نہیں ہے۔ پھر ان کی وجہ سے ان کے قبیلہ میں اسلام پھیلا اور کفار مکہ کے لئے مشکلات بڑھ گئیں۔
(صحیح مسلم کتاب الجہاد حدیث ۵۹)

اور دوسری صورت یعنی مالی فدیہ لے کر کفار کو چھوڑنے کی مثال حضور ﷺ کا اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑنا ہے۔ جبکہ جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی مثال یہ ہے کہ بنی ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمی گرفتار کر لیے تھے، ادھر ان کا ایک شخص مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے چھوڑ کر اس کے بدلہ میں اپنے آدمی آزاد کروا لیے۔

(دارمی کتاب السیر باب ۲۷)

یہاں دو صورتیں اور بھی جائز ہیں، ایک جنگی قیدیوں کا قتل دوسرا ان کا غلام بنایا جانا۔ قتل کی مثال یہ ہے کہ اسیران بدر میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا گیا، کیونکہ ان دونوں موذیوں کا وجود اسلام اور اہل اسلام کے لئے شدید خطرہ تھا۔ اور نضر بن حارث کو حضور ﷺ نے اس کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ ایک دن ہم تجھے باندھ کر ماریں گے تو آپ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ (صحیح تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۲۲۸)

جبکہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی مثال اسیرانِ خیبر کا غلام بنایا جانا ہے، انہی میں سے ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ پہلے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے انہیں حضور ﷺ کی ملک میں دے دیا۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا۔ (بخاری کتاب المغازی باب ۳۹)

تاہم آج جنگی قیدیوں کے قتل یا ان کے غلام بنانے کی صورتیں عملاً ممکن نہیں ہیں۔ کیونکہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک پر لازم ہے کہ ہر ملک دوسرے ملک کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرے گا۔ تاہم ان صورتوں کا شرعی جواز آج بھی برقرار ہے مگر افضل طریقہ یہی ہے کہ جنگی قیدیوں کو مفت یا فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے، کیونکہ قرآن نے انہی دو طریقوں کا ذکر فرمایا ہے (فاما منا بعد و اما فداء) قتل یا غلام بنانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ ان کا ذکر حدیث میں ہے۔

[5] یعنی جنگ بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں، اسکا مقصد کفر کا زور توڑنا اور اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کا استحکام اور مسلمانوں پر کفار کی طرف سے روا رکھی جانے والی دہشت گردی کا ازالہ ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو جنگ ایک لمحہ بھی جاری نہ رکھی جائے۔ حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا کا ایک معنی حضرت مجاہد نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حدیث کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا اور جنگ کی ضرورت نہ رہے گی۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۹، قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۲۲۸)

اور حدیث مبارکہ میں ہے: یہلك الله الملل کلها الا الاسلام یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب ملتوں کو ہلاک کر دے گا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴)

گویا آیت مبارکہ کا معنی یہ ہوا کہ کفار سے جنگ جاری رکھو تاوقتیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں اور جنگ کی ضرورت نہ رہے اور اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ میری امت میں کوئی نہ کوئی گروہ قیامت تک جہاد کرتا رہے گا۔ یہاں تک

کہ ان میں سے آخری لوگ (عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر) دجال کو قتل کریں گے۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۴)

گویا اس کے بعد جنگ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) میدان جنگ سے فرار جائز نہیں۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط سے معلوم ہوا جب کفار سے جنگ ہو جائے تو پھر فرار کی بجائے لڑو اور حدیث میں سات بڑے تباہ کن گناہ گنے گئے ہیں، ان میں ایک میدانِ جنگ سے فرار بھی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۳۲)

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ میدان جنگ سے اسلامی فوج کا بھاگنا ملتِ اسلامیہ کی کشتی کو ڈبو دینے کے مترادف ہے۔ اس طرح کفار مسلمانوں کے علاقوں اور ان کے اموال پہ قبضہ کرلیں گے، بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیں گے، اور عظیم فتنہ بپا ہوگا۔

(2) جنگ میں صرف کافر فوجیوں کو مارا جائے، عام شہریوں کو نہیں۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط سے معلوم ہوا گردنوں کا اُڑانا میدان جنگ میں ہے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ کے مطابق کفار کی عورتوں، ان کے بچوں، بوڑھوں اور عبادت خانوں میں بیٹھے راہبوں کا قتال جائز نہیں۔ (موطاء امام مالک کتاب الجہاد باب ۱۰)

لہٰذا جنگ میں شہری آبادیوں پہ بمباری یا عام لوگوں پر خودکش حملوں کا کوئی جواز نہیں۔ ان کارروائیوں میں بچے بوڑھے اور عورتیں بھی ماری جاتی ہیں۔ گویا اگر بوڑھے اور عورتیں بھی باقاعدہ جنگ میں شامل ہوں تو ان کو قتل کیا جائے گا اور اگر گھروں میں بیٹھے ہوں تو ان کا قتال حرام ہے۔

(3) جہاد اور دہشت گردی میں فرق: حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ سے معلوم ہوا اسلام میں جنگ کا ایک مقصد اور فلسفہ ہے اور وہ دین کی سربلندی یا کفار کے مظالم کا بدلہ لینا ہے، اس کے سوا بے مقصد جنگ اور خوں ریزی کا کوئی جواز نہیں۔ اس کے باوجود اسلام پر دہشت گردی کا الزام محض شرانگیزی ہے اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اس وقت ہی کفار کے خلاف تلوار اٹھائی جب ان پر جنگ مسلط کر دی گئی اور جنگ کے سوا کوئی راستہ نہ رہا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا گیا۔

مسلمان ہمیشہ سے کفار کی دہشت گردی کا شکار رہے ہیں

آغازِ اسلام میں مسلمانوں پر کفار مکہ نے ظلم وتشدد کی انتہاء کیے رکھی، وہ اپنا دین بچانے کے لیے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ وہاں بھی کفار مکہ ان پر حملے کرتے رہے، آخر مسلمانوں نے جہاد کے ذریعے مکہ فتح کرلیا۔ تب شاہ روم کی عیسائی گورنمنٹ نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر تبوک میں اسکا راستہ روکا اور تبوک کا سارا علاقہ اسلام کے زیرنگیں آیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسکا راستہ نہ روکتے تو شاہ روم مدینہ طیبہ تک آپہنچتا۔ پھر حضور

سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد شاہ روم نے مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو حضرت صدیق اکبر ؓ نے کمال جرأت و بہادری دکھاتے ہوئے اسکے مقابلہ میں شام کی طرف فوج روانہ کی، جو ہر طرف فتوحات کے جھنڈے گاڑتی چلی گئی۔

اسی دوران حضرت صدیق اکبر ؓ کا وصال ہو گیا اور حضرت عمر بن الخطاب ؓ ابھی مسند خلافت پر آرام سے بیٹھے نہ تھے کہ اسلامی سرحدوں پر ایرانیوں کی آتش پرست گورنمنٹ نے حملہ کر دیا۔ جسکے جواب میں مسلمانوں کو انکے خلاف بھی تلوار اٹھانا پڑی اور جنگ کا نیا محاذ کھل گیا اور ان جنگوں میں اسلامی سلطنت کی حدود مشرق و مغرب میں دور دور تک پھیل گئیں اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں دنیا سے مٹ گئیں۔ تب مسلمانوں کو سکون ملا اور وہ کئی صدیوں تک آرام سے جیے۔ البتہ کبھی کبھار کفار سے جب بھی کوئی جھڑپ ہوئی تو اس کا آغاز کفار ہی کی طرف سے تھا۔ پھر بارھویں صدی میں مسلمانوں کی غفلت کے باعث اغیار کی سازشوں سے خلافت ترکیہ کے ٹکڑے ہوئے اور کفار نے مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی شروع کر دی اور آج فلسطین، کشمیر، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور اسکا علاج صرف جہاد ہے۔

[6] یعنی اگر اللہ چاہتا تو دشمنان اسلام کو از خود ہلاک کر دیتا مگر وہ مومنوں کو کفار کے ذریعے آزمانا چاہتا ہے کہ وہ سربلندی دین اور اپنے تحفظ کے لئے کیا جدوجہد کرتے ہیں اور جہاد کا فریضہ کہاں تک سرانجام دیتے ہیں اور مومنوں کے ذریعے کفار کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اسلام دشمنی میں کہاں تک جاتے ہیں۔

اللہ رب العزت کی طرف سے مسلمانوں کے شکوۂ بیجا کا جواب

اس آیت میں ان وسوسوں کا جواب دیا گیا ہے جو آج مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے مسلمانو! اسلام کی سربلندی اور کفار سے اپنی جانوں اور عزتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے تمہیں خود علم جہاد بلند کرنا ہوگا۔ اللہ اگر چاہے تو وہ کفار کے مظالم کا بدلہ از خود لے سکتا ہے، مگر اے مسلمانو! وہ تمہارے ہاتھوں کفار کو عذاب دینا چاہتا ہے، یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ تم خود کچھ نہ کرو اور خوف کے مارے دبک کر اندر بیٹھے رہو اور اللہ تعالیٰ کفار کو ہلاک کر دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ۔ "اے مومنو! کفار سے جنگ کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا، انہیں رسوا کرے گا، تمہیں ان پر غالب کرے گا، مسلمانوں کے دلوں کو شفا دے گا اور ان کے دلوں کا غضب دور کر دے گا" (توبہ: ۱۴)

علامہ اقبال ؒ نے مسلمانوں کا یہی شکوۂ بیجا اپنی نظم شکوہ میں بڑی دل سوزی کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں جاہل مسلمانوں کے بے جا شکووں کی ترجمانی ہے، وہ علامہ اقبال کے ذاتی خیالات نہیں ہیں۔ تاہم

جب ان کی نظم شکوہ کے بعض سخت الفاظ پہ اعتراضات ہوئے تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جواب شکوہ لکھ کر معاملہ واضح کر دیا، بلکہ ان آیات کی تفسیر کر دی اور فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ کا شکوہ کرنے سے قبل اپنی حالت بھی تو دیکھو۔ جب تم اپنی حالت کو درست کر لو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شکوہ میں چشم تصور میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے — نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے — تیرے قرآن کو سینے سے لگایا کس نے
آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب محتاج غنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
رحمتیں ہیں تری غیر کے کاشانوں پر — برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر
تو ہی کہدے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے — شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے — کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شکوہ کا جواب القاء فرمایا۔ اس کے بعض ایمان افروز اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں — راہ دکھلائیں کسے کوئی رہرو منزل ہی نہیں
ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں — امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں — تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے — ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے — تمہی کہدو یہی آئین وفاداری ہے؟
صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ — نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ — میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو — ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں — کچھ بھی پیغام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمہیں پاس نہیں
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی — فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — تم مسلماں ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

[7] مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کرتے ہوئے شہید کی عظمت بتائی جارہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ شہداء کے اعمال کو ضائع نہیں فرماتا، بلکہ ان کی جانی ومالی قربانیوں کا انہیں اجرعظیم عطا فرماتا ہے۔

شہید کے لیے جنتی انعامات

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شہید کے خون کا قطرہ گرنے سے قبل اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے، اسے ایمانی زیور پہنایا جاتا ہے، موٹی آنکھوں والی حوروں سے اس کی شادی کی جاتی ہے، اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جاتا ہے اور اس کے ستر رشتہ داروں کے بارہ میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ۱۶)

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِن تَنصُرُوا اللّٰهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا [8]

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَآ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے تباہی ہے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کی

أَنزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ

نازل کردہ کتاب کو ناپسند کیا تو اللہ نے ان کے اعمال ضبط کر لئے۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكٰفِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝

کہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا تھا؟ اللہ نے ان پر ہلاکت ڈالی اور کافروں کے لئے ایسی ہی سزائیں ہیں [9]

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكٰفِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ۝

یہ اس لئے ہے کہ اللہ مومنوں کا مددگار ہے اور جو کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں ہے [10]

[8] یعنی اے مومنو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کے لئے جہاد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور دنیا میں تمہارے قدم جمائے گا یعنی تمہیں عزت وآبرو کی زندگی عطا کرے گا۔ گویا اگر تم بزدل ہو کر جہاد سے دست بردار ہو جاؤ گے (جیسے آج مسلمان جہاد سے دست بردار ہو گئے ہیں) تو پھر اللہ کی مدد تمہارا ساتھ چھوڑ جائے گی اور تمہارے قدم کبھی جم نہ سکیں گے۔

[9] کفار کے لئے آخرت میں صرف ہلاکت ہے (اور اگر اہلِ اسلام جہاد کریں تو کفار کے لیے دنیا میں بھی ہلاکت ہے) اور ان کے اعمال برباد ہیں یعنی انہیں ان کی نیکیوں کا آخرت میں کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن کو ناپسند رکھتے ہیں یعنی اسے اللہ کی نازل کردہ کتاب نہیں سمجھتے، تو ایسے دشمنان اسلام کو دیکھنا چاہیے کہ ان جیسی قومیں اللہ کے دین اور اس کی کتابوں کو مٹانے کے لئے اس سے قبل بھی اٹھتی رہی ہیں۔ مگر اللہ نے انہیں ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اور آئندہ بھی جو منکر قوم یہ راہ اپنائیں گی اس کے لئے ایسی ہی سزا مقرر ہے۔

[10] جنگ احد کے اختتام پر ابوسفیان نے (جو اس وقت اسلام نہ لایا تھا) نعرہ لگایا: لنا العُزّٰی ولا عُزّٰی لکم۔ عزیٰ ہمارا خدا ہے اور اے مسلمانو! تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم یہ نعرہ لگاؤ: اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔ اللہ ہمارا مولیٰ (مددگار) ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

(بخاری کتاب الجہاد باب ۲۶۴)

چنانچہ اس موقع پر یہ آیت اتری اور اللہ رب العزت نے اپنے رسول کی تصدیق کی۔ (قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۲۳۴)

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں ہی کا مولیٰ یعنی مددگار اور نگہبان ہے اور اس کے مقابلہ میں کفار کا کوئی مولیٰ نہیں ہے، بشرطیکہ مسلمان قوم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی اطاعت اختیار کرلے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

بے شک اللہ ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو ان جنتی باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

نہریں بہتی ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) مزے لیتے اور جانوروں کی طرح کھاتے ہیں

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ

اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے [11] اور کتنے ہی شہر اس شہر سے مضبوط تر تھے جس نے آپ کو نکالا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا

اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

پھر کوئی ان کا مددگار نہ تھا [12] تو جو شخص اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہو کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہے

كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

جن کے لئے ان کا بُرا عمل آراستہ کیا گیا ہو اور وہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہوں؟ [13] جس جنت کا پرہیزگاروں سے

الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ

وعدہ کیا گیا اس کی مثال یہ ہے کہ اس میں کبھی خراب نہ ہونے والے پانی کی نہریں ہیں اور ایسے دودھ کی

طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ۬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ

نہریں ہیں جس کا مزہ کبھی خراب نہ ہو اور پینے والوں کے لئے لذیذ تر شراب کی نہریں ہیں اور صاف شفاف شہد کی نہریں [14]

وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي

اور ان کے لئے وہاں ہر طرح کا پھل ہے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے، کیا ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہے جو ہمیشہ

النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

جہنم میں رہے گا اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ کر رکھ دے گا؟ [15]

مومنوں کا اخروی انعام اور کفار و منافقین کا عبرتناک انجام

[11] مومنین متقین کے لئے آخرت میں جنت کی بہاریں اور نعمتیں ہیں اور کفار کے لئے آخرت میں صرف جہنم کا ٹھکانہ ہے۔ لہٰذا وہ دنیا کی نعمتوں کو جانوروں کی طرح کھاتے ہیں یعنی کسی حلال و حرام اور پاک و ناپاک کی تمیز نہیں رکھتے، جانوروں کی طرح جو کچھ سامنے آئے، کھاتے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں برطانیہ کے عیسائی انگریز جب جاپان جائیں تو چھپکلیاں کھاتے پھرتے اور چین جائیں تو سانپ اور کچھوئے کھاتے ہیں، کسی حلال و حرام کا پتہ نہیں ہے۔ یہ حلال و حرام کا قانون صرف اسلام بتاتا ہے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہر اس چیز کا کھانا پینا حرام قرار دیا ہے جو انسان کے لیے جسمانی یا روحانی اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ مگر کافر جانور کی طرح ہر چیز کھاتا جاتا ہے۔ پھر جانور اپنی زندگی میں جو کھالے کھالے، مرنے کے بعد اس کے لئے کوئی اخروی نعمت نہیں ہے۔ یہی حال کافر کا ہے۔ گویا اس کی زندگی جانوروں جیسی ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر۔

[12] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے دوران غارِ ثور کی طرف جاتے ہوئے مکہ کی طرف نظر ڈالی اور فرمایا: اے شہرِ مکہ! تو اللہ کے ہاں اور مجھے سب شہروں سے محبوب ہے، اگر تیرے باشندے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں یہاں سے کبھی نہ نکلتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت اتاری: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ الخ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۳ حدیث ۳۱۳۷۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول جس بستی نے آپ کو اپنے ہاں سے نکلنے پر مجبور کیا ہے ہم نے اس سے مضبوط تر بستیاں ہلاک کی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اسے بھی ہلاک کر سکتے ہیں۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ آپ کی چادرِ رحمت پہ عذاب کا کوئی داغ آئے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین بن کر آئے ہیں، اس لئے ہم شہر پہ عذاب نہیں اتاریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار نے مسلمانوں پر ہمیشہ سے دہشت گردی روا رکھی ہے اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا ہے، پھر بھی وہ اُلٹا مسلمانوں کو دہشت گرد کہتے ہیں۔

[13] یعنی مومن اللہ کی طرف سے کھلی دلیل یعنی کتاب کا حامل ہے، جو ایک مکمل ضابطہ ہے۔ مگر کافر کے لئے اس کا کفر شیطان کی طرف سے آراستہ کیا گیا ہے اور اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، وہ صرف اپنی خواہشات ہی کی دلیل رکھتا ہے۔

[14] دنیا کا پانی اور دودھ خراب ہو جاتا ہے اور یہاں کی شراب خانہ خراب ایک بدبودار پیشاب ہے جسے پی کر انسان حیوان بن جاتا ہے اور یہاں کی شہد بھی صاف نہیں ہے اس میں کئی رگیں اور چھتے کے ذرات ہوتے ہیں، مگر جنت میں پانی، دودھ، شرابِ طہور اور صاف و شفاف شہد کی نہروں کا رنگ ہی نرالا ہے۔ حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں دودھ، پانی، شہد اور شراب کے مختلف سمندر ہیں، ان سے نہریں نکلتی ہیں۔''
(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت کی نہریں زمین کی کھائیوں میں چلتی ہیں؟ نہیں، وہ زمین کے اوپر چلتی ہیں اور ان کے کناروں پہ موتیوں کے ٹیلے ہیں اور ان کی مٹی خوشبودار کستوری سے زیادہ ہے۔" (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۰ بروایت ابن ابی الدنیا)

[15] یعنی مومن کے لئے جنتی نہریں، جنتی پھل اور بخشش ہے اور کافر کے لئے جہنم میں کھولتا پانی ہے۔ پھر کافر و مومن ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ تو دانش مند وہی ہے جو اپنے لئے بہتر راستہ اختیار کرے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا

اور کفار میں سے کچھ وہ (منافقین) ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں

لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ قف اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ

تو جنہیں علم دیا گیا ہے ان سے پوچھتے ہیں: انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝١٦ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

مہر لگا دی اور وہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہو گئے [16] اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی ہدایت بڑھا دیتا ہے

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝١٧ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ

اور انہیں ان کا تقویٰ عطا کرتا ہے۔ تو کیا وہ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ ان پر اچانک قیامت آ جائے؟ جبکہ

جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝١٨ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں۔ پھر جب قیامت آ جائے گی تو ان کا نصیحت پکڑنا کس کام کا؟ [17] تو تم جان لو کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

کوئی معبود نہیں اور (اے مخاطب) تم اپنے گناہ کے لیے اور (دوسرے) مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بخشش مانگو اللہ تمہارے پھرنے

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝١٩ ع

اور تمہارے ٹھکانے کو خوب جانتا ہے [18]

[16] مدینہ طیبہ میں حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظاہری میں منافقین کی جماعت بھی تھی، وہ آپ کی مجلس میں

حاضر ہو کر بظاہر بہت غور سے آپ کی باتیں سنتے تھے۔ مگر یہ ان کی اداکاری تھی وہ سنتے کچھ نہ تھے، صرف دکھاوا کرتے تھے۔ جب وہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے پاس نبوی علم کا خزانہ تھا، سے پوچھتے کہ ابھی آپ کیا فرما رہے تھے؟ یعنی ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں رسول کی باتیں کیسے سمجھ میں آئیں، اللہ نے ان کے نفاق کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہدایت کے طلبگار رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت بڑھا دی ہے اور انہیں تقویٰ عطا فرمایا ہے۔

[17] یعنی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے رسول اور قرآن جیسی کتاب کے مل جانے کے بعد کفار نصیحت پکڑنے کے لئے قیامت کے سوا کس چیز کے منتظر ہیں؟ قیامت کے دن تو ہر کوئی نصیحت پکڑے گا مگر اس دن نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ؟ کیونکہ عذاب دیکھ کر ایمان لانا قابلِ قبول نہیں ہے اور قیامت بھی دور نہیں، اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنا بھی قیامت کے قریب آ جانے کی نشانی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میں اور قیامت دونوں یوں اکٹھے بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۳۹)

اس لئے فرمایا گیا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① (قمر: ۱)

[18] یعنی اے قرآن کے سننے والے! تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم اللہ سے اپنی اور اپنے تمام مومن بھائیوں اور بہنوں کی بخشش مانگو، کیونکہ وہ تمہارے تمام چلنے پھرنے اور ٹھہرنے یعنی ہر حرکت و سکون سے واقف ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں امت کو خطاب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں

یہاں وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کا خطاب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے کہ عصمت انبیاء پر اعتراض آئے، بلکہ ہر مومن (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت) سے یہ خطاب ہے۔ کیونکہ اس سے قبل فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں بھی امت سے خطاب ہے اس لئے کہ نبی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر قائم رہے۔ یہ خطاب نبی کے ذریعے امت کے لئے مناسب تر ہے۔ اسی طرح وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کا خطاب بھی امت کے لئے ہے نہ کہ نبی کے لئے۔

چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں: و قیل الخطاب به والمراد به الامة۔ کہا گیا ہے کہ اس میں خطاب تو آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۲۴۲)

امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کے تحت یہی فرمایا کہ یہ خطاب بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، مگر حقیقت میں یہ خطاب ہر مومن سے ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وقیل ان الخطاب وان کان للنبی ﷺ فالمراد به غیره۔ اور کہا گیا ہے کہ اگر یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ہے، تو مراد دوسرے لوگ ہیں۔ (لباب التاویل جلد ۶ صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور قرآن کریم میں کئی جگہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے، مگر حقیقت میں آپ کی امت مراد ہے۔ آپ سے خطاب مراد نہیں ہوسکتا، جیسے: اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ﴿۲۴﴾ ''اگر تمہارے پاس تمہارے دونوں والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو انہیں اف مت کہو، انہیں مت جھڑکو اور ان سے نرمی کی بات کرو اور ان کے لیے رحمت کے ساتھ خدمت کے بازو بچھادو، اور کہو اے میرے رب! ان پہ رحم فرما جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔'' (بنی اسرائیل، ۲۳) اب رسول اللہ ﷺ کے والدین تو آپ کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے، اس لیے یہ خطاب آپ سے مراد نہیں ہوسکتا، بلکہ امت سے خطاب مراد ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ﴿۷﴾ پھر اس کے بعد کونسی چیز تجھے روز انصاف کے جھٹلانے پہ ابھارتی ہے۔'' (تین، ۷) اس آیت میں بھی امت سے خطاب مراد ہے۔ اسی طرح وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ میں بھی امت سے خطاب مراد ہے۔

لہٰذا اس آیت کا حضور سید کائنات ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ آپ سے بعض ایسی دعائیں مروی ہیں جن میں آپ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، جیسے آپ فرماتے ہیں اے اللہ! میرے ظاہری پوشیدہ اور اگلے پچھلے گناہ معاف فرما، اے اللہ! میرا بھول جانا اور میرا جان بوجھ کر کچھ کرنا، میری ہر خطا، میرا ہر جہل اور میرا ہر اسراف معاف فرما۔ (بخاری کتاب التہجد باب ۱، مسلم کتاب المسافرین حدیث ۱۹۹)

مگر ان دعاؤں کا مقصد تعلیم امت ہے اور آپ امت کو تعلیم دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں سے استغفار کیسے کریں؟ ورنہ حضور ﷺ کا گناہوں سے کیا تعلق ہے؟ اس سے استغفار کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ بھی کہ استغفار صرف اپنے لئے نہیں، بلکہ سب مسلمانوں کے لئے کرنا چاہیے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَآ أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ

اور ایمان والے کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ اتاری گئی پھر جب پختہ (حکم والی) سورت اتاری گئی

وَّذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُونَ إِلَيْكَ

اور اس میں قتال کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں مرض ہے، وہ آپ کی طرف

نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَأَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۣ

اس شخص کی طرح دیکھتے ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہو [19] تو ان کے لئے بہتر کام اطاعت کرنا اور بھلائی کی بات کہنا ہے،

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ

پھر جب حکم (جہاد) لازم ہو چکا تو اگر وہ اللہ سے سچ کہتے تو وہ ان کے لئے بہتر تھا، تو کیا تم سے یہی توقع ہے کہ

إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوٓا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ أُولٰٓئِكَ

اگر تم (جہاد سے) منہ پھیرو تو زمین میں فساد کرو گے اور اپنے باہمی رشتے کاٹ ڈالو گے، ایسے لوگوں پر

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰٓى أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

اللہ لعنت فرماتا ہے تو انہیں بہرا کر دیتا اور ان کی آنکھیں اندھی کر ڈالتا ہے۔[20]

جہاد سے پہلوتہی کا دنیوی واخروی عذاب

[19] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ میں تھے تو کفار کی ایذاء رسانیوں پر کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کفار سے جہاد کرنے کے حکم پر مشتمل کوئی سورت کیوں نہیں اُتارتا؟ پھر ہجرت کے بعد جب حکم جہاد پر مشتمل سورتیں اُترنے لگیں جیسے سورہ بقرہ وانفال وغیرہ تو مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے منافقین کو خوف کے مارے غشیاں آنے لگیں اور ایسی کسی بھی سورت کے نزول پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یوں دیکھتے جیسے خوف سے ابھی ان پر موت آجائے گی۔ یہ منافقین کا حال تھا مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب حکم جہاد ملا تو انہوں نے بدر واحد اور احزاب وحنین وغیرہ میں جاں بازی کی ناقابل فراموش داستانیں رقم کیں۔ معلوم ہوا جب جہاد کی ضرورت ہو اور اللہ کا قرآن جہاد کا حکم دیتا ہو تو اس سے خوف زدہ ہونا (جیسا کہ دور حاضر کے مسلم حکمرانوں کا حال ہے) منافقین کا طریقہ ہے اور حکم جہاد پر لبیک کہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔

[20] یعنی ان منافقین کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ہر حکم پر اطاعت بجالائیں اور بھلائی کی بات کہیں یعنی حکم جہاد پر لبیک کہیں۔ کیونکہ جب جہاد کا حکم قیامت تک کے لئے لازم ہوگیا ہے تو اب یہ تا قیامت نافذ رہے گا۔ ایسے میں بھلائی یہی ہے کہ وہ اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں۔ وہ وعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے تو وہ اللہ کو معبود مانتے ہوئے اس کے ہر حکم کو اور محمد مصطفی ﷺ کو رسول مانتے ہوئے ان کے ہر حکم کو پورا کرنے کا عہد کرتا ہے۔ مگر اے منافقو! کیا تم سے یہی توقع کی جائے کہ تم جہاد سے منہ موڑ کر فساد کی طرف رخ کرو گے اور باہمی تعلقات کو قطع کرو گے؟ کیونکہ جو لوگ جہاد سے منہ موڑ لیں، وہ آپس میں لڑنے لگتے ہیں اور شیطان کو ان میں پھوٹ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے اور ان پر اللہ کی لعنت برستی ہے اور اللہ انہیں بہرے اندھے کر دیتا ہے، جیسا کہ آجکل مسلمانوں کا حال ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) جہاد تا قیامت نافذ ہے: فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ سے واضح ہوا کہ جہاد کا حکم ہمیشہ کے لئے لازم ہو چکا ہے کیونکہ اس میں کوئی حد نہیں بتائی گئی کہ کب تک جہاد لازم ہے معنی یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے نافذ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ "تم کفار سے جہاد کرتے رہو تا آنکہ دین اللہ کے لئے ہو جائے (یعنی دنیا سے کفر مٹ جائے)" (بقرہ، ۱۹۳) اور حدیث مبارک میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الجهاد ماض الى يوم القيامة. "جہاد روز قیامت تک جاری ہے۔" (بخاری کتاب الجہاد باب ۴۴، ابو داود کتاب الجہاد باب ۳۳) لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کرنا قرآن کا انکار ہے۔ مرزا قادیانی نے کہا۔ ؎

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

لوگوں کو یہ بتاؤ کہ وقتِ مسیح ہے — اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸۰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۷)

(2) جہاد میں امتِ مسلمہ کا اتحاد ہے اور اس کے ترک میں امت کا فساد ہے۔ جیسا کہ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ سے ظاہر ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ بلکہ بعض دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں [21] بے شک جو لوگ پیٹھ

عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡهُدَی ۙ الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ

پھیر کر لوٹ گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی تھی، شیطان نے انہیں

لَهُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰی لَهُمۡ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ كَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ

فریب دیا ہے اور انہیں آرزوؤں میں ڈال دیا ہے [22] یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کو

سَنُطِیۡعُكُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۶﴾ فَكَیۡفَ اِذَا

ناپسند رکھنے والوں سے کہا: ہم بعض کاموں میں تمہاری بات مانیں گے اور اللہ ان کی رازداری کو جانتا ہے، تو ان کا کیا حال ہوگا

تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَ اَدۡبَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

جب ان کو فرشتے موت دیں گے ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ضربیں لگائیں گے یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اس راہ کو اپنایا

اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۲۸﴾ ع

جو اللہ کو ناراض کرتی ہے اور انہوں نے اللہ کی رضا کو ناپسند جانا تو اللہ نے ان کے اعمال ضبط کر لئے [23]

۳ ع

[21] جو لوگ قرآن کو اللہ کی نازل کردہ کتاب نہیں مانتے اور جو اسے مان کر اس کے مطابق عمل نہیں کرتے، ایسے لوگ قرآن میں صدق دل سے غور نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے مسلسل اعراض کی نحوست سے ان کے دلوں پر گمراہی یا غفلت کے تالے پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا مومن پر لازم ہے کہ وہ قرآن کو سمجھ کر پڑھے اور اس کے مضامین میں غور و فکر کر کے راہِ عمل اپنائے۔

[22] حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے اہل کتاب مراد ہیں، جنہوں نے تورات و انجیل کی روشنی میں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و صفات کو پہچان لیا، مگر پھر وہ منہ موڑ کر چل دیئے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول اس سے منافقین مراد ہیں جن پر حق واضح ہو گیا، مگر ان کو شیطان نے خواہشات کے پیچھے لگا دیا اور یہی قول بہتر ہے جیسا کہ اگلی آیت واضح کر رہی ہے۔

[23] منافقین کے رابطے یہود سے استوار تھے اور یہود کو اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید سے نفرت ہے، منافقین

یہود سے کہتے تھے کہ ہم حکم جہاد میں تمہارا ساتھ دیں گے مسلمانوں کا نہیں۔ اس لئے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین یہود کے اشارے پر یا ان کی خوشنودی کے لیے بدر میں شریک نہ ہوا اور احد میں راستہ سے لوٹ آیا اور احزاب میں اس نے کھل کر کفار کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ان کی اس رازداری سے واقف ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین کو موت کے وقت اپنا انجام معلوم ہوگا۔ جب موت کے فرشتے آکر ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ضربیں لگائیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ کی ناراضگی کا راستہ اپنایا اور اس کی رضا کو ناپسند جانا۔ تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے یعنی انہوں نے جو دکھاوے کی نمازیں پڑھیں یا صدقات دیئے وہ سب برباد ہو گئے۔

دورِ حاضر کے نام نہاد مسلم حکمرانوں کا حال انہی منافقین مدینہ کا سا ہے، یہ زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں مگر طاغوتی طاقتوں کے اشارے پر جہاد کو دہشتگردی قرار دیتے ہیں۔ جس طرح عبداللہ بن ابی حصولِ اقتدار کے لئے یہود کا آلہ کار بنا ہوا تھا، بعینہٖ یہی حال اکثر موجودہ مسلم حکمرانوں کا ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ

جن کے دلوں میں مرض ہے کیا وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے چھپے بغض و عناد کو ظاہر نہیں کرے گا؟ اگر ہم چاہتے

نَشَآءُ لَأَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ط وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ط

تو آپ کو یہ لوگ دکھا دیتے پھر آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان جاتے۔ اور ضرور آپ انہیں ان کے انداز گفتگو سے پہچان جائیں گے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ

اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ [24] اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے تاکہ ہم تم میں سے مجاہدوں اور صابروں کو

وَالصّٰبِرِيْنَ لا وَنَبْلُوَا۟ أَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

ممتاز کر دیں اور تمہارے حالات کو جانچیں [25]، بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے

اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لا لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

روکا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مخالفت کی، اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی تھی، وہ اللہ کو کچھ نقصان

شَيْئًا ط وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

نہ دے سکیں گے اور اللہ عنقریب ان کے اعمال کو برباد کر دے گا [26]

کفر، نفاق اور ایمان کی پہچان

[24] گزشتہ رکوع میں منافقین کے جہاد سے پہلوتہی کرنے کی بات کی گئی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ہمیشہ چھپے نہیں رہ سکتے اور وہ یہ مت سمجھیں کہ اللہ ان کے مخفی بغض و عناد کو ظاہر نہیں کرے گا اور اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر ہم چاہتے تو ان کے چہرے ایسے بنا دیتے کہ آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان جاتے مثلاً ان کے ہونٹ سیاہ یا آنکھیں نیلی کر دیتے، مگر ایسا کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ صورتوں کا مسخ کرنا ہے اور ایسے عذابات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی برکت سے اٹھا لئے گئے ہیں۔ البتہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ پر منافقین کا حال یوں واضح کر دیں گے کہ آپ ان کے اندازِ گفتگو ہی سے انہیں پہچان لیں گے اور اللہ تو ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ اس لئے وہ آپ کو بھی واقف کر دے گا۔

منافقین کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی منافق جونہی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بات کرتا آپ اسے پہچان لیتے تھے کہ وہ منافق ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو تم میں منافقین بھی ہیں، تو میں جس کا نام لوں وہ یہاں سے اٹھ جائے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا او فلاں! تم اٹھ جاؤ، او فلاں! تم اٹھ جاؤ، آپ نے چھتیس منافقین کا نام لیا، تو وہ اٹھ کر نکل گئے۔ ان میں سے ایک شخص بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں ملا کہ وہ چہرہ چھپا رہا تھا۔ انہوں نے اس کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نکال دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم پر ہمیشہ کے لئے پھٹکار ہو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منافقین کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ جیسا کہ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِيۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ سے ظاہر ہے اور یہ جو قرآن میں ہے: لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ ''آپ انہیں نہیں جانتے ہم اُنہیں جانتے ہیں۔'' (توبہ، ۱۰۱) تو یہ سمجھانے کا ایک انداز ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے سے ناراض ہو اور کوئی شخص اس کی سفارش کرے تو باپ کہتا ہے تم اسے نہیں جانتے، میں اسے میں جانتا ہوں۔ یعنی تم اس کی سفارش نہ کرو میں اسے ضرور سزا دوں گا۔ اسی لئے اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ''ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے۔'' (توبہ، ۱۰۱) اس کا یہ معنی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منافقین کا علم نہیں رکھتے تھے۔

(2) فراست ایمانی کی عظمت: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فراست ایمانی دی گئی کہ آپ منافقین کے لہجے ہی سے انہیں پہچان لیتے تھے اور ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ حجر حدیث ۳۱۲۷)

[25] یعنی ہم تمہیں جہاد کا حکم دیں گے پھر جذبۂ جہاد اور راہِ حق میں تکالیف پر صبر کا حوصلہ رکھنے والے مومنین میدان جہاد میں کود پڑیں گے اور منافقین حیلے بہانے کرنے لگیں گے، یوں مومنین اور منافقین میں امتیاز ہو جائے گا۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے موقع پر یہی ہوا، منافقین بہانے بنا کر گھروں میں دبک گئے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ (سورہ توبہ، ۹۰) ''اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح سفر کی تکالیف اٹھا کر غزوۂ تبوک میں شرکت کی وہ صبر و استقامت کی بے مثال داستان ہے۔''

معلوم ہوا جہاد کے وقت جہاد سے پہلو تہی کرنا منافقین کا کام ہے۔ آج بھی وقت جہاد ہے، کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق وغیرہ میں کفار مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں، ایسے میں دوسرے مسلم ممالک پر اپنے ان مسلم بھائیوں

کی مدد کے لئے جہاد فرض ہے، مگر اکثر مسلم حکمرانوں کا حال منافقین والا ہے۔ مسلم افواج اور مسلم قوم میں آج بھی جذبہ جہاد ہے مگر مسلم حکمران یہود و نصاریٰ کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

[26] جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور آپ کی صفاتِ حمیدہ کا ذکر پڑھ لیا، اس کے باوجود وہ کفر پہ ڈٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں فرمایا کہ وہ ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے، البتہ ہم ان کے کفر کے سبب ان کے اعمال برباد کر دیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾
اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو [27]
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، پھر وہ مر گئے اور وہ کافر ہی تھے، اللہ ہرگز ان کی
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ
بخشش نہیں کرے گا [28] تو تم کمزور نہ پڑو اور (کفار کو) صلح کی درخواست نہ دو جبکہ تم ہی غالب ہو
وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾
اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے اعمال برباد نہیں کرے گا۔ [29]

[27] اس کا ایک معنی یہ کہ اے مومنو! جب تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول کر چکے یعنی ایمان لا کر ان کی غلامی میں آ گئے تو اب کفر کر کے اپنے اعمال برباد نہ کرو، کیونکہ ایک بار کفر کرنے سے سابقہ تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور دکھاوا کر کے اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

دلیلِ ختم نبوت

یہاں سے ختم نبوت کا عقیدہ معلوم ہوا۔ لفظ الرَّسُوْلَ معرف باللام بتا رہا ہے کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے صرف ایک ہی رسول ہے اس سے زائد نہیں اور وہ محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور رسول فرض کر لیا جائے تو کیا وہ ہر حکم رسول اللہ ﷺ کے احکام کے مطابق ہی دے گا یا اس سے ہٹ کر بھی دے سکتا ہے؟ اگر وہ کسی حکم رسول کی مخالفت نہیں کر سکتا تو پھر اس میں اور ایک عام عالم دین میں فرق کیا رہ گیا؟ اور اگر مخالفت کر سکتا ہے تو پھر نصِ قرآنی اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ منسوخ ٹھہری اور ایسا سمجھنا صریح کفر ہے۔

[28] جو شخص کفر پر مرجائے اس کے لئے کوئی بخشش نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ''اللہ یہ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس کے لئے چاہے بخشش فرمادے گا۔'' (نساء، ۱۱۶)

[29] یعنی اے مومنو! جب تم اہل نجات ہو اور کفار اہل عذاب ہیں، تو پھر ان کے مقابلہ میں کمزور کیوں پڑتے ہو۔ کمزور مت پڑو اور ان سے صلح کی درخواست مت کرو یعنی تمہاری یہ حالت نہیں ہونی چاہیے کہ کفار سے صلح کی التجاء کرو اور ان سے اپنی زندگی کی بھیک مانگو، بلکہ اپنے اندر اتنی قوت پیدا کرو کہ کفار تم سے صلح کی درخواست کریں جیسے فرمایا گیا: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ۔ ''اگر کفار صلح کی درخواست کریں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہوجاؤ۔'' (سورہ انفال، ۶۱) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تم ہی غالب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری جہادی کوششوں کو ضرور کامیاب کرے گا۔ مگر صد فسوس! آج ہماری اخلاقی کمزوریوں کے سبب ہم کفار سے زندگی کی بھیک مانگ کر جی رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی مدد ہم سے روٹھ گئی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت زار بیان کرتے ہوئے جواب شکوہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے شکوے کا یوں جواب دیا۔

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو ۔۔۔ نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو ۔۔۔ بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک ۔۔۔ کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
حیدری فقر ہے نہ دولتِ عثمانی ہے ۔۔۔ تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے
آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا ۔۔۔ آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا
ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں ۔۔۔ راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ۔۔۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ

دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمہیں تمہارا اجر دے گا

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ إِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ

اور تم سے تمہارے اموال نہیں مانگے گا۔ اگر وہ تم سے اموال مانگے پھر اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور بخل تمہارے خفیہ کینے

أَضْغَانَكُمْ ۝۳۷ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ

ظاہر کر دے گا [30] یہ تم ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، تو تم میں سے

مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ

کچھ بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے جبکہ اللہ بے پرواہ ہے اور تم

الْفُقَرَآءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا أَمْثَالَكُمْ ۝۳۸

محتاج ہو [31] اور اگر تم منہ پھیرو تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (تم سے بہتر ہوں گے) [32]۔

[30] اے مومنو! دنیا کھیل تماشا ہے، جبکہ آخرت ہی حقیقی ولازوال زندگی ہے اور آخرت کا توشہ ایمان اور تقویٰ ہے اگر تم یہ توشہ جمع کرلو تو تمہیں آخرت کی بہتری کے لئے بہت سا مال خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اللہ تم سے اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے سارے اموال راہِ خدا میں خرچ کر دو۔ کیونکہ اگر وہ تم سے ایسا مطالبہ کرے تو تم مال کی طبعی محبت کی وجہ سے بخل سے کام لوگے اور یہ بخل تمہارے خفیہ کینہ کو ظاہر کر دے گا یعنی تم اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو جاؤ گے۔

[31] یعنی مومنوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے مگر ان میں سے کئی لوگ بخل کرتے ہیں یعنی فرض زکوٰۃ بھی نہیں دیتے تو ان سے کیسے متوقع ہے کہ سارے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں گے۔ بہر حال انسان کا یہ بخل خود اس کے اپنے نقصان کا باعث ہے جبکہ اللہ بے پرواہ ہے اسے انسان کے مال کی ضرورت نہیں ہاں انسان اللہ کا محتاج ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرے تا کہ اللہ اس کے مال میں برکت ڈالے۔

[32] یعنی اے مومنو! اگر تم اللہ کی راہ میں خصوصاً جہاد کے لئے مال خرچ کرنے سے منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا، جو تم سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دیں گے۔

عجمی مسلمانوں کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ

کون لوگ ہیں کہ اگر ہم نے منہ موڑا تو وہ ہماری جگہ لے لیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا "یہ اور اس کی قوم (عجمی لوگ) ہیں اور اگر دین ثریا پر ہو تو کچھ اہل فارس (عجمی لوگ) اسے وہاں سے بھی لے آئیں گے۔" (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۸۹، ترمذی کتاب التفسیر سورہ محمد ﷺ حدیث ۳۲۶۱)

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل عرب! اگر تم راہِ خدا میں مالی و جانی قربانی سے بالفرض اعراض کرو گے تو اللہ تعالیٰ اہل عجم کو تمہاری جگہ لے آئے گا۔ اس سے عجمی مسلمانوں کی عظمت معلوم ہوئی اور یہ کہ اللہ کا دین کسی خاص قوم کی مدد کا محتاج نہیں۔

اس کی تائید صحیح بخاری میں بھی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ (اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو پچھلے لوگوں کے لیے بھی مبعوث فرمایا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہیں ملے) (جمعہ، ۴) نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہیں؟ آپ نے خاموشی فرمائی، جب انہوں نے تین بار پوچھا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پشت پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر ایمان ثریا پر ہوگا تو ان لوگوں (عجمیوں) میں سے کوئی شخص یا بعض اشخاص اسے وہاں سے جالیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ حدیث ۴۸۹۷)

اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عجم سے اپنے دین کا وہ کام لیا، جو اہل عرب بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ کتب صحاح ستہ کے لکھنے والے تمام محدثین (صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ رحمہم اللہ) عجمی ہیں۔ انہوں نے ایک ایک حدیث کے حصول میں لمبے لمبے سفر کیے اور حدیث کے مجموعات تیار کیے۔ گویا انہوں نے قولِ رسول ﷺ کی عملی تفسیر کر دی کہ اگر دین ثریا پہ ہوگا تو بعض عجمی لوگ اسے وہاں سے بھی جا حاصل کریں گے۔

الحمد للہ آج 26 شعبان 1429ھ بمطابق 27 اگست 2008ء بروز بدھ بعد نماز ظہر سورہ محمد ﷺ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ الفتح

سورۃ فتح مدنی سورت ہے، یہ سورت 6 ھ میں حضور ﷺ کی حدیبیہ سے مدینہ طیبہ کی طرف واپسی کے دوران سفر میں نازل ہوئی۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی ایک سو گیارہویں سورت ہے، بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے بعد صرف سورہ مائدہ اور سورہ براءت نازل ہوئیں۔ اسے سورۃ الفتح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١ (فتح:۱) اس سورت میں چار (4) رکوعات انتیس (29) آیات اور پانچ سو پچانویں (595) کلمات ہیں۔

فضیلت

حضور سرورِ کونین ﷺ اس سورت کو عموماً نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بار نماز فجر میں ساری سورہ فتح تلاوت فرمائی۔ (تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۵۰۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور سید کائنات ﷺ نے سورہ فتح تلاوت فرمائی اور اسے بار بار دہرایا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ فتح حدیث ۴۸۳۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات مجھ پر ایک سورت نازل کی گئی ہے جو مجھے دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے محبوب تر ہے وہ یہ ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ فتح حدیث ۴۸۳۳)

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں صلح حدیبیہ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے فتح مبین قرار دیا گیا، یعنی بتایا گیا کہ مستقبل میں یہ صلح آپ کے لیے فتح مبین ثابت ہوگی، تو اسی طرح ہوا۔ پھر ایمان والوں کو مژدۂ جنت اور کفار و منافقین کو مژدۂ نار دیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں بیان فرمائی گئیں۔ دوسرے رکوع میں بتایا گیا کہ منافقین سفر حدیبیہ میں شامل نہ ہوئے، آئندہ انہیں کسی سفر میں شامل نہ کیا جائے۔ البتہ جو لوگ کسی صحیح عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے ان پہ کوئی اعتراض نہیں۔ تیسرے رکوع میں حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں کے ایمان کی گواہی دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا، پھر سفر حدیبیہ کے بعض احوال بتائے گئے اور آخری رکوع میں بشارت دی گئی کہ عنقریب تم مسجد حرام میں فاتحانہ داخل ہوگے، پھر ہمارے آقا و مولا امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعلان کیا گیا اور آپ کے ساتھیوں کی عظمتیں رفعتیں بیان کی گئیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۲۹ ۴۸ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۱ رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا

بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی [1] تاکہ اللہ آپ کی وجہ سے آپ (کی امت) کے اگلے پچھلے گناہ

تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ

معاف فرما دے [2] اور آپ پر اپنی نعمت تمام کر دے اور آپ کو سیدھی راہ پر چلائے اور آپ کو

نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳

زبردست مدد عطا فرمائے [3]

حضور ﷺ کے فضائل اور آپ کے پیروکاروں کی عظمت

[1] اس سے بعض مفسرین نے فتح مکہ مراد لی ہے مگر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے صلح حدیبیہ پر محمول کیا ہے کہ جس کے فوراً بعد یہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور بلاشبہ یہ صلح کئی لحاظ سے مسلمانوں کے لئے کھلی فتح بلکہ فتوحات کا دروازہ ثابت ہوئی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا تم فتح مکہ کو فتح مبین سمجھتے ہو، بے شک وہ بڑی فتح ہے مگر ہم حدیبیہ میں بیعت رضوان کو فتح مبین سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ فتح)

صلح حدیبیہ کو فتح مبین کیوں کہا گیا؟

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یہ تو کوئی فتح نہیں ہے، ہمیں بیت اللہ سے روک دیا گیا اور ہمارے دو مسلمان افراد کو کفار کے حوالے کرنا پڑا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا: یہ کیا بُری گفتگو ہے؟ یہ فتح مبین ہے۔ مشرکین تم سے صلح کرنے پر مجبور ہوئے، آئندہ وہ تم پر حملہ نہ کرسکیں گے حالانکہ وہ (بدر، احد اور احزاب میں) تم سے کئی زخم کھا چکے ہیں۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۰۹ بروایت بیہقی)

یاد رہے سن 6ھ میں حضور سید عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ احرام باندھ کر مکہ گئے ہیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر بعض نے حلق کروایا ہے اور بعض نے قصر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ خواب سن کر بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ ہجرت کے بعد چھ برس سے دیدار کعبہ کو ترس رہے تھے۔ چنانچہ یکم ذی قعدہ 6ھ کو چودہ سو صحابہ آپ کے ساتھ احرام باندھ کر عازم مکہ ہوئے، مگر کفار مکہ نے انہیں شہر مکہ سے باہر میدان حدیبیہ میں روک دیا۔ دو ہفتے تک یہاں حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تپتی ریت پر کڑی دھوپ میں قیام پذیر رہے۔ آخر کفار سے معاہدہ ہوا کہ مسلمان اس بار یہیں احرام کھول کر واپس چلے جائیں گے اور اگلے برس اسی ماہ میں آکر عمرہ کر سکیں گے۔

اور یہ بھی طے پایا کہ دس برس تک جنگ بندی رہے گی، مسلمانوں اور کفار میں سے کوئی کسی پر حملہ آور نہ ہوگا بلکہ کوئی فریق دوسرے فریق کے حلیف قبیلہ پر بھی حملہ نہیں کرے گا۔ مگر کفار مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر 8ھ میں حملہ کیا اور ان کے کئی آدمی مار دیئے۔ بنو خزاعہ حضور ﷺ کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ آپ نے اسی وقت کفار مکہ کو پیغام بھیجا کہ تمہاری اس حرکت کے سبب ہمارا تمہارا معاہدہ ختم ہوا، اب ہم تمہیں اس کا مزہ چکھائیں گے، چنانچہ آپ نے رمضان 8ھ میں مکہ پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا اور سرزمین حرم پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ گویا صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ کے لئے سبب بنی، اسی لئے اسے فتح مبین کہا گیا۔ پھر اس صلح کے بعد مسلمان اور کفار ایک دوسرے کے شہروں میں آزادانہ آنے جانے لگے جس کی برکت سے اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ صلح حدیبیہ میں 6ھ میں چودہ سو صحابہ شامل ہوئے اور دو برس بعد 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز تھی۔ اس لئے بھی صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا۔

[2] یہاں ذَنۢبِكَ میں لفظ ذنب (بمعنی گناہ) کی نسبت بظاہر نبی اکرم ﷺ کی طرف کی گئی ہے اور یہ چیز قرآن و حدیث سے ثابت عقیدۂ عصمت انبیاء سے متصادم ہے۔ اس لئے اس آیت کے معنی میں ائمہ تفسیر و حدیث نے مختلف تعبیرات کی ہیں، جو یہ ہیں۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کی تفاسیر

اول:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ میں مِنْ ذَنۢبِكَ اصل میں مِنْ ذَنْبِ اُمَّتِكَ ہے۔ معنی یہ ہے "تاکہ ہم آپ کے لئے آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیں" حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کی کئی وجوہ ہیں: اَحَدُها المرادُ ذنوبُ المؤمنین ان میں سے ایک یہ ہے کہ مِنْ ذَنۢبِكَ سے مومنین کے گناہ مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۹۹ مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

گویا امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کو سب سے پہلے بیان کر کے بتا دیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اس آیت کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و قیل المرادُ بذالك امتهٗ کہا گیا ہے کہ اس من ذنبك سے آپ کی امت (کا گناہ) مراد ہے۔ (الشفا جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: المرادُ الغفران لبعضِهم اوسلامتُهم من الخلود فی النار اس (مغفرت ذنب) سے مراد مومنوں میں سے بعض کی بخشش اور بعض کا جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچنا مراد ہے۔

(نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ کراچی)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے اس سے قبل جو آپ کے والدین آدم وحوا کی خطاء ہو چکی اور جو اس کے بعد آپ کی امت کے گناہ ہوں گے، انہیں بخش دے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۸۸)

امام احمد بن محمد قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام سمرقندی اور امام سلمی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ماتقدم من ذنبك و ماتأخر کا یہ معنی ہے کہ اس سے قبل آپ کے باپ آدم علیہ السلام سے جو خطاء ہو چکی اور جو آپ کی امت کے گناہ باقی ہیں، انہیں بخش دے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ مقصد ۶ مطبوعہ بیروت)

عارف ربانی امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسی ہی گفتگو کی ہے۔

(روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۹، مظہری جلد ۹ صفحہ ۴)

اور بلاشبہ ائمہ حدیث وتفسیر کا ذکر کردہ یہ معنی بہت عمدہ ہے اور اس سے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ ① اور لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ الخ کا باہمی ربط بھی سمجھ میں آتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے غلبۂ دین کے لئے آپ کے مسلسل جہاد وقتال کی وجہ سے آپ کو فتح مبین دی ہے (اور یہ جہاد اور غلبہ دین کسی دوسرے نبی کے حصہ میں نہ آیا) تاکہ اس کا آپ کو یہ اجر دیا جائے کہ آپ کی شفاعت سے آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جائیں یعنی روز قیامت آپ کو مقام شفاعت عطا فرمایا جائے اور بلاشبہ حدیث کے مطابق آپ کے ہاتھوں ہی روزِ قیامت باب شفاعت کھلے گا اور سب لوگوں کی بخشش آپ کی شفاعت کی برکت سے ہوگی۔

دوم:

عربی میں لفظ ذنب بمعنی الزام بھی آتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۚ ⑭ (فرعونیوں کا مجھ پر ایک الزام ہے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے) (شعرآء، ۱۴) اور غَفَرَ يَغْفِرُ کا معنی چھپانا بھی ہے جیسے عربی میں کہتے ہیں: غَفَرَ شَيْبَهٗ بِالْخِضَابِ اس نے خضاب کے ذریعے اپنا بڑھاپا چھپالیا۔

(منجد) تو لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کا یہ معنی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مبین دی تا کہ اللہ آپ کی خاطر آپ کے اگلے اور پچھلے الزامات چھپا دے (محو کر دے)۔

دراصل کفار مکہ حضور ﷺ کو شاعر، کاہن، مجنون اور جادوگر ہونے کے الزامات دیتے تھے اور ہجرت کے بعد جب کفار سے جہاد شروع ہوا تو آپ پر فساد انگیزی، خوں ریزی اور بھائی کو بھائی سے لڑانے کے الزامات لگائے گئے۔ مگر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کی صورت میں واضح غلبہ دیا تو اس سے آپ پر لگائے گئے الزامات لوگوں کے دلوں سے محو ہو گئے اور آپ کی رسالت کی صداقت کھل کر سامنے آ گئی اور آپ کے بارہ میں پہلی آسمانی کتابوں کی پیش گوئیاں پوری ہوئیں کہ آپ کو آپ کے وطن سے نکالا جائے گا پھر آپ واپس اپنے وطن میں غلبہ کے ساتھ آئیں گے۔ یوں اس فتح مبین نے حضور سید کائنات ﷺ پر لگے ہوئے سارے الزامات دور کر دیئے۔

یہی وجہ ہے کہ جب فتح مکہ ہوئی تو لوگ فوج در فوج اسلام میں آنے لگے کیونکہ اس فتح کی بدولت سارے الزامات دھل گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝ (سورہ نصر، ۱، ۲)

سوم:

مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ سے یہاں وہ امور مراد ہیں جو خلاف اولیٰ یا نسیان کے زمرہ سے ہیں، اگر چہ وہ کسی لحاظ سے گناہ نہیں ہیں۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں یہ امور بھی بسا اوقات قابل مواخذہ ہو جاتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے احوال پر قرآن نے ان کا عند اللہ ابتلاء بیان کیا ہے اور حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں اس کی مثال اسیرانِ بدر کے معاملہ اور غزوۂ تبوک سے قبل منافقین کو اس غزوہ میں عدم شمولیت کی اجازت دینے کی شکل میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ یعنی "کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں تسلط نہ جما لے۔" (انفال، ۶۷) اور فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ‌ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ۔ "اللہ آپ کو عافیت میں رکھے، آپ نے ان کو کیوں اجازت دیدی؟" (توبہ، ۴۳)

اس لئے امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: و قیل المرادُ بالذنبِ ترکُ الاولیٰ اور کہا گیا ہے کہ یہاں ذنب سے ترک اولیٰ مراد ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے ہاں گناہ ہوتی ہیں۔

(مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴ مقصد ۶)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ثانیھا المرادُ بالذنبِ ترکُ الافضل دوسرا معنی یہ ہے کہ یہاں ذنب سے مراد ترکِ افضل ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۶۶)

اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وقیل المراد ما کان عن سھو وتأویل، یعنی کہا گیا ہے کہ یہاں ذنب سے مراد وہ معاملات ہیں جو آپ سے بھول اور تاویل (اجتہاد) کے طور پر صادر ہوئے۔

(الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ مطبوعہ مکتبہ فاروقی ملتان)

اور امام المتکلمین علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ومانقل متواترا اومنصوصا فی الکتاب محمول علی السھو والنسیان او ترک الاولیٰ۔ جو امور (متعلقہ ذنب) تواتر سے منقول ہیں یا قرآن میں جو بیان ہوا ہے، وہ سہو ونسیان یا خلافِ اولیٰ پہ محمول ہے۔ (شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ دار المعارف لاہور)

چہارم:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اظہار تکریم وتشریف کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ الخ فرمایا ہو، حالانکہ آپ کے دامن میں کوئی خطاء نہیں ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص سے خوش ہو کر کہے: جاؤ تمہارے سات خون معاف، حالانکہ اس نے ایک خون بھی نہیں کیا ہوتا، مگر اس کا مقصد صرف اس کی عزت بڑھانا ہے، امام ابن کثیر نے یہی معنی اختیار کرتے ہوئے کہا: آپ نیکی واستقامت کے سب سے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں اور ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ فرمایا جانا محض آپ کے لئے بیانِ شرافت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۸)

یہ چاروں مذکورہ معانی اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان کا مقصد عقیدۂ عصمتِ انبیاء اور مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ ہے۔

یاد رہے جو حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ساری رات کیوں شب بیداری کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ) کہہ کر، آپ کے اگلے پچھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۱۲)

اور جو حدیث مبارکہ میں ہے کہ روز قیامت سب لوگ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں لہٰذا آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

تو ان احادیث میں بھی، مذکورہ معانی مراد ہیں یعنی امت کے گناہوں کی بخشش مراد ہے یا آپ کے خلافِ اولیٰ امور کی بخشش مراد ہے، وغیرہ۔

دورِ حاضر کے اردو مترجمینِ قرآن میں سے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ چار تفاسیر میں سے پہلی تفسیر اختیار کرتے ہوئے یوں ترجمہ کیا: (تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں

کے۔)(ترجمہ کنزالایمان مع نورالعرفان صفحہ ۸۱۴)

اور بلاشبہ یہ ترجمہ بہت خوبصورت اوراس آیت کی مذکورہ بالا تفاسیر میں سے پہلی تفسیر پہ مشتمل ہے۔

یہاں اُن اردو مترجمین پر صد افسوس ہے جنہوں نے مسلمانوں کے اجماعی عقیدۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام اور عظمت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پس پشت ڈالتے ہوئے یوں ترجمہ کیا: ''تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے'' (مولانا اشرف علی تھانوی) ''تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ معاف کر دے'' (مولانا محمد جونا گڑھی) ''تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے'' (مولوی عبدالماجد دریا آبادی) ''تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر کرے'' (سید ابوالاعلیٰ مودودی) ان تراجم سے یوں لگتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس آیت کے نزول سے قبل اور بعد ساری زندگی خطائیں، گناہ اور کوتاہیاں کرتے رہے (معاذ اللہ)

[3] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس لئے فتح مبین دی گئی تا کہ اللہ آپ پر اپنی نعمت تمام کر دے اور آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہر نعمت تمام کر دی خواہ وہ جسمانی ہو یا روحانی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ نعماء الٰہیہ کی تکمیل

چنانچہ جسمانی طور پر حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے مثال حسن و جمال اور غیر معمولی صحت و توانائی دی گئی۔ آپ کا حسن دیکھ کر صحابہ نے کہا آپ کا چہرہ ایسے تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ نہ ہم نے آپ سے قبل آپ جیسا کوئی حسین دیکھا نہ بعد میں۔ (مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۶ نقلاً عن البیہقی)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر مشہور ہے:

واحسن منك لم تر قط عيني	و اجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأً من كل عيب	كأنك قد خلقت كما تشاء

ترجمہ: آپ سے حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے جمیل کسی عورت نے نہیں جنا، آپ ہر عیب سے پاک بنائے گئے، جیسے آپ اپنی مرضی کے مطابق بنے ہیں۔

تریسٹھ برس کی عمر شریف میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک بیس برس کے نوجوان کی طرح سیاہ تھی اور آپ کو چالیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی۔ (مدارج جلد ۱ صفحہ ۷۸۶)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دنیوی نعمتیں ہیں اور روحانی طور پر سب سے اعلیٰ نعمتیں عبادت و ریاضت اور اخلاقِ حسنہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کی آپ پر انتہا فرما دی۔ پھر کچھ نعمتیں دنیوی ہیں کچھ اخروی۔ دنیوی نعمتوں کی مثال یہ ہے جیسے مال و دولت، اقتدار، نیک بیوی اور اولاد وغیرہ۔ مال و دولت کی جگہ آپ کو قناعت و زہد دیا گیا جو مال سے کہیں بڑھ کر

ہے۔اسی لیے حدیث مبارکہ میں ہے کہ اصل غنا غنائے نفس ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو احد پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلے۔آپ کا اقتدار آپ کے وصال سے قبل تبوک سے عدن اور طائف سے حبشہ تک پھیل چکا تھا۔پھر آپ کے خلفاء کا اقتدار چند ہی برسوں میں زمین کے ایک تہائی رقبہ پر پھیل گیا۔آپ کے حرم میں نو ازواج مطہرات تھیں اور سب آپ پر جان چھڑکتی تھیں، یہ بھی دنیوی اعتبار سے ایک کامیاب ترین انسان کی علامت ہے اور آج آپ کی اولاد ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

جبکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کی حقیقی شان ظاہر فرمائے گا، آپ ہی کے دستِ مبارک سے بابِ شفاعت کھولا جائے گا، آپ ہی کے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور آپ ہی کی امت سب سے قبل جنت میں جائے گی۔ یہ سب وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ کے جلوے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو اس لئے بھی فتح مبین عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کو سیدھی راہ پر چلائے اور آپ کی زبردست مدد کرے۔یعنی جب فتح مبین کے نتیجہ میں آپ کا دین زمین میں مستحکم ہونے والا ہے تو ہم نے آپ کو قرآن کی صورت میں مکمل ہدایت نامہ دیا ہے تاکہ آپ کی امت اس پر کاربند رہ کر دنیا پہ غالب رہے، وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ سے اسی طرف اشارہ ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ

اللہ وہ ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون اُتارا، تاکہ ان کا ایمان مضبوط سے

اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۟ۙ

مضبوط تر ہو اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ

لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

علم والا حکمت والا ہے۔ تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ان جنتی باغات میں داخل کرے

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے گناہ مٹا دے اور یہ اللہ کے ہاں

عَظِیْمًا ۟ۙ وَّ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ

عظیم کامیابی ہے۔ اور تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں ۔ اور مشرک مردوں

الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ

اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے بارہ میں بُرا گمان رکھتے ہیں، انہی پر بُرائی لوٹنے والی ہے ان پر اللہ نے

عَلَیْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۟ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ

غضب کیا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کیا ہے اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے اور اللہ ہی کے لئے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۟

آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے[4]

[4] صلح حدیبیہ کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو فتح مبین ملی، اس کی برکت سے جیسے جیسے ان پر فتوحات کے دروازے کھلتے گئے ان کے دلوں میں سکون اترتا گیا اور ان کا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ کیونکہ آسمان و زمین کے سب لشکر اللہ کے ہیں، جب مومنین اس کی راہ میں جہاد کے لئے مخلص ہوں تو اللہ فرشتوں، ہواؤں، پانی اور شمس و قمر کو

ان کی مدد میں لگا دیتا ہے۔ یہ اس لئے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین مردوں عورتوں کو ان کی جانی و مالی قربانیوں کے سبب جنت میں داخل کرے اور ان کی نیکیوں کے سبب ان کے گناہ معاف کر دے اور منافق و مشرک مردوں عورتوں کو عذاب دے، کیونکہ وہ اللہ کے بارہ میں بُرا گمان رکھتے ہیں کہ اللہ مومنوں کی مدد نہیں کرے گا اور کفار کے کفر کے باوجود ان پر نوازشات فرماتا رہے گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کفار پر بُرائی مسلط کر دی ہے، اس طرح کہ دنیا میں ان پر غضب ہے کہ ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اور آخرت میں ان کے لئے لعنت (رحمت سے دوری) ہے لہٰذا ان کے لئے دائمی جہنم تیار ہے۔

اس مضمون کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کے سب لشکر اللہ کے ہیں لہٰذا کفار کو دنیا و آخرت میں مبتلائے عذاب کرنے سے اللہ کو کوئی نہیں روک سکتا اور اللہ غالب ہے، مگر وہ اپنے غلبہ کو حکمت سے ظاہر فرماتا ہے۔ لہٰذا دنیا میں کفار کے عارضی غلبہ سے کوئی شخص دھوکہ نہ کھائے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٨ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

بے شک ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ [5]

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ

اور رسول کی عظمت بتاؤ اور ان کی تعظیم بجا لاؤ اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کہو [6] بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ

اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ

(حقیقت میں) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے یہ بیعت توڑی وہ اپنے ہی

عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٠

نقصان کے لئے توڑے گا۔ اور جس نے وہ بات پوری کی جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا۔ [7]

ع ۱

[5] امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد بنایا ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی پہلی تخلیق ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کے شاہد ہیں اور ارواح، نفوس، اجرام، ارکان، اجسام، معادن، نباتات، حیوانات، جنات، ملائکہ اور انسان، الغرض عدم سے وجود میں آنے والی ہر مخلوق پر آپ شاہد ہیں۔

(تفسیر روح البیان جلد ۹ صفحہ ۱۸)

اور آپ بشیر و نذیر ہیں یعنی اللہ و رسول پر ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت اور ان سے انکار کرنے والوں کو جہنم

کا ڈر سناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے لفظ شاهد کے کیا کیا معانی ہیں اور ان سے آپ کی عظمت کے کیا کیا پہلو نکلتے ہیں اس کی تفصیل اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (احزاب، ۴۵) کے تحت ہم لکھ چکے ہیں۔

[6] امام بغوی فرماتے ہیں: تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ میں ضمیر مفعول اپنے ماقبل و رسولہ میں لفظ رسول کی طرف لوٹتی ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۹۰)

امام خازن فرماتے ہیں زمخشری کے علاوہ تمام مفسرین نے تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ میں ضمیر مفعول کا مرجع رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے۔ (تفسیر خازن جلد ۶ صفحہ ۱۹۱)

امام قرطبی فرماتے ہیں وَتُوَقِّرُوْهُ پر وقف تام ہے اور تُسَبِّحُوْهُ سے نیا کلام شروع ہوتا ہے، جس کا قرینہ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۲۶۸)

گویا تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر دل و جان سے بجالاؤ۔

تعظیم رسول ﷺ کے تقاضے

اس کے تقاضوں میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے، حضور ﷺ کے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام کیا جائے، آپ کے دین کے وارث علماء حق اور اولیاء کاملین سے عقیدت رکھی جائے، بلکہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم کی جائے، کیونکہ وہ حقیقت میں آپ کی تعظیم ہے۔ چنانچہ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سرور کونین ﷺ کی حجامت کے بالوں اور ناخنوں کو دنیا کی سب سے قیمتی چیز سمجھ کر سنبھال لیتے تھے۔

کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا شرک نہیں تعظیم رسول ﷺ ہے

مساجد اہل سنت میں نماز جمعہ اور دیگر اجتماعات کے بعد کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھا جاتا ہے، لوگ حلقہ بنا کر بصورت قیام درود و سلام پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے نماز سے مشابہت قرار دے کر حرام بلکہ شرک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کھڑے ہونا ذکر رسول ﷺ کے احترام کے لئے ہے جیسے قرآن کو بھی کئی قراء تعظیماً کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔ یونہی مدینہ طیبہ میں جالی شریف کے سامنے کھڑے ہو کر دست بستہ سلام عرض کیا جاتا ہے یہ احترام رسول ﷺ ہے جو وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ میں شامل ہے، مگر وہاں کے نجدی علماء اسے شرک اور نماز سے مشابہت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت زائرین کی پشت قبلہ کی طرف ہوتی ہے۔ کیا منکرین کے ہاں کوئی نماز ایسی ہے جو حلقہ بنا کر یا قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھی جاتی ہو؟ تو پھر یہ کونسی نماز سے مشابہت ہے۔

[7] جب ذی قعدہ 6ھ میں کفار نے حضور سید عالم ﷺ کو برائے ادائیگی عمرہ مکہ میں داخل ہونے سے مقام حدیبیہ

پر روک دیا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر کفارِ مکہ کے پاس بھیجا، کیونکہ کئی اہل مکہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مالی احسانات تھے۔ کفار نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا: تم مکہ میں آ گئے ہو تم عمرہ کر سکتے ہو مگر ہم حضور ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف لا کر طواف نہیں کریں گے، میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۲۴)

پھر کفار نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں محبوس کر لیا جس سے یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ تب حضور سید عالم ﷺ نے میدان حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی کہ ہم خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے، خواہ اس کے لئے جان دینا پڑے، تو ہر صحابی نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی، اللہ کو یہ بیعت (بیعت رضوان) اس قدر پسند آئی کہ یہ آیت اتاری اور فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے انہوں نے حقیقت میں اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ ان کے ہاتھوں پہ جو آپ کا ہاتھ تھا، وہ حقیقت میں اللہ کا ہاتھ تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب جو شخص اس بیعت کو توڑے وہ اپنا نقصان کرے گا اور جو اس وعدہ کو پورا کرے جو اس نے اللہ سے کیا، تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا۔ یعنی اس بیعت کی صورت میں یہ عہد کیا گیا کہ ملتِ اسلامیہ اپنے ہر فرد کو اپنے جسم کا حصہ جانے اور اس کے خون کے تحفظ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرے یعنی یہ بیعت صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کے لئے نہ تھی بلکہ حقیقت میں ہر مسلمان کے خون کے تحفظ کے لئے تھی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہتا ہے

اور اس کا مقصد عظمت وشانِ رسالت کا بلند کرنا ہے تا کہ اہل ایمان جان لیں کہ جب حضور ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے تو آپ کا دینا اللہ کا دینا ہے اور آپ کا حکم اللہ کا حکم ہے اور آپ سے عہد کرنا اللہ سے عہد کرنا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ''جب آپ نے کنکریاں ماریں تو وہ آپ نے نہ ماریں بلکہ اللہ نے ماریں۔'' (انفال، ۱۷) اس لئے فرمایا گیا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ''جس نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' (نساء، ۸۰)

بزرگانِ دین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا جواز

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن تو پہلے ہی سے تھے، پھر ان کی یہ مذکورہ بیعت (بیعت رضوان) دین کے لئے جدوجہد کرنے کی بیعت تھی۔ یہاں سے بیعتِ مرشد کا سلسلہ آگے چلا اور آج بزرگانِ دین کے ہاتھ پر لوگ جو بیعت کر کے ان کے مرید بنتے ہیں یہ بھی دین پر استقامت اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی بیعت ہوتی ہے۔ مگر جس کے ہاتھ پر بیعت کی

جائے پہلے اس کا کردار دیکھنا چاہیے کہ سنت نبوی کے مطابق ہے یا نہیں۔ افسوس آج بھنگی، چرسی، بدکردار، بے ریش اور بدعقیدہ لوگوں کی بیعت کی جارہی ہے، یہ دین پر ظلم ہے۔

پوری امتِ اسلامیہ جسد واحد کی طرح ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذکورہ بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ فرمایا کہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ایک فرد (عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کو اپنے جسم کا حصہ جانا اور ان کے تحفظ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کی بیعت کی اور حدیث مبارک ہے: المؤمنُ للمؤمنِ كالبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهَا بعضاً۔ ''مومن مومن کے لئے ایسے ہے جیسے دیوار کہ اس کا ہر حصہ (ہر پتھر) باقی حصوں کو مضبوط کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۱۸) افسوس آج ہم یہ سبق بھول گئے۔ آج امریکہ جس مسلمان کو دہشت گرد کہے۔ مسلم حکمران اسے پکڑ کر امریکی درندوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کیا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ کے پس منظر میں ہمیں یہی سبق مل رہا ہے؟

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

(سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہنے والے دیہاتی لوگ عنقریب کہیں گے: ہمیں ہمارے اموال اور گھر والوں نے مصروف کر دیا تھا،

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ قُلْ فَمَنْ

آپ ہمارے لئے استغفار کریں۔ وہ یہ باتیں اپنی زبانوں سے کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ آپ فرمائیں تمہیں

يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۗ بَلْ

کون اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ تمہارے لئے نقصان چاہے یا نفع کا ارادہ کرے؟ [8] بلکہ

كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ

اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے ،بلکہ تم نے سمجھا کہ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ

اور اہل ایمان اپنے گھر والوں کی طرف کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے، یہ بات تمہارے دلوں میں آراستہ کر دی گئی اور تم نے

السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ

بری سوچ سوچی، اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يَغْفِرُ

ایسے منکروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کی ہے اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہ جس (مجرم) کو چاہے

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بخشنے والا بہت رحم والا ہے۔ [9]

ان منافقین کی برائی جو منافقت کے ساتھ غزوہ حدیبیہ سے پیچھے رہے

[8] 6ھ میں جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کے لئے نکلے تو منافقین میں سے

کوئی بھی ساتھ نہ نکلا۔ وہ سمجھتے تھے کہ کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں کی تین جنگیں ہو چکی ہیں اور کفار بھاری جانی نقصان اٹھا چکے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف انکا غیظ وغضب شدید تر ہے، تو اب بلا اسلحہ خالی ہاتھ حالت احرام میں دشمنوں کے شہر میں جانا موت کو گلے لگانے کے برابر ہے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خواب پر یقین تھا جو آپ نے انہیں یوں سنایا تھا: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ الخ (فتح، ۲۷) اس لئے وہ پورے جوشِ ایمانی کے ساتھ آپ کے ساتھ ہو لئے۔ چنانچہ حدیبیہ میں انہیں روک لیا گیا پھر ان کے اور کفار کے مابین ایک معاہدہ صلح طے پایا، جو آنے والے وقت میں مسلمانوں کے لئے کامیابیوں کا زینہ بن گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس مدینہ طیبہ کو چلے تو راستہ میں یہ سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارہ میں فرمایا: اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ مدینہ کے آس پاس دیہات کے رہنے والے منافقین جو عمرہ کے لئے آپ کے ساتھ نہ نکلے اور پیچھے بیٹھ رہے تھے، وہ عنقریب آپ کے پاس معذرت خواہی کے لئے آئیں گے اور کہیں گے: ہماری مالی اور خانگی مصروفیات نے ہمیں آپ کے ساتھ جانے سے روک دیا تھا۔ ہم سے غلطی ہوئی، آپ ہمارے لئے بخشش مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دلوں میں معذرت نہیں ہے وہ زبان سے منافقانہ بہانے بناتے ہیں۔ آپ ان سے فرمائیں کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے اگر وہ تمہیں کوئی نفع یا نقصان دینا چاہے، تو کیا تم اسے اس کے کسی فیصلے سے روک سکتے ہو؟ جب نہیں روک سکتے تو پھر تم اللہ اور اس کے لئے رسول پر بھروسہ کیوں نہیں رکھتے اور ان کی بات کیوں نہیں مانتے؟

یہاں شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا سے معلوم ہوا کہ مال اور اولاد کی محبت میں کھو کر اللہ اور اس کے رسول کا حکم توڑنا منافقانہ طریقہ ہے (جیسے کئی لوگ مال و اولاد کی محبت میں کھو کر حلال وحرام کا امتیاز ختم کر دیتے ہیں) اور مال و اولاد کی محبت کو پس پشت ڈال کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالانا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان ہے۔

[9] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پیچھے رہنے والے منافقین سے یہ بھی فرما دیں کہ تم سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کفارِ مکہ کے ہاتھوں سے بچ کر واپس نہیں آئیں گے، وہیں ختم ہو جائیں گے (معاذ اللہ) تو تم نے سخت بُری سوچ سوچی، اب اس کے بدلے خود تم پر ہلاکت آئے گی۔

بیعتِ حدیبیہ میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی گواہی قرآن دیتا ہے

لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ میں 6ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عمرہ کے لئے جانے اور معاہدۂ حدیبیہ میں شامل ہونے والے صحابہ کے ایمان کی گواہی دی گئی ہے، کیونکہ ان کی قوت ایمانی انہیں حکم رسول پر خالی ہاتھ، غیر مسلح اور حالتِ احرام میں جان کے دشمن کفار مکہ کے شہر میں لے گئی۔ پھر قوت ایمانی ہی کے سبب انہوں نے حدیبیہ میں دستِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانبازی کی بیعت کی، پھر ان کے ایمان کی گواہی یوں بھی دی گئی: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ

يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ ''اللہ ان مومنوں پر راضی ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔''

(سورہ فتح، ۱۸)

اس کے باوجود جو شخص ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے ایمان میں شک کرتا ہے تو اس کا اپنا ایمان برباد ہے اور وہ ملحد وزندیق ہے۔ اور کیا شک ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی اس سفر میں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، لہذا شیعہ گروہ کا (معاذ اللہ) انہیں مسلمان نہ سمجھنا اور ان پہ تبرا کرنا انتہائی افسوس ناک ہے۔ اللہ جل مجدہ الکریم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس موقع پہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو الگ اور سچے کھرے مومنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الگ کر دیا۔ منافقین کو جان کے لالے پڑ گئے، وہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہ گئے، اور صحابہ کرام کے دلوں میں سچا جذبۂ وفا تھا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی قرآن میں اتاری، اس کے باوجود شیعہ علماء منافقین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں گڈمڈ کرتے ہیں۔ یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے، آخر یہ لوگ قرآن کو غور سے کیوں نہیں پڑھتے۔

ملتِ اسلامیہ کی بُرائی چاہنے والا مومن نہیں، منافق ہے

منافقین نے تمنا کی کہ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ۔ معلوم ہوا مسلمانوں کے اجتماعی مفاد سے ہٹ کر کفار کا بھلا چاہنے والا شخص مومن نہیں منافق ہے۔ کیونکہ اسے اسلام کا غلبہ پسند نہیں ہے وہ کفر کا غلبہ چاہتا ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی تمنا تھی کہ انگریزوں کی حکومت تمام دنیا پہ قائم ہو، تاکہ اس کے زیر سایہ اسکا گمراہ کن مذہب خوب پھیل سکے۔ اس سلسلہ میں اس کی کتاب مجموعہ اشتہارات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

آج اکثر مسلم حکمران طبقہ منافقانہ پالیسی کے مطابق ملتِ اسلامیہ سے غداری اور کفار سے وفاداری کا مرتکب ہے، یہ سب منافقین ہیں اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کی معنوی ذریت ہیں۔ اللہ رب العزت ملت اسلامیہ کو ان منافقین سے نجات عطا فرمائے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ

جب تم اموال غنیمت حاصل کرنے جاؤ گے، تو پیچھے رہنے والے کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے ساتھ چلیں،

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ

وہ اللہ کا کلام بدلنا چاہتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے، اسی طرح اللہ

مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا

پہلے سے فرما چکا ہے، پھر وہ کہیں گے: بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، نہیں ۔ بلکہ وہ کم ہی بات کو

قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ

سمجھتے ہیں [10] آپ پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دیں کہ تم کو عنقریب ایک بڑی قوت والی قوم کے مقابلہ میں بلایا جائے گا

بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا

کہ ان سے لڑو تا آنکہ وہ اسلام لے آئیں، پس اگر تم اللہ کا حکم مانو گے تو اللہ تمہیں

حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ

بہتر اجر دے گا اور اگر منہ پھیرو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا [11] اندھے پر

عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ

کوئی گناہ نہیں، نہ لنگڑے پر، نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اللہ اسے ان جنتی باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع

اور جو منہ پھیرے اسے وہ دردناک عذاب دے گا [12]

ربع النصف ۲

[10] حدیبیہ سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے خیبر کا رخ کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کو ان کی عہد شکنیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باعث مدینہ طیبہ سے نکالا گیا تھا۔ انہوں نے یہود خیبر کے ہاں جا کر پناہ لی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ کو معاہدۂ حدیبیہ کی صورت میں جب کفار مکہ کی طرف سے کچھ امن ملا تو آپ نے یہود خیبر کی خبر لینے کا پروگرام بنایا اور اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ سے واپسی پر راستہ ہی میں سورۂ فتح کے ذریعہ آپ کو خیبر کی فتح اور وہاں سے کثیر اموالِ غنیمت کے حصول کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا اور مزید فرمایا: وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ ''اللہ نے بیعت حدیبیہ کرنے والوں کو قریب کی فتح (فتح خیبر) اور بہت سے اموال غنیمت کا بدلہ دیا ہے جو تم حاصل کرو گے۔'' (سورہ فتح، ۱۸)

اسی بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! جب تم غزوہ خیبر کے لیے نکلو گے تاکہ اموالِ غنیمت حاصل کرو، تو عمرہ کے لئے تمہارے ساتھ نہ جانے والے منافقین تمہارے پاس آ کر کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! ان سے فرما دیں کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فرما دیا ہے یعنی کہہ دیا ہے کہ خیبر کی طرف وہی لوگ جائیں گے، جو معاہدۂ حدیبیہ میں شامل ہوئے تھے، اگر منافقین اللہ کے اس فیصلہ کو بدلنا چاہتے ہیں تو یہ نہیں ہوگا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین اس کے جواب میں مومنوں سے کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو یعنی ہمیں اموال غنیمت میں سے حصہ نہیں دینا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اصل معاملہ یہ ہے کہ منافقین بات سمجھتے ہی کم ہیں۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ایک ماہ (ذی الحجہ) قیام کیا اور محرم 7ھ میں آپ نے خیبر کا رخ کیا، کسی منافق کو ساتھ نہ لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود خیبر پر ایسی دہشت طاری کی کہ انہوں نے بغیر لڑائی لیے اطاعت مان لی اور خیبر کا سارا علاقہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔

[11] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! آپ منافقین سے فرمائیں کہ عنقریب ایک شدید قوت والی قوم سے مقابلہ کے لئے تمہیں پکارا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم ان سے اس وقت تک لڑو کہ وہ اسلام لے آئیں۔ اگر تم نے اس پکار پر لبیک کہا تو اللہ تمہیں اس کا بڑا اجر دے گا اور اگر تم نے منہ پھیرا تو اس پر دردناک عذاب تیار ہے۔

اکثر اجلہ مفسرین کے نزدیک یہاں قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ (شدید قوت والی قوم) سے مراد وہ مرتد قبائل ہیں، جن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جہاد کیا گیا۔ جن میں سب سے قوی تر قبیلہ بنو حنیف تھا جس کے ایک لاکھ افراد جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ان سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم پر صحابہ نے بڑی خوں ریز جنگ کی جس میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے، جن میں حفاظ و قراءِ قرآن کی بڑی تعداد شامل تھی۔ آخر مسیلمہ کذاب اپنے ہزاروں ساتھیوں سمیت مارا گیا اور باقی مرتدین ایمان لے آئے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اس سے رومی عیسائی لشکر مراد ہے۔ جن سے قتال کے لئے رسول اللہ ﷺ 10ھ میں

تبوک میں تشریف لائے۔ مگر یہ قول قوی نہیں، کیونکہ اولاً تبوک میں لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی تھی، ثانیاً عیسائی اہل کتاب ہیں اوران کے بارہ میں یہ حکم نہیں کہ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ یعنی جب تک وہ اسلام نہ لائیں ان سے لڑائی جاری رکھو۔ یہ مرتدین کا حکم ہے، جبکہ اہل کتاب اسلامی حکومت کے زیرسایہ اپنے کفر پہ قائم رہ سکتے ہیں۔

منکرینِ ختم نبوت واجب القتل ہیں

قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ سے معلوم ہوا منکرین ختم نبوت سے قتال کا حکم ہے جب تک وہ اسلام نہ لائیں۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے قتال کیا، کیونکہ ختم نبوت دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اسکا منکر مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور سجاح وغیرہ مدعیان نبوت کے خلاف جہاد کیا اور ان کو قتل کرکے دم لیا۔ پھر دور تابعین میں مختار ثقفی کو دعوی نبوت کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ الغرض ہر دور میں اہل اسلام کا اس بات پہ اتفاق رہا کہ منکرین ختم نبوت مرتدین ہیں اور ان کی سزا قتل ہے۔

خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنے، ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مرتدین کا قلع قمع کیا۔ اگر ان کی حکومت غلط تھی، تو انہیں اس آیت کا مصداق کیوں بنایا گیا؟ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارہ میں ہی فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ یعنی ''اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایسی قوم لائیگا جو مومنوں کے لیے بہت نرم اور کافروں پہ بہت سخت ہیں۔'' (سورہ مائدہ، ۵۴)

یعنی اس آیت کے نزول کے بعد جو قوم دین سے پھری، وہ منکرین ختم نبوت تھے اور انکی سرکوبی کا کام اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیا اور وہی اس آیت کا مصداقِ اول بنے۔

بلکہ مشہور شیعہ مفسر ابوعلی طبرسی نے بھی اس کے تحت لکھا: قیل ھم ابو بکر واصحابہ الذین قاتلوا اھل الردۃ۔ یعنی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ابوبکر اور انکے ساتھی ہیں جنھوں نے مرتدین کے ساتھ جہاد کیا۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۳ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

بلکہ ایک اور معتبر شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے اپنی تفسیر منہج الصادقین میں ان تمام جنگوں کی تفصیل لکھی ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ لڑیں۔ (منہج الصادقین جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ سورہ مائدہ، مطبوعہ ایران)

[12] یعنی اگر اندھے، اپاہج اور مریض لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم اپنی مجبوری کی وجہ سے پورا نہ کرسکیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ رب العزت دیکھتا ہے کہ کون اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور

کون نافرمانی اور وہ اس سلسلہ میں انسان کی مجبوری بھی دیکھتا ہے، تو وہ اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بہاریں دے گا اور اس سے منہ پھیرنے والوں کو جہنم کی سزا۔

دلیلِ ختمِ نبوت

یہ آیت ختم نبوت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اللہ کا ایک ہی رسول، قرآن کے مخاطبین کے لئے ہے۔ اگر ایک سے زائد رسول ہوتے تو و من يطع الله و رسلهٗ کہا جاتا۔ پھر یہ آیت بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حصولِ جنت کی ضمانت ہے اور جو آپ کی اطاعت کر لے، اسے مزید کسی رسول کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اب اگر کوئی شخص آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرے اور کہے کہ اس کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اس کے بغیر جنت نہیں مل سکتی، تو وہ شخص اس آیت کی نفی کر رہا ہے۔ خواہ وہ مسیلمہ کذاب ہو یا مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی۔

گویا وہ شخص یہ کہہ رہا ہے کہ حضور ﷺ کی اطاعت نجات اخروی کی ضمانت نہیں ہے اور یہ کہ اب یہ آیت وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ قابل عمل نہیں رہی، بلکہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اسی لئے مرزائی لوگ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے بقول انہوں نے اللہ کے نبی مرزا قادیانی کو نہیں مانا۔

حتیٰ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا محمود نے غیر احمدی لوگوں کے فوت ہونے والے ناسمجھ بچوں کو کافر قرار دے کر ان کا جنازہ پڑھنا بھی حرام قرار دیا اور کہا اگر ان کا جنازہ جائز ہو تو پھر یہود و نصاریٰ کے بچوں کا جنازہ بھی جائز ٹھہرے گا۔ (انوار خلافت صفحہ ۹۳)

عصمتِ رسول ﷺ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول ہر گناہ سے اور نفس و شیطان کی ہر خواہش سے پاک ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو کہیں یا کریں، وہ سب امت کے لیے حجت ہے۔ اگر حضور سید عالم ﷺ کا کوئی قول و عمل نفس و شیطان کی انگیخت پہ مبنی ہو سکتا ہوتو اللہ تعالیٰ یوں آپ کی مطلقاً اطاعت کا امت کو حکم نہ دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان منصوص من اللہ یا معصوم نہیں ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہی اللہ کی طرح مطاع مطلق ہیں، آپ کے بعد کوئی مطاع مطلق نہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ہی اللہ کے مقرر اور منصوص کردہ اللہ کے نمائندہ ہیں اور آپ کا ہر حکم وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ مگر شیعہ لوگ نبی پاک ﷺ کے بعد بارہ اماموں کو بھی مطاع مطلق مانتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص من اللہ اور

معصوم گردانتے ہیں۔ مگر قرآن کی رو سے یہ منصب صرف رسول کا ہے، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہاں ومن یطع اللہ ورسولہ والامام فرماتا۔ معلوم ہوا کہ صرف رسول ہی منصوص من اللہ ہے اور وہی معصوم ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا

بلاشبہ اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا ہے، جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے، اللہ جانتا ہے جو ان کے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

دلوں میں (اخلاص) ہے تو اللہ نے ان پر رحمت اتاری اور انہیں فتح قریب کا صلہ دیا[13]

حدیبیہ میں بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ کی نوازشات

[13] گزشتہ رکوع کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ ذی قعدہ 6ھ میں حضور سید عالم ﷺ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کیلئے چلے، کفار مکہ نے انہیں حدود حرم سے باہر مقام حدیبیہ میں روک دیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لڑائی کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں، لہٰذا ہمیں مکہ میں داخل ہونے سے روکا نہ جائے۔ کفار مکہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا جس سے افواہ پھیل گئی کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور سب نے دستِ رسول ﷺ پر یہ بیعت کی کہ ہم خون عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے خواہ اس کے لئے ہمیں اپنی جانوں کو قربان کرنا پڑے۔

اس وقت نبی کریم ﷺ ببول کے ایک درخت (جھاڑی) کے نیچے تشریف فرما تھے۔ ہر صحابی آتا گیا اور بیعت کرتا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بیعت بہت پسند آئی۔ اس بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہوگیا جنہوں نے اے پیارے رسول ﷺ! درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان، اخلاص اور شوق شہادت دیکھ لیا، تو ان پر رحمت اتاری اور انہیں فتح خیبر کا بدلہ دیا اور فتح حاصل کرنے سے وہ بہت سے اموالِ غنیمت حاصل کریں گے۔

چنانچہ حدیبیہ میں کفار مکہ سے معاہدۂ امن کر کے نبی کریم ﷺ واپس مدینہ طیبہ آئے اور صرف ایک ماہ کے بعد محرم 7ھ میں آپ نے خیبر کا رخ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیش گوئی کے مطابق آپ کو بغیر لڑائی عظیم فتح عطا فرمائی اور پورے علاقہ خیبر پر علم اسلام لہرا اُٹھا۔ اور اس نہایت زرخیز علاقہ کے وسیع وعریض لہلہاتے باغات مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ انہی میں باغ فدک بھی تھا جس کی آمدن سے حضور سید کائنات ﷺ اپنی ازواج مطہرات اور دیگر اہل بیت کے گھریلو اخراجات پورے کرتے اور غرباء اہل اسلام کی کفالت فرماتے تھے۔

واقعہ حدیبیہ اور اس میں ہونے والی بیعت رضوان کی کچھ تفصیل

حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر صادر ہونے والے معجزات، بیعت کیسے ہوئی، کفار سے کیا معاہدہ ہوا؟ ان سب امور کی تفصیل کتب تفسیر میں لکھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ ادا کر رہے ہیں، تو آپ یکم ذی قعدہ 6ھ کو چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ شریف کے لیے نکلے، سب نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے جانور بھی ساتھ لیے (جن کی حکمت بعد میں ظاہر ہوئی)

آپ نے مکہ مکرمہ جانے کے لیے غیر معروف راستہ اختیار کیا اور اس میں آپ کو تکلیف بھی اٹھانا پڑی۔ جب آپ مقام عسفان پہ پہنچے تو کفار مکہ کو آپ کے آنے کی خبر ہوگئی، انہوں نے آپ کی پیش قدمی روکنے کے لیے ایک مسلح دستہ روانہ کر دیا۔ جب حضور ﷺ مکہ کے قریب ثنیۃ المراد کے مقام تک آئے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی، بہت اٹھایا گیا مگر نہ اٹھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اسی رب نے روک دیا جس نے مکہ سے باہر ہاتھیوں کو روک دیا تھا۔ اب بات صلح پہ ٹھہرے گی اور قریش مجھ سے جو صلح مانگیں گے میں انہیں دونگا۔ جہاں اونٹنی بیٹھی وہاں کوئی پانی نہ تھا۔ تب حضور سرور کونین ﷺ کے پاس پانی کا پیالہ لایا گیا آپ نے اس میں اپنا دستِ مبارک رکھا تو اس میں پانی کے پانچ چشمے اُبل پڑے اور تھوڑا سا پانی سارے لشکر کے لیے کافی ہوگیا۔

کفار مکہ نے عروہ بن مسعود کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور آپ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی تاکہ آپ ڈر کر واپس ہو جائیں۔ اس نے کہا اے محمد (ﷺ)! آپ کے ساتھ چند اوباش لوگ جمع ہو گئے ہیں، جو عنقریب آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہ گستاخانہ انداز میں حضور سید عالم ﷺ کی ریش مبارک کو بار بار ہاتھ لگا رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غیرتِ ایمانی میں ڈوب کر اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا اور اس کے بت کو گالی دے کر فرمایا: اُمصص بظر اللات. ''جاؤ اپنی دیوی لات کی شرمگاہ کو جا کر چوسو، کیا ہم اللہ کے نبی کا ساتھ چھوڑ دیں گے؟ تمہیں یہ کہنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' عروہ کو ان کے جذبہ ایمانی سے بہت تعجب ہوا۔

(اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار جلد ۲۰ صفحہ ۳۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پھر عروہ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے انتہائی ادب سے بات کرتے ہیں۔ جب حضور ﷺ بات کرتے ہیں تو وہ سر جھکا کر بہت خاموشی سے بات سنتے ہیں، جب آپ انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ اس کے لیے دوڑ پڑتے ہیں، وہ اپنی آوازیں آپ کی آواز سے اونچی نہیں ہونے دیتے، وہ آپ کے وضوء کا پانی زمین پہ نہیں گرنے دیتے، اسے ہاتھوں پہ اٹھا لیتے ہیں بلکہ وہ آپ کا لعاب دہن بھی نہیں گرنے دیتے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا: میں قیصر وکسریٰ کے درباروں میں گیا ہوں، مگر جو احترام میں نے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کا آپ کے لیے دیکھا ہے، وہ کسی بادشاہ کے لیے بھی نہیں دیکھا۔ بہتر ہے کہ تم محمد (ﷺ) سے صلح کا معاملہ کر لو۔

(اہل تشیع کے ہاں معتبر ترین کتاب سیرت بحار الانوار جلد ۲۰ صفحہ ۳۳۲)

حدیبیہ

بیعت رضوان (ذی القعدہ 6ھ)

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾

"اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح 18/48)

حدیبیہ کا مقام

میقات کی علامت

آغاز حرم کی علامت

حرم مکی کی حدود

شام کی طرف

عراق کی طرف

مدینہ منورہ

ذوالحلیفہ (آبار علی)

اہل مدینہ کے لیے میقات

بدر

مدینہ منورہ کی طرف

حجاز

ابواء

رابغ

اہل شام، مصریوں اور ان سب کے لیے میقات جو خشکی یا سمندر کے راستے ادھر سے آئیں

بحیرۂ احمر (بحر قلزم)

عراق کی طرف

اہل عراق کے لیے میقات

ذات عرق

وادی نخلہ

نجد کی طرف

قرن المنازل

اہل نجد کے لیے میقات

مکہ کی طرف

عسفان

تنعیم

حدیبیہ

جدہ

مکہ مکرمہ

عرفہ

طائف

آضاۃ لبن

یمن کی طرف

یمن کی طرف

یلملم

اہل یمن کے لیے میقات

اس دوران وہ واقعہ ہوا جس کا قرآنِ مجید نے یہاں ذکر فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ

کہ ''اللہ نے مکہ سے باہر کفار کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، بعد ازاں کہ تمہیں ان پہ غلبہ دے دیا تھا۔'' (فتح، ۲۴) تفصیل آگے آ رہی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش نے چالیس افراد پہ مشتمل مسلح جنگجو جماعت بھیجی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پہ ایسا رعب طاری کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں اسلحہ سمیت پکڑ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معافی دے کر واپس بھیج دیا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا تا کہ کفار مکہ کو بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، وہ لڑائی کے لیے نہیں آئے، وہ حالت احرام میں ہیں۔ کفار نے کہا: اے عثمان! اگر تم چاہو تو عمرہ کر سکتے ہو مگر کسی اور شخص کو اجازت نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا جب اللہ کے رسول کو اجازت نہیں ہے تو میں کیسے طواف وسعی کر سکتا ہوں؟

پھر کفار نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو روک لیا جس کی وجہ سے یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب صحابہ سے بیعت لی کہ جب تک ہم عثمان کا بدلہ نہیں لیں گے واپس نہیں جائیں گے۔ جب تمام صحابہ بیعت کر چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پہ رکھ کر فرمایا یہ میں عثمان کی طرف سے بیعت کر رہا ہوں، تاہم اس کے بعد کفار نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا اور وہ آپ کے پاس پہنچ گئے۔

تب قریش نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: اب معاملہ سہل ہو گیا۔ اس نے آپ سے طویل گفتگو کی۔ آخر میں بات یہاں آ کر رکی کہ آپ اس برس عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے اور اگلے برس رجب میں آ کر عمرہ کر سکیں گے اور یہ کہ دس برس تک جنگ بندی رہے گی۔ چنانچہ معاہدہ ہو گیا۔

کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان والا درخت کٹوا دیا تھا؟

یہ ببول کا درخت تھا، بلکہ یہ ایک صحرائی جھاڑی تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نیچے تشریف فرما ہوئے تو اس کی ٹہنیاں آپ کے سرِ انور سے لگ رہی تھیں اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ انہیں آپ کے سر سے اٹھا کر دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۷۶)

اس درخت کی یہ اہمیت ہے کہ غزوہ حنین میں جب تھوڑی دیر کے لیے افراتفری مچی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انہیں آواز دو یا اصحاب السمرۃ، اے ببول کے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والو! جب یہ آواز صحابہ کے کانوں میں پڑی تو دیکھتے ہی دیکھتے سب صحابہ جمع ہو گئے۔ (صحیح مسلم کتاب الجھاد حدیث ۷۶)

جو لوگ تبرکات کے منکر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ درخت اس لیے کٹوا دیا تھا تا کہ لوگ اسے

متبرک سمجھ کراس سے تبرک نہ حاصل کرنے لگیں، مگر یہ غلط بات ہے۔ حضرت طارق بن عبد الرحمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حج کے لیے نکلا میں نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے بیعت رضوان لی تھی۔ میں نے جا کر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ماجری کہا، انہوں نے کہا: میرے والد ان بیعت کرنے والوں میں سے تھے، وہ کہتے تھے جب ہم اگلے برس حج کے لیے نکلے تو ہمیں وہ جگہ بھول گئی۔ ہم نے بہت تلاش کی مگر وہ نہ ملی۔ پھر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو وہ جگہ دوبارہ نہ مل سکی تو تم لوگوں نے کیسے پالی؟ کیا تم ان سے بڑے عالم ہو؟

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ حدیث ۴۱۶۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمان افروز تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

گویا لوگوں نے اپنی طرف سے ایک درخت کو وہی درخت قرار دے کر کہ جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی وہاں نماز پڑھنا شروع کردی تھی، تو مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے کٹوادیا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۲۲)

اس سے یہ دلیل پکڑنا کہ تبرکات کی تکریم کرنا صحیح نہیں ہے، سراسر غلط ہے۔ ابھی آپ پڑھ چکے کہ حدیبیہ میں کفار کے نمائندہ عروہ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے لگنے والے وضوء کے پانی کو بھی زمین پہ گرنے نہیں دیتے تھے، بلکہ اسے متبرک سمجھ اپنے ہاتھوں اور چہروں پہ مل لیتے تھے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجامت کراتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے بال مبارک اٹھا کر سنبھال لیتے تھے۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ ۵۰ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

پھر تبرکات سے انکار کرنا کیسی دیدہ دلیری ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سفیر بنایا

یہ آیت بتارہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درخت کے نیچے دستِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی اور بیعت اسی لے کی تھی کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سفیر بنا کر کفار مکہ کے پاس بھیجا اور افواہ یہ پھیلی کہ کفار مکہ نے انہیں شہید کردیا ہے تو اس آیت سے اشارتاً عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سفیرِ رسول ہونا معلوم ہوا۔ اور سفیر اسے بنایا جاتا ہے جس پر کامل بھروسہ ہو۔ ایک حکومت جب کسی کو سفیر بنا کر کسی ملک میں بھیجتی ہے تو اس کے علم وفضل اور اخلاص پر مکمل اعتماد کرتی ہے اور جسے اللہ اور اس کا رسول سفیر بنائے، اس کی عظمت کا کیا کہنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کس قدر اعتماد تھا۔ اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو صحابہ حدیبیہ میں بیٹھے ہوئے کہنے لگے: عثمان کتنا خوش نصیب ہے کہ وہ مکہ میں طواف وسعی کے بعد احرام کھول چکا ہوگا اور ہم یہاں حدیبیہ کے ریگستان میں بیٹھے ہوئے ہیں، نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عثمان میرے بغیر طواف نہیں کرے گا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَطُفتَ بِالْبَیْتِ "اے عثمان! کیا تم نے بیت اللہ کا طواف کر لیا؟" انہوں نے کہا: مَا کُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَیْتِ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَمْ یَطُفْ۔ "میں بیت اللہ کا طواف کیسے کر سکتا تھا جبکہ رسول اللہ تعالیٰ نے طواف نہیں کیا۔"

(اصول کافی جلد ۸ کتاب الروضہ باب صلح حدیبیہ صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

یاد رہے کہ اصول کافی اہل تشیع کے نزدیک قرآن کے بعد سب سے صحیح تر کتاب ہے جیسے اہل سنت کے نزدیک بخاری شریف ہے۔ پھر یہی واقعہ اہل تشیع کے مشہور مورخ ومحدث ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم صفحہ 761 باب 38 مطبوعہ نولکشور انڈیا میں بھی ذکر کیا ہے۔ بتایئے اس سے بڑھ کر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخلاص، یقین اور رسوخ فی الدین کی کیا مثال دی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جس اعتماد کا اظہار کیا وہ اس پر حرف بہ حرف پورے اُترے۔ یہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخلاص وایمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر اعتماد ہے تو اہل تشیع کو ان کے اخلاص پر کیوں اعتماد نہیں؟ وہ کیوں ان کی شان میں نقص ڈھونڈنے کی سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں۔

مفسر کے قلم سے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک خوبصورت منقبت

خدائے پاک کی ہے اک عطا عثمان ذو النورین — ہے داماد محمد مصطفیٰ عثمان ذو النورین
مقدر میں تیرے آئے نبی کے دو جگر پارے — بہت اونچا ہے تیرا مرتبہ عثمان ذو النورین
اگر چالیس میری بیٹیاں ہوں دوں میں عثمان کو — سکونِ قلبِ محبوبِ خدا عثمان ذو النورین
تجھے دو ہجرتوں سے حق تعالیٰ نے نوازا ہے — کہ مولا کی ہے تجھ پہ یہ عطا عثمان ذو النورین
رسول اللہ کو تیرے عمل پہ یہ بھروسہ ہے — بنا ہے تو سفیرِ مصطفیٰ عثمان ذو النورین
نبی نے ہاتھ کو اپنے ہے تیرا ہاتھ فرمایا — مبارک مرحبا صد مرحبا عثمان ذو النورین
حیا تیری نبی کو ہے حیا تیری ملائک کو — ہے مشہور جہاں تیری حیا عثمان ذو النورین
تیرا لکھا ہوا قرآن امت آج پڑھتی ہے — تو شامل ہر تلاوت میں شہا عثمان ذو النورین
ہے تیرا مال وجہ نصرتِ دینِ خداوندی — مبارک کس قدر تیری غنا عثمان ذو النورین
جہیز فاطمہ زہرا دیا عثمان نے طیبؔ — ہے تو محبوب آل مرتضیٰ عثمان ذو النورین

صحابہ رسول اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین اخوت ومحبت

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ میں حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ بھی شامل

ہیں، گویا آپ بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی جان کے قربان کرنے کی بیعت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا صحابہ واہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی الجھن نہ تھی۔ بلکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اَنَا اَوَّلُ مَنْ بَايَعَ رَسُولَ اللهِ تحتَ الشَّجرةِ میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔ (تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۵۸۲ مطبوعہ تہران مطبوعہ ملافیض کاشانی شیعہ)

اور کیوں نہ ہو جب اللہ رب العزت رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح، ۲۹) فرماتا ہے تو پھر صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کے مابین کوئی عداوت یا نفرت کیسے ہوسکتی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ ان بیعت کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا اعلان فرمانے والا ہے یعنی لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ کا مژدہ اُترنے والا ہے، اس لئے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی اس مژدہ رضا میں شامل فرمالیا۔

اہل تشیع کی نہایت معتبر کتاب فروع کافی میں ہے

وبَايَعَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه واٰله وضَرَبَ بِاِحْدَىٰ يَدَيْهِ عَلَى الْاُخرىٰ بعُثمان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی اور عثمان (غنی رضی اللہ عنہ) کے لئے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا۔ (فروع کافی کتاب الروضہ باب ۸ باب صلح حدیبیہ مطبوعہ تہران)

ملا باقر مجلسی نے بھی بحار الانوار جلد 20 صفحہ 367 میں فروع کافی کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کرنا بیان کیا ہے۔

میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار اہل تشیع کے مشہور مناظر محمد اسماعیل گوجروی کا مکالمہ ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بیعت رضوان میں شامل تھے یا نہ؟ اگر نہیں تھے تو اس کا ثبوت دیجئے اگر شامل تھے تو اللہ تعالیٰ کی رضا ان کو بھی شامل ہے، پھر تم لوگ ان سے کیوں راضی نہیں ہو؟ اس نے کہا حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں میں بعض منافقین بھی تھے (معاذ اللہ) اسی لئے اللہ نے لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا تاکہ منافقین کو نکالا جائے۔

والد گرامی حضور محقق اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمہاری یہ گفتگو بہت افسوس ناک ہے۔ مگر مجھے بتاؤ تمہاری فروع کافی (حوالہ مذکورہ) میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کی اور انہیں اس بیعت میں شامل فرمایا کیا یہ بیعت مومنانہ تھی یا منافقانہ؟ اگر یہ مومنانہ تھی تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی بیعت بھی مومنانہ تھی اور الْمُؤْمِنِيْنَ کا لفظ تمام بیعت کرنے والوں کو شامل ہے۔ شیعہ مناظر سے اس بات کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور

شرمندہ ہو کر چپ ہو گیا۔

بیعت رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

اس آیت سے ان کے متعدد فضائل ثابت ہیں:

1 اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا (لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ)

2 اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی دی۔ (عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) اور چند آیات پہلے بھی فرمایا گیا: بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ (فتح، ۱۲) اور آگے چل کر فرمایا جا رہا ہے: فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (فتح، ۲۶)

3 پھر اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کرنے والوں کے اخلاص کی گواہی دی۔ (فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ)

4 پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت کا مستحق قرار دیا (فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ مِّمَّنْ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ ''جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب ۵۷ حدیث ۳۸۶۰)

اور شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے اس آیت کے تحت یوں لکھا

وحضرت فرمود یک کس بدوزخ نرود از اں مومناں کہ زیر درخت سمرہ بیعت کردند۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جن مومنوں نے درخت ببول کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے گا۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۸ صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ تہران)

الغرض یہ آیت بیعت رضوان کے حوالے سے حضرت عثمان بن عفان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کا حسین گلدستہ ہے۔

غلبۂ دین کے فیصلے قوت ایمانی کے ساتھ اکثر بے سروسامانی میں کئے گئے

حدیبیہ کے ریگستان میں ببول کے درخت کے نیچے بیعت ہوئی اور یہ صرف نام کا درخت ہے اصل میں یہ ایک کانٹے دار جھاڑی ہے۔ اس بیعت نے امت کی تقدیر بدل دی، کیونکہ بیعت کرنے والے لوگ پیکر اخلاص تھے۔ آج بلند و بالا عمارات میں مسلمانوں کی عالمی کانفرنسیں ہوتی ہیں مگر بے سود، کیونکہ دلوں میں اخلاص نہیں ہے۔

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ

اور بہت سے اموال غنیمت دیئے جو وہ پائیں گے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے

مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے جو تم حاصل کرو گے۔ تو یہ (غنیمت خیبر) تمہیں جلد دے دی اور تم سے لوگوں کے ہاتھ

عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ ۙ

روک دیئے۔ اور تاکہ یہ مومنوں کے لئے نشانی بنے اور وہ تمہیں سیدھی راہ کی ہدایت دے۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اور اللہ نے تمہیں دوسری غنیمتیں بھی دی ہیں جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے، اللہ نے انہیں گھیر رکھا ہے اور اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ

چیز پر قادر ہے [14] اور اگر کفار تم سے لڑائی کرتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھتے

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ

پھر وہ کوئی حمایتی نہ پاتے نہ مددگار۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو پہلے سے جاری ہے اور تم اللہ کے طریقہ میں

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے [15]

[14] یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کثیر فتوحات اور ان میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا جن میں سے خیبر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کو بہت جلد عطا فرمایا تاکہ حدیبیہ میں عمرہ نہ کر سکنے کے غم کو اس فتح اور غنیمت کے ذریعے دور کیا جائے۔ ادھر جب حضور سرور کونین ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر گئے تو پیچھے یہود خیبر کے حلیف عرب قبائل بنو ہوازن اور بنو اسد نے مدینہ طیبہ پر حملہ کا پروگرام بنایا تاکہ مسلمانوں کی خواتین اور ان کے بچوں کو گرفتار کر لیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ حملہ نہ کر سکے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ کہ اللہ نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے، کہہ کر بیان کیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگوں کو حملے سے روکنا اللہ کی
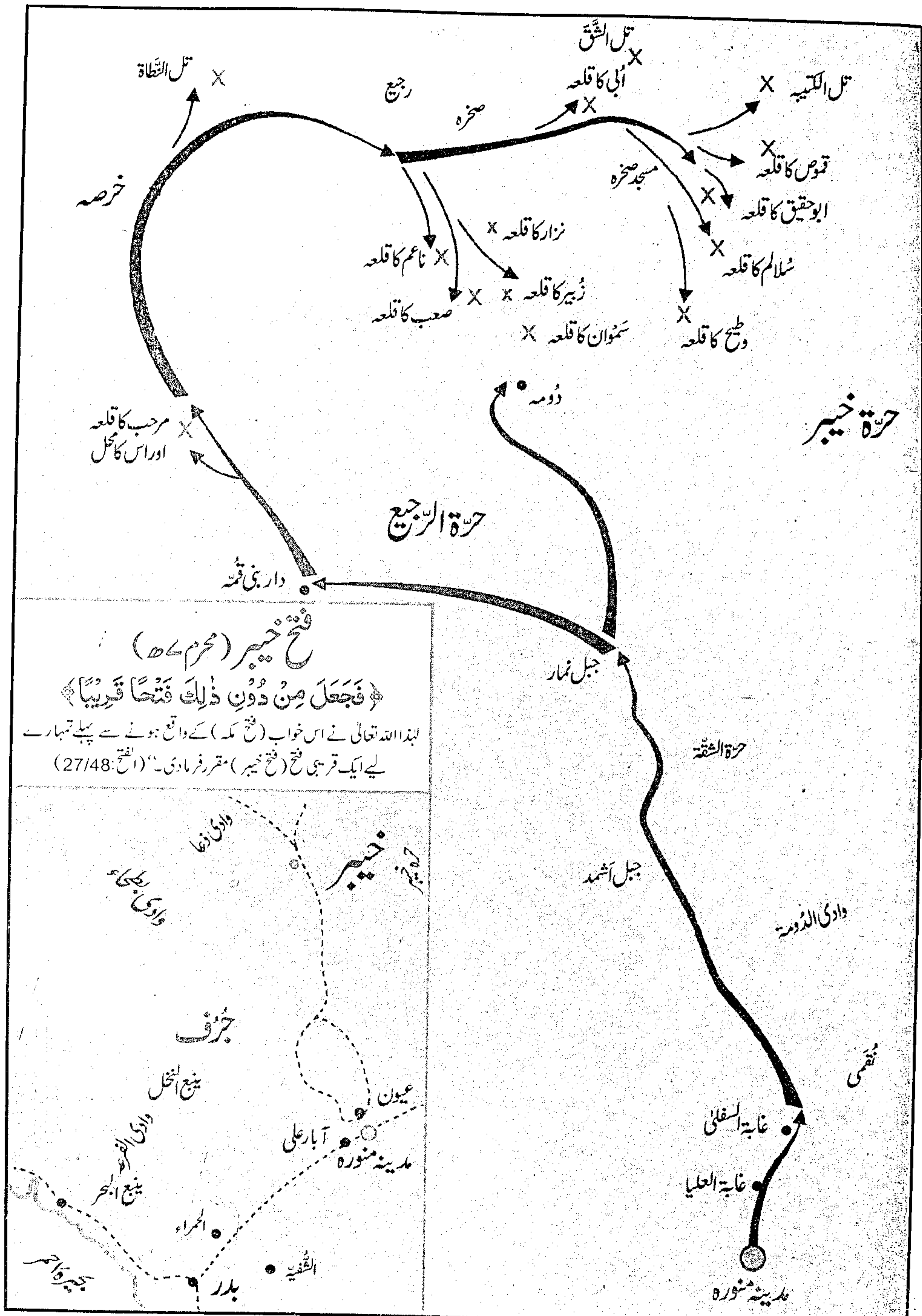
فتح خیبر (محرم ۷ھ)

﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

"لہذا اللہ تعالیٰ نے اس خواب (فتح مکہ) کے واقع ہونے سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرما دی۔" (الفتح 27/48)

تل الشق
تل النطاۃ
رجیع
صخرہ
ابی کا قلعہ
تل الکتیبہ
قموص کا قلعہ
مسجد صخرہ
ابوحقیق کا قلعہ
خرصہ
نزار کا قلعہ
ناعم کا قلعہ
زبیر کا قلعہ
سلالم کا قلعہ
صعب کا قلعہ
سموان کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
دومہ
حرۃ خیبر
مرحب کا قلعہ اور اس کا محل
حرۃ الرجیع
دار بنی قمہ
جبل نمار
حرۃ الشقۃ
وادی ذنا
خیبر
وادی ریحان
جبل اشمد
وادی الدومۃ
جرف
ینبع النخل
عیون
نقمی
وادی القریٰ
آبار علی
مدینہ منورہ
غابۃ السفلیٰ
غابۃ العلیا
ینبع البحر
الحمراء
الصفیہ
بدر
بحیرہ احمر
مدینہ منورہ

طرف سے مسلمانوں کے لئے ایک نشانی اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کا ذریعہ قرار دیا یعنی ان کو ہدایت دے دی کہ اگر تم دین کے لئے جہاد اور جدوجہد کرو تو اللہ تمہارے مصائب خود دور کرتا رہے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا الخ. یعنی اللہ نے بیعت رضوان کرنے والے صحابہ کو فتح خیبر کے علاوہ مزید فتوحات کا مژدہ بھی دیا جن کو وہ اپنی طاقت سے حاصل نہیں کر سکتے تھے مگر اللہ نے انہیں ان پر قادر کیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[15] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! اگر خیبر کے یہود تم سے لڑائی پر آمادہ ہوتے تو وہ رسوا ہو کر وہاں سے بھاگ اٹھتے، پھر اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔ یہی اللہ کی ہمیشہ سے جاری سنت ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یعنی جب بھی اہل ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح جذبہ لے کر میدان میں اتریں تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو منہ پھیر کر بھاگنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اصل قوت ان کا جذبۂ ایمانی ہے۔ اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی دنیوی مادی طاقت کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اسی لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کر دے

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ

اللہ وہ ہے جس نے مکہ سے باہر (حدیبیہ میں) ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے،

بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے [16]

[16] ابن ہشام نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں آئے تو قریش نے چالیس جنگجو افراد بھیجے تاکہ مسلمانوں کو (جو اسلحہ کے بغیر حالت احرام میں تھے) جو بھی نقصان پہنچا سکیں، پہنچائیں۔ وہ آئے اور مسلمانوں کے گرد چکر لگانے لگے (اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے سنگباری اور تیراندازی کر کے کئی مسلمانوں کو زخمی کیا)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہمت دی اور انہوں نے ان مسلح چالیس افراد کو پکڑ لیا۔ حالانکہ مسلمان نہتے اور احرام میں تھے اور انہیں پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ اگر چاہتے تو انہی کی تلواروں سے ان کی گردنیں اُڑا دیتے مگر آپ نے انہیں معافی دے کر آزاد کر دیا۔ (سنن ابوداود کتاب الجهاد، سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۰۶ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت) یعنی اگر مسلمان چاہتے تو ان کی گردنیں اُڑا سکتے تھے۔

اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے ہاتھ ان سے اور ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے

یعنی جنگ کی نوبت نہ آنے دی، حالانکہ تم ان پر غالب آ گئے تھے یعنی اگر ان چالیس افراد کو قتل کر دیا جاتا تو جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے مگر اللہ نے اسے ناپسند جانا، اس کی وجہ اگلی آیت میں ہے۔

معلوم ہوا جب اہل ایمان دامنِ مصطفیٰ ﷺ کو مضبوطی سے تھام لیں تو انہیں ہتھیاروں کی حاجت نہیں رہتی اللہ تعالیٰ انہیں تہی دستی میں بھی غلبہ عطا فرماتا ہے اور جب اطاعتِ رسول ﷺ کا دامن ان کے ہاتھ میں نہ ہو تو ایٹمی ہتھیاروں کے باوجود ذلت ان کا مقدر ہوتی ہے۔ جیسا کہ آج کل مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ ہم نے قرآن کریم سے منہ موڑ لیا ہے اور اپنے مفادات کے پیچھے دوڑ پڑے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر — اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یوں تو سید بھی مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو اس بات سے موقوف کر دیا کہ اپنی جگہ

اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ

پہنچ سکیں اور اگر (مکہ میں) کچھ مومن مرد اور مومنہ عورتیں جنہیں تم نہیں جانتے، نہ ہوتیں اور یہ بات نہ ہوتی کہ تم انہیں

تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ

بے سمجھی میں روند ڈالو گے پھر تمہیں ان کی وجہ سے پکڑ آئے گی (تو تمہیں کفار سے لڑنے دیا جاتا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں

يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ

داخل کرے، اگر وہ (اہل ایمان) وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم اہل مکہ میں سے کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب دیتے [17] یاد کرو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ

جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی ضد بنا لی تو اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور

عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

مومنوں پہ اپنی رحمت اتاری اور انہیں تقوے کی بات کا پابند کیا اور وہ اسی کے حقدار

بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع

اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [18]

ع ۳ ۹ ۱۱

[17] یعنی کفار مکہ تو اسی قابل تھے کہ انہیں معاف نہ کیا جاتا اور تمہارے ہاتھ ان سے نہ روکے جاتے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام میں داخل ہو کر عمرہ کرنے سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو ان کے مقام تک نہ پہنچنے دیا۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دی کیونکہ مکہ میں کئی مجبور مسلمان مرد عورتیں موجود تھے جو ہجرت نہ کر سکے جنہیں تم نہیں جانتے تھے اگر جنگ چھڑ جاتی تو وہ اس میں ناحق مارے جاتے جس کا کچھ وبال تم پر آتا۔ اور یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے جبھی تو اس نے کفار مکہ کے نرغے میں ایسے مسلمان افراد باقی رکھے جو ہر سختی سہہ کر بھی دین سے وابستہ رہے۔ اگر وہ مسلمان مکہ میں موجود نہ ہوتے تو ہم کفار کو سخت سزا دیتے یعنی تمہارے

ہاتھوں ان کا قتل عام کرواتے (انہی مسلمانوں میں حضرت امیر معاویہ، حضرت عباس عم رسول ﷺ، ان کی بیوی ام فضل اوران کے بیٹے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اگر حدیبیہ میں جنگ چھڑ جاتی تو کفار ان لوگوں کو مار دیتے مگر اللہ رب العزت کو ان کا زندہ رکھنا اوران سے دین کا بڑا کام لینا منظور تھا)۔

نبی اکرم ﷺ سفر حدیبیہ میں جانور کیوں ساتھ لائے تھے

وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا کے تحت واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ قربانی کے کثیر جانور لائے تھے انہیں آپ غالباً مکہ میں آکر ذبح کرنا چاہتے تھے تاکہ حصول عمرہ کا شکر ادا کیا جائے، یہ قربانی واجب نہیں ہے نفل ہے۔ مگر یہ جانور حدیبیہ ہی میں روک لئے گئے، پھر انہیں دم احصار کے طور پر ذبح کیا گیا یعنی جب عمرہ یا حج کے لئے احرام باندھنے والے شخص کو راستے میں روک لیا جائے تو اس کی طرف سے حدود حرم میں جانور ذبح کیا جاتا ہے اور وہ احرام کھول دیتا ہے، اسے دم احصار کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ''اگر تمہیں (حالت احرام میں مکہ جانے سے) روک دیا جائے تو جو قربانی میسر آئے اسے ذبح کرو۔'' (بقرہ، ۱۹۶)

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کو جب حدیبیہ میں روک لیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ آپ اگلے برس عمرہ کرنے آئیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے ان جانوروں کو جو آپ ساتھ لائے تھے، ذبح کیا اور سب نے احرام کھول دیے اور ایک ایک اونٹ میں سات سات افراد شریک ہوئے۔ گویا آپ کو اللہ کی طرف سے علم تھا کہ آپکو اپنے ساتھیوں سمیت عمرہ سے روک دیا جائے گا اور وہاں دم احصار کے طور پر جانور ذبح کرنا پڑیں گے اسی لیے آپ اپنے ساتھ جانور لائے تھے۔

[18] یہ حدیبیہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب صلح نامہ لکھا گیا تو حضور سید کائنات ﷺ نے یوں لکھوایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ کفار مکہ کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے کہا ہم نہیں جانتے رحمان ورحیم کیا ہے اس کی بجائے باسمك اللّٰهم لکھو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسی طرح لکھ دو۔ پھر آپ نے لکھوایا: هٰذا ما صَالَحَ عليه محمدٌ رسولُ الله۔ یہ وہ عہد ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوتا تو آپ سے جنگ نہ کرتا، اس کی بجائے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۳۴۲)

اس بارہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کفار نے جاہلیت کی ضد اپنائی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اہل ایمان پر اپنی رحمت نازل فرمائی یعنی انہیں صبر وتحمل عطا کیا اور انہیں تقویٰ کی تلقین کی، کیونکہ وہ اسی کے سزاوار تھے، اسی لئے وہ غصہ پی گئے اور جس طرح کفار نے کہا اسی طرح انہوں نے لکھ دیا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا گواہ اللہ رب العزت ہے، جیسا کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سے ظاہر ہے۔

(2) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ نے تقویٰ لازم کر دیا تھا، جیسا کہ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے ظاہر ہے۔

(3) جاہلوں سے جھگڑنے کی بجائے حکمت عملی سے کام لینا چاہیے، فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ سے ظاہر ہوا کہ کفار نے جاہلانہ ضد اپنائی اور اہل ایمان نے اس کی بجائے صبر و تحمل تقویٰ اور حکمت سے کام لیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ

بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب تحقیق کے ساتھ سچ کر دکھایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں ضرور امن کے ساتھ

شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ

داخل ہو گے، تم اپنے سروں کو منڈواؤ گے اور کترواؤ گے [19] تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ تو اللہ وہ جانتا تھا جو تم

مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۲۷ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

نہیں جانتے تھے تو اس نے اس سے قبل قریب والی فتح بنادی۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸ ؕ

ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ کی گواہی کافی ہے [20]۔

[19] گزشتہ رکوعات کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ 6ھ ذی قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کر رہے ہیں اور کچھ صحابہ نے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کے لئے سر کے بالوں کو منڈوایا ہے اور بعض نے کتروایا ہے۔ چنانچہ آپ چودہ سو صحابہ کے ساتھ احرام باندھ کر چل پڑے۔ کفار مکہ نے آپ کو مکہ سے باہر میدان حدیبیہ میں روک دیا، پھر وہاں کفار سے معاہدہ ہوا کہ اس برس آپ واپس چلے جائیں گے اور اگلے برس انہی دنوں میں آکر عمرہ کر سکیں گے۔ معاہدہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو احرام کھول دینے کا حکم فرمایا، وہ انتہائی پریشان ہوئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو کفار پر سختی کے حوالے سے معروف ہیں اس معاہدہ سے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے تو فرمایا تھا کہ آپ نے خواب میں ہمیں عمرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا میں نے کہا تھا کہ ہم اسی برس عمرہ کریں گے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو ہم ضرور عمرہ کریں گے اور میرا خواب ضرور پورا ہوگا۔

پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام کھول کر حدیبیہ سے واپس مدینہ طیبہ کو چل پڑے تو راستہ میں یہ سورہ فتح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا الخ، یہ مستقبل کی خبر کو ماضی کے صیغہ سے بیان کرنے کا انداز ہے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے خواب کو پورا کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے کہ تم ان شاء اللہ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو کر عمرہ کرو گے، پھر حلق اور قصر کرو گے۔ یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم عمرہ نہ کر سکنے سے پریشان تھے اور سوچتے تھے کہ ہم عمرہ کئے بغیر حدیبیہ سے کیوں لوٹ رہے ہیں مگر اللہ نے تمہاری اس پریشانی اور صبر کے باعث تمہیں قریب کی فتح دے دی ہے یعنی خیبر کی فتح، مطلب یہ ہے کہ تم عمرہ سے قبل اس فتح سے ہمکنار ہو گے اس کے بعد تم عمرہ کرو گے اور تم اموال غنیمت سے خوش حال بھی ہو گے۔

چنانچہ مدینہ طیبہ پہنچ کر نبی پاک ﷺ نے ماہ ذی الحجہ گزارا اور محرم 7ھ میں آپ نے خیبر کا رخ کیا اور عظیم فتح حاصل کی اور اموال غنیمت ہاتھ آئے۔ پھر چند ماہ بعد آپ عمرہ کو آئے، یعنی ماہ ذی القعدہ سن 7 ھجری میں۔

رسول اللہ ﷺ کا عمرۃ القضا بجالانا

معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ اگلے برس 7ھ ذی القعدہ میں عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ دو ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ جب صحابہ کرام سمیت حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو کفار مکہ نے کہا ان لوگوں کو یثرب (مدینہ منورہ) کے بخار نے کمزور اور دبلا کر دیا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں (پہلوانوں کی طرح اکڑ اکڑ کر چلیں، تا کہ کفار جان لیں کہ اہل ایمان کو کمزور جان کر ان پہ حملہ آور ہونے کی غلطی نہ کی جائے۔ چنانچہ یہ رمل دیکھ کر کفار کے حواس درست ہو گئے۔)

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضا حدیث ۴۲۵۶)

عمرہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ساٹھ جانور بطور نفل قربانی ذبح فرمائے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ فصل عمرۃ القضا)

معاہدہ حدیبیہ میں لکھا گیا تھا کہ اگلے برس رسول اللہ ﷺ عمرہ کے لیے آئیں گے اور تین دن سے زائد مکہ میں نہیں ٹھہریں گے، تو آپ تیسرے دن مکہ سے واپس ہو گئے۔

نبی کا خواب وحی الٰہی ہے وہ جھوٹا اور شیطانی نہیں ہو سکتا

یہاں اللہ تعالیٰ نے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ فرمایا اور رؤیا سچے خواب ہی کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا رسول کا خواب صرف سچا ہی ہوتا ہے حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے رؤیا (اچھا خواب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حُلم (برا خواب) شیطان کی طرف سے۔ (بخاری کتاب التعبیر باب ۳)

اور نبی کا خواب اس لیے صرف رحمانی ہوتا ہے اور وہ شیطانی اور جھوٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ شیطان کا انبیاء کرام پر کوئی

(ذی قعدہ 7ھ)

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برحق سچا خواب دکھایا تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ پھر تم (عمرہ کی ادائیگی کے بعد) اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کٹواؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ (الفتح 27/48)

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ

اور وہ مومن عورت بھی جو خود نبی کریم سے نکاح کی پیشکش کرے
(الاحزاب 50/33)

عمرۃ القضاء (عمرۃ القضیہ یا عمرۃ القصاص) کا راستہ

حدود حرم

مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ
عرج
صفراء
بدر
الجحفہ
رابغ البحر
مشلل
قدید
امج
کدید
عسفان
تنعیم
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
عرفہ
طائف
اضاۃ لبن
یلملم
ذات عرق
قرن المنازل
بحیرہ احمر (بحر قلزم)
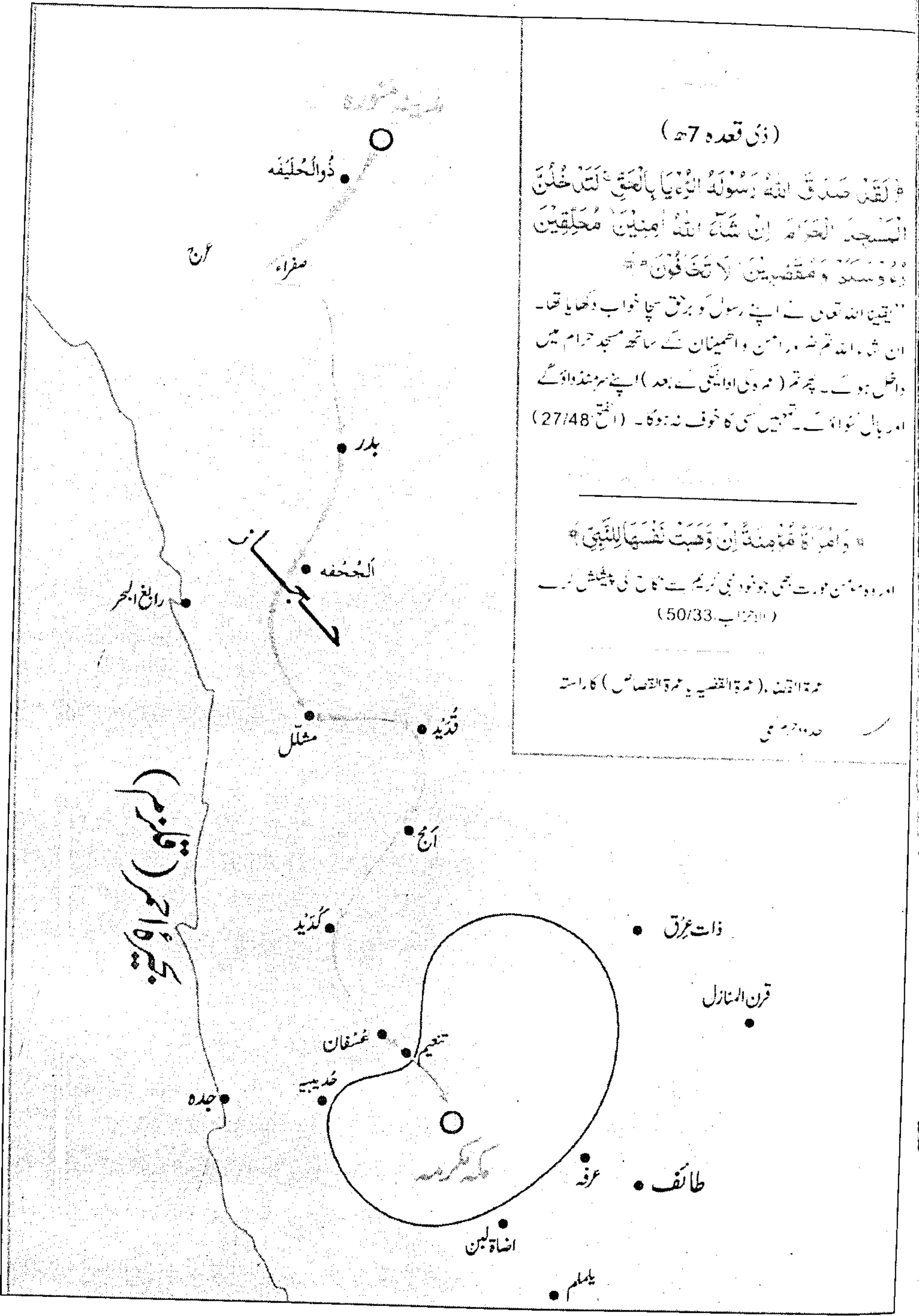
اثر نہیں ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ۔ (سورہ حجر، ۴۲) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب بدأ الوحی)

یعنی انبیاء کو جو وحی ملتی ہے اسکا چھیالیسواں حصہ ان کے سچے خواب بھی ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کے بارہ میں جو خواب دیکھا، وہ وحی الٰہی تھا جو پورا ہو کر رہا اور نبی کا ہر خواب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

اسی لیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا: انی اریٰ فی المنام انی اذبحك، میں خواب میں تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ بیٹے نے فورا جواب دیا: یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ ابا جان آپ کو اللہ کی طرف سے جو حکم ہو رہا ہے اسے فورا پورا کیجیے۔ (صافات، ۱۰۲)

گویا اللہ تعالیٰ کا نبی اگر بیٹے کے قتل جیسا خواب دیکھے تو وہ بھی وحی الٰہی ہوتا ہے۔

مگر جھوٹے نبیوں کو برے اور شیطانی خواب آتے ہیں، جیسے مرزا قادیانی نے خواب دیکھا کہ اس نے (معاذ اللہ) حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ران پر اپنا سر رکھا ہوا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۳)

اب غیر عورت سے اختلاط حرام ہے اور حرام کام کا خواب شیطان ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے پھر اس خواب میں حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی شدید توہین ہے، اس سے بڑھ کر شیطانی خواب کیا ہوسکتا ہے اور شیطانی خواب رحمٰن کے بھیجے ہوئے شخص کو نہیں آسکتے، شیطان کے بھیجے ہوئے شخص ہی کو آسکتے ہیں۔

صداقتِ قرآن

اس آیت میں لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ ۙ کہہ کر عمرۃ القضاء کی پیش گوئی کی گئی اور فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۲۷﴾ کہہ کر فتح خیبر کی پیش گوئی کی گئی۔ اور یہ دونوں پیش گوئیاں بہت جلد پوری ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر صداقتِ قرآن کی دلیل کیا چاہیے اور فتح خیبر کا وقوع بظاہر ممکن نہ تھا کیونکہ یہود خیبر بہت مضبوط قلعوں میں آباد تھے، یہ فتح محض نصرت و توفیق الٰہی سے وقوع میں آئی کیونکہ اللہ نے اس کی پیش گوئی فرمادی تھی۔

اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ کہنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا نبی صاحب وحی ہے، اللہ رب العزت اسے خبریں دیتا ہے اس کے باوجود وہ کہتا ہے: لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ ۙ الخ۔ تو ہم بے خبر لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے کہ آئندہ کے متعلق کسی کام کا ارادہ کرتے ہوئے ان شآء اللہ کہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ ''اور تم کسی کام کے بارہ میں مت کہو کہ میں اسے کل

کروں گا مگر ضرور ان شاء اللہ کہو۔'' (کہف، ۲۳)

حلق قصر سے افضل ہے

حلق یہ ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا شخص احرام کو کھولتے ہوئے سارے سر کو منڈوائے اور قصر یہ ہے کہ بالوں کو چھوٹا کروالے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ میں حلق کا ذکر پہلے کیا ہے اور قصر کا بعد میں اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللّٰھم ارحم المحلقین (اے اللہ! حلق کرنے والوں پر رحم فرما) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ قصر کرنے والوں کے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے پھر یہی دعا فرمائی، صحابہ نے تین بار یہ مطالبہ دہرایا اور آپ ہر بار یہی دعا فرماتے رہے۔ چوتھی بار آپ نے فرمایا **والمقصرین** یعنی اے اللہ! قصر کرنے والوں پر بھی رحم فرما۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب ۱۲۷)

مگر مقام افسوس ہے کہ آج کئی حجاج حج کے احرام کے اختتام پر حلق کی فضیلت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے قصر پر اکتفاء کرتے ہیں اور ساتھ میں داڑھی منڈوا لیتے ہیں یعنی جن بالوں کا منڈوانا افضل ہے انہیں چھوڑ کر جن کا منڈوانا حرام ہے انہیں منڈواتے ہیں تاکہ اللہ کی ناراضگی میں کمی نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

[20] حدیبیہ سے واپسی پر صحابہ کو افسوس تھا کہ وہ کفار سے دب گئے ہیں اور عمرہ نہیں کر سکے۔ پھر جن شرائط پر معاہدۂ صلح ہوا ہے، وہ بظاہر کفار کے حق میں جاتی ہیں۔ تو مدینہ طیبہ واپس جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے راستہ ہی میں سورہ فتح اتاری اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ دل شکستہ نہ ہوں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دین حق دے کر اس لئے بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دے اور یہی دین غالب آ کر رہے گا اور اس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد خیبر فتح ہوا، پھر مکہ و طائف فتح ہوئے، پھر تبوک اور یمن فتح ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے وصال تک صرف تین برسوں میں سارا جزیرۃ العرب اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا تھا۔ پھر دور خلافت راشدہ میں صرف تیس برسوں میں پورے عرب، پورے براعظم افریقہ، ایران، افغانستان اور رشیا کی اکثر ریاستوں پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور اسلامی فوجیں یورپ تک پہنچ رہی تھیں اور یہ غلبہ تیرہویں صدی ہجری تک قائم رہا، بلکہ اس میں اضافہ ہوا۔ پھر مسلمانوں کی علمی، اخلاقی اور ایمانی کمزوری کے باعث چودھویں صدی ان کے لئے مغلوبیت کی صدی رہی، مگر مستقبل قریب میں اِنْ شَآءَ اللّٰهُ پھر اسلام ہی دنیا کی غالب قوت ہوگا۔ امت مسلمہ آج بھی غلبۂ دین کے لئے ہر قربانی دینے پر تیار ہے صرف اچھی مخلص مومن قیادت کا انتظار ہے۔ دیکھئے کب پردۂ غیب سے کوئی ثانی فاروق اعظم ظاہر ہوتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں [21] اور جو (صحابہ) آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پہ سخت اور آپس میں رحمدل ہیں

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ

آپ انہیں (کثرت سے) رکوع و سجدہ کرتے دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں،

وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِی

ان کی نشانی ان کے چہروں پر نظر آتی ہے یعنی سجدوں کا نور، یہ ان کی مثال تورات میں ہے،

الْاِنْجِیْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى

اور انجیل میں ان کی مثال کھیتی کی طرح ہے، جس نے اپنا پودا نکالا پھر اسے طاقت دی تو وہ مضبوط ہو گیا اور اپنے تنے پر

سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

کھڑا ہو گیا کہ کسانوں کو خوش کرتا ہے تاکہ ان پر کفار کو غضب آئے۔ ان میں سے جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾ ع

اور اچھے اعمال کرتے رہے اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے [22]

رسالت محمدیہ کی حقانیت اور فضائلِ صحابہ کرام

[21] یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کب تک اور کہاں تک کے لئے رسول ہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ کی رسالت زمینی و زمانی تمام حدود سے ماوراء ہے، آپ ہمیشہ کے لئے اور ساری کائنات کے رسول ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء، ۱۰۷) جیسا کہ پہلے بتایا گیا یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس مدینہ طیبہ جا رہے تھے۔ چونکہ حدیبیہ میں صلح نامہ میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے الفاظ کفار نے کٹوا دیئے تھے جس کا ملال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دور کرنے کیلئے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یعنی فرمایا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کفار آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو نہ مانیں، ہم عرش سے آپ کی رسالت پر گواہیاں اتار رہے ہیں۔ یعنی کفار نے معاہدہ حدیبیہ کے ایک چھوٹے سے کاغذ سے محمد رسول اللہ کو کٹوایا۔ اللہ تعالیٰ نے

اسے قرآن میں لکھ دیا، تاکہ تاقیامت اس سے زمانہ گونجتا رہے۔

نام محمد ﷺ اور نامِ احمد میں فرق

یاد رہے حضور سرورِ کونین ﷺ کے صفاتی اسماء گرامی حد و حساب سے زیادہ ہیں۔ آپ کی ہر صفت کے حوالے سے آپ کا ایک نام ہے اور آپ کی صفات کی کوئی حد نہیں، اس لئے آپ کے اسماء کی بھی کوئی حد نہیں۔ مگر آپ کے ذاتی نام صرف دو ہیں احمد اور محمد (ﷺ) امام قسطلانی فرماتے ہیں علماء کے نزدیک آپ کا نام پہلے احمد تھا پھر محمد ہوا۔ کیونکہ احمد کا معنی ہے سب سے زیادہ اللہ کی حمد کہنے والا۔ اور بلاشبہ آپ نے عالم ارواح میں سب سے زیادہ اللہ کی حمد کہی تو آپ کو احمد کہا جانے لگا۔ اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کو احمد کہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِی مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ اے اللہ! مجھے احمد (ﷺ) کی امت میں سے بنا دے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ فصل ۴ ص ۱۷)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ ''آپ کا نام احمد (ﷺ) ہے۔'' (سورہ صف، ۶) پھر جب آپ نے سب سے زیادہ اللہ کی حمد کہی تو اللہ نے آپ کو محمد بنا دیا جس کا معنی ہے وہ ذات جس کی کثرت سے تعریف کی جائے۔ چنانچہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو آپ کا نام محمد رکھا گیا تاکہ کثرت سے آپ کی تعریف کی جائے قیامت میں بھی ایسے ہی ہوگا کہ پہلے آپ مقام شفاعت پر کثرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد کہیں گے اور احمد الحامدین کہلائیں گے یعنی سب سے زیادہ اللہ کی حمد کہنے والے۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کو اذن شفاعت دے گا اور آپ شفاعت کریں گے۔ تب ہر کوئی آپ کی تعریف کرے گا اور آپ محمد کہلائیں گے۔ گویا دنیا و آخرت میں پہلے آپ احمد ہیں پھر محمد (ﷺ) اسی لئے پہلی کتابوں میں آپ کو احمد کہا گیا اور قرآن میں محمد (ﷺ)۔ (مواہب لدنیہ مقصد دوم فصل اول جلد دوم صفحہ ۲۳ مطبوعہ بیروت)

میں کہتا ہوں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے دنیا میں تشریف لانے سے قبل آپ کا نام احمد زیادہ معروف تھا اور دنیا میں آنے کے بعد محمد (ﷺ) زیادہ معروف ہوگیا۔ ورنہ آپ کے دونوں نام ہمیشہ سے جاری رہے اور جاری ہیں آپ کو پہلے بھی محمد (ﷺ) کہا جاتا تھا جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو انہوں نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا۔ تب انہوں نے کہا: اے اللہ! محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے میری خطا معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میں نے خطا معاف کی اور یاد رکھو وہ تمہاری اولاد میں آخری نبی ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ (رواہ الحاکم عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی المستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۷۲ حدیث ۴۲۲۷ مطبوعہ بیروت)

نام محمد ﷺ کے معارف

نام محمد (ﷺ) حضور ﷺ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کیا گیا۔ امام ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: جب میرے حمل کو چھ ماہ گزر گئے تو خواب میں میرے پاس ایک آنے والا آیا، اس نے کہا: اے آمنہ! اِنَّكِ حَمَلْتِ

بِخَيْرِ الْعَالَمِيْنَ فَاِذَا وَلَدْتِهٖ فَسَمِّيْهِ مُحَمَّدًا ''تم نے تمام جہانوں سے افضل بچے کو پیٹ میں اٹھایا ہے جب تم اسے جنوتو اس کا نام محمد رکھنا۔'' (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول فصل ۹ صفحہ ۱۲۴)

(نام محمد ﷺ کی معنویت)۔ یاد رہے محمد (ﷺ) کا معنی ہے وہ ذات جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے اور بلاشبہ حضور ﷺ کی تعریف آپ کی دنیا میں تشریف سے قبل جاری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ارواح سے وعدہ لیا تھا کہ جب آپ تشریف لائیں تو سب آپ پر ایمان لائیں گے۔ (آل عمران، ۸۱) چنانچہ ہر نبی آپ کا انتظار کرتا اور آپ کی تعریف کے خطبے پڑھتا تھا۔ جیسے ابن عساکر نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام سے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب تم اللہ کا ذکر کرو تو اس کے ساتھ اسم محمد ﷺ بھی یاد کرو کیونکہ میں نے عرش پر یہ نام اللہ کے نام سے جڑا ہوا دیکھا تھا۔ اس کے بعد میں نے جنت اور آسمانوں کی سیر کی تو مجھے آسمان کی کوئی چیز اور جنت کا کوئی دروازہ اور محل ایسا نظر نہ آیا جس پر محمد (ﷺ) نہ لکھا ہو، حور عین کی پیشانیوں، درختِ طوبیٰ کے ہر پتے پر، ہر نوری حجاب اور ملائکہ کی آنکھوں پہ میں نے یہ نام لکھا دیکھا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۴۳۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تو آپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ، ۱۲۹) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا محمد (ﷺ) کے رب کی قسم اٹھاؤ کہ تم بنیامین کو واپس لاؤ گے۔

(مظہری جلد ۵ صفحہ ۱۷۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی کریم ﷺ کے بارہ میں بشارت سے تورات کے صفحات رنگین ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (صف، ۶)

الغرض ہر نبی امام الانبیاء ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان تھا اس لئے آپ کا نام محمد (ﷺ) ہے یعنی جس کی کثرت سے تعریف کی جائے۔ پھر آپ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد آپ کی تعریف کے دریا بہہ پڑے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو تمام ارض وسما نے ایک دوسرے کو مبارک دی۔ فرشتے، حوران، جنت، پرندے اور جانور حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں ایک دوسرے کو آپ کی ولادت کی مبارک دے رہی تھیں۔ (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۵۵)

پھر نبی کریم ﷺ کو ایسے اخلاق اور ایسا جمال دیا گیا کہ بچپن سے ہر کوئی آپ کو دیکھتے ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ کی تعریف کرنے لگتا۔ اہل جاہلیت بھی آپ کو الصادق الامین کہہ کر پکارتے۔

پھر آپ ﷺ پر قرآن اترا جو اول تا آخر نعت رسول مقبول ﷺ ہے۔ قرآنی نعتوں کے چند پھول ملاحظہ ہوں:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ (بقرہ ۱۰۴)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ (بقرہ، ۱۲۹)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران،۳۱)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔ (آل عمران،۸۱)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (آل عمران، ۱۶۴)

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ (نساء،۴۱)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ (نسآء، ۶۴)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (نسآء، ۱۷۴)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (اعراف، ۱۵۸)

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ (انفال، ۲۴)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ (توبہ، ۳۳)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب، ۴۰)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ (احزاب، ۴۵)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب، ۵۶)

اور ایسی ہی آیاتِ نعتِ رسول ﷺ سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔

پھر حضور ﷺ کی سیرت، اخلاق اور فضائل پر اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ دنیا کے کسی انسان کی سیرت پر نہیں لکھی گئیں اور آپ کی عظمت وفضیلت پر ہر زبان میں اس قدر نعتیں، نشائد اور قصائد لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں کہ انہیں اکٹھا کرنے سے کئی پہاڑ کھڑے ہوجائیں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ کا نام محمد مبارک (ﷺ) ہے یعنی وہ ذات جس کی کثرت سے تعریف کی جائے۔ پھر روز قیامت جس قدر آپ کی تعریف کی جائے گی وہ بیان سے باہر ہے۔

نام محمد ﷺ کی بعض ایمان افروز خصوصیات اور خوبیاں

اول: اللہ رب العزت کا نام محمود اور آپ کا نام محمد ہے اور دونوں کا مادۂ اشتقاق حمد ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے اپنے حبیب کا نام نکالا۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وَ شَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ　　فَذُو الْعَرْشِ محمودٌ وَهٰذَا محمدٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے اپنے حبیب کا نام نکالا تاکہ ان کی عزت بڑھائے تو عرش والا محمود ہے اور یہ محمد (ﷺ) ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول فصل اول صفحہ ۲۵)

دوم: محمود اور محمد کے تمام حروف یکساں ہیں البتہ محمود میں واؤ حرف علت ہے جو محمد میں نہیں ہے۔ جو اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر علت کفر والے لوگ بھی کرتے ہیں، مگر حضور ﷺ کا ذکر صرف مومنین ہی کا وظیفہ ہے جو علت کفر سے پاک ہیں۔

سوم: اسم اللہ اور اسم محمد میں گہری مماثلت ہے۔ دونوں میں چار حروف ہیں، دونوں میں ایک تشدید ہے اور دونوں میں کوئی نقطہ نہیں ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں ہر عیب سے پاک اور ہر اعتراض سے مبرا ہیں۔

چہارم: اللہ کہنے سے دونوں ہونٹ کھل جاتے اور محمد کہنے سے دونوں باہم مل جاتے ہیں جو اس بات کا اشارہ ہے کہ خالق و مخلوق کا باہم کوئی رابطہ نہیں، ہاں حضور ﷺ اس لئے آئے ہیں تا کہ پست کو بالا سے ملا دیں۔

پنجم: اللہ رب العزت نے اکثر جگہ اپنے نام کے بعد اپنے رسول کا نام محمد (ﷺ) رکھا ہے خواہ کلمہ طیبہ ہو، کلمہ شہادت ہو یا اذان ہر جگہ ایسا ہی ہے۔ اہل دل کہتے ہیں۔

پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا　　اذان کیا، جہاں دیکھو ایمان والو
تو پھر نام لے وہ حبیب خدا کا　　کہ پہلے زبان حمد سے پاک ہو لے

ششم: حالت سجدہ میں انسان کا سر محمد کی پہلی میم کی طرح ہوتا ہے، اس کے بازو حاء کی شکل میں، اس کا پچھلا حصہ دوسری میم کی صورت میں اور پاؤں دال کی صورت میں ہوتے ہیں، گویا سجدے کی حالت میں بندہ اللہ کو اس لئے محبوب تر ہوتا ہے کہ وہ اس کے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیارے نام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔

مرزا قادیانی کا کہنا کہ اس جگہ اسے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا گیا ہے

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و الحاد اور قرآن کریم پہ ظلم کی انتہاء ہے کہ اس نے اس آیت میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مصداق اپنی ذات کو ٹھہرایا ہے، تو وہ اپنی خود ساختہ وحی کے مطابق کہتا ہے:

پھر اسی مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اس وحی میں اللہ نے میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (معاذ اللہ)

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ لندن)

چند سطور بعد لکھا ہے: غرض میری نبوت اور رسالت باعتبار محمد و احمد ہونے کے ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۰۸)

پھر اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے چند صفحات بعد مرزا قادیانی لکھتا ہے: اور چونکہ میں ظلی طور محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی، کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی جب بروزی طور پر میں محمد ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان

ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ لندن)

اسی پہ بس نہیں، جب مرزا نے خود کو معاذ اللہ محمد رسول اللہ قرار دیا تو اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ جو شخص میری جماعت میں آ گیا وہ صحابہ رسول میں داخل ہو گیا (تا کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق بھی مرزا اور اس کے ساتھی بن جائیں) تو اس نے کہا: و انزل الله علیّ فیض الرسول فاتمّه واكمله وجذب الیّ لطفه حتیٰ صار وجودی وجوده فمن دخل فی جماعتی دخل فی صحابة سیدی خیر المرسلین، اور اللہ نے مجھ پر رسول کا فیض نازل کیا اور اسے پورا اور مکمل کر دیا اور میری طرف اس کا لطف وجود کھینچا، حتیٰ کہ میرا وجود بعینہ رسول اللہ ﷺ کا وجود بن گیا، لہٰذا اب جو میری جماعت میں آ جائے وہ میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہو گیا۔

(خطبہ الہامیہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ لندن)

اور آج مرزائی لوگ مرزا قادیانی کے ساتھیوں کو باقاعدہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا درجہ دیتے ہیں اور اس کی بیویوں کے لیے امہات المومنین کا مقام مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

مرزا قادیانی کی یہ تحریرات پڑھ کر کہنا پڑتا ہے کہ اس نے وہ دعوے کیے ہیں کہ شیطان لعین بھی پیچھے رہ گیا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے: من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی کہ "جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔"

(بخاری کتاب العلم باب ۳۸، مسلم کتاب الرؤیا حدیث ۱۰، ترمذی کتاب الرؤیا باب ۴، ابن ماجہ کتاب الرؤیا باب ۳)

گویا شیطان کسی ایک شخص کے خواب میں بھی آ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں محمد رسول اللہ ہوں، مگر مرزا قادیانی جاگتے ہوئے حقیقتاً تمام لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں۔ گویا شیطان جتنی چاہے کوشش کر لے، وہ بہرحال مرزا قادیانی کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا کہ اس جیسا دعویٰ کرے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس جگہ مسلمانوں کو مرزائیوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مرزائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرو تو وہ آگے سے منہ چڑاتے ہوئے کہتے ہیں ہم تو پہلے ہی لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھتے ہیں، اگر اس کے علاوہ کوئی کلمہ ہے تو وہ بتاؤ۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ جب وہ کلمہ پڑھتے ہیں تو محمد رسول اللہ میں مرزا قادیانی کو مراد لیتے ہیں، کیونکہ مرزا قادیانی نے صاف لفظوں میں خود کہہ دیا ہے کہ اس آیت میں اسے محمد رسول اللہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا ان کے کلمہ پڑھنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

[22] اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان فرما رہا ہے کہ صحبت رسول ﷺ کی برکت سے ان میں کیسی عظیم صفات اور اعلیٰ اخلاق پیدا ہوئے، تو فرمایا کہ اصحاب رسول ﷺ کفار پہ سخت اور باہم مہربان، وہ کثرت سے رکوع و سجود کرنے والے ہیں اور ان کے چہروں پہ ان کی عبادت کا نور چمکتا ہے اور اللہ نے تورات و انجیل میں بھی ان کے اوصاف

بیان کیے ہیں۔

حضرت حسن (تابعی) فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے (کیونکہ انکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معیت سب صحابہ سے زیادہ ہے۔ وہ سفر وحضر کے ساتھی، ہجرت کے ساتھی، غار کے ساتھی اور تاقیامت مزار کے ساتھی ہیں)۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے (کیونکہ جس قدر وہ کفار پہ سخت ہیں، ایسا کوئی نہیں انہوں نے اسیران بدر کے بارہ میں کہا کہ جس مسلمان کا رشتہ دار قیدی ہے وہ اسے خود قتل کرے اور خود انہوں نے بدر میں اپنے سگے ماموں عاص بن ہاشم کو قتل کیا۔ دیکھیے بحار الانوار جلد 19 صفحہ 363، اور جس قدر انہوں نے کفر کا زور توڑا اور اسلامی فتوحات کی ہیں وہ کوئی اور نہ کرسکا)۔

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ وہ مومنوں پہ اس قدر رحیم تھے کہ انہوں نے اپنی شہادت قبول کرلی، مگر اپنی وجہ سے کسی مسلمان کا خون بہانا گوارا نہ کیا)۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے (کیونکہ ان کی زندگی ہی عبادت سے عبارت ہے، ان کی زندگی کعبہ سے شروع ہوکر مسجد پہ ختم ہوئی) اور يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا میں باقی عشرہ مبشرہ کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۱۵)

اس جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ کفار پہ سخت ہونے سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دشمنانِ اسلام پہ سخت ہیں۔ اس سے ہر کافر مراد نہیں ہے، کیونکہ اسلام کا یہ حکم نہیں کہ کبھی کفار سے نرم لہجہ نہ رکھا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ "اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہتر طریقہ کے ساتھ جھگڑا کرو۔" (نحل، ۱۲۵) اور اسلام خوش خلقی اور حسن اخلاق ہی سے پھیل سکتا ہے۔ تاہم جنہوں نے خود پہ ہدایت کا دروازہ بند کر کے اسلام دشمنی کا طریقہ اپنالیا ہے وہ کسی نرمی کے مستحق نہیں ہیں۔ گویا اس آیت میں یہ درس ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے لیے تر نوالہ نہیں بننا چاہیے۔ جیسا کہ وہ آج کل بنے ہوئے ہیں، بلکہ انہیں چاہیے کہ باہم محبت رکھیں اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں متحد رہیں۔ مگر افسوس آج ہمارے نام نہاد مسلم حکمران کفار کے گہرے دوست ہیں اور باہم ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں۔

اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گیارہ فضائل بیان کئے گئے ہیں، ہم انہیں تفصیلاً ذکر کرتے ہیں۔

پہلی فضیلت، شرفِ صحابیت: (وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ)

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنیادی فضیلت صحابیت کا ذکر ہے۔ یہی فضیلت صحابہ کو تمام امت سے افضل و برتر کرتی ہے کیونکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں (یعنی

صحابہ) پھر وہ جوان کے بعد ہوں گے (یعنی تابعین) پھر وہ جوان کے بعد ہوں گے۔'' (یعنی تبع تابعین)

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ا حدیث ۳۶۵۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ میدان جہاد میں کہیں گے کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل کی ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں ہے، تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کی برکت سے فتح دے گا (گویا وہ صحابی اپنے زمانہ کے تمام صالحین، کاملین اور مجاہدین سے افضل ہوگا اور اس زمانہ کے لوگ گزشتہ حدیث کے مطابق پچھلے تمام زمانوں سے افضل ہوں گے) پھر وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ جہاد میں کہیں گے کیا تم میں ایسا شخص ہے جس نے اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کی صحبت حاصل کی ہے؟ لوگ کہیں گے: ہاں ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انہیں فتح دے گا۔ پھر وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ کہیں گے: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اصحاب رسول ﷺ کی صحبت یافتہ کسی شخص کی صحبت حاصل کی ہے؟ لوگ کہیں گے: ہاں ہے، تو پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ا حدیث ۳۶۴۹)

ثابت ہوا کہ امت میں سب سے افضل صحابہ ہیں پھر تابعین پھر تبع تابعین۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی بالترتیب افضلیت پر کتب اہل تشیع سے یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: طوبیٰ لمن رآنی او رآئ من رآنی او رآی من رآی من رآنی. مبارک ہے اسے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا یا میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ مطبوعہ تہران)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے باپ دادا کے ذریعہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں میری سنت نہ ملے تو جو کچھ میرے صحابہ کہیں اس پر عمل کرو، کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتداء کر لی جائے ہدایت مل جاتی ہے۔ (بحار الانوار جلد ۲۲ صفحہ ۳۰۷)

حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین لڑائیوں کے بارہ میں ائمہ دین کا موقف

یاد رہے شرفِ صحابیت میں تمام صحابہ بشمول حضرت امیر معاویہ، عمرو بن العاص، ابوسفیان اور وحشی رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بعض لوگ چہ میگوئیاں کرتے ہیں، انہیں مذکورہ احادیث سے ہدایت لینی چاہیے کسی صحابی رسول کو برا کہنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو محاربات ہوئیں ان کے بارہ میں ائمہ دین کی رائے یہ ہے کہ وہ اجتہادی خطاء تھی۔ امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 792ھ اپنی درسی کتاب شرح عقائد میں فرماتے ہیں: ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والی جنگیں، خلافت کا جھگڑا نہ تھا بلکہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجتہادی خطاء تھی۔''

(شرح عقائد نسفی مع حاشیہ نبراس صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ ملتان)

اور علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ حاشیہ میں فرماتے ہیں: اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور جنہوں نے آپ سے جنگ کی وہ اجتہاد میں خطا کی، وجہ سے معذور ہیں اور دونوں فریق عادل وصالح ہیں، ان میں سے کسی پر طعن جائز نہیں۔ (نبراس حاشیہ شرح عقائد صفحہ ۳۰۷)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین جو تنازع ہوا وہ اجتہاد کے طریقہ پر تھا اور حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متقدمین و متاخرین جمہور علماء کے نزدیک معذور ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۹ مطبوعہ مصر)

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا اور وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے، تو اس کی بنیاد پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اسی خونخوار باغی گروہ نے قتل کیا تھا، جنہوں نے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر کے انہیں شہید کر دیا، پھر انہوں نے جنگ جمل میں فریقین کے مابین صلح ہو جانے کے بعد حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا۔ پھر چونکہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گروہ میں شامل تھے تو انہوں نے نارِ فتنہ کو مزید بھڑکانے کے لئے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور ان کی لاش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف اُچھال دی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمار کو انہی لوگوں نے شہید کیا ہے جو انہیں لے کر آئے تھے۔ (البدایہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۰، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

اور یہ بات بلاشبہ قرین قیاس ہے، کیونکہ جو خونخوار درندے حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے عشرہ مبشرہ صحابہ کو شہید کر سکتے ہیں، ان سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قتل کیا بعید ہے؟

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پہلی فضیلت شرف صحابیت ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہیں اور اس فضیلت کی بنیاد پر وہ ساری امت سے افضل ہیں اور جو لوگ خود کو سنی کہنے کے باوجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں زبان طعن دراز کرتے ہیں، وہ گمراہ لوگ ہیں نہ ان کو امام بنانا جائز ہے نہ ان کا مرید ہونا جائز۔

دوسری فضیلت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کفار پر سخت گیری: (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ)

کفار سے یہاں دشمنانِ دین مراد ہیں نہ کہ ہر کافر اور بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دشمنان اسلام پر بہت سخت تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبدالرحمن جنگ احد میں کفار کی طرف سے نکلا اور کہا: ھل من مبارز کہ کیا ہے کوئی جو اس کے سامنے آئے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار لہراتے ہوئے اس کے سامنے آ گئے اور باپ بیٹے کی لڑائی شروع ہو گئی۔ مگر کریم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس بلا لیا اور فرمایا: اے ابوبکر! تم ہمارے پاس رہ کر ہمیں نفع پہنچاؤ۔

(ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد اول صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ تہران مصنفہ مرزا محمد تقی شیعہ)

گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار پر ایسے سخت ہیں کہ اگر بیٹا کافر ہو تو اس کی گردن اتارنے کے لئے سب سے

پہلے میدان میں اُترتے ہیں، بلکہ مروی ہے کہ بیٹا بعد میں اسلام لے آیا اور ایک دن آپ سے کہنے لگا ابا جان! اس موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں تھے میں آپ کو قتل کر سکتا تھا، مگر میں نے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا واللہ! اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے، تو میں تمہیں دشمن دین سمجھ کر ایک لمحہ میں تمہارے دو ٹکڑے کر ڈالتا۔ یہ ہے شانِ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدر میں اپنے سگے ماموں عاص بن ہاشم کو قتل کیا کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن بن کر مقابلے میں آیا تھا۔ (بحار الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۳ مطبوعہ تہران)

حضرت ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے وہ اس وقت دشمنان اسلام میں سے تھے۔ ان کی سگی بیٹی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ وہ اپنی بیٹی سے ملنے آئے اور اس بستر پر بیٹھنا چاہا جس پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرماتے تھے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے لپک کر وہ بستر اٹھا لیا اور کہا: اے باپ! تم کافر اور ناپاک ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ بستر پر نہیں بیٹھ سکتے (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰۷) یہ ہے شانِ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ۔ اس میں ہمارے لئے درس ہدایت ہے۔ آج کفار مسلمانوں پہ فلسطین، کشمیر، عراق اور افغانستان میں ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور ہمارے نام نہاد مسلم حکمران اپنی کرسیوں کے تحفظ کے لئے ان کی خوشامد میں لگے ہیں۔ مسلمانوں پہ لازم ہے کہ وہ دشمنان اسلام پر اسی طرح سخت ہوں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر بات میں امت کے لیے معیار حق ہیں۔

تیسری فضیلت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم رحمدل و مہربان ہونا: (رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں کس قدر رحیم و کریم اور سراپا ایثار و قربانی تھے اس کا ہم آج کے مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو انصارِ مدینہ نے ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے۔ حتیٰ کہ قرآنِ مجید نے ان کے پیار و ایثار کی یوں گواہی دی: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ "اور جنہوں نے مہاجرین کے لئے پہلے سے گھر اور ایمان تیار رکھا تھا۔ وہ ان کی طرف ہجرت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور جو مہاجرین کو دیا جائے اس پر اپنے سینوں میں تنگی نہیں پاتے اور انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود محتاجی میں ہوں" (یعنی وہ اپنا پیٹ کاٹ کر مہاجرین کی مدد کرتے ہیں) (حشر، ۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بھوکا شخص حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کھانے کو کچھ مانگا۔ آپ نے پتہ کروایا تو آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کھانے کی چیز نہ ملی۔ ایک انصاری صحابی اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا، بیوی سے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان ہے، جو کھانا پکا ہے اسے کھلا دو بچا کر کچھ نہ رکھو، بچوں کو بہلا کر

سلادو اور چراغ بجھادو (تاکہ مہمان کسی تکلف کے بغیر کھائے اور ہمارے چہروں کی بھوک نہ دیکھ سکے) چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ صبح وہ مہمان حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات فلاں شخص اور اس کی بیوی کے عمل سے اللہ تعالیٰ کو بہت تعجب ہوا ہے یعنی (اللہ رب العزت بہت خوش ہوا ہے) (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ حشر)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ واقعہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک یہودی کے باغ میں مزدوری کی، انہیں وہاں سے کچھ جو ملے۔ سیدۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے ان کا تہائی حصہ پیس کر کھانا تیار کیا۔ جب کھانا تیار ہوا تو ایک مسکین نے آ کر اللہ کے لئے کھانا مانگا، انہوں نے وہ کھانا مسکین کو دے دیا۔ دوسرے دن جوؤں کا دوسرا حصہ پکایا گیا، مگر کھانے کے وقت ایک یتیم نے اپنی بھوک کا رونا رویا، تو گھر والوں نے وہ کھانا اسے دے دیا۔ تیسرے دن باقی ماندہ جو پکائے گئے تو ایک اسیر (غلام) نے کھانا مانگا اور بھوک کی شکایت کی۔ اہل بیت نے وہ کھانا اسے دے دیا اور خود بھوکے رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ اتاری: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ (سورہ دہر، ۸) (بغوی جلد ۷ صفحہ ۹۱)

یہ ہے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی حقیقی تصویر۔ مگر افسوس ہم صحابہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا دیا ہوا یہ سبق بھول گئے۔ وہ بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے تھے ہم دوسروں کو بھوکا مار کر اپنا پیٹ بھر کر خوش ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جواب شکوہ میں فرماتے ہیں۔ ع

تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم	تم خطا کار و خطابیں وہ خطا پوش و کریم
خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خودار	تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی	نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

چوتھی فضیلت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عبادت و ریاضت: (تَرٰىھُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا)

حضور سیدِ کائنات ﷺ کی عبادت و شب بیداری دیکھ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہی جذبہ آ گیا تھا۔ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز کی دو رکعات میں پوری سورہ بقرہ پڑھ دی (قریباً اڑھائی پارے) سلام کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفۃ الرسول! ہمیں خطرہ تھا کہ نماز میں سورج طلوع ہو جائیگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اگر سورج نکل آتا تو ہمیں ذکرِ خدا سے غافل نہ پاتا۔ (الریاض النضرہ نقلا من البغوی جلد اول صفحہ ۳۲۹)

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں یوں بے حس و حرکت کھڑے ہوتے جیسے زمین میں لکڑی گڑی ہو۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ بقول حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ آپ نصف شب کو تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے اور رات کا بڑا حصہ تہجد میں گزار دیتے۔ عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک

بار نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورہ یوسف (پون پارہ) اور دوسری میں سورہ حج (آدھا پارہ) تلاوت کی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عابدِ مسجد نبوی مشہور تھے۔ کئی بار آپ نے مقام ابراہیم کے سامنے ایک رکعت میں سارا قرآن کریم پڑھ دیا۔ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ بروایت ابن ابی شیبہ و دارقطنی و ابن سعد)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب نماز کے لئے اُٹھتے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا اور جسم کپکپانے لگتا۔ لوگ اس کا سبب پوچھتے تو وہ فرماتے: اس امانت کی ادائیگی کا وقت آیا ہے جس کے اٹھانے سے آسمان و زمین اور پہاڑ عاجز رہ گئے (اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ ''ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پہ امانت پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اس امانت کو انسان نے اٹھالیا۔'' (احزاب، ۷۲) اور میں اسے اُٹھا رہا ہوں۔

مشہور ہے کہ ایک بار آپ کے پاؤں میں تیر لگ گیا، اس کے نکالنے سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا جب میں نماز میں کھڑا ہوں تو اسے نکال لینا۔ جب آپ نماز میں کھڑے ہوئے تو تیر نکال لیا گیا، نماز کے بعد آپ نے پوچھا کیا تیر نکال لیا گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں نکال لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: بخدا مجھے کچھ پتہ نہیں چلا، میں نماز میں منہمک تھا۔ یہ ہے: تَرٰىهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا کا نظارہ۔ ہم نے صرف خلفاء اربعہ کی عبادت ذکر کی ہے ورنہ ہر صحابی تَرٰىهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا کی تصویر ہے۔

پانچویں فضیلت: صحابہ کی رضا جوئی حق تعالیٰ: (يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام آپ کے پاس کھانا لایا۔ آپ نے کھالیا بعد میں اس نے بتایا کہ اس نے بعض لوگوں کو زمانہ قبل اسلام میں کہانت کی تھی (جھوٹ موٹ سے کہا تھا کہ علم نجوم کے مطابق تمہارا کام ہوجائے گا اور ان کا وہ کام ہوگیا) آج انہوں نے اس کے عوض مجھے یہ کھانا دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی، پھر بھی تسلی نہ ہوئی تو گرم پانی پی کر مسلسل قے کرتے رہے اور سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ تسلی ہوگئی کہ اس حرام کھانے کا کوئی اثر پیٹ میں نہیں رہا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب ۲۶، الریاض النضرہ جلد اول صفحہ ۴۰۳)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام میں تھے۔ وہاں طاعون پھیل گیا، لوگ بھاگنے لگے۔ آپ نے فرمایا میں نہیں بھاگوں گا، کیونکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جہاں طاعون ہو وہاں سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ آپ کا گھر طاعون سے محفوظ رہا، آخر آپ نے چاہا کہ آپ کو طاعون سے موت آئے کیونکہ یہ شہادت کی موت ہے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی، آپ کی انگلی میں طاعون کا پھوڑا نکلا جس سے آپ وصال کر گئے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۸)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سات سو تجارتی اونٹ مال سے لدے ہوئے مدینہ طیبہ میں آئے۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال دینے کی فضیلت پر حدیث سنی تو وجد میں آگئے اور سارے اونٹ

مال سمیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیئے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۲۲۴)

یہ ہے صحابہ کا جذبہ رضا جوئی حق، ایسی مثالوں سے فضائل صحابہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

چھٹی فضیلت: صحابہ کرام کے نورانی چہرے: (سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ)

سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں ان کی نشانی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کثرت عبادت سے ان کے چہروں پہ نور ایمان چمکتا ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے ماتھوں پہ سجدے کا نشان مراد ہے، مگر یہ غلط ہے۔ یہ سجدے کا نشان کچھ قابل تعریف نہیں ہے۔ حضرت سائب (تابعی) نے ایک شخص کے ماتھے پر یہ سیاہ نشان دیکھا تو فرمایا اس نے اپنا چہرہ بگاڑ لیا ہے، واللہ یہ وہ نشانی نہیں ہے جو اللہ نے بیان کی ہے۔ میں اسی (80) برس سے نماز پڑھ رہا ہوں میرے ماتھے پہ تو ایسا کوئی نشان نہیں ہے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۴۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ سے وہ نشان مراد نہیں جو تم سمجھتے ہو، بلکہ یہ اسلام کی نشانی ہے یعنی چہرے پر خشوع و خضوع کا اثر۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۷۰)

یاد رہے اگر ماتھے پہ سجدوں سے سیاہ نشان ازخود پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں، مگر اسے ازخود کوشش سے نہیں بنانا چاہیے نہ اس کی تمنا رکھنی چاہیے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ کہا ہے فی جباھھم نہیں کہا، ماتھے کا داغ اور چیز ہے اور چہرے کا نور اور چیز، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہرے بلاشبہ نور ایمان سے چمکتے تھے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صحابہ شام میں داخل ہوئے، تو عیسائیوں نے کہا ان کے چہرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۹)

ساتویں فضیلت: صحابہ کا ذکرِ خیر تورات و انجیل میں بھی ہے: (مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ)

آج تورات و انجیل میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر نہیں ملتا۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے قدسی کا لفظ تورات میں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: خداوند سینا سے آیا (یعنی تورات لایا) اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا (یعنی انجیل لایا) اور کوہ فاران (مکہ) سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں (صحابہ) میں سے آیا۔ (تورات کتاب استثناء صفحہ ۲۰۰)

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ظہور اسلام سے قبل بصریٰ گئے۔ وہاں انہوں نے ایک گرجے میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر دیکھی جو عیسائیوں نے بنائی تھی اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصویر بھی تھی جنہوں نے آپ کا دامن پکڑ رکھا تھا۔ عیسائیوں نے کہا یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شخص اس نبی کا خلیفہ ہے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے یہ تصاویر پہچان لیں اور واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کر دیا تھا۔ چنانچہ میں بھی ایمان لے آیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول صفحہ ۵۵)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس حدیث کو بخاری نے تاریخ میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (خصائص جلد ا صفحہ ۳۶۳)

اس حدیث کی توجیہہ یہ ہے کہ تورات وانجیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حلیہ اس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا تھا کہ عیسائیوں نے اس کے مطابق یہ تصاویر بنا دیں جو اس قدر درست تھیں کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی انہیں پہچان لیا۔ گویا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تورات وانجیل میں مفصل تھا۔ اس لئے فرمایا گیا: مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ

آٹھویں فضیلت: صحابہ کرام کے ذریعے دین کی تقویت: (كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کھیتی سے تشبیہ دی جس نے تیزی سے اپنی بالیاں زمین سے نکالیں، انہیں مضبوط کیا اور کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے پک کر تیار ہوگئی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ کہ اس طرح تیزی سے کھیتی کے پک کر تیار ہونے نے کھیتی بُونے والے زُرّاع (کسانوں) کو تعجب میں ڈال دیا یعنی خوش کر دیا، یہاں کسان اللہ تعالیٰ اور فرشتے ہیں، جس زمین میں یہ کھیتی لگائی گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے اور جو کھیتی اُگی، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، یہ کھیتی جس پانی سے سینچی گئی وہ اللہ کا قرآن ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھیتی سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح کسان اپنی کھیتی کی حفاظت اور اس کی آبیاری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حفاظت فرمائی انہیں ہر گمراہی سے بچایا اور صحبت رسول اور آیاتِ قرآن کے پانی سے ان کے ایمان کو مسلسل مضبوط کیا۔ پھر ایک کھیتی کے بیج سے آگے کئی کھیتیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ یونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کی پہلی کھیتی تھی، پھر اس کے ایمانی بیج سے سارے جہاں میں اسلام کے چمنستان پھیل گئے۔

انجیل میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو تیزی سے پک کر تیار ہوتی ہے، اس کے الفاظ قرآن سے ملتے جلتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ۔ الخ چنانچہ انجیل مرقس میں ہے: اور اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسے ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح (تیزی سے) اُگے اور بڑھے کہ وہ آدمی نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالی، پھر بالیوں میں تیار دانے۔ (انجیل مرقس باب ۴ آیت ۲۶ صفحہ ۳۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے حکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والی کھیتی تیزی سے بڑھی اور اس کے فیض نے ایک بڑے عالم کو اپنے اثر میں لے لیا۔

نوویں فضیلت: صحابہ کرام سے بغض رکھنے والا کافر ہے: (لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ)

یعنی صحابہ والی کھیتی کا تیزی سے پک کر تیار ہونا اللہ کو خوش کرتا ہے (يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ) اور کفار کو اللہ اس کھیتی سے

غیض وغضب دلاتا ہے (لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ) یعنی وہ اس کھیتی کو دیکھ کر بہت کُڑھتے اور تلملاتے ہیں اور بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف تیس سالہ دورِ خلافت میں روئے زمین کے قریباً ایک تہائی حصہ سے غلبۂ کفر کا خاتمہ کر کے وہاں اسلام کا بول بالا کر دیا، تو کفار کا اس کھیتی کو دیکھ کر کُڑھنا قابلِ فہم ہے۔

پتہ چلا جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے اور انہیں گالیاں دے، اللہ رب العزت اسے کافر کہہ کر یاد کرتا ہے (لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ) بدقسمتی سے یہود کی سازش سے صفوف اہل اسلام میں روافض کا فرقہ پیدا کیا گیا، جنہوں نے اس لئے صحابہ کو گالیاں دینا شروع کیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کیوں کی؟ اور انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والے تمام صحابہ کو کافر قرار دیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اہل تشیع کا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر و مرتد قرار دینا (معاذ اللہ)

چنانچہ وہ امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تین صحابہ کے سوا سب مرتد ہو گئے تھے (معاذ اللہ) وہ تین یہ تھے مقداد، سلمان فارسی اور ابوذر غفاری۔ ان تینوں نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیعت سے انکار کر دیا حتیٰ کہ جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو زبردستی پکڑ کر لایا گیا اور ان سے بیعت لی گئی تو ان تینوں نے بھی بیعت کر لی۔ (روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۲۴۵، انوار نعمانیہ جلد اول صفحہ ۸۱، تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۹۹)

اسی طرح مشہور شیعہ مفسر شیخ علی بن ابراہیم قمی اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ (سورہ محمد آیت ۱) کے تحت لکھتا ہے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے بارہ میں نازل ہوئی وہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے، انہوں نے اہل بیت کا حق مارا اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی تو اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے یعنی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جو جہاد کیا وہ اللہ نے سب ضائع کر دیا۔ (تفسیر قمی سورہ محمد صفحہ ۶۲۵، تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۵۶۱)

مگر میں کہتا ہوں جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ مرتد کہیں، وہ خود مرتد ہیں۔ جو ان کے اعمال کو باطل قرار دیں ان کے اپنے اعمال باطل ہیں، ایسے لوگوں پہ اللہ کی پھٹکار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم صحابہ کو بُرا کہنے والے لوگوں کو دیکھو تو کہو تمہارے شر پہ اللہ کی لعنت ہے۔

(ترمذی کتاب المناقب باب ۵۸ حدیث ۳۸۶۶)

اور ایسے لوگ بجا طور پہ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کا مصداق ہیں۔

دسویں فضیلت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے وعدۂ بخشش:

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً) یعنی ان میں سے جو بھی ایمان اور عمل صالح کے مالک ہیں (اور وہ سبھی ایسے ہیں) تو ان سے اللہ نے بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور صحابہ کے لیے جنت کا وعدہ قرآن میں کئی جگہ آیا ہے۔ جیسے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ (توبہ،۱۰۰)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ (انفال،۷۴)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ (توبہ،۲۰)

ان تینوں آیات میں مہاجرین وانصار صحابہ کے لئے بخشش اور جنت کا وعدہ ہے۔ اور مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، امیر معاویہ، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، تو روافض کو ان کے خلاف زہر افشانی کرنے سے قبل ان آیات کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

یونہی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ (حدید،۱۰) اس آیت میں فتح مکہ سے قبل اور اس کے بعد جانی و مالی جہاد کرنے والے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور قرآن میں حسنیٰ سے مراد جنت ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (انبیاء،۱۰۱)

اور حدیث رسول ہر صحابی کے لئے جنت کا اعلان کرتی ہے جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب ۵٦ حدیث ۳۸٦۸)

پھر اہل بدر کے لئے بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر اطلاع (نظر رحمت) فرمائی اور فرمایا تم جو بھی عمل کرو تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی باب ۹ حدیث ۳۹۳۸، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱٦۱، ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۹۸)

اسی طرح بیعت رضوان میں شامل تمام صحابہ کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا گیا۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے بھی درخت کے نیچے بیعت کی وہ دوزخ میں ہرگز نہ جائے گا۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب ۵۷ حدیث ۳۸٦۰، ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۹ حدیث ۴٦۵۳)

بلکہ خود قرآن نے لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ الخ (فتح،۱۸) کہہ کر بیعت رضوان کرنے والے تمام صحابہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعلان کیا ہے۔

بلکہ تفسیر منہج الصادقین میں شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے حدیث نقل کی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی شخص دوزخ میں نہ جائیگا جس نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ (منہج الصادقین ج ۸ ص ۳۶۵ مطبوعہ تہران)

اب حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بدر اور بیعت رضوان، دونوں میں شامل ہیں۔ پھر اہل تشیع کا انہیں بُرا بھلا کہنا اپنے ایمان کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بلکہ عشرہ مبشرہ صحابہ کے لئے تو ان کا نام لے کر جنت کا اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر جنت میں ہے، عمر جنت میں ہے، عثمان جنت میں ہے، علی جنت میں ہے، طلحہ جنت میں ہے، زبیر جنت میں ہے، عبدالرحمن بن عوف جنت میں ہے، سعد بن ابی وقاص جنت میں ہے، سعید بن زید جنت میں ہے اور ابوعبیدہ بن جراح جنت میں ہے۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب ۲۵ حدیث ۳۷۴۷)

گیارہویں فضیلت: صحابہ کے لئے اجرِعظیم کا وعدہ: (وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان مومنین سے جو معیتِ رسول کا شرف رکھتے ہیں، اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابہ کے ایک مد (چار کلو) بلکہ اس کے نصف (دو کلو) غلہ خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔''

(بخاری کتاب الفضائل باب ۵ حدیث ۳۶۷۳، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۲۱، ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۰ حدیث ۴۶۸۵)

اس حدیث کو شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے بھی تفسیر منہج الصادقین جلد 9 صفحہ 171 زیر آیت لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ الخ (حدید،۱۰) میں ذکر کیا ہے۔ الحمدللہ فضائل صحابہ پر اس آیت کے تحت اس تفسیر میں جو کلام اس گناہگار کے قلم سے صادر ہوا یہ محض توفیق الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اس جگہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اللہ نے منھم کہہ کر بعض صحابہ سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے بعض سے نہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ بھی صحابہ کی جنس سے ہیں یعنی ان کے گروہ سے ہیں، ان سب کے لیے وعدۂ بخشش ہے، اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ''ہم قرآن میں سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔'' (بنی اسرائیل، ۸۲) تو کیا من القرآن کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ سارا قرآن شفاء اور رحمت نہیں ہے؟ نہیں، بلکہ معنی یہ ہے کہ جو بھی قرآن کی جنس سے ہے، وہ بہر حال شفاء و رحمت ہے۔

مفسر کے قلم سے شانِ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خوبصورت منقبت

ہیں ہدایت کے ستارے سارے اصحاب رسول
آسمانِ حق کے تارے سارے اصحاب رسول

صحبت ودیدارِ محبوب خدا کے فیض سے
نورِ حق کے ماہ پارے سارے اصحاب رسول

دنیا کو قرآن وسنت ان کے ہاتھوں سے ملے
دین حق کے ہیں سہارے سارے اصحاب رسول

ان کی ہمت کی علامت بدر وخندق اور تبوک
فتح کے ہیں استعارے سارے اصحاب رسول

وعدۂ جنت ہے ان کے واسطے قرآن میں
وہ ہیں مولا کے پیارے سارے اصحاب رسول

ان سے راضی ہے خدا قرآن اس پر ہے گواہ
اور نبی کے ہیں دولارے سارے اصحاب رسول

ان کے دل ایمان سے روشن ہیں قرآں کے بقول
مولا نے یوں ہیں سنوارے سارے اصحاب رسول

قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت کے ٹکڑے کیے
فتح ونصرت کے ہیں دھارے سارے اصحاب رسول

طیبؔ اونچا ہے بہت کردار اصحاب رسول
ہیں ہدایت کے منارے سارے اصحاب رسول

الحمدللہ آج 8 رمضان المبارک 1429ھ بمطابق 8 ستمبر 2008ء بروز پیروار بعد نماز فجر سورہ فتح کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و اٰلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ الحجرات

یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی ایک سو چھویں (106) سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے انچاسویں (49) سورت ہے۔ یہ مکمل مدنی سورت ہے۔ اسے حجرات کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس میں فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ ۔ (حجرات، ۴) اس سے حضور ﷺ کے وہ حجرے مراد ہیں جو مسجد نبوی سے متصل بنے تھے اور ان میں ازواج رسول ﷺ کی رہائش تھی۔ اس سورت میں دو (2) رکوعات، اٹھارہ (18) آیات، تین سو اڑتالیس (348) کلمات اور ایک ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

مضامین

اس کے پہلے رکوع میں آداب بارگاہِ رسول ﷺ بتائے گئے اور فرمایا کہ آپ کی بارگاہ میں آپ کی آواز سے اپنی آواز کو مت بلند کرو، ورنہ تمہارے اعمال ضبط کر لیے جائیں گے۔ آگے مسلمانوں میں باہمی اتحاد پر زور دیا گیا ہے اور دوسرے رکوع میں بعض اخلاقی خرابیوں جیسے تمسخر، غیبت، قبیلہ پرستی اور نسبی تفاخر کا رد کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص ایمان لا کر اللہ پہ احسان نہیں کرتا، بلکہ اس پہ اللہ کا احسان ہوتا ہے کہ اسے توفیقِ ایمان دی جاتی ہے اور مومنین کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، پھر علم الٰہی کا ذکر ہوا ہے۔

اس سے قبل سورہ فتح ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پہ بہت زور دیا گیا ہے جیسا کہ اس کے پہلے رکوع کا قریباً یہی مضمون ہے۔ اور یہی مضمون سورہ حجرات کا ہے اس کے دونوں رکوعات میں یہی مرکزی نقطہ ہے۔ اس لیے دونوں کو اکٹھا رکھا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۱۸ ۴۹ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّةٌ ۱۰۶ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①

بے شک اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے[1]

تعظیمِ رسول ﷺ کے تقاضے

[1] اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بقرعید کے دن کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے نماز عید پڑھنے سے قبل اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ حالانکہ آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے نماز عید سے قبل جانور ذبح کیا اس کی قربانی ادا نہ ہوئی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۳۰۱)

ایک روایت کے مطابق کچھ لوگوں نے ماہِ رمضان کا چاند نظر آنے سے قبل ایک یا دو دن روزہ رکھا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے شک والے دن (یعنی جس دن چاند کے نظر آنے یا نہ آنے کا شک ہو) روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم (محمد ﷺ) سے نافرمانی کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۱۸)

ایک روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ آگے بڑھ کر حضور ﷺ کو مشورہ دیتے تھے کہ آپ ایسا کریں، ایسا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر انہیں سمجھایا کہ خود رسول اللہ ﷺ جب تک تم سے مشورہ نہ مانگیں تم آگے بڑھ کر مشورہ نہ دو۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۰)

ان تمام روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ایسے متعدد واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو اور یہ ساری باتیں اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم و احترام کا تقاضا ہے۔

نص کے مقابلہ میں قیاس کی کچھ حیثیت نہیں

جہاں قرآن و حدیث کی واضح غیر مأوّل نص موجود ہو وہاں اس کے مقابلہ اپنی رائے پیش کرنا اللہ اور اس کے

رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش ہے، جو اس آیت کے مطابق حرام ہے۔ جیسے شیطان نے اللہ کے حکم اسْجُدُوْا کے بالمقابل اپنا قیاس پیش کیا کہ چونکہ میں آدم سے بہتر ہوں، لہٰذا میرا حق نہیں کہ اسے سجدہ کروں۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ الخ (ص،۷۶) یا جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے نص صریح وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۚ (احزاب،۴۰) کے مقابل اپنا قیاس پیش کیا کہ چونکہ میں محمدی رنگ میں ڈھل گیا ہوں، لہٰذا میں عین محمد (ﷺ) ہو گیا ہوں۔ میری ذات سے ان سے الگ نہیں رہی۔ لہٰذا میرے دعویٰ نبوت سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) (ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ لندن)

ایسے قیاسات محض کفر و الحاد ہیں اور اللہ و رسول سے آگے بڑھ کر بات کرنے کی کوششیں ہیں۔

ختم نبوت

تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے معلوم ہوا کہ اب تا قیامت قرآن کے مخاطبین کے لیے ایک ہی رسول ہے، اس لیے ورسولہٖ فرمایا گیا۔ اگر ایک سے زائد رسول آنے ہوتے تو اللہ و رسلہٖ فرماتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی اطاعت لازم ہے اور کسی کے لئے ان سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔ اب جو شخص آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرے، وہ گویا یہ کہتا ہے کہ اس کا بھی یہی منصب ہے کہ اس کی بھی ایک رسول کی طرح اطاعت کی جائے ورنہ نجات نہیں مل سکتی۔ اور ایسا کہنا اس آیت سے انکار کے مترادف ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی قانون کے مقابلہ میں غیر اسلامی قانون کا نفاذ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے۔ جیسا کہ آج پاکستان میں اسلامی قانون حدود و قصاص کی جگہ انگریز کی جاری کردہ سزائیں نافذ ہیں، اسلامی قانون شہادت کی جگہ غیر اسلامی قانون شہادت چل رہا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت ہے اور ان سے آگے بڑھنے کی ایک مکروہ صورت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی (ﷺ) کی آواز پر مت بلند کرو اور آپ سے یوں بلند آواز میں بات نہ کرو جیسے تم آپس میں

لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲

ایک دوسرے سے کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں شعور نہ ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ

جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (ﷺ) کے حضور پست رکھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے

اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ

پرکھ لیا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ [2] اے نبی (ﷺ) بے شک جو لوگ آپ کو (آپ کے) حجروں کے

مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى

باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [3]

[2] مروی ہے کہ بنی تمیم کا وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ انہوں نے آپ کو آپ کے حجروں کے باہر سے پکارا جیسا کہ آگے آیت نمبر 4 کے تحت آ رہا ہے۔ انہوں نے آپ کے پاس اپنے قبیلہ کے بارہ میں مفاخرانہ اشعار کہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اشعار کی زبان میں انہیں ایسا جواب دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے۔ تب انہوں نے شور کر دیا تاکہ یوں غالب آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا طریقہ پسند نہ آیا اور یہ آیت اتاری: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۳۰۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! نبی ﷺ کی بارگاہ میں نہایت ادب سے بیٹھو، آپ کی آواز پر اپنی آواز بلند مت کرو اور آپ کو یوں بلند آواز سے نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے تمام اعمال صالحہ ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہو گی۔ کیونکہ حضور ﷺ کو بلند آواز سے پکارنا اگر توہین کی بنیاد پر ہو تو یہ کفر ہے اور کفر سے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور اگر جہالت کی وجہ سے ہو تو بہرحال بارگاہ رسول سے لاپرواہی و بے

اعتنائی اعمال کو برباد کر دیتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب واحترام کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ سے بھر دیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کا جذبہ تعظیم مصطفیٰ ﷺ

جب یہ آیات اتریں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم! آئندہ میں ہمیشہ آپ سے ایسے کلام کروں گا جیسے کوئی کسی سے خفیہ سرگوشی کرتا ہو۔ (حاکم کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۵۰۱ مطبوعہ بیروت)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اتنا آہستہ بولتے کہ نبی کریم ﷺ سن نہ پاتے اور جب تک آپ دوبارہ نہ پوچھتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، معلوم نہ ہوتا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ حجرات حدیث ۴۸۴۵)

گویا شیخین رضی اللہ عنہما کا بارگاہ نبوی میں جس قدر بڑا مقام ہے، اسی قدر انہیں جذبہ احترام وتعظیم بھی حاصل ہوا۔ لہٰذا قرآن کی نص صریح کے مطابق ان کے لئے بخشش اور اجرعظیم ہے۔ (لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ)

بلکہ ہر صحابی سراپا احترام رسول تھا۔ ایک صحابی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز قدرتاً بلند تھی وہ اس آیت کے نزول کے بعد گھر میں بیٹھ رہے اور زار زار روتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں غیر موجود پایا تو بلایا وہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ میری آواز بلند ہے مجھے ڈر ہے کہ (اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ کے مطابق) میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو، تم تو اچھی زندگی جیو گے اور شہید مرو گے۔ چنانچہ وہ عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کے سینے پر قیمتی زرہ تھی۔ وہ ایک شخص نے اتار لی۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ایک مجاہد کو خواب میں ملے اور اسے بتایا کہ ان کی شہادت کے بعد ان کے جسم سے فلاں شخص نے زرہ اتاری ہے اور اپنے خیمے میں ایک بڑی ہنڈیا کے نیچے چھپا رکھی ہے، تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (امیر لشکر) سے کہو کہ وہ زرہ وہاں سے نکلوائیں اور مدینہ طیبہ جا کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیں تاکہ اسے بیچ کر فلاں شخص کا مجھ پر جو قرض ہے، وہ اتار دیا جائے۔ چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق وہ زرہ ان کی بتائی ہوئی جگہ سے حاصل کی گئی اور اسے مدینہ طیبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچایا گیا جنہوں نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت پوری کرتے ہوئے اس زرہ کو بیچ کر ان کا قرض ادا کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۵۱۰)

حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو یہ مقام اس آیت لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ کے مطابق تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے صلہ میں ملا۔

تعظیم مصطفیٰ ﷺ سب اعمال کی جان ہے

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ سے پتہ چلا اگر کسی کے پاس بہت سی نمازیں، صدقات، حج وعمرہ

اور دوسری نیکیاں ہوں۔مگر وہ تعظیم رسول ﷺ میں ادنیٰ کمی لائے (جیسے آپ کے حضور آواز اونچی کرنا) تو اس کی یہ تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔گویا تعظیم رسول ﷺ سب اعمال کی جان ہے۔ ؏

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست　　اگر بہ اونہ رسیدی تمام بولہبی ست

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ احترام رسول ﷺ پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔وہ غار میں سوراخ سے ڈنگ پہ ڈنگ کھاتے رہے،مگر جنبش نہ کی تا کہ حضور ﷺ کی نیند میں فرق نہ آئے۔

(مواہب لدنیہ جلد اول صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ بیروت)

حالانکہ جان بچانا سب سے بڑا فرض ہے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک تعظیم رسول ﷺ کا معاملہ اس سے بھی اہم تر ہے۔پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے احترام رسول ﷺ کے لئے آپ کی نیند پر نماز عصر قربان کر دی۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۱۰)

اور نماز عصر سب سے اہم تر نماز ہے۔گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ (باب مدینۃ العلم) کے نزدیک تعظیم رسول ﷺ کا معاملہ نماز سے اہم تر ہے۔اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؏

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز　　اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جان اُن پہ دے چکے　　اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں　　اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ کے مطابق تمام اعمال سے اہم تر عمل تعظیم رسول ﷺ ہے اور یہی صحابہ کا عقیدہ وایمان ہے۔

تعظیم مصطفیٰ ﷺ کا اجر جنت ہے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ سے معلوم ہوا جو لوگ تعظیم و احترام رسول ﷺ کے لئے آپ کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں انہیں جنت کا صلہ دیا جاتا ہے۔اسی سبب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے آقا و مولیٰ ﷺ سے منسوب ہر چیز کا احترام کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے تا کہ اس سے وہ اپنی آخرت سنوار لیں۔سورہ فتح کے تحت واقعہ حدیبیہ بیان ہو چکا۔اس میں یہ بھی ہے کہ کفار کے نمائندہ عروہ بن مسعود نے دیکھا کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کے وضوء کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے،بلکہ اسے اپنے ہاتھوں پہ لے کر اپنے چہروں پہ مل لیتے ہیں اور آپ کے جسم کا کوئی بال زمین پہ نہیں گرنے دیتے بلکہ اسے حفاظت سے رکھ لیتے ہیں۔(سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۰۲ مطبوعہ حلب شام)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں آپ ﷺ کا بال مبارک سی رکھا تھا اور اس کی برکت سے وہ جنگوں میں فتح پاتے تھے۔(الاصابہ جلد ا صفحہ ۴۱۴ بروایت مسند ابی یعلی)

الغرض تعظیم مصطفیٰ ﷺ حصول مغفرت کا ذریعہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار اس عمل میں مثالی ہے۔

مقام مصطفیٰ ﷺ: یہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم مرتبہ و مقام ہے کہ اللہ آپ کی بارگاہ کے آداب مسلمانوں کو بتاتا ہے۔ دنیوی بادشاہوں کے درباروں کے آداب ان کے کارندے اور دربان بتاتے ہیں۔ مگر حضور سرورِ کونین ﷺ کے دربار کے آداب اللہ کا قرآن بتاتا ہے کہیں فرمایا گیا: لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ ''آپ کو راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو۔'' (بقرہ، ۱۰۴) کہیں فرمایا گیا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ ''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے بڑھ کر بات نہ کرو۔'' (حجرات، ۱) اور کہیں ارشاد ہوا: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (حجرات، ۲) ع

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ است   آبروے ماز نام مصطفیٰ است

[3] پیچھے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ بنی تمیم کے وفد نے بارگاہ رسول ﷺ میں شور مچایا تھا، تب یہ آیات اتریں۔ اس وفد کا واقعہ یہ ہے کہ 9ھ میں بنو تمیم نے مسلمانوں کے خلاف کارروائی کا پروگرام بنایا۔ نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی طرف اسلامی لشکر بھیجا یہ لوگ اپنے بچے اور عورتیں چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لے آئے، بنو تمیم بعد میں اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے آئے اور حضور ﷺ کے حجرات مبارکہ سے باہر کھڑے ہو کر گستاخانہ انداز میں پکارا: اے محمد! باہر آؤ ہماری بات سنو، نبی کریم ﷺ اس وقت محوِ آرام تھے۔ آپ ان کی آوازوں سے بیدار ہو کر باہر تشریف لائے، ان کی بات سنی، بعد میں آپ نے ان کے کچھ قیدی بلا معاوضہ اور کچھ قیدی معاوضہ کے ساتھ آزاد کر دیئے۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۲۰)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ ﷺ کا مقام محبوبی

اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ گستاخانہ انداز پسند نہ آیا اور فرمایا جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے تھے وہ جاہل لوگ ہیں، اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں اگر وہ لوگ گستاخانہ و بے باکانہ انداز نہ اپناتے تو آپ ان کے سب قیدی بلا معاوضہ چھوڑ دیتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ صبر کرتے اور آپ کا انتظار کرتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ (تفسیر مظہری جلد ۹ صفحہ ۴۹)

معلوم ہوا حضور سید کائنات ﷺ اللہ رب العزت کے ایسے محبوب ہیں کہ اگر کوئی شخص اونچا بول کر آپ کی نیند میں فرق لائے، تو اللہ تعالیٰ عرش سے قرآن اتار کر اس پہ ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے آرام و سکون کی یہ اہمیت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ کا سکون اللہ ہی کی رضا کے لیے ہے، یعنی آپ سکون کر کے اُٹھیں گے تو اللہ ہی کے دین کی سربلندی میں جدوجہد شروع کر دیں گے۔ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔

اگر سوال کیا جائے کہ جب یہ بات ہے کہ اللہ کو آپ کی نیند کا بھی لحاظ ہے تو کیا سبب ہے کہ کفار کو یہ ہمت ہوئی

انہوں نے طائف میں سنگ باری سے آپ کے وجودِ مسعود کو زخمی اور لہولہان کیا اور میدان احد میں آپ کے دندان مبارک زخمی ہوئے اور اس سے قبل مکی دور میں آپ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ تکالیف کیوں گوارا فرمائیں، اللہ نے کفار کو ایسا کرنے سے روک کیوں نہ دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو تاقیامت اہل ایمان کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ اگر آپ اللہ کی راہ میں یہ تکالیف برداشت نہ فرماتے تو مجاہدین اسلام کو اللہ کی راہ میں اپنی جان لڑانے کا حوصلہ کیسے ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جہاں ان تکالیف کے تحمل سے اللہ کے ہاں اس کے محبوب کا درجہ بلند ہو، وہاں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مجاہدین ومبلغین کا حوصلہ بلند ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی برا شخص ایک خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو، کہیں تم لاعلمی میں کسی قوم کو

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ

نقصان نہ دے دو، پھر تم اپنے فعل پر ندامت کرو گے، اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں،

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ

اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانتے تو تم مشکل میں پڑ جاتے، مگر اللہ نے تمہیں

اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

ایمان سے محبت دی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کیا اور تمہیں کفر، بداعتقادی اور بدعملی سے

وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ

نفرت دے دی، یہی لوگ ہدایت والے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت ہے۔ اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

علم والا حکمت والا ہے [4]۔

[4] ان آیات کے شان نزول میں حضرت حارث خزاعی رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو ایک قوم کی طرف وصولی زکوٰۃ کے لئے بھیجا۔ ادھر وہ لوگ زکوٰۃ لے کر از خود آپ کی طرف

چل پڑے۔ ولید بن عقبہ نے انہیں دور سے آتے دیکھا تو غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ شائد یہ لوگ زکوٰۃ دینے کی بجائے مقابلہ کے لئے نکلے ہیں اور مجھ پر حملہ کریں گے۔ ولید وہیں سے بھاگ اُٹھا اور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کی بجائے مقابلہ پر آمادہ اور حملہ کرنے والے تھے۔ میں جان بچا کر آیا ہوں، صحابہ کو اس خبر سے بہت طیش آیا اور انہوں نے اس قوم کے خلاف فوری کارروائی کا مشورہ دیا۔ جب وہ لوگ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ یہ شخص ہمیں دیکھ کر بھاگ اٹھا اور ہم سے کوئی بات نہیں کی، ہم تو زکوٰۃ ہی لے کر آرہے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:
يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ ۔ الخ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! اگر کوئی فاسق آدمی (ضروری نہیں کہ وہ حقیقتاً فاسق ہو ممکن ہے وہ غلط فہمی سے غلط اور فتنہ خیز خبر لایا ہو) تمہارے پاس کوئی بری اور شر انگیز خبر لائے تو تم پہلے اس کی تحقیق کر لو، پھر اس کے مطابق کارروائی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی فتنہ انگیز خبر کے سنتے ہی کسی قوم پر چڑھائی کر دو، پھر بعد میں تمہیں ندامت ہو کہ تم نے اس قوم پر ناحق چڑھائی کی تھی۔ اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اگر وہ تمہاری ہر بات مانتے جائیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے، جیسے ولید بن عقبہ کی زبانی مذکورہ خبر سن کر تم نے آپ ﷺ کو اس قوم پر چڑھائی کا مشورہ دیا۔ اب اگر آپ یہ مشورہ مان لیتے تو تم عظیم فتنے میں پڑ جاتے۔ مگر چونکہ اللہ نے صحبت رسول کے صدقے تمہارے دلوں میں ایمان راسخ کر دیا ہے اور کفر، بداعتقادی اور بدعملی سے تمہیں نفرت دے دی ہے اور تم نے جو مشورہ دیا غیرت ایمانی کے تحت دیا اس لئے تم پر کوئی پکڑ نہیں اور تمہارے جیسے لوگ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور ان پر اللہ کا فضل و انعام ہوتا ہے۔

عدالتِ صحابہ پہ وارد ایک شبہ کا جواب

اس جگہ اہل تشیع کہتے ہیں کہ ہر صحابی کے عادل ہونے کا نظریہ غلط ہے کیونکہ یہاں اللہ نے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ کہہ کر صحابی رسول ولید بن عقبہ کو فاسق کہا ہے تو فاسق عادل کیسے ہوسکتا ہے؟ اور پھر اسی فاسق ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے گورنروں میں شامل کیا تھا تو فاسق کو مسلمانوں کے معاملات کا نگران بنانے والا بھی عادل نہیں ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال قطعی غلط ہے۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک شرارت پسند آدمی کوئی شر انگیز خبر لاتا ہے تو تم پہلے اس کی تحقیق کر لو پھر کوئی قدم اٹھاؤ۔ رہ گیا حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو انہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ دراصل اسلام سے قبل اس قبیلہ سے ان کی قبائلی مخاصمت تھی انہیں مغالطہ ہوا کہ شائد وہ لوگ پرانی مخاصمت و مخالفت کی بنیاد پر مقابلہ کے لئے نکلے ہیں اور غلط فہمی ایک عذر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نیت کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔

اور تمام صحابہ کا عادل ہونا خود کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اصحابی کالنجوم

بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ ''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی اقتداء کرلو ہدایت پالو گے۔''

(انوار نعمانیہ جلد ۱ صفحہ ۷۷ مطبوعہ دار الکوفہ لبنان، بحار الانوار جلد ۲۲ صفحہ ۳۰۷)

اور آپ کا ارشاد ہے: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَاجْلِدُوْہُ جو میرے صحابہ کو برا کہے وہ کافر ہے اسے کوڑے لگاؤ۔ (جامع الاخبار فصل ۱۲۵ صفحہ ۱۸۲)

بُری خبر کو بلا تحقیق مان لینا حکم قرآن کے خلاف ہے

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا پر عمل جس قدر ضروری ہے آج ہم اسی قدر اس کے خلاف چل رہے ہیں۔ اگر ہمیں کوئی شخص کسی آدمی کے بارہ میں اچھی بات بتائے تو ہمیں اس پر یقین نہیں آتا اور اگر بُری بات بتائے تو ہم فوراً اس پر نہ صرف یقین لاتے ہیں بلکہ آگے دس افراد کو بتاتے ہیں اور یہیں سے فتنے جنم لیتے، خاندان ٹوٹتے اور سگے بھائی باہم دشمن بن جاتے ہیں۔ اور فتنہ وفساد اور قتل وغارت کی آگ اکثر جھوٹی خبروں کی چنگاریوں سے بھڑکتی ہے، جن کو لوگ بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں اور حکم قرآنی کو خاطر میں نہیں لاتے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص بازار سے غلام خریدنے گیا۔ اس نے دیکھا بازار میں ایک شخص غلام بیچنے کے لیے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ غلام بہت خوبیوں کا مالک ہے، اچھا درزی ہے اچھا لوہار ہے، اچھا معمار ہے، ہر فن جانتا ہے، کئی زبانیں بول لیتا ہے مگر اس میں ایک عیب یہ ہے کہ جھوٹ بہت بولتا ہے، اب جو اسے خریدنا چاہے اتنے میں خرید لے۔ لوگ آتے ساری بات سنتے، جب انہیں معلوم ہوتا کہ یہ غلام بہت جھوٹا ہے تو آگے چل دیتے، کوئی اسے نہ خریدتا۔ وہ شخص دل میں کہنے لگا، جب اس میں اسقدر خوبیاں ہیں تو میں اسے خرید لیتا ہوں۔ رہا اس کا جھوٹا ہونا تو میں اس کی باتوں پہ یقین نہیں کروں گا۔ اس نے وہ غلام خرید لیا اور اسے گھر لے گیا۔ اس کا اور اس کی بیوی کا باہمی شدید جھگڑا تھا۔ ایک دن وہ غلام اس کی بیوی سے کہنے لگا: تمہارا شوہر تمہیں طلاق دینے پر تیار ہے، میں نے خود اس کو ایسی باتیں کہتے ہوئے سنا ہے۔ بیوی خوفزدہ ہوگئی اور عورت طبعاً ناقصۃ العقل اور جلدی یقین کرنے والی ہے، کہنے لگی اب کیا کیا جائے؟ غلام نے کہا: کوئی فکر نہ کرو، میں سب ٹھیک کردوں گا۔ تم بس ایک کام کرو، جب تمہارا شوہر سویا ہو تو اس کی داڑھی کے نیچے والے چند بال کسی طرح اتار کر مجھے لا دو میں ایک وظیفہ کروں گا کہ وہ تمہیں کبھی طلاق نہیں دے سکے گا۔ عورت تیار ہوگئی اور اس نے اس کام کے لیے استرا تیار کرلیا۔

پھر وہ غلام بیوی کے شوہر کے پاس گیا اور رازدارانہ کہنے لگا: تمہاری بیوی تمہیں قتل کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس نے استرا تیار کیا ہوا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے، ذرا ہوشیار رہنا، وہ تمہیں سوتے میں کسی وقت قتل کرسکتی ہے۔ شوہر کے دل میں بدگمانی اور خوف بیٹھ گیا۔ ایک دن وہ سویا ہوا تھا کہ عورت آکر استرے سے اس کی داڑھی کے نیچے والے بال مونڈنے لگی۔ شوہر اٹھا اور طیش میں آکر اس نے اسی استرے سے عورت کو قتل کردیا۔ عورت کے گھر والے آئے

انہوں نے شوہر کو قتل کر دیا۔ یوں سارا گھر تباہ ہو گیا، کیونکہ نہ بیوی نے جھوٹی خبر کی تحقیق کرنا گوارا کیا نہ شوہر نے۔
آج سائنسی ایجادات کا دور ہے۔ لوگ ان ایجادات کا غلط استعمال کر رہے ہیں، موبائل فونز کے ذریعہ جھوٹے ٹیکسٹ میسجز ایک دوسرے کی طرف ٹرانسفر کرتے ہیں یوں ایک خبر آناً فاناً مشرق سے مغرب تک پھیل جاتی ہے اور لوگ اس پہ یقین کرتے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کو رسوا کرنے کا طریقہ جاری ہے۔ پھر آج میڈیا کا دور ہے، ٹی وی چینلز والوں کو جو جھوٹی سچی خبر ملتی ہے اسے فوراً بریکنگ نیوز بنا کر اُچھال دیتے ہیں تاکہ ان کی ویوئنگ ریٹنگ بڑھے۔ اس سے بڑے بڑے فتنے جنم لیتے ہیں، یہ سب شیطانی کام ہیں، جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتے۔

تمام صحابہ عادل ہیں

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کے دلوں میں ایمان راسخ کر دیا تھا اور وہ ہر اعتقادی و عملی بے راہ روی سے دور تھے۔ ابھی چند سطور پہلے ہم شیعہ کتب سے حدیث نبوی لکھ چکے ہیں کہ فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتداء کرلو ہدایت پالو گے اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں نشانۂ طعن مت بنانا، جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو اللہ کو اذیت دے عنقریب اللہ اسے پکڑ لے گا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ

اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی گروہ دوسرے پر سرکشی کرے تو

اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ

سرکشی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خداوندی کی طرف لوٹ آئے۔ اگر وہ لوٹ آئے

فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

تو ان کے مابین عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور عدل قائم رکھو، بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں، تو اپنے بھائیوں کے مابین صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ۝

رحم کیا جائے[5]

[5] گزشتہ آیات میں فرمایا گیا کہ کسی شرانگیز خبر کو سن کر پہلے اس کی تحقیق کرو پھر اس پر قدم اٹھاؤ، تاکہ مسلمانوں میں تفرقہ اور لڑائی پیدا نہ ہو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کسی غلط فہمی یا کسی کی شرارت سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو اے مسلمانو! ان کے مابین صلح کراؤ۔ اور اگر ان دونوں گروہوں میں سے کوئی گروہ سرکشی کرے یعنی صلح پر آمادہ نہ ہو یا صلح کرنے کے بعد اسے توڑے، تو تم اس سرکش گروہ سے جنگ کرو تاکہ وہ صلح کی طرف آ جائے۔ جب وہ آ جائے تو دونوں گروہوں میں عدل کے ساتھ صلح کراؤ۔ یہ نہیں کہ ایک کے لئے نرم شرائط رکھو اور دوسرے کے لئے سخت، کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل کو پسند رکھتا ہے۔ اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کیونکہ وہ اپنے نبی کی روحانی اولاد ہیں نبی اکرم ﷺ ان کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات ساری امت کی مائیں ہیں وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ (احزاب، ۶) تو نبی کی اولاد ہونے کے ناطے سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اگر دو مسلمان بھائیوں میں لڑائی ہو جائے تو دوسرے بھائیوں کا حق ہے کہ ان دونوں میں صلح کرا دیں۔ اور اس بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر اللہ رحم کرے۔ یعنی صلح کرا کر اس کی رحمت کے امیدوار بنو مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اس کے عذاب کے حقدار نہ بنو، اس کی پکڑ سے ڈرو۔

اسلامی اخوت کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کہہ کر سب مسلمانوں کو باہم بھائی قرار دیا ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ کسی امت کا نبی ان کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے روحانی باپ ہیں اسی لئے فرمایا گیا: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ (احزاب، ۶) جب ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ ہمارے باپ ہیں اور آپ کی ازواج ہماری مائیں ہیں، پھر بلاشبہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ گویا یہ ایک اسلامی کنبہ ہے۔

مگر افسوس ہم آج نسل، قبیلہ اور علاقہ و زبان کی بنیاد پر دوسرے مسلمانوں کو خود سے کم تر اور حقیر قرار دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں فلاں شخص کمی ہے، موچی ہے، ترکھان یا حجام ہے، ہم چوہدری ہیں راجے ہیں، لہٰذا ہم اس سے رشتہ نہیں کر سکتے یا اس کو اپنے برابر یا اپنے سے برتر نہیں بٹھا سکتے۔ حالانکہ قرآن نے سب مسلمانوں کو باہم بھائی قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رُسوا کرتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے حضور ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ نے فرمایا کسی شخص کے بُرا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ یاد رکھو ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو حرام ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب البر حدیث ۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے گالی دیتا ہے اور جب تک کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں ہو اللہ اس کی مدد میں ہوتا ہے اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی تکلیف دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی عزت پر پردہ ڈالا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔'' (بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۲۵)

صلح کرانے کی فضیلت

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ سے دو مسلمان بھائیوں میں جو باہم ناراض ہوں صلح کرانے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اور اللہ فرماتا ہے وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ''صلح ہی بھلی ہے۔'' (نساء، ۱۲۸) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولا وہ اللہ کے ہاں جھوٹا نہیں ہے (بلکہ اسے جھوٹ پر بھی ثواب ہے)'' (صحیح بخاری کتاب الصلح باب ۲، مسلم کتاب البر حدیث ۲۶)

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ (اگر دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کراؤ) پر جس طرح سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے عمل کیا تاریخ اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ بعض غلط فہمیوں

کے سبب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ صفین ہوئی۔ پھر حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے اور دوبارہ جنگ کے حالات پیدا ہو گئے۔ ایسے میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا خون بچانے کے لئے اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عراق سے شام گئے اور انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت ان کے سپرد کر دی اور امتِ مسلمہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی اور قریباً آٹھ صدیوں تک جمع رہی۔ آپ کے اس عظیم کارنامے کی پیش گوئی آپ کے نانا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے فرمادی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے آپ کے ساتھ آپ کے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کی طرف، پھر آپ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الصلح باب ۶، کتاب الفضائل باب ۲۹)

امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس قربانی کا صلہ ہے کہ قربِ قیامت میں امام مہدی رضی اللہ عنہ ان کی اولاد میں سے آئیں گے جن کی حکومت تمام دنیا پہ ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہنمی کہنے والا شخص خود جہنمی ہے

یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) جہنمی کہنے والے بدبخت گمراہ مسلمانوں کے لئے بھی درس ہدایت ہے کہ جن کے ہاتھ پر نوجوانانِ جنت کے دونوں سردار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ریحانتین، جگر پارہ ہائے خاتون جنت، شاہزادگان شہنشاہ ولایت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما بیعت کریں، انہیں جہنمی کہتے ہوئے ایک مسلمان کو شرم آنی چاہیے۔ یہاں یہ ضروری بات یاد رہے کہ یہ بیعت مسلمانوں کو افتراق اور خونریزی سے بچانے کے لئے تھی، ورنہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہیں افضل ہیں۔

حضرت امیر معاویہ اور سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ صفین کیوں ہوئی؟

یاد رہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ صفین کا چھڑنا ایک غلط فہمی کی بنیاد پہ تھا۔ دراصل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بیدردی سے شہید کرنے والے لوگوں کی بڑی تعداد بعد میں لشکر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں شامل ہوگئی تھی، جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گمان گزرا کہ قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ ہے، اسی لیے وہ قاتلانِ عثمان کو اپنے لشکر میں پناہ دیے ہوئے ہیں۔ اس لیے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زمام اقتدار سنبھالی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ پہلے قاتلانِ عثمان کا محاسبہ کیا

جائے، جب تک یہ کام نہیں ہوتا ہم آپ کی بیعت نہیں کریں گے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چاہتے تھے کہ ان قاتلانِ عثمان کو سزا دیں مگر تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بہت خودسر لوگ تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہیں پکڑنا بھی چاہتے تھے، مگر آپ اس کے لیے کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔

امام ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین سے قبل فریقین میں مصالحت کی کوشش کی۔ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا دیکھو حضرت علی رضی اللہ عنہ تم سے اور تمہارے باپ سے کہیں پہلے اسلام لائے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین عزیز ہیں، تو تم ان سے کیوں جھگڑتے ہو؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلان عثمان کو اپنے لشکر میں پناہ دے رکھی ہے، بس ہمارا مطالبہ ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔ پھر کہا:

فاذھبا الیه فقولا له فلیقدنا من قتلة عثمان ثم انا اول من بایعه من اھل الشام۔ تو تم دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ ہمارے لیے قاتلانِ عثمان سے قصاص لیں تو اہل شام میں سے پہلا شخص میں ہونگا جو ان کی بیعت کرے گا۔ تو وہ دونوں صحابی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھولاء الذین تریان، فخرج خلق کثیر فقالوا کلنا قتلة عثمان فمن شاء فلیرمنا، یہ وہ لوگ ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ تو بہت سے لوگ نکل کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ہم ہیں قاتلان عثمان، اب جو ہم سے بدلہ لینا چاہتا ہے وہ ہم پہ تیر چلائے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما لوٹ گئے اور جنگ صفین میں (کسی فریق کے ساتھ) شامل نہ ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۰ ذکر سن ۳۷ھ مطبوعہ دار الریان بیروت)

نہج البلاغہ ایک شیعہ عالم سید رضی کا مرتب کردہ مجموعہ خطبات علی المرتضیٰ ہے اہل تشیع اسے الہامی کلام قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن کی طرح اس کی مثال لانا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ اس نہج البلاغہ میں مرقوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ آپ قاتلانِ عثمان کے خلاف کوئی کاروائی کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

یا اخوتاہ انی لست اجھل ما تعلمون و کیف لی بقوۃ والقوم المجلبون علی حد شوکتھم، یملکوننا ولا نملکھم وھم ھولاء قد ثارت معھم عبدانکم والتفّت الیھم اعرابکم وھم خلالکم یسومونکم ما شاءوا وھل ترون موضعا لقدرۃ علی شیء تریدونه۔

یعنی اے میرے بھائیو! جو تم جانتے ہو میں اس سے جاہل نہیں ہوں، مگر میرے پاس وہ قوت کہاں ہے؟ یہ (عثمان غنی رضی اللہ عنہ پہ) حملہ کرنے والے لوگ اپنی شوکت وقوت میں اس حد تک ہیں کہ گویا وہ ہمارے مالک ہیں، ہم ان کے مالک نہیں ہیں، ان کی یہ حالت ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ جوش میں آ گئے ہیں اور تمہارے دیہاتی بھی ان کے

ساتھ مل چکے ہیں اور وہ تمہارے اندر ہی ہیں (تمہارے لشکر میں شامل ہیں) اور تمہیں جو چاہیں تکلیف پہنچا دیتے ہیں، اب تم جو چاہتے ہو (کہ ان کو سزا دی جائے) کیا اس پہ قدرت کا کوئی موقع دیکھتے ہو؟۔ آگے آپ نے فرمایا کہ لوگو کچھ انتظار کرو تا آنکہ حالات پُرسکون ہوں اور آسانی سے حقداروں کو ان کے حقوق دیے جاسکیں۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۶۶ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مولا علی رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز موقف از کتب شیعہ

ان عبارات سے واضح ہوجاتا ہے کہ قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ مولا علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں تھے آپ ان کو پکڑ کر سزا بھی دینا چاہتے تھے مگر وہ اس قدر خودسر تھے کہ آپ کے لیے ان کا پکڑنا بہت مشکل تھا۔ ایسے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجانا طبعی امر تھا۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے بعد تمام شہروں میں ایک سرکاری حکم نامہ بھیجا جس میں آپ نے اپنا موقف لوگوں پر واضح کیا۔ آپ نے فرمایا:

وکان بدأ امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام لواحدة لانستزیدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ﷺ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیه من دم عثمان ونحن منه برآء،

ہمارا معاملہ یوں شروع ہوا کہ ہم دونوں آمنے سامنے آئے، وہ اہل شام میں سے تھے اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے اور اسلام کا دعوی بھی برابر ہے، نہ ہم ان سے بڑھ کر اللہ پہ ایمان اور اسکے رسول ﷺ کی تصدیق کا دعوی رکھتے ہیں اور نہ وہ ہم سے بڑا دعوی رکھتے ہیں، معاملہ صرف یہ ہے کہ ہمارا اختلاف خون عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ہے اور ہم اس الزام سے پاک ہیں۔ (نہج البلاغہ خط ۵۸ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

اسی طرح علامہ عبد اللہ بن جعفر حمیری تیسری صدی کے قدیم شیعہ علماء میں سے ہے، وہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انا لم نقاتلهم علی التکفیر لهم ولا علی التکفیر لنا ولکنا رأینا انّا علی الحق ورأوا انهم علی الحق،

ہم ان سے اس بنیاد پہ نہیں لڑتے کہ ہم انہیں کافر کہتے ہیں یا وہ ہمیں کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہم حق پہ ہیں اور انہوں نے سمجھا کہ وہ حق پہ ہیں۔ (قرب الاسناد صفحہ ۹۳ مطبوعہ موسسۃ اہل البیت بیروت)

اگلے صفحہ پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اہل حرب کو کفر یا نفاق کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، بلکہ کہتے تھے: هم اخواننا بغوا علینا، وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں، بس وہ ہمارے خلاف کھڑے ہو گئے۔ (قرب الاسناد صفحہ ۹۴)

جب معتبر کتب شیعہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہ نہ کفر کا فتوی لگاتے ہیں نہ نفاق کا بلکہ انہیں اپنا مسلمان بھائی کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ تو آج کسی دعویدارِ حب علی کو کیا حق ہے کہ وہ ان کے خلاف زہر افشانی کرے۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جنت کا اعلان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ ''اللہ نے سب صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔'' (حدید، ۱۰) اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں انہوں نے معاہدہ حدیبیہ اور عمرۃ القضا کے درمیان 7ھ میں کسی وقت مدینہ طیبہ جا کر اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت پایا اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کے بارہ میں فرمایا: وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ''اللہ نے ان کے لیے جنتی باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔'' (توبہ، ۱۰۰) لہٰذا ان میں سے کسی کو کافر کہنے والے کا اپنا ایمان ضائع ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عبدالرحمان بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا: اللهم اجعله هاديا مهديا۔ ''اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔''
(ترمذی کتاب المناقب باب مناقب معاویہ حدیث ۳۸۴۲)

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حمص کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا تو بعض لوگوں نے اس پہ کچھ کلام کیا۔ تب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاویہ کا ذکر صرف بھلائی ہی سے کرو، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے ان کے بارہ میں فرمایا: اللهم اهد به، ''اے اللہ! معاویہ کے ذریعہ ہدایت فرما۔'' (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۸۴۳)

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب۔ ''اے اللہ! معاویہ کو حساب وکتاب کا علم دے اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گناہ سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہو جاتا

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دو متحارب گروہ باہمی قتال کے باوجود قرآن کے مطابق مومنین ہیں اور ان کا ایمان ختم نہیں ہوا۔ اس میں معتزلہ کے لئے رد ہے جو مرتکب کبیرہ کو اسلام سے خارج کہتے ہیں۔ لہٰذا کوئی مسلمان کسی بڑے سے بڑے گناہ کے باعث بھی دائرہ اسلام سے باہر نہیں نکلتا، جب تک اس کے دل میں کلمۂ اسلام موجود ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا
اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اُڑائے، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ
دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں [6]
وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
اور ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو، ایمان کے بعد فاسق
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪
کیا ہی بُرا نام ہے۔ اور جو توبہ نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ [7]

زبان سے کئے جانے والے چھ گناہ اور ان کی برائی

[6] گزشتہ رکوع میں اتحادِ امت پر زور دیا گیا اب زبان کے گناہ بتائے جا رہے ہیں کیونکہ زبان کا نیزہ دلوں میں ایسے زخم ڈالتا ہے کہ معاشرہ اتحاد کی جگہ فتنہ و فساد سے بھر جاتا ہے۔ تو زبان سے کیے جانے والے گناہ یہ ہیں۔

پہلا گناہ: مذاق اُڑانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی قوم کسی کا مذاق نہ اُڑائے ممکن ہے وہ اللہ کے ہاں مذاق اُڑانے والوں سے اچھے ہوں اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ عورتوں کا ذکر الگ طور پر کیا گیا حالانکہ قوم میں وہ بھی ہیں اس لئے کہ مذاق اُڑانے کی عادت عورتوں میں قدرے زیادہ ہے۔ وہ دوسری عورتوں کے ملبوسات زیورات اور شکل و شباہت کا عموماً مذاق اُڑاتی رہتی ہیں۔

یاد رہے مذاق اُڑانا تکبر اور بڑائی کا نتیجہ ہے۔ عموماً امیر لوگ اپنی امارت کے گھمنڈ میں غریبوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ صحت مند لوگ معذروں کا مذاق اُڑاتے ہیں، اگر کوئی کانا ہے، اپاہج ہے، توتلا ہے یا ذہنی طور پر کمزور ہے تو لوگ اس کی بینائی، معذوری، توتلے پن اور ذہنی کمزوری کا مذاق اُڑا کر اور اس کی نقلیں اتار کر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اللہ چاہے تو مذاق کرنے والوں کو زیادہ بدتر حالت میں کر دے حتیٰ کہ وہ خود نشانۂ مذاق بن جائیں، نہیں تو آخرت میں ان سے کیا جانے والا مذاق بہت خوفناک ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ دوسروں کا مذاق اُڑانے

والے شخص کو روز قیامت جنت کے ایک دروازے سے بلایا جائے گا جب وہ قریب جائے گا تو دروازہ بند کرلیا جائے گا وہ بہت ذلیل ہوگا۔ اسے پھر بلایا جائے گا وہ خوش ہو کر قریب آئے گا تو پھر دروازہ بند کرلیا جائے گا ایسا اس کے ساتھ کئی بار ہوگا، حتیٰ کہ اسے بلایا جائیگا تو وہ نہیں آئے گا۔ (منتخب کنز العمال علی حاشیۃ مسند احمد جلد ا صفحہ ۳۲۱)

[7] دوسرا گناہ، طعنہ زنی

طعنہ زنی یہ ہے کہ دوسروں پہ بہتان تراشی کی جائے، جھوٹ فی ذاتہٖ قابل لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ (آل عمران، ۶۱) اور جھوٹ بول کر کسی مسلمان کی عزت پامال کرنا اور اس پر بہتان رکھنا لعنت بالائے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ۔ ''ہر مذاق اُڑانے اور طعنہ زنی کرنے والے شخص کے لئے ہلاکت ہے۔'' (ہمزہ، ۱)

تیسرا گناہ: دوسروں کو بُرے ناموں سے پکارنا

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے مت پکارو اور سب سے بُرا نام کسی کو فاسق کہنا ہے یا اس کا یہ معنی ہے کہ ایمان کے بعد کسی کا فاسق کہلانا بہت بُری بات ہے۔ بُرے القاب ایسے ہیں جیسے کہا جائے او چور، او ڈاکو، او شیطان، او بے ایمان، او کتے، او خنزیر، او بھیڑیئے وغیرہ، الغرض کسی کو ایسے نام سے پکارنا کہ اس میں اس کی تذلیل ہو، حرام ہے۔ حضرت ابو جبیرہ بن ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل یہاں کے لوگوں میں ہر کسی کے دو یا تین نام تھے اور وہ نام ایسے تھے جن سے کسی کا پکارا جانا اس کے لئے باعثِ غضب تھا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اتار کر ہمیں اس سے روک دیا۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ حجرات)

یاد رہے کسی کو چور، فاسق، کافر، خبیث، مخنث یا دھوکے باز کہہ کر پکارنے والے پر قاضی کوئی بھی بدنی یا مالی سزا نافذ کرسکتا ہے، مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخنث کہنے پر ایک شخص کو تعزیر لگائی تھی، اگر کسی کو گدھا، کتا یا خنزیر کہہ کر بلایا جائے تو بعض کے نزدیک اس پر تعزیر ہے بعض کے نزدیک نہیں البتہ کسی عالم دین، یا صالح شخص کو ایسا کہنے پر بالاتفاق تعزیر ہے۔ (مظہری جلد ۹ صفحہ ۵۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

اے ایمان والو، زیادہ گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور (لوگوں کے) عیب نہ ڈھونڈھو، اور

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ

کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

تو تم اسے ناپسند جانو گے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم والا ہے۔ [8]

[8] چوتھا گناہ: بدگمانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا زیادہ گمان نہ کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں یعنی بعض گمان گناہ نہیں ہیں، بلکہ ضروری ہیں جیسے اللہ تعالیٰ اور مومنوں کے بارہ میں خوش گمانی ضروری ہے اور بعض گمان گناہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ اور مومنوں کے بارہ میں بدگمانی رکھنا گناہ اور حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش نہ کرو اور باہم بغض وحسد نہ رکھو اور اللہ کے بھائی بھائی بندے بن جاؤ۔''

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب ۴۵، مسلم کتاب البر حدیث ۲۴)

بدگمانی میاں بیوی کا رشتہ کاٹ دیتی، گھر اُجاڑ دیتی اور دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے اور چاہیے کہ انسان بدگمانی پیدا کرنے والے کام ہی نہ کرے، نہ لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع دے۔ گزشتہ رکوع میں یہ آیت گزر چکی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ۔ ''اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم جہالت کے باعث کسی قوم پہ حملہ کر دو۔'' (حجرات، ۶) اور اس کا شان نزول بھی آپ پڑھ چکے کہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے غلط فہمی سے زکوۃ دینے والوں کو زکوۃ کے منکر سمجھ لیا۔ اسی طرح شیطان ہمارے دلوں میں غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر دیتا ہے۔

پانچواں گناہ: عیب کی ٹوہ لگانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَجَسَّسُوْا یعنی لوگوں کے چھپے عیوب پر ٹوہ لگا کر انہیں بے نقاب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بعض لوگوں کی بُری عادت ہے کہ وہ دوسروں کی بُرائیاں ڈھونڈتے رہتے ہیں اور اگر کوئی بُرائی مل جائے تو اسے خوب اچھالتے ہیں، یہ سخت گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے چھپے

معاملات کی کھوج مت لگاؤ، جو شخص لوگوں کے چھپے معاملات کی کھوج لگائے گا اللہ اس کے خفیہ معاملات ظاہر کر دے گا اور اسے رسوا کر دے گا خواہ وہ اپنے گھر میں دبکا بیٹھا ہو۔'' (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۴۲۱) البتہ دشمنان قوم وملت اور دہشت گردی کرنے والے گروہوں کی جاسوسی کرنا اور انہیں پکڑنا یہ کام اس زمرہ میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ اہل اسلام کی حفاظت کی زمرہ میں آتا ہے۔ اسی بنیاد پہ انٹیلی جنس کا محکمہ قائم کیا جاتا ہے۔

چھٹا گناہ: غیبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کی لاش نوچ کر کھائے؟ یقیناً تم اسے ناپسند کرو گے تو کسی مسلمان کی غیبت کرنا اسی طرح برا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ یاد رہے غیبت یہ ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کی بُرائی بیان کی جائے یا اس انداز میں اس کا ذکر کیا جائے کہ اگر اسے معلوم ہو تو اسے ناگوار گزرے اور وہ اس سے اذیت محسوس کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا غیبت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا اپنے بھائی کا یوں غائبانہ ذکر کرنا جو اسے بُرا لگے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بُرائی میرے بھائی میں موجود ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ بُرائی ہے جو تم نے بیان کی تو یہی غیبت ہے۔ اور اگر اس میں وہ بُرائی ہی نہیں تو جو تم نے بیان کی تو پھر تم نے اس کی غیبت نہیں کی بلکہ اس پر بہتان لگایا ہے۔ (ترمذی کتاب البر باب ۴۳)

دراصل ہمارے معاشرہ میں یہ قباحت عام ہے کہ ہم کسی کی بُرائی اس کے منہ پر اسے نہیں بتاتے بلکہ منہ پر اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی پشت پر اس کی بُرائی لوگوں میں پھیلاتے ہیں تاکہ وہ رسوا ہو، یہی غیبت ہے۔ مومن کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی اصلاح کے لئے اس کی بُرائی اسے علیحدگی میں دردمندانہ طریقہ سے بتائے تاکہ وہ اس سے باز آ جائے مگر لوگوں کو اس کی بُرائی نہ بتاتا پھرے۔

مروی ہے کہ دو عورتوں نے روزہ رکھا پھر وہ لوگوں کا گوشت کھانے لگیں (لوگوں کی غیبت کرنے لگیں) تو وہ سخت بیمار ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا حال بیان کیا گیا۔ آپ نے انہیں بلوایا اور فرمایا کہ قے کرو انہوں نے قے کی تو اس میں تازہ خون اور گوشت نکلا۔ آپ نے فرمایا تم نے روزہ رکھ کر حلال چیزوں کا کھانا تو چھوڑ دیا مگر لوگوں کا حرام گوشت کھانا نہ چھوڑا (یعنی تمہاری قے میں اللہ نے وہ گوشت مثالی صورت میں تمہیں دکھایا ہے جو تم نے لوگوں کا کھایا)

(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۳۱)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص اس مردہ گدھے سے اپنا پیٹ بھرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کے گوشت سے پیٹ بھرے (اس کی غیبت کرے) (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۷۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا ان دو

قبروں میں مُردوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ پھر حضور ﷺ رو پڑے اور فرمایا ان میں سے ایک شخص لوگوں کی غیبت کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے تر شاخ لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں پہ گاڑ دیئے اور فرمایا جب تک یہ تر رہیں گی ان کا عذاب ہلکا رہے گا۔ (الادب المفرد صفحہ ۲۵۶ حدیث ۷۲۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ناخن لوہے کے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے اور ان کی عزتیں پامال کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۳۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بدتر ہے، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ یہ زنا سے بدتر کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے مگر غیبت کرنے والے شخص کو اس وقت تک معاف نہیں کیا جائے گا جب تک اسے وہ آدمی معاف نہ کرے جس کی اس نے غیبت کی تھی۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۷۶ بروایت بیہقی)

وہ صورتیں جو غیبت سے مستثنیٰ ہیں

یاد رہے اگر کوئی شخص کسی بُرائی کو سرعام کرتا ہے تو اس بُرائی کا بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ ایک حدیث ہے کہ جس نے حیا کی چادر اتار پھینکی اس کے حق میں کوئی غیبت نہیں۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۷۷ بروایت بیہقی)

اسی طرح مظلوم کا ظالم کے خلاف فریاد کرنا غیبت نہیں ہے۔ اور اگر ایک شخص کہیں اپنا یا اپنی اولاد کا رشتہ کرنا چاہتا ہے اور اس رشتہ کے بارہ میں کسی سے رائے لیتا ہے اور وہ شخص اسے بتاتا ہے کہ فلاں جگہ رشتہ نہ کرو وہ اچھے لوگ نہیں ہیں یہ بھی غیبت نہیں ہے کیونکہ اس کا مقصد ایک مسلمان کو مصیبت سے بچانا ہے۔ اور کسی بداعتقاد شخص کی بداعتقادی لوگوں کو بتانا تاکہ لوگ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی گمراہی میں مبتلا نہ ہوں، یہ بھی غیبت نہیں کیونکہ اس کا مقصد لوگوں کے عقائد کا تحفظ ہے نہ کہ کسی کو رسوا کرنا۔ غیبت یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کے لئے اس کی بُرائیاں غائبانہ پھیلائی جائیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) اللہ تعالیٰ کے ہاں بندۂ مومن کی عزت و حرمت: مذکورہ چھ گناہوں کی حرمت کا فلسفہ یہی ہے کہ اللہ کو مومن کی عزت و حرمت کا پاس ہے وہ نہیں چاہتا کہ ایک مومن کے بارہ میں کوئی شخص بدگمانی رکھے، اس کی ٹوہ لگائے، اس کا مذاق اُڑائے، اس پر طعنہ زنی کرے، اسے بُرے نام سے یاد کرے یا اس کی غیبت کرے۔ بندۂ مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر عظیم ہے کہ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ ایک بار کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے اے کعبہ! تو کتنا پیارا ہے، تیری خوشبو کتنی عمدہ ہے، تو کتنا عظیم ہے، تیری عزت کتنی بلند ہے مگر اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے بندۂ مومن کی حرمت اللہ کے ہاں تیری حرمت سے زیادہ ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲)

(2) زبان کی لغزش سارے جسم کو جہنم میں گرا سکتی ہے: اللہ نے تمسخر، طعنہ زنی اور بُرے نام رکھنے کی ممانعت بتانے کے بعد فرمایا: وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ اور قرآن میں کئی بار آیا: وَاِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۱﴾ (شوریٰ ۲۱، ابراہیم ۲۲ وغیرہ)

معلوم ہوا زبان کی ایک لغزش انسان کے سارے جسم کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ لہٰذا زبان کو ہمیشہ کنٹرول میں رکھنا لازم ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامل یمن بنا کر بھیجا تو انہوں نے کسی وصیت کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس زبان کو سنبھال کر رکھنا۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۱۲)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے گروہ اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ
لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۳﴾
کے ہاں تم میں سے معزز تر وہ ہے جو تم میں سے اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے، بے شک اللہ علم والا خبر والا ہے، [9]

مساوات انسانی اور حقیقت ایمان

[9] اب اتحادِ امت پر ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی جا رہی ہے، تو فرمایا: اے سب انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا سے پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے تمہیں مختلف گروہوں جیسے پاکستانی، ایرانی، عراقی، عربی، عجمی وغیرہ میں اور مختلف قبائل جیسے ہاشمی، اسدی، تیمی، گجر، چوہدری، راجے، شیخ وغیرہ میں تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور بتا سکو کہ میں فلاں علاقہ اور فلاں قبیلہ سے ہوں۔ تو کسی علاقہ یا قبیلہ کی بنیاد پر تم میں سے کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں ہے کیونکہ تم سب ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کی اولاد ہو۔ ہاں تم میں سے جو اپنے خالق و مالک سے زیادہ ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ معزز ہے اور تقویٰ کی پہلی بنیاد ایمان ہے، پھر عمل صالح، پھر اخلاص، تو جس کے پاس یہ اوصاف زیادہ ہیں وہ اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہے۔

حضرت امام زہری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ بنو بیاضہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی فلاں عورت کا نکاح ابو ہند سے کر دیں، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنے غلاموں سے کیا کریں گے؟ (ابو ہند ان کا آزاد کردہ غلام تھا) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ امام زہری فرماتے ہیں

ابو ہند رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن اتار کر ان کی عزت بلند کر دی۔

(سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ بیروت)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے اذان کہی۔ ایک کافر عتاب بن اسید نے کہا اچھا ہوا میرے باپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا (کہ ایک غلام سب سرداروں سے بلند کھڑا ہے) حارث بن ہشام نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا اذان دینے کے لئے کوئی نہ ملا تھا؟ سہیل بن عمرو نے کہا اگر اللہ چاہے تو اسے بدل سکتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں کچھ نہ بولوں گا مجھے ڈر ہے کہ میرے بارہ میں ان تک آسمان سے خبر پہنچ جائے گی۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کفار کی یہ باتیں آپ کو بتائیں، آپ نے انہیں طلب فرمایا۔ انہوں نے ان باتوں کا اقرار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى۔ الخ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۳۴۱)

گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سمجھایا کہ کوئی آزاد شخص خود کو کسی غلام سے اور کوئی مالدار خود کو کسی غریب سے اور کوئی عربی خود کو کسی عجمی سے افضل نہ جانے، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

حسب ونسب پر فخر کرنے کا رد

یہ آیت ایسے ماحول میں اُتری جب عرب کا ہر قبیلہ اپنے شعراء کے ذریعے دوسرے قبائل پر اپنی برتری جتاتا اور دوسرے قبائل کی ہجو کرتا تھا۔ حج کے موقع پر منیٰ وعرفات میں ذکر اللہ کی بجائے قبیلہ پرستی پر مشتمل ان کے مشاعرے ہوتے تھے اور ان کی یہ مہاجات (باہمی ہجو گوئی) بسا اوقات جنگ وجدال کے شعلے بلند کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے دورِ جاہلیت کی اس قبیلہ پرستی کا قلع قمع کر دیا۔ مگر افسوس آج مسلمانوں میں پھر قبیلہ پرستی وعلاقہ پرستی آ گئی ہے اور رنگ ونسل اور علاقہ وزبان کی بنیاد پر دوسرے مسلمانوں کا مذاق اُڑایا جاتا بلکہ ان کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ جیسے بیسویں صدی کی آخری دہائی میں عراق وایران کی باہمی آٹھ سالہ جنگ میں قریباً آٹھ لاکھ مسلمانوں کا لقمۂ اجل بننا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ع

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے اموال نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نیتیں اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۳۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب اولاد آدم ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، جو لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرتے ہیں وہ باز آ جائیں، ورنہ وہ اللہ کے ہاں سیاہ کیڑے سے بھی ذلیل تر ہوں گے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۳۲ بروایت بزار)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر طواف سے فراغت کے بعد اپنی اونٹنی پہ بیٹھے ہوئے فرمایا: لوگو اللہ نے تم سے جاہلیت کا عیب اور اپنے باپ دادا پہ فخر کرنے کی بُرائی دور کر دی ہے اب دو ہی طرح کے لوگ ہیں ایک متقی جو اللہ کے ہاں معزز ہیں اور دوسرے بدکردار جو اللہ کے ہاں ذلیل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۰۶ حدیث ۱۸۶۲۲)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کسی انسان کا نسب دوسرے انسان کے نسب کو بُرا کہنے کے لیے سبب نہیں بن سکتا، تم سب اولادِ آدم ہو، تم میں سے کسی کو کسی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں اور آدمی کے بُرا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ بدگو بخیل اور بے حیا ہو۔'' (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۵۴)

اس جگہ یہ بات یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب یعنی آپ کی عترت و اہل بیت کا احترام بہر حال لازم ہے۔ کیونکہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز محترم ہے، خواہ وہ خاک کے ذرے ہوں۔ آج غبارِ مدینہ طیبہ کا بھی احترام کیا جاتا ہے اور حدیث مبارکہ ہے کہ غبار مدینہ جذام کے لئے شفاء ہے۔ کسی نے خوب کہا۔ ع

خاکِ طیبہ از دو عالم بہتر است　　اے خوشا شہرے کہ در وے دل براست

جب محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی خاک کا یہ احترام ہے تو آپ سے خون کا رشتہ رکھنے والے مسلمانوں کے احترام کا کیا کہنا ہے۔ اسی لئے حدیث نبوی ہے کہ فرمایا: ''روز قیامت ہر نسب اور ہر رشتہ داری منقطع ہو جائے گی مگر میری رشتہ داری اور میرا نسب منقطع نہ ہوگا۔'' (سنن بیہقی جلد ۷ کتاب النکاح صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ بیروت)

تاہم کسی سید زادے کا حق نہیں کہ وہ اپنی فضیلت کے سبب متکبر ہو اور گردن اکڑا کر چلے، بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کرم خاص کے شکرانے میں پیکر عجز و انکسار بن کر رہے۔

سب اہل اسلام باہم کُفُوْ ہیں

جب اس آیت کے مطابق کسی قبیلہ کو کسی قبیلہ پر برتری نہیں تو پھر ہر مسلمان قبیلہ دوسرے مسلمان قبیلہ میں نکاح کر سکتا ہے۔ اس میں کسی چوہدری یا کسی کمی کا کوئی امتیاز نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان اور دوسرے خاندانوں میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سگی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا اور اس پر نص قرآنی فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا موجود ہے۔ (احزاب، ۳۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کو قائم کر کے عربی و عجمی، آزاد و غلام اور ہاشمی و غیر ہاشمی سب کا فرق مٹا دیا۔

پھر ابھی اس آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ کے شان نزول میں آپ نے پڑھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی آزاد عورت کا نکاح اپنے غلام ابوہند سے کر دیں۔ لہٰذا جو لوگ اس بات پہ زور دیتے ہیں کہ ہم مثلاً

آرائیں ہیں لہٰذا ہم آرائیوں سے باہر رشتہ نہیں کر سکتے یا ہم راجپوت ہیں ہم اپنے قبیلہ سے باہر نہیں جا سکتے، یہ جاہلانہ سوچ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کسی عورت سے نکاح اس کے مال، اس کے جمال، اس کے نسب یا اس کے دین کی وجہ سے کیا جاتا ہے، تو تم صرف دین کو لے لو باقی چیزیں چھوڑ دو۔'' (صحیح مسلم کتاب الرضاع حدیث ۵۳)

یعنی تم صرف یہ دیکھا کرو کہ وہ عورت جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو کس قدر دین والی ہے، خواہ اس کا کوئی نسب ہو یا مال و جمال میں کوئی بھی مقام ہو۔ اس حدیث سے صاف واضح ہو گیا کہ اہل اسلام کا اصل کفو صرف اسلام ہے۔

خاندانِ رسالت کی وہ مقدس بیٹیاں جن کے رشتے خاندان سے باہر کیے گئے

اور احادیث مبارکہ اور تاریخِ اسلام میں ایسے کثیر واقعات ہیں کہ خاندانِ رسول ﷺ نے اپنی بیٹیوں کے نکاح خاندان سے باہر کیے۔ سب سے اول رسول اللہ ﷺ نے اپنی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کیا، پھر حضور ﷺ نے ان سے چھوٹی اپنی بیٹیوں رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا اور ابوالعاص اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما دونوں غیر مطلبی بلکہ غیر ہاشمی ہیں اور خاندان بنوامیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کا نکاح خاندان سے باہر کر کے بتا دیا اور سنت مبارکہ جاری کر دی کہ جہاں ایمان و تقویٰ کے اعتبار سے مناسب رشتہ مل جائے وہاں بیٹے یا بیٹی کا رشتہ کر دینا چاہیے۔ اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، کیونکہ اصل کفو اسلام ہے۔

پھر امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کی سگی بہن جناب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تفاوت عمر کے باوجود سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا، جو مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خود کیا۔ اگرچہ دورِ حاضر کے اہل تشیع اور بعض نام نہاد سنی بھی اس نکاح کے ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ مگر یہ ان کی محض ضد ہے اور ضد سے مسائل سلجھتے نہیں، الجھ جاتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس نکاح کا دو جگہ ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خواتینِ مدینہ میں مال غنیمت کی چادریں تقسیم کیں، ایک چادر بچ گئی۔ کسی نے کہا: اے امیر المؤمنین! اعط هذا ابنة رسول الله ﷺ التی عندك یریدون ام كلثوم بنت علی، آپ یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو دیدیں جو آپ کی بیوی ہے، یعنی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا، جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس چادر کی حقدار ام سلیط رضی اللہ عنہا ہیں، کیونکہ یہ وہ انصاری خاتون ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور جنگ احد میں یہ مشکیزے بھر بھر کر مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ۶۶ حدیث ۲۸۸۱، بخاری کتاب المغازی باب ۲۳ حدیث ۴۰۷۱)

بیہقی شریف میں ہے کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے

ذریعہ ہوا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح کرنا چاہا تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے کچھ اعتراض کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے۔ تب امام حسن رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا: لا صبر علی ھجرانك یا ابتاہ۔ ابا جان! آپ کی ناراضگی ہمیں برداشت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: فزوّجاہ۔ اگر یہ بات ہے تو پھر یہ نکاح کردو، چنانچہ یہ نکاح کر دیا گیا۔ (بیہقی کتاب النکاح باب ماجاء کاح الآباء الابکار جلد ۷ صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

جبکہ کتب اہل تشیع تو اس نکاح کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان علیا لما تُوُفّی عمرُ اتی امّ کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بھا الی بیتہ، جب عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) کا وصال ہو گیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں ہاتھ سے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔

(فروع کافی کتاب الطلاق صفحہ ۶۹ مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف، الاستبصار کتاب الطلاق صفحہ ۶۲۰ مطبوعہ دار مجتبیٰ)

پھر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی سگی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہم سے ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۷۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

گویا یہ سیدزادی کے غیر سید مرد سے نکاح کی دوسری مثال ہے اور اس نکاح کا ذکر کتب شیعہ میں بھی بکثرت ملتا ہے۔

(شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۴۵۹، مسالک الافہام جلد اول باب لواحق العبد، مقاتل طالبیین صفحہ ۲۰۲)

پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کی دوسری بیٹی سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کے یکے بعد دیگرے چار نکاح ہوئے اور سب غیر سادات مردوں سے ہوئے۔ پہلے ان کا نکاح حضرت مصعب بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما سے ہوا ان سے فاطمہ نام کی لڑکی ہوئی۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم سے ہوا، ان سے دو لڑکے ہوئے عثمان اور حکیم، اور ایک لڑکی ربیحہ ہوئی۔ عبداللہ کی وفات کے بعد ان سے حضرت زید بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم نے شادی کی اور ان کی وفات کے بعد ان سے حضرت ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما نے نکاح کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۷۵ مطبوعہ دار صادر بیروت)

پھر حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی چھ بیٹیاں تھیں، ان میں سے چار بیٹیوں کے نکاح غیر سید مردوں سے ہوئے۔ زینب کا نکاح ولید بن عبدالملک سے، فاطمہ کا نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے، ملیکہ کا نکاح جعفر بن مصعب بن زبیر سے، اور ام قاسم کا نکاح مروان بن ابان بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

(جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اگر کسی معزز خاندان کی لڑکی کسی عام آدمی سے خود نکاح کر لے تو کیا کیا جائے؟

اس جگہ یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر کوئی عورت اپنے والدین کی مرضی کے بغیر کسی ایسے خاندان میں اپنی شادی کر لے

جو مال، نسب، علم یا کردار کے اعتبار سے ان کے ہم پلہ نہ ہوں تو بعض فقہاء نے عورت کے والدین کو بذریعہ عدالت اس نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ جن فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے انکا مقصد یہ نہیں کہ ان کے نزدیک اصل کفو اسلام نہیں بلکہ انکا مقصد یہ ہے کہ کسی لڑکی کا اپنی مرضی سے والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود کہیں نکاح کر لینا لڑکی کے والدین اور دیگر اقارب کے لیے بہت تکلیف دہ اور باعثِ ننگ و عار معاملہ ہے۔ خصوصاً لڑکی کا کسی ایسی فیملی میں نکاح کر لینا جو اپنے کردار، علم یا معاشرے میں اپنے مرتبہ کے اعتبار سے انکے ہم پلہ نہیں ہیں، یہ چیز لڑکی کے اقارب کے لیے مزید باعث اذیت بن جاتی ہے تو وہ بذریعہ عدالت اس نکاح کو فسخ کروا سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی سیدہ لڑکی کسی غیر سید مرد سے (جو معاشرہ میں کوئی علمی اور دینی منصب بھی نہیں رکھتا) اپنے والدین کی مرضی کے بغیر (خدانخواستہ) نکاح کر لے تو اس کے والدین اگر چاہیں تو اس نکاح کو بذریعہ عدالت فسخ کر سکتے ہیں۔

(بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک وہ نکاح ہی منعقد نہیں جیسا کہ صاحب درمختار نے کتاب النکاح میں اس کی صراحت فرمائی ہے، بلکہ اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے) لیکن اگر سادات میں سے بعض لوگ اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی بیٹی کا نکاح کسی غیر سید سے کریں تو یہ انکا حق ہے، کوئی عدالت، پنچایت یا برادری اسے فسخ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ ابھی آپ نے کثیر روایات دیکھ لیں کہ خاندانِ رسالت کے لوگوں نے اپنی بچیوں کے رشتے خاندان سے باہر کیے۔

اپنے نام کے ساتھ اپنے نسب کا حوالہ دینا

آج بعض لوگ اپنے نام کے ساتھ شیخ، مغل، خان، چوہدری، راجہ، ملک وغیرہ لکھواتے ہیں۔ عموماً اس کے لکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم کوئی کمی کمین نہیں ہیں یعنی ہم کسی چھوٹی ذات سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہماری بڑی اونچی ذات اور اونچی برادری ہے، ہم کوئی موچی، نائی، یا تیلی ترکھان نہیں ہیں۔ یہی وہ ذات برادری کا تفاخر ہے جس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ دیکھیے ایک شخص اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر، ایڈووکیٹ، جج، حافظ، قاری وغیرہ لکھتا ہے، تو بات سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ ڈاکٹر یا حافظ وغیرہ بننے میں اس کی طویل محنت شامل ہے، زندگی کا ایک طویل حصہ صرف کر کے اس نے یہ منصب پایا ہے تو اسے اس کے اظہار کا حق ہے۔ مگر مغل یا ملک وغیرہ ہونے میں اس کا کونسا کمال ہے، ہاں اگر کوئی محض پہچان کے لیے اپنی برادری کو اپنے نام کے ساتھ لکھتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے قبیلے تمہاری پہچان کے لیے بنائے ہیں، مگر چونکہ آج ان الفاظ کو عموماً تفاخر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے ان سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی گجر ہے چوہدری ہے یا راجہ وغیرہ ہے تو اس سے اس کی قدر و قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

ہاں سید ہونا ایک اعزاز کی بات ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ادنیٰ نسبت کا حصول بھی عظیم اعزاز ہے، بلکہ خاک کے جن ذروں پہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا قدم آ گیا وہ ذرے بھی بیمثل و بیمثال ہیں، تو رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاندانی وخونی رشتہ تو بلاشبہ عظیم نعمتِ خداوندی ہے۔لہٰذا اگر کوئی اپنے ساتھ سید لکھواتا ہے تاکہ اس اعزاز وانعام کا ذکر کرے جو اسے اللہ نے دیا ہے تو اس میں حرج نہیں۔تاہم سید کو چاہیے کہ اپنی اس نسبت کی وجہ سے متکبر نہ بنے، بلکہ اس کا سر اللہ کے حضور اس انعام کی وجہ سے زیادہ جھکا ہونا چاہیے، بلکہ اگر وہ خود کو سید لکھواتا ہے تو اس کا عقیدہ وعمل اور کردار واخلاق بھی مثالی ہونا چاہیے، تاکہ خاندان رسالت کو اس کی وجہ سے مزید وقار ملے اور اس کی بدکرداری کی وجہ سے اس عظیم خاندان کی عزت پہ حرف نہ آئے۔جب یہ منصب بہت بلند ہے تو اس کا تقاضا بھی بہت اہم ہے۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء (Evolution) کا رد

خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى اس بات پہ نص صریح ہے کہ سب انسان ایک مرد اور ایک عورت سے شروع ہوئے ہیں، دوسری جگہ واضح فرمایا گیا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً "اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان (آدم) سے بنایا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی پھر ان دونوں سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔" (نسآء،۱)

لہٰذا ڈارون کا یہ نظریہ کہ انسان بندروں سے بگڑی ہوئی مخلوق ہے۔محض غلط اور انسانیت کی تذلیل ہے۔کوئی مخلوق دوسری مخلوق سے نہیں بدلتی، بندر آج تک بندر ہیں۔گھوڑے گھوڑے ہیں اور گدھے گدھے۔ڈارون کا نظریہ محض ایک مفروضہ ہے اور اسے وہی شخص تسلیم کریگا جو قرآن سے اور اپنی عقل سے دست بردار ہو جائے۔ڈارون 1809ء میں برطانیہ میں پیدا ہوا اور 1882ء میں فوت ہوا، وہ بڑا فلسفی اور علوم طبیعہ کا ماہر تھا۔

اس نے یہ نظریہ ایجاد کیا کہ زندہ اجناس کروڑوں برس کے ارتقائی عمل سے گذر کر موجودہ صورت تک پہنچی ہیں اور یہ کہ انسان کی موجودہ شکل بھی ارتقائی ہے، پہلے وہ بندر تھا اور بندروں کی طرح زمین پہ چوپایوں کی طرح رینگتا تھا، پھر اس نے اگلے دو پاؤں اٹھا کر چلنا شروع کر دیا، پھر وہ دو قدموں پہ چلنے لگا، پھر اسکی شکل میں تبدیلی آئی اور رفتہ رفتہ وہ موجودہ شکل تک پہنچ گیا، مگر یہ سب بکواسات ہیں سوال یہ ہے کہ جو بندر آج تک موجود ہیں ان میں کیوں تبدیلی نہیں آئی؟ پھر انسان میں اسقدر عقل وشعور کہاں سے آگیا کہ اس نے تمام دنیا کو کنٹرول کر لیا اور یہ ارتقائی تبدیلی صرف بندروں ہی میں کیوں آئی دیگر زندہ اجناس آج تک اپنی ایک حالت ہی پہ کیوں چلی آرہی ہیں؟

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

بعض دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں، آپ ان سے فرمائیں کہ تم ایمان نہیں لائے ہو مگر تم یہ کہو

يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ

کہ ہم نے (ظاہری طور پر) سر جھکایا ہے اور ایمان تمہارے دلوں میں کبھی داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ

مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال (کے صلہ) میں کوئی کمی نہیں چھوڑے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ

مؤمنین تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر وہ کسی شک میں نہ پڑے اور انہوں نے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ

اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں آپ فرما دیں کیا تم اللہ کو اپنا دین بتاتے ہو؟

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور اللہ جانتا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا

عَلِيْمٌ ۝۱۶ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ

جاننے والا ہے۔ وہ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لائے ہیں، آپ فرمائیں کہ مجھ پر اپنے اسلام سے احسان نہ رکھو

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷

بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ ع

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو [10]

[10] آیت 14 سے 18 تک کا شانِ نزول یہ ہے کہ بنو اسد بن جزیمہ قحط سالی سے تنگ آ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے ظاہری طور پر اسلام کا اظہار کیا مگر وہ دلی طور پر ایمان نہ لائے تھے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں آ کر گندگی پھیلا دی اور یہاں اشیاء کے نرخ بڑھا دیئے۔ وہ صبح و شام نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر کہتے کہ باقی قبیلوں کے چند افراد آپ کے پاس اونٹوں پہ بیٹھ کر آئے اور ایمان لا کر واپس چلے گئے انہوں نے آپ سے جنگیں بھی کی تھیں مگر ہم تو سب اہل و عیال اور مال و اسباب سمیت یہاں آ گئے ہیں اور ہم نے آپ سے کوئی جنگ بھی نہیں کی۔ لہٰذا آپ ہمیں اپنے صدقات سے زیادہ سے زیادہ نوازیں۔ ان کے رد میں یہ آیات اُتریں: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ الخ

(تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۳۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! بعض دیہاتی آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں آپ ان سے فرما دیں کہ تم دل سے ایمان نہیں لائے ہو، تم نے ظاہری طور پر قبول اسلام کیا ہے اور تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اُترا۔ ہاں اگر تم سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو اللہ تمہارے اعمال کے صلہ میں کوئی کمی نہیں چھوڑے گا یعنی دنیا و آخرت کی نعمتیں دے گا۔ یاد رکھو مومنین تمہاری طرح نہیں ہوتے جو رسول اللہ ﷺ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلائیں، مومنین تو وہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر کسی شک میں مبتلا نہ ہوں اور راہِ خدا میں مال و جان سے جہاد کریں ایسے ہی لوگ سچے مومن ہوتے ہیں۔

اور اے پیارے رسول ﷺ! آپ بنو اسد سے یہ بھی فرما دیں کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین بتاتے ہو کہ تم اسلام لائے ہو؟ اللہ تو ارض و سما کی ہر چیز سے خبردار ہے اگر تمہارے دل میں ایمان ہوتا تو اسے اللہ ضرور جانتا ہوتا اور اے پیارے رسول ﷺ! وہ آپ پر اپنے اسلام سے احسان جتاتے ہیں۔ آپ ان سے فرما دیں کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت رکھو، اگر تم واقعی مسلمان ہو تو اللہ کا احسان جانو کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے، اللہ ارض و سما کے ہر غیب کا جاننے والا ہے وہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔

منّت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منّت شناس او راکہ بخدمت گزاشتت

(یعنی بادشاہ پہ احسان نہ رکھو کہ تم اس کی خدمت کرتے ہو بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں خدمت پہ لگایا ہوا ہے۔)

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ ہمیں کوئی نیک عمل کرنے کے بعد اس پہ اترانا نہیں چاہیے بلکہ عجز و انکسار کے ساتھ سر کو جھکانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان سے ہمیں اس نیک عمل کی توفیق عطا فرما دی۔ اگر ہم یہ سوچ لیں تو شیطان ہماری کوئی نیکی ضائع نہ کر سکے۔ مگر افسوس ادھر ہم کوئی نیکی کرتے ہیں ادھر شیطان آ کر ہمارے دل کو غرور سے بھر دیتا ہے، اے اللہ! ہم نفس و شیطان کے مقابلہ میں تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اسی لیے اس جگہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ زمین و آسمان کا ہر غیب جانتا ہے اور وہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے، یعنی اپنی نیکی لوگوں کو نہ بتاتے پھرو۔ اگر تم نے اللہ کی رضا

کے لیے نیکی کی ہے تو وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) ختم نبوت:

آیت نمبر 13 میں یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر قرآن نے تمام نسل انسانی کو مخاطب کیا گویا حضور ﷺ تا قیامت تمام نسل انسانی کے لئے رسول ہیں لہٰذا آپ کے بعد کسی زمانہ میں کسی علاقہ میں، کسی قوم میں، کسی نئے رسول کی ضرورت نہیں۔ پھر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔

(2) ایمان اور اسلام میں فرق:

قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ سے معلوم ہوا کہ ایمان فعل قلب ہے اور اسلام فعل جوارح۔ یعنی اللہ و رسول کے ہر حکم کو دل سے ماننا ایمان ہے اور ظاہری اعضاء کے ساتھ اس حکم کی تعمیل اسلام ہے۔ اسی لئے مشہور حدیث جبرائیل میں ہے کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کی توحید اور میری رسالت پر گواہی دو۔ اور اسلام یہ ہے کہ تم نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور اگر طاقت ہو تو حج کرو۔

(بخاری کتاب الایمان باب ۳۷)

گویا حضور ﷺ نے دل کے ماننے کو ایمان اور فرائض کے بجالانے کو اسلام سے تعبیر فرمایا۔ یہی سبب ہے کہ نماز جنازہ کی دعا میں پڑھا جاتا ہے: اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان۔ (اے اللہ! تو ہم میں سے جسے زندہ رکھے اسے تو اسلام پہ زندہ رکھ اور جسے تو ہم میں سے موت دے اسے ایمان پہ موت عطا فرما۔) یعنی اے اللہ! ہم زندگی بھر اسلام پہ جئیں اور ہر حکم خداوندی کی تکمیل کریں اور جب مریں تو ہمارے دل میں ایمان سلامت ہو۔

اسلام اور ایمان کے مابین اسی فرق کی بنیاد پہ یہ حدیث ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے انہیں عطا کیا مگر ان میں سے ایک شخص کو کچھ نہ دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فلاں کو محروم رکھا ہے، واللہ میں اسے مومن دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اَوْ مسلمٌ ؟ یعنی تم اسے مومن دیکھتے ہو یا مسلم دیکھتے ہو؟ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۷)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص دل سے ایمان نہیں لایا صرف ظاہری اعضاء سے اُس نے نماز روزہ وغیرہ کو ادا کیا ہے، لہٰذا وہ مسلم ہے مومن نہیں ہے۔

(3) فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ میں اللہ رب العزۃ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان، ان کا

اخلاص اور راہِ خدا میں مال وجان سے ان کا جہاد بیان کیا ہے اور انہیں سچے مومنین قرار دیا ہے۔

(4) اہل تشیع کی بنائی ہوئی امامتِ منصوصہ کا رد:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس پہ ایمان لانا مدار نجات ہو، اور اس پہ ایمان نہ لانے والا دین خارج ٹھہرے۔ مگر اہل تشیع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بارہ اماموں کا ماننا بھی مدار نجات ہے، جبکہ یہ قرآن پہ زیادتی ہے۔

الحمد للہ آج 16 رمضان المبارک 1429ھ بمطابق 16 ستمبر 2008ء بروز منگل بعد نماز فجر سورہ حجرات کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ ق

ترتیب نزول کے اعتبار سے سورہ ق قرآنِ مجید کی 33 ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 50 ویں سورت ہے۔ یہ مکمل مکی سورت ہے، کفار مکہ قرآن کا منزل من اللہ ہونا نہیں مانتے تھے تو اس سورت میں اسی بات کے اثبات پر زور دیا گیا ہے۔ اسے سورہ ق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① سے شروع ہوئی ہے، اس میں تین (3) رکوعات، پینتالیس (45) آیات تین سو ستاون (357) کلمات اور ایک ہزار چار سو چورانویں (1494) حروف ہیں۔

سورہ ق سے قرآن کریم کی ساتویں اور آخری منزل شروع ہوتی ہے۔ یاد رہے قرآن کریم سات منازل میں منقسم ہے۔ یعنی جو شخص ایک ہفتہ میں قرآن کریم مکمل کرنا چاہے، وہ روزانہ ایک منزل پڑھے تو قرآن مکمل ہو جائے گا۔ پہلی منزل میں تین سورتیں ہیں: بقرہ، آل عمران، نساء۔ دوسری منزل میں پانچ سورتیں ہیں: مائدہ تا براءت۔ تیسری منزل میں سات سورتیں ہیں: یونس تا نحل۔ چوتھی منزل میں نو سورتیں ہیں: کہف تا فرقان۔ پانچویں منزل میں گیارہ سورتیں ہیں: شعراء تا یٰسٓ۔ چھٹی منزل میں تیرہ سورتیں ہیں: صافات تا حجرات اور ساتویں منزل میں ق سے آخر قرآن تک پینسٹھ سورتیں ہیں، ان سات منازل کو حدیث میں احزاب کہا گیا ہے اور آخری منزل کو حزب مفصل کا نام دیا گیا ہے یعنی سورتوں کا ایک گروہ جس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''ہر چیز کا ایک لباب (مغز) ہوتا ہے اور قرآن کا لباب حزب مفصل ہے۔'' (دارمی کتاب فضائل القرآن باب ۱۳)

اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حزب مفصل کی کوئی چھوٹی یا بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے فرض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی نہ ہو۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۸۷ بروایت بیہقی)

یعنی حضور سرور کونین ﷺ نمازوں میں یہ سورتیں عموماً پڑھتے تھے کیونکہ یہ چھوٹی سورتیں ہیں اور انہیں بوڑھے لوگ بھی کھڑے ہو کر سن سکتے ہیں خصوصاً حزب مفصل کی پہلی سورت سورہ قٓ کو سول اللہ ﷺ نماز فجر اور خطبۂ جمعہ میں بکثرت تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں سورہ ق (عموماً) پڑھتے تھے اور حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ آپ نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورہ ق پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سورہ ق رسول اللہ ﷺ کے منہ سے یاد کی کیونکہ آپ ہر خطبۂ جمعہ میں اسے پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ حدیث ۵۰)

اسی طرح ایک اور صحابیہ حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا بھی کہنا ہے کہ حضور ﷺ خطبۂ جمعہ میں سورہ ق پڑھتے تھے اور میں عورتوں کی آخری صف میں سنتی تھی۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۷۷ بروایت ابن سعد)

مضامین

سورہ ق کے پہلے رکوع میں کفار کا روزِ قیامت سے انکار بتایا گیا ہے، پھر ان کے اس بارہ میں شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ اس سے قبل جو منکر قومیں گزری ہیں، ان کا کیا بُرا انجام ہوا۔ دوسرے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ رب العزت انسان کے دل میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی آگاہ ہے اور انسان جو کہتا ہے اللہ کے فرشتے اسے لکھ رہے ہیں، پھر روز قیامت کے قیام کا حال بتایا گیا ہے۔ جبکہ آخری رکوع میں انسان کو عبادت کی کثرت پہ اُبھارا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۴۵ ۵۰ سُوْرَۃُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴ رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ

ق، قسم ہے قرآن عظیم کی [1] بلکہ کفار کو تعجب ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا (نبی) آیا ہے تو کافروں نے

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ

کہا یہ عجیب چیز ہے [2] (وہ کہنے لگے) جب ہم مر جائیں اور ہڈیاں ہو جائیں تو یہ لوٹنا عقل سے

بَعِيْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ

دور ہے، (اللہ نے فرمایا) ہم جانتے ہیں کہ زمین ان کے جسموں سے جو کم کرتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ

حَفِيْظٌ ۝۴ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵

کتاب ہے، بلکہ جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو وہ الجھن والی بات میں ہیں [3]

حقانیت قیامت کے دلائل

[1] ق حروف مقطعات میں سے ہے، ان کے بارہ میں سیر حاصل بحث ہم سورہ بقرہ کے شروع میں کر چکے وہیں دیکھیں۔ البتہ مفسرین کے نزدیک عموماً حروف مقطعات اللہ رب العزت کے اسماء مبارکہ سے اشارہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ق اللہ تعالیٰ کے ان اسماء سے اشارہ ہے جو قاف سے شروع ہوتے ہیں جیسے القدوس، القہار، القابض، القوی، القیوم، القادر، القدیر وغیرہ۔ اس جگہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ق سے کوہ قاف مراد ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہماری زمین سے آگے سمندر ہے، اس سے آگے کوہ قاف ہے یہ آسمان اسی پہاڑ پر کھڑا ہے، اس سے آگے دوسری زمین ہے، پھر سمندر ہے پھر ایک اور کوہ قاف ہے، اس پہ دوسرا آسمان کھڑا ہے، اس طرح سات زمینیں، سات آسمان، سات سمندر اور سات کوہ قاف ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۰۷ حدیث ۱۸۶۲۴)

یہ روایت موجودہ تفسیر ابن ابی حاتم میں بے سند لکھی ہے۔ بادی النظر میں یہ موضوع روایت ہے، اسکا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اسناد صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی ہوگی یا کسی اور ذریعہ سے ان تک پہنچی ہوگی، بہر حال یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ ارشاد ربانی ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ ''اللہ نے آسمانوں کو کسی ستون کے بغیر جو تمہیں نظر آئے پیدا کیا۔'' (لقمان، ۱۰) تو آسمانوں کا پہاڑوں پہ کھڑا ہونا خلافِ نقل وعقل بات ہے، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ قٓ یہاں حروف مقطعات میں سے ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ، یعنی بزرگی والے قرآن کی قسم، یہ کہہ کر قرآن کی بزرگی بتائی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ کا کلام ہے، تو ہر دوسرے کلام پر اسے وہی برتری وبزرگی حاصل ہے جو خود اللہ کی برتری اس کی مخلوق ہے۔

اس سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) بلاشبہ قرآن بزرگ ترین کتاب ہے، بلکہ قرآن سے نسبت رکھنے والی ہر چیز عظیم ہے۔ قرآن جن شہروں میں اُترا وہ سب شہروں میں افضل، وہ جس ماہ میں اُترا وہ سب مہینوں میں افضل، جس رات میں اُترا وہ سب راتوں میں افضل اور جس رسول پہ اترا وہ سب رسولوں میں افضل ہے۔

(2) قرآن کی اسی عظمت کے سبب اسے بے وضو ہاتھ لگانا ممنوع ہے، چونکہ قرآن کا نام ہی مجید ہے تو اسکی مجد یعنی بزرگی ہی کا ایک تقاضا ہے کہ اسے بے وضوء ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا: لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ ''اسے صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔'' (واقعہ، ۷۹)

(3) اسی عظمت قرآن کی وجہ سے قرآن کو زمین پر رکھنا قرآن سے اونچا بیٹھنا یا اس کی طرف پشت کرنا اس کے آداب کے خلاف ہے، کیونکہ اسے اللہ نے مجید قرار دیا ہے۔ اگر اس کے ساتھ دوسری کتابوں کی طرح معاملہ کیا جائے جیسے آج اکثر عربی لوگ کرتے ہیں تو اس میں اور دوسری کتابوں میں کیا فرق رہا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ میں 1983ھ میں سعودیہ کے علاقہ ''ابھا'' میں معلم قرآن کے حیثیت سے کام کرتا تھا میرے سامنے بعض سعودی لوگ زمین پر قرآن رکھ کر بیٹھ جاتے اور سبق سنانے لگتے، مجھے اس سے بہت تکلیف ہوتی۔ میں نے ایک بار ان سے کہا کہ قرآن کریم کو زمین پر رکھنا درست نہیں، وہ مجھ سے اپنے عامی لہجے میں پوچھنے لگے ایش دلیل یعنی اس کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا مجھے بتاؤ کہ تم زمین پر بیٹھے ہو اور تم نے قرآن کو بھی زمین پر رکھ لیا ہے تو کیا تم اور قرآن مرتبے میں برابر ہو؟ کہنے لگے نہیں، تو میں نے کہا پھر تم قرآن کو زمین سے اٹھا لو تو الحمد للہ وہ سمجھ گئے اور انہوں نے اسکے بعد قرآن کو ہاتھوں میں اٹھانا شروع کر دیا۔

(4) حاملینِ قرآن کی عظمت: قرآن کے مجید ہونے کا تقاضا ہے کہ حاملین قرآن حفاظ وقراء اور علماء قرآن کا

احترام کیا جائے۔حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔''

(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب ۲۱)

یاد رہے: وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ قسم ہے اور جواب قسم محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے: والقرآن المجيد انك لمن المرسلين کیونکہ دوسری جگہ یوں ہے يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③

[2] کفار کا دماغ کس قدر اُلٹا تھا انہوں نے بے جان پتھروں کو خدا مان لیا اور ایک انسان کو نبی ماننے کے لئے تیار نہ تھے، گویا اللہ تعالیٰ جن سے دین لیتا ہے پھر وہ گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

[3] منکرین قیامت اسوقت بھی کہتے تھے اور آج بھی کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر ہڈیاں بن جائیں گے، پھر ہڈیاں بھی مٹی میں مل جائیں گی تو ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جائے گا یہ بات عقل سے بہت دور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ زمین ان کے جسموں میں جو نقصان کرتی ہے یعنی ان کے جسموں اور ان کی ہڈیوں کو کھا جاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہر چیز کتاب میں محفوظ ہے یعنی اللہ کے علم میں ہے اور اس کا کتاب میں ریکارڈ ہے کہ ہر آدمی کے مرنے کے بعد اس کے جسم کے ذرات کہاں کہاں گئے، اللہ ان ذرات کو جمع کر کے روز قیامت اس انسان کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔ اس کے باوجود کفار حق کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ وہ الجھن کا شکار ہیں۔ انہیں شیطان نے اُلجھاؤ میں ڈال دیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسے بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کوئی شگاف نہیں۔

فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر قسم کا خوبصورت

زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

جوڑا اگایا یہ ہر رجوع لانے والے بندے کے لئے عبرت اور نصیحت ہے [4] اور ہم نے آسمان سے برکت والا

مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ

پانی اُتارا پھر اس سے باغات اور قابل کٹائی اناج اُگایا اور کھجور کے لمبے درخت اُگائے جن پر تہہ بہ تہہ

نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

خوشے ہوتے ہیں، یہ بندوں کے لئے رزق ہے۔ اور ہم نے اس پانی سے مردہ علاقہ کو زندہ کر دیا۔ ایسے ہی (قبروں سے) نکلنا ہے [5]

[4] یعنی جس رب نے آسمان و زمین کو بنایا، کیا وہ دوبارہ اس جہان کو نہیں اٹھا سکتا؟ ضرور اٹھا سکتا ہے۔ اللہ کی یہ شان دیکھو کہ اس نے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور آسمان میں کہیں شگاف نہیں اور اللہ نے زمین کو پھیلایا پھر اسے لڑکھڑانے سے بچانے کے لئے اس پر پہاڑوں کے بڑے بڑے لنگر ڈالے پھر زمین سے خوبصورت جوڑے اُگائے جیسے سردی کا پھل اور گرمی کا پھل یہ ایک جوڑا ہے۔ میٹھا پھل اور ترش پھل یہ ایک جوڑا ہے، چھلکے دار جیسے کیلا مالٹا اور بے چھلکہ جیسے خرمانی انگور یہ ایک جوڑا ہے۔ اس میں رجوع لانے والے بندے کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان ہے کہ آخر یہ رنگا رنگی کس کے حکم سے ہے وہ اللہ کے سوا کون ہے۔ یہ محض فطرت کا تقاضا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے تقاضے میں یکسانیت ہوتی ہے۔

[5] قیام قیامت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا جو اس قدر برکت والا ہے کہ اس سے باغات اور اناج پیدا ہوئے اور کھجوروں کے درخت اُگے جن پر تہہ بہ تہہ خوشے لگتے ہیں، جو بندوں کے لئے رزق ہے یعنی پانی کے برسنے سے قبل زمین مردہ تھی، پھر پانی کی برسات سے اس میں زندگی آ گئی۔ اسی طرح اللہ روز قیامت مردوں کو زمین سے نکالے گا اور حدیث میں ہے کہ پہلے اور دوسرے نفخہ (صور کے پھونکے جانے) کے درمیان اللہ تعالیٰ چالیس روز تک بارش برسائے گا جو گاڑھے پانی کی سی ہوگی، تو اس کے ذریعے مردے زمین سے یوں اُگیں گے جیسے

پودے اُگتے ہیں، پھر صور پھونکا جائے گا تو اس میں سے روحیں نکل آئیں گی اور اپنے اپنے جسم میں داخل ہو جائیں گی، یوں ہر انسان پھر زندہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جو رب بارش سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے وہ بارش سے مردہ ہڈیوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ
ان سے قبل قوم نوح، کنوئیں والوں، قوم ثمود، قوم عاد، فرعون،
وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
لوط کے (قومی) بھائیوں، بستیِ ایکہ کے باشندوں اور قوم تبع نے جھٹلایا۔ ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی
فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ
تو میرا عذاب مقرر ہو گیا [6] کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ نئی تخلیق کے بارہ میں شک میں
جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾
مبتلا ہیں [7]

ع ۱ ۱۵

[6] حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اصحاب الرس (کنوئیں والوں) سے یہ مراد ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم (ثمود) پر عذاب کے نزول کے بعد اپنے چار ہزار مومن ساتھیوں کو لے کر اپنے علاقہ سے نکلے اور یمن کے علاقہ ''حضرموت'' میں آ گئے یہاں انہوں نے بستی ''حاصورا'' آباد کی کیونکہ یہاں چشمہ دار کنواں تھا یہ لوگ کچھ عرصہ دین حق پر قائم رہے۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام کے وصال کے بعد ان میں شرک پھیلا تو ان میں اللہ نے ایک نبی بھیجا جن کا نام حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا۔ انہوں نے اللہ کے اس نبی کو قتل کر دیا تو ان کا کنواں خشک اور علاقہ بنجر و ویران ہو گیا۔ انہی کے بارہ میں وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ (حج، ۴۵) فرمایا گیا۔ (مظہری جلد ۹ صفحہ ۶۴)

شاہِ تبع کا ذکر خیر

جبکہ قوم تبع کا ذکر ہم پیچھے اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (دخان، ۳۷) کے تحت کر آئے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ یمن کے تمام بادشاہوں کو تبع کہتے تھے، یہ ان کا سرکاری نام تھا۔ ان کی نسل ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل وہاں حکومت کرتی تھی، انہی میں سے ایک تبع نے یمن سے سمرقند تک علاقہ فتح کر لیا۔ اس دوران جب وہ سمرقند سے واپس اپنے وطن یمن جا رہا تھا تو راستہ میں شہر مدینہ طیبہ آیا اس نے شہر پر حملہ کرنا چاہا۔ شہر کے علماء اہل کتاب نے اسے بتایا کہ وہ اس شہر کو تباہ نہیں کر

سکتا کیونکہ اس شہر میں آخری نبی احمد ﷺ آنے والے ہیں یہ ان کا مقام ہجرت ہے وہ مکہ میں پیدا ہوں گے، لہٰذا وہ ان دونوں شہروں پر حملہ سے باز رہے۔ تبع ان باتوں سے بہت متاثر ہوا وہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لایا اور ایک خط لکھ کر علماء اہل کتاب کے حوالے کیا اور کہا کہ جب وہ نبی عربی یہاں تشریف لائیں تو انہیں میرا یہ خط دے دینا۔ اس خط میں اس نے لکھا تھا کہ میں احمد (ﷺ) پر ایمان لاتا ہوں اگر میں نے ان کا زمانہ پایا تو ان کا خادم بن کر ان کے ساتھ دشمنوں سے جہاد کروں گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تبع کو بُرا نہ کہو وہ اسلام لایا تھا۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۴۰) مروی ہے کہ اس کا خط حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھا، کیونکہ وہ انہی علماء اہل کتاب کی نسل میں سے تھے جن کے ہاتھ یہ تبع بادشاہ ایمان لایا تھا، تو انہوں نے بادشاہ کا خط رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا۔ اور اسی لئے ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ انہی کے گھر مہمان بنے تھے، بلکہ آپ کی اونٹنی سیدھی ان کے گھر جا کر کھڑی ہوئی۔ اس تبع کی قوم اس کے بعد بت پرستی میں مبتلا ہوئی تو ان پر عذاب اُترا، وہ امراض میں مبتلا ہوئے اور یمن چھوڑ کر دوسرے شہروں میں تتر بتر ہو گئے۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جن قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے لائے ہوئے دین کا چراغ بجھانا چاہا تو اللہ نے ان کی زندگی کا چراغ بجھا دیا۔ لہٰذا یہ تا قیامت دشمنانِ اسلام کیلئے خدائی وارننگ ہے کہ وہ اسلام دشمنی سے باز رہیں، ورنہ اللہ ایسی قوموں کو جلد یا بدیر پکڑ لیتا ہے۔

[7] یعنی کیا منکرین قیامت یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پہلی بار کائنات کی تخلیق کر کے اس قدر تھک گئے ہیں کہ اب روز قیامت دنیا کو دوبارہ نہیں اٹھا سکیں گے اس لئے وہ نئی تخلیق (جو روز قیامت ہو گی) کے بارہ میں شک میں ہیں؟ تو انہیں یہ شک دور کر لینا چاہیے۔ کسی چیز کو دوسری بار بنانا پہلی بار بنانے سے آسان تر ہوتا ہے جس رب نے پہلی بار جہان بنایا وہ اسے دوسری بار بھی بنا سکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ (روم، ۲۷)

"اور اللہ وہ ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور لوٹانا اس کے لئے آسان ہے۔"

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو اس کے دل میں وسوسہ آتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے

اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ

زیادہ اس کے قریب ہیں [8] غور کرو جب (انسان کا عمل) اٹھانے والے دو فرشتے عمل اٹھاتے ہیں

الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

ایک دائیں بیٹھا ہے ایک بائیں، انسان جو بھی بول بولتا ہے تو اس کے پاس محافظ تیار ہوتا ہے [9]

انسان کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے اور اس پر ایک فرشتہ اور ایک شیطان مقرر ہے

[8] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انسان کے دل کے خطرات سے بھی واقف ہیں کیونکہ ہم اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ شہ رگ وہ شریان ہے جو دماغ سے دل کی طرف جاتی ہے اور اسی رگ کے ذریعے سارے جسم کا خون دل میں سے گزرتا ہے۔ یہ رگ گلے میں موجود ہوتی ہے اگر یہ کٹ جائے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے کیونکہ سارا خون بہہ جاتا ہے۔ اللہ کے شہ رگ سے قریب تر ہونے کا یہ معنی ہے کہ اللہ کے حکم سے اس رگ میں خون دوڑ رہا اور دل تک پہنچ رہا ہے اگر اللہ کے حکم پر یہ رگ کام چھوڑ دے تو دل تک خون نہیں جاتا اور اس کی دھڑکن بند ہو جاتی ہے جس سے بندہ مر جاتا ہے تو بندے کی موت و حیات اللہ کے قبضہ میں ہے اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ بندے کی ہر بات سن رہا اور ہر حرکت دیکھ رہا اور اس کے دل کی ہر دھڑکن سے واقف ہے۔ لہٰذا بندے کو اپنی نیت ہر وقت درست رکھنی چاہیے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے تو نیت سے واقف خدا ہر عمل پر وہی جزا دے گا، جس نیت سے وہ عمل کیا گیا۔ اچھی نیت گناہ کو نیکی بنا دیتی ہے جیسے صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا ثواب ہے اور بُری نیت نیکی کو گناہ بنا دیتی ہے جیسے دکھاوے کی نیکی باعثِ عذاب اور فتنہ ڈالنے کے لئے سچ بولنا وجہ عتاب ہے۔

اس میں درس ہے کہ انسان جس قدر اللہ کو اپنے قریب جانتا ہے وہ اسی قدر قربِ الٰہی پاتا ہے، یہی مقامِ ولایت ہے، بلکہ ولایت کا معنی ہی قرب ہے۔ اور اسی قرب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ ''سجدہ کرو اور قریب آ جاؤ۔'' (علق، ۱۹) اور اسی بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب آ جاتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ الخ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸، مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۵۶)

[9] یعنی انسان کے دائیں کندھے پر نیکی کا حساب رکھنے والا فرشتہ مقرر ہے اور بائیں کندھے پر برائی کا حساب رکھنے والا، یہ دونوں فرشتے انسان کے ہر عمل کو حاصل کر لیتے ہیں یعنی نیکی والا نیکی لکھ لیتا ہے اور بدی والا بدی تحریر کر لیتا ہے۔لہٰذا انسان کے منہ سے جو اچھی یا بُری بات نکلے اسے ایک محافظ فوراً لکھ لیتا ہے۔حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جب بندہ نیکی کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ بُرائی کرے تو بائیں طرف والا فرشتہ اسے لکھنا چاہتا ہے تب اسے دایاں فرشتہ کہتا ہے کہ سات گھڑیاں (سات گھنٹے) ٹھہر جاؤ شائد وہ توبہ کرلے۔اگر وہ توبہ کرلے تو فرشتہ وہ بُرائی نہیں لکھتا اور اگر توبہ نہ کرے تو ایک گناہ لکھ لیتا ہے۔''

(طبرانی کبیر جلد ۸ صفحہ ۷۸۷۷ صفحہ 191 مطبوعہ دار احیاء بیروت)

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اے ابن آدم! تمہاری ہر نیکی بدی لکھی جا رہی ہے اور موت کے وقت تمہاری کتاب عمل قبر میں تمہاری گردن میں ڈال دی جائے گی اسی لئے قرآن میں ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۔ ''ہم نے ہر انسان کی قسمت اس کے گلے میں ڈال دی ہے اور ہم اسے روز قیامت بصورت کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلا پائے گا۔'' (بنی اسرائیل ۱۳، تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴۰)

اس جگہ یہ بات بھی بھولنے نہ پائے کہ اعمال کے لکھے جانے میں انسان کی نیت کا بھی دخل ہوتا ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جو مسلمان کسی مرض میں مبتلا ہو کر کسی نیکی سے رُک جائے جو وہ پہلے کرتا تھا تو اللہ رب العزت اعمال لکھنے والے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے وہی عمل لکھتے رہو جو زمانہ صحت میں کرتا تھا جب تک کہ وہ صحت یاب نہ ہو جائے۔''

(درمنثور بروایت ابن ابی شیبہ، دار قطنی، طبرانی جلد ۷ صفحہ ۵۹۷)

اور حدیث مبارکہ کے مطابق یہ بھی قانون ہے کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اسے کر نہ سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر نیکی کر لے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔(صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۰۳)

تو یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) انسان کو بہت سوچ کر منہ سے بات نکالنی چاہئے، کیونکہ ہر بات لکھی جا رہی ہے یاد رہے مذاق کا جھوٹ بھی جھوٹ ہے جیسے لطیفہ بازی کے جھوٹ ہوتے ہیں۔کئی لوگ محض محفل کو گرم کرنے کے لیے جھوٹے لطیفے سناتے ہیں، یہ بھی جھوٹ بولنے میں شامل ہے اور اسے لکھا جا رہا ہے۔اس میں ہمارے لیے یاوہ گوئی اور فضول گفتگو سے بچنے کا درس ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے انسان کی زبان فرشتے کا قلم ہے اور اس کی تھوک اس قلم کی سیاہی ہے۔

(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۵۹۴ بروایت ابن ابی الدنیا)

(2) قضاء حاجت اور جماع کے دوران نہیں بولنا چاہیے، کیونکہ ان اوقات میں فرشتے بوجہ حیاء الگ ہو جاتے ہیں مگر اس دوران اگر انسان بات کرے تو انہیں وہ بھی لکھنا پڑتی ہے اور انہیں اذیت ہوتی ہے۔(خازن جلد ۶ صفحہ ۲۳۵)

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲
اور موت کی سختی ضرور آئے گی (تب کہا جائے گا) یہ ہے جس سے تم بھاگتے تھے [10]
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ⑳ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا
اور صور میں پھونکا جائے گا یہ وعدۂ عذاب کا دن ہے اور ہر جان قیامت میں یوں آئے گی کہ اس کے ساتھ
سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ㉑ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ
ایک ہانکنے اور ایک گواہی دینے والا ہو گا۔ (کہا جائے گا) تم اس سے غفلت میں تھے، ہم نے تم سے تمہارا حجاب
غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ㉒ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ
اٹھا دیا ہے تو آج تمہاری نگاہ بہت تیز ہے [11] اور انسان کا ساتھی فرشتہ کہے گا یہ جو میرے پاس ہے
عَتِيْدٌ ؕ ㉓
حاضر ہے [12]۔

[10] انسان کو اس کی موت یاد دلائی جا رہی ہے کیونکہ جسے موت یاد رہی وہ گناہوں سے بچ گیا، تو فرمایا کہ موت کی سختی آ کر رہے گی اس وقت اس شخص سے جو کفر یا بدکاریوں کے سبب اپنی عاقبت برباد کر لے، کہا جائے گا کہ یہ وہ موت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ گویا ایمان اور عمل صالح والے لوگ موت سے بھاگتے نہیں ہیں بلکہ موت کے لئے تیار رہتے ہیں۔

موت سے بھاگنا یہ ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے اپنی جان کو پیارا سمجھے، جیسے جہاد کی ضرورت کے وقت جہاد سے بچنا میدان جہاد سے فرار ہونا یا طاعون کے علاقہ سے بھاگنا، اسی طرح جو شخص اللہ اور مخلوق کے حقوق پامال کرتا جاتا ہے وہ بھی موت کو بھلا کر دنیا ہی میں ہمیشہ رہنے کا دعویدار ہے، تو ایسے ہر شخص سے کہا جائے گا: ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔

سکرات موت کے بارہ میں کچھ تفصیل

یاد رہے کافر کے لئے ہر حال میں موت بہت سخت ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ موت کے وقت فرشتے کافروں کے چہروں اور پشتوں پہ ضربیں لگاتے ہیں۔ (سورہ محمد، ۲۷) اور انہیں جھڑکتے ہوئے نارِ جہنم کا کھٹکا سناتے ہیں۔ (انعام، ۹۳) تاہم کبھی کافر کے لیے اس کے سکرات موت میں کچھ کمی کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی بعض نیکیوں کا دنیا میں معاوضہ بن

جائے، کیونکہ اس کے لیے آخرت میں کوئی اجر نہیں ہے۔ جبکہ مومن کے لئے اس کی موت اس کے اعمال کے مطابق سخت یا نرم ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ کے مطابق شہید کے لیے موت کا احساس صرف اتنا ہوتا ہے جیسے اس کے پاؤں میں چیونٹی نے کاٹا ہو۔ (مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۲۵۹)

مگر کبھی اللہ کے نیک بندوں پہ بھی سکرات موت کی سختی کچھ بڑھا دی جاتی ہے اور وہ ان کے لیے بلندی درجات کا سبب ہوتی ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت وصال آیا تو آپ کے پاس پانی کا پیالہ پڑا ہوا تھا، آپ اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پہ ملتے اور فرماتے تھے: ان للموت سکرات، بیشک موت کی کچھ سختیاں ہیں۔ (بخاری کتاب الرقاق باب سکرات الموت)

[11] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہاں سائق (چلانے والا) اور شہید (گواہ) سے مراد دو فرشتے ہیں، یعنی ہر انسان کے ساتھ روز قیامت ایک فرشتہ سائق ہوگا جو اسے امر ربی تک لے جائے گا اور ایک فرشتہ شہید ہوگا جو اس کے اعمال کے بارہ میں گواہی دے گا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۸ حدیث ۳۱۸۷۲)

حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ اور ضحاک رضی اللہ عنہم سے ایسے ہی اقوال مروی ہیں، اس وقت انسان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم قیامت کی اس کیفیت سے بے خبر تھے مگر آج تمہاری آنکھ سے سب پردے ہٹا دیئے گئے ہیں اور آج تمہاری نگاہ بہت تیز ہے کہ جو تمہیں دنیا میں نظر نہیں آتا تھا آج نظر آ رہا ہے یعنی فرشتے، جنت، نار وغیرہ۔

[12] ہر انسان کے ساتھ دنیا میں دو قرین (ساتھی) ہیں ایک فرشتہ جو قرین خیر ہے اور ایک شیطان جو قرین شر ہے، فرشتہ انسان کو نیکی کی طرف رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان برائی کی طرف۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک قرین جنات میں سے مقرر ہے اور ایک قرین فرشتوں میں سے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی، مگر میرا ساتھی جن ایمان لے آیا ہے۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۰۷)

اس آیت میں قرین سے فرشتہ مراد ہے اسی فرشتے کو پیچھے آیت نمبر ۲۱ میں شہید کہا گیا ہے اسی لئے وہ کہے گا: هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ کہ میرے پاس انسان کا جو عمل ہے وہ حاضر ہے، جبکہ قرین شر شیطان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِىْ
اے (سائق وشہید) دونوں فرشتو ہر ضدی کافر کو جہنم میں پھینکو جو بھلائی سے روکنے، حد سے بڑھنے اور شک میں پڑنے والا ہے
جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا
جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنایا تھا، تو اسے سخت تر عذاب میں پھینکو۔ تب انسان کا ساتھی شیطان کہے گا اے ہمارے رب!
مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَىَّ
میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی کھلی گمراہی میں تھا۔ اللہ فرمائے گا میرے سامنے جھگڑا مت کرو
وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَآ اَنَا
میں نے تمہیں پہلے عذاب کا ڈر سنا دیا تھا۔ میرے سامنے بات نہیں بدلی جا سکتی اور نہ میں بندوں پہ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع
ظلم کرنے والا ہوں[13]

ع ۲/۱۴ ۱۶

[13] آیت نمبر 21 میں مذکور دو فرشتوں سائق اور شہید (جو ہر انسان کے ساتھ روز قیامت مقرر ہوں گے) سے کہا جائے گا کہ ہر کافر کو جہنم کے سخت عذاب میں پھینک دو کیونکہ یہ خیر (یعنی دین اسلام) کو روکتا تھا، حد سے تجاوز کرتا تھا یعنی اللہ کی نعمتیں کھا کر اسی سے انکار کرتا تھا، دینؐ کے بارہ میں شک وشبہ میں گرفتار رہتا تھا۔ اور اللہ کے ساتھ دوسرے خدا مانتا تھا۔ اس وقت کافر کہے گا کہ یا اللہ میں خود کفر نہیں کرنا چاہتا تھا مجھ سے میرے قرین شیطان نے کفر کروایا۔ اس نے مجھے اس راہ پر ڈالا لہٰذا مجھے چھوڑ کر میرے قرین شیطان کو عذاب دیا جائے۔ اس کا قرین شیطان کہے گا یا اللہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا یہ خود ہی گمراہی پر کمر بستہ تھا۔ اللہ فرمائے گا میرے سامنے مت جھگڑو، میں نے تمہیں پہلے آگاہ کر دیا تھا یعنی کہہ دیا تھا کہ جو کسی کو گمراہ کرے یا گمراہی میں پڑے اس کے لئے جہنم ہے۔ اب میرے سامنے باتیں نہ بدلو میں تو نیت سے بھی واقف ہوں میرے سامنے کوئی شخص بات کو بدل نہیں سکتا اور نہ میں کسی کو ناحق سزا دوں گا۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝۳۰ وَاُزْلِفَتِ

جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ عرض کرے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے۔[14] اور جنت کو پرہیزگاروں کے (اتنا)

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝۳۱ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝۳۲

قریب لایا جائے گا کہ وہ اُن سے دور نہ ہوگی۔[15] یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ لیا گیا تھا، یہ ہر رجوع کرنے والے، حفاظت کرنے والے

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝۳۳ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ

کے لئے جو خدائے رحمان سے بن دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لائے۔تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝۳۴ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝۳۵

یہ ہمیشگی کا دن ہے۔اہل جنت کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ وہاں چاہیں گے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے[16]۔

دعوت تقویٰ اور فکر آخرت

[14] گزشتہ آیات میں بتایا جا رہا تھا کہ سائق اور شہید دو فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ہر سرکش کافر کو جہنم میں گرادو، اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار و مجرمین کو جہنم میں گرایا جاتا رہے گا اور اس سے پوچھا جائے گا اے جہنم! کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ کہے گی، نہیں ابھی میں نہیں بھری، کیا کوئی مزید مجرم نہیں جسے میں نگل سکوں؟ گویا جہنم اس قدر وسیع اور گہری ہے کہ اربوں کھربوں کفار و مجرمین اس میں ڈالے جائیں گے۔آج دنیا کی انسانی آبادی چھ ارب بتائی جاتی ہے جس میں ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں باقی کفار ہیں اور ہر سو سال کے بعد دنیا میں نئے لوگ آ جاتے ہیں، تو اللہ ہی جانتا ہے کہ جہنم میں کتنے ارب کفار و مجرمین ڈالے جائیں گے مگر وہ پھر بھی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝۳۰ کے نعرے لگائے گی۔حدیث مبارکہ میں ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) رکھے گا تو اس کی بھوک ختم ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اللہ رب العزت جہنم سے کہے گا کیا تو بھر گئی ہے اور وہ کہے گی هل من مزید، تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) رکھے گا تب وہ کہے گی قَطْ قَطْ یعنی بس بس۔(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ ق باب ۱)

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب اس پر اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھے گا تو وہ سمٹ جائے گی اور اس کے حصے ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گے۔تب وہ کہے گی بس بس اور جنت بھی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝۳۰ کہے گی تو اس کے لئے مزید

لوگ پیدا کیے جائیں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ق حدیث ۴۸۵۰)

اللہ تعالیٰ جہنم پہ اپنا قدم کیسے رکھے گا؟ صحیح بخاری پہ اہل تشیع کے اعتراض کا جواب

اس جگہ اہل تشیع بخاری کی مذکورہ احادیث پہ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو بخاری میں اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کیا گیا ہے کیونکہ اس کے لیے قدم مانا گیا ہے اور یہ کفر ہے۔ پھر اللہ کی شان میں مزید گستاخی کرتے ہوئے اللہ کے قدم کو جہنم میں ڈالا گیا ہے۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے قدم کا ذکر اور اس کا جہنم پہ رکھا جانا متشابہات میں سے ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن میں ہاتھوں کا، چہرے کا اور عرش پہ قرار کرنے کا ذکر ہے۔ قرآن میں ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ''بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔'' (مائدہ، ۶۴) وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ''اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہ جائے گا۔'' (الرحمان، ۲۷) اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ''رحمان نے عرش پہ استوی فرمایا۔'' (طٰہٰ، ۵)

مگر یہ سب آیات متشابہات میں سے ہیں جن کا حقیقی معنی اللہ ہی جانتا ہے، اگر ان باتوں کو اہل تشیع متشابہات میں سے مان سکتے ہیں تو بخاری کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لیے قدم کے ذکر کو متشابہات میں سے ماننے پہ انہیں کیا اعتراض ہے؟

اس اعتراض کا دوسرا جوب یہ ہے کہ جب علماء اسلام نے دیکھا کہ گمراہ لوگ ان قرآنی آیات کو جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں اور چہرے وغیرہ کا ذکر ہے، دلیل بنا کر اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کر رہے ہیں تو انہوں نے ان آیات کی تاویل کی چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے اس کی قوت مراد لی گئی، کیونکہ ہاتھ قوت کی علامت ہیں اور چہرے سے اللہ رب العزت کی ذات مراد لی گئی، کیونکہ چہرہ بول کر ذات مراد لی جاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے: انی اری وجوھا. میں بہت سے چہرے دیکھ رہا ہوں یعنی بہت سے لوگ دیکھ رہا ہوں، اور عرش پہ اللہ تعالیٰ کے استوی سے اللہ کی عرش پہ حکومت مراد لی گئی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جہنم پہ قدم رکھنا اس کا یہ معنی لیا گیا کہ اللہ جہنم پہ اپنا قہر وجلال ظاہر فرمائے گا، جیسے کہا جاتا ہے کہ میں اس کو اپنے قدموں تلے مسل ڈالوں گا، اس کا معنی یہ ہے کہ میں اسکو اپنے غضب کا نشانہ بنا کر اسے مغلوب کرلوں گا۔ اسی طرح جہنم پہ اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کا یہ معنی ہے کہ جب جہنم بار بار هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ کہے گی تو اللہ تعالیٰ اس پہ اپنا جلال ظاہر فرمائے گا، تب وہ سمٹ کر مختصر ہو جائے گی۔

یہاں ہم بخاری پہ اعتراض کرنے والے اہل تشیع سے مناظرانہ انداز میں کہتے ہیں کہ وہ اپنی اصول کافی کی خبر لیں جو اللہ تعالیٰ کو تیس سالہ نوجوان کی صورت میں پیش کرتی ہے۔

چنانچہ اصول کافی میں ہے کہ (اہل تشیع کے آٹھویں امام معصوم) امام ابوالحسن علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہو کر کچھ لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جب اللہ کو دیکھا تو وہ ناف تک اندر سے کھوکھلا تھا اور اس سے نیچے ٹھوس تھا (معاذ اللہ)

امام رضا یہ سن کر سجدے میں گر گئے، پھر کہا کہ ان لوگوں نے اللہ کو نہ پہچانا نہ اس کی توحید کو جانا، اس کے بعد کہا:
ان رسول الله ﷺ حين نظر الى عظمة ربه كان فى هيئة الشاب الموفق وسن ابناء ثلاثين سنة۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جب اللہ کی عظمت کی طرف توجہ کی تو وہ ایک مضبوط نوجوان کی شکل میں تھا اور اس کی عمر تیس برس تھی۔ (اصول کافی کتاب التوحید باب ۳۲ صفحہ ۹۰ مطبوعہ مکتبہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)
عجیب بات ہے کہ بخاری شریف میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ قدم پہ اعتراض کرنے والے اپنی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں اللہ تعالیٰ کو تیس سالہ مضبوط نوجوان کی شکل میں اپنے امام کی زبان سے پیش کر رہے ہیں۔

[15] یعنی اہل ایمان و اہل تقویٰ کو جنت میں جانے کے لیے دور دراز کا سفر نہیں کرنا پڑے گا اور نہ ہی انہیں پکڑ کر اس میں پھینکا جائے گا جیسا کہ اہل جہنم کے بارہ میں بتایا گیا بلکہ جنت کو متقین کے احترام کی خاطر ان کے قریب کر دیا جائے گا اور وہ ایک قدم اٹھا کر اس میں داخل ہو جائیں گے، دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ﴿۱۳﴾ ''اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے گا۔'' (تکویر، ۱۳) اور فرمایا گیا: وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴿۹۰﴾ ''اور جنت کو متقین سے قریب کر دیا جائے گا۔'' (شعراء، ۹۰)

[16] اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ متقین جن کے لیے جنت کو قریب کر دیا جائے گا ان کی صفات کیا ہیں تو فرمایا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع لانے والے ہیں، حدودِ الٰہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، بن دیکھے خدائے رحمان سے ڈرنے والے ہیں، یعنی انہوں نے اللہ کو نہیں دیکھا پھر بھی اس سے ڈرتے ہیں، انہوں نے جہنم نہیں دیکھی پھر بھی اس کے عذابات سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے پاس رجوع کرنے والا یعنی توبہ وتقویٰ والا دل لے کر حاضر ہونے والے ہیں، ایسے لوگوں سے روز قیامت کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، تو وہاں ان کے لئے ہر وہ نعمت ہو گی جس کی خواہش کی جائے گی اور ایسی نعمتیں بھی ہوں گی جن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي

اور ہم نے ان سے قبل کئی قومیں ہلاک کر دیں جوان سے زیادہ طاقتور تھے وہ شہروں میں دندناتے پھرتے تھے، تو کیا ان کے لئے

الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ

کوئی پناہ گاہ رہی؟ بے شک اس میں ہر اس کے لئے نصیحت ہے۔ جس کے پاس دل ہے

قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝۳۷ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

یا وہ کان لگاتا ہے اور حضور قلب رکھتا ہے [17] اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ

وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝۳۸ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا

ان کے درمیان ہے اسے چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہ ہوئی۔ کفار جو کچھ کہتے ہیں

يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝۳۹

آپ اس پر صبر رکھیں [18] اور اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح کہیں طلوع شمس سے قبل اور غروب شمس سے قبل

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۴۰

اور رات میں اس کی تسبیح کہیں اور سجدۂ نماز کے بعد [19]

[17] یعنی کفار مکہ سے بہت طاقتور قوموں نے جب انبیاء اور ان کے لائے ہوئے دین سے دشمنی کی تو انہیں اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ نہ مل سکی لہٰذا ہر کان رکھنے والا اس وارننگ کو سن لے اور ہر دل والا اس کو سمجھ لے۔ یہ وارننگ بظاہر کفار مکہ کو ہے مگر حقیقت میں تا قیامت تمام اسلام دشمن قوتوں کو ہے۔

[18] یہ یہود کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے چھ دنوں میں آسمان و زمین اور ان کے مابین تمام مخلوق کو پیدا کیا اور ہفتے کے دن اللہ نے عرش پر لیٹ کر آرام کیا۔ چنانچہ تورات میں یہود نے اپنی طرف سے یوں لکھا ہے: خدا نے چھ دن میں آسمان و زمین اور سمندر اور دیگر سب کچھ کو بنایا اور ہفتہ کے دن آرام کیا۔ (تورات کتاب خروج باب ۲۰ آیت ۱۱)

مروی ہے کہ یہود نے ایک بار نبی کریم ﷺ کے سامنے کہا کہ اللہ نے زمین کو اتوار و سوموار کے دن بنایا، پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا، نہریں اور جملہ ارزاق بدھ کو، آسمان اور فرشتے جمعرات کو اور حضرت آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا، پھر اللہ نے ہفتہ کے دن آرام کیا اور وہ عرش پہ لیٹ گیا۔ تو حضور ﷺ کو شدید رنج اور دکھ ہوا کہ انہوں نے اللہ کی یہ توہین

کیوں کی ہے۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور دوسری تمام مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں اس سے کچھ بھی تھکاوٹ نہ ہوئی اور اے پیارے رسول ﷺ! آپ یہود کی ان دل آزار باتوں پہ صبر رکھیں۔(تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۳۲۹)

یاد رہے یہودا اپنے اسی نظریہ کے تحت ہفتہ کے دن چھٹی اور آرام کرتے ہیں۔کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اللہ نے بھی اس دن آرام کیا تھا (معاذ اللہ) یہودا اپنے اس باطل نظریہ کو درست ثابت کرنے کے لئے اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ ''بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔'' (اعراف، ۵۴) مگر اللہ کے عرش پر استواء کا معنی وہی جانتا ہے،لیکن اس کا یہ معنی کرنا کہ چھ دن میں آسمان وزمین کے بنانے کے بعد اللہ تھک کر عرش پر لیٹ گیا صریح کفر ہے۔اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(1) اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیات سے پاک ہے، وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کو تھکاوٹ کیسے ہو کیونکہ تھکاوٹ جسم کا تقاضا ہے اور اللہ جسم ہی سے پاک ہے تو تھکاوٹ کیسی؟

(2) اللہ تعالیٰ کو عجلت پسند نہیں ہے، وہ اگر چاہتا تو ایک حکم کُنْ سے آن واحد میں تمام کائنات ارض وسما کو پیدا کر دیتا مگر اس نے چھ دنوں میں آسمان وزمین کو بنایا تاکہ ہمارے لئے ہدایت ہو کہ ہم بھی ہر کام کو ٹھہر ٹھہر کر کریں۔

[19] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک طلوع آفتاب سے قبل والی تسبیح سے نماز فجر مراد ہے، غروب آفتاب سے قبل تسبیح سے نماز ظہر وعصر مراد ہے اور رات کے وقت تسبیح سے نماز مغرب وعشاء مراد ہے، گویا پانچوں نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔(بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۳۹)

صبح اور شام کے اوقات میں اور نماز کے بعد پڑھے جانے والے وظائف

طلوع وغروب آفتاب سے قبل اور رات کو تسبیح کہنے کا یہ معنی بھی ہے کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کہی جائے اور رات کو سونے سے قبل اللہ کا ذکر کر کے سویا جائے۔اور حدیث میں صبح اور شام کے وقت کے لیے متعدد وظائف بتائے گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص صبح وشام کو تین بار یہ پڑھ لے: بسمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْئٌ فِی الارضِ ولا فی السمآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ البصيرُ۔ (اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جس کے نام کی موجودگی میں کوئی شئی نہ زمین میں نقصان دے سکتی ہے نہ آسمان میں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے) اسے کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی۔''

(ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۳)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے صبح کے وقت دس مرتبہ یہ کہا: اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پھر اس نے سورہ حشر کی آخری تین آیات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو رات تک اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ اس دن مرا تو شہید قرار پائے گا اور جس نے شام کے وقت یہ وظیفہ کیا اسے صبح تک یہ اجر ملتا رہے گا۔'' (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۱۲۲ بروایت ترمذی و دارمی)

جبکہ رات کو سونے سے قبل تسبیح کہنا جو وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ کا مصداق ہے، بھی حضور ﷺ کی سنت ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق آپ رات سونے سے قبل قرآن کی مسبحات سورتوں میں سے کوئی سورت ضرور پڑھتے تھے مُسَبِّحات وہ سورتیں ہیں جو سبّح، یُسَبِّحُ یا سبحان سے شروع ہوتی ہیں جیسے سورہ اسراء، صف، جمعہ، تغابن وغیرہ۔

نماز کے بعد کے اوراد و اذکار

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ یعنی سجدہ کے بعد بھی اللہ کی تسبیح کہو اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ سجدۂ نماز سے فارغ ہو کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہوا جائے۔

سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے ایک بار عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ چکی پیس پیس کر میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں آپ مجھے کوئی خادم عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تم سونے سے قبل اور ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر کہا کرو یہ خادم والی نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ہر نماز کے بعد 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ، 33 بار اللہ اکبر اور آخر میں ایک بار لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہٗ الحمد و ھو علیٰ کل شیئ قدیر پڑھا اس کے سب گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔'' (مسلم)

اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ (یعنی سجدہ کے بعد تسبیح کہو) کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد دو رکعات (جو مؤکدہ سنتیں ہیں) ضرور پڑھی جائیں سوا فجر و عصر کے، فجر و عصر کے بعد یہ دو سنتیں اس لئے نہیں رکھی گئیں کہ کہیں کوئی انہیں طلوع و غروب کے وقت میں نہ پڑھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فجر و عصر کے سوا ہر نماز کے بعد دو رکعات ضرور ادا فرماتے تھے۔ (مسند احمد)

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ

اور غور سے سنو جس دن پکار کرنے والا قریبی جگہ سے پکارے گا، جس دن لوگ بجا طور پر

بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

ایک چیخ سنیں گے، یہ ہے (قبروں سے) نکلنے کا دن۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف سب نے لوٹنا ہے،

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ط ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ

جس دن زمین پھٹے گی اور وہ تیزی سے نکلیں گے۔ یہ حشر ہے جو ہمارے لئے بہت آسان ہے[20] ہم جانتے ہیں

بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ ع

جو وہ کہتے ہیں اور آپ انہیں مجبور نہیں کرنے والے، تو آپ قرآن کے ذریعے اسے نصیحت کریں جو میرے عذاب سے ڈرے[21]

[20] قیامِ قیامت کے دلائل بتانے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کیسے قائم ہو گی تو فرمایا کہ اس دن قریب کی جگہ سے پکارنے والا پکارے گا۔ حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ اسرافیل علیہ السلام بیت المقدس کے ٹیلے پر کھڑے ہو کر پکاریں گے اے بوسیدہ ہڈیو، اے جدا ہونے والے جوڑو، اے بکھر جانے والے بالو اور چمڑیو! اللہ تمہیں جمع ہونے کا حکم فرماتا ہے تاکہ تم پر اپنا فیصلہ جاری کر دے، تو ہر مُردے کی ہڈیاں، گوشت، چمڑی اور بال جہاں کہیں ہوں گے جمع ہو جائیں گے اور وہ مُردہ اپنے مقام پر زمین سے باہر نکل آئے گا۔ (بغوی، خازن، ابن کثیر وغیرہ)

اسے قریب کی جگہ سے پکارنا اس لئے کہا گیا کہ ہر مردہ یہ آواز یوں واضح سنے گا جیسے اسے کسی نے قریب ہی سے پکارا ہے۔ اس کے بعد سب مردے چیخ (صور) کی آواز سنیں گے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ارواح کو صور کے سوراخ میں رکھے گا اور اس کی آواز کے ساتھ ہر روح اُڑے گی اور اپنے جسم میں جا داخل ہو گی یوں ہر مُردہ زندہ ہو جائے گا۔

(ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴۷)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ہی زندگی دیتے اور موت لاتے ہیں اور ہماری طرف ہی سب نے لوٹنا ہے۔ چنانچہ اس دن زمین پھٹے گی اور سب لوگ تیزی سے باہر نکلیں گے۔ اور یہ حشر ہمارے لئے بپا کرنا بہت آسان ہے۔ یہاں سے سماع موتیٰ کی دلیل ملتی ہے یعنی مُردے سن سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر مُردے کی بوسیدہ ہڈیاں، بکھرے بال اور چمڑیاں پکارنے والے کی پکار سنیں گی اور یہی سماع موتیٰ ہے۔ اللہ رب العزت بوسیدہ ہڈیوں اور بکھرے ذرات کو ہماری پکار سنا سکتا ہے اور اس پر کثیر احادیث دلالت کرتی ہیں۔

[21] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! کفار قیامت سے انکار کرنے میں جو کچھ کہتے ہیں ہمیں معلوم ہے اور آپ انہیں قیامت کا آنا زبردستی نہیں منوا سکتے نہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ جس کے دل میں خوف عذاب ہے آپ اسے قرآن کے ذریعے ڈر سنائیں، کیونکہ ایسے ہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں۔ رہے منکرین تو انہیں زبردستی منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

الحمدللہ آج 21 رمضان المبارک 1429ھ بمطابق 21 ستمبر 2008ء نماز ظہر سے قبل اعتکاف میں سورہ ق کی تفسیر مکمل ہوئی۔ اللہ جل مجدہٗ الکریم اس تحریر کو اعتکاف سے اور اعتکاف کو اس تحریر سے بابرکت بنائے۔ آمین!

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الذاریات

سورۃ الذاریات ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی 66 ویں سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں حوامیم سورتوں کے متصل بعد نازل ہوئی اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ 51 ویں سورت ہے۔ اسے الذاریات اس لئے کہتے ہیں کہ یہ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

اس سورت میں 3 رکوعات، 60 آیات، 360 کلمات اور 1239 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں قیام قیامت اور اہل جنت کے لیے جنتی نعمتوں کی فراوانی کا ذکر کیا گیا ہے پھر نماز تہجد اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔ دوسرے رکوع میں وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے آپ ان کو فوراً پہچان نہ سکے اور فوری طور پر ان کے لیے کھانا لے آئے ،یعنی اجنبی مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام یہ خصائلِ ابراہیمی میں سے بتایا گیا۔ تب فرشتوں نے وضاحت کی کہ وہ انسان نہیں ہیں ، عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تب فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی کہ ان کے ہاں اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہونے والی ہے۔ پھر فرشتوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کے آنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ قوم لوط پہ اللہ کا عذاب لے کر اُترے ہیں۔ چنانچہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر قوم لوط پہ پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام کو وہاں سے نکالا اور باقی قوم پہ عذاب اُتار دیا اور ان پہ پتھروں کی برسات کر دی۔

اس کے علاوہ قوم فرعون، قوم عاد اور قوم ثمود پہ آنے والے عذابات کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں اللہ تعالی کی قدرتوں کا بیان ہے اور انسان کا مقصد تخلیق بتایا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۶۰ ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِیٰتِ مَكِّيَّةٌ ۶۷ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ

قسم ہے خاک اُڑانے والی ہواؤں کی، پھر (پانی کا) بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی، پھر آہستہ آہستہ چلنے والی کشتیوں کی، پھر خدائی فیصلے

اَمْرًا ۙ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ

تقسیم کرنے والے فرشتوں کی، تم سے کیا جانے والا وعدہ سچا ہی ہے [1] اور بے شک انصاف ضرور قائم ہوگا۔ اور قسم ہے زینت والے

الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ قُتِلَ

آسمان کی تم اختلاف والی بات میں پڑے ہو، اس (قرآن) سے وہی بہکتا ہے جس کے نصیب ہی میں بہکنا ہو، جھوٹ گھڑنے والے

الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَسْــَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ

ہلاک ہوں، جو اپنی خرمستی میں غافل پڑے ہیں [2] پوچھتے ہیں کہ روز انصاف

الدِّيْنِ ؕ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ

کب ہوگا۔ یہ وہ دن ہے جب وہ آگ پر بھونے جائیں گے (کہا جائے گا) اپنے فتنے کا مزہ چکھو یہ وہ (عذاب) ہے

كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جس کی تم جلدی مچاتے تھے [3]

قیامت کی حقانیت اور متقین کے لئے انعامات

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا سے ہوائیں، فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے بادل، فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا سے کشتیاں اور فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے فرشتے مراد ہیں اور اگر میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنی نہ ہوتی تو نہ بیان کرتا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۱۴ بروایت بزار، دارقطنی وابن مردویہ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے ہی روایت مذکور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ اے قیامت سے انکار کرنے والو تم سے قیامت کے آنے کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے اور اس دن ضرور انصاف قائم ہوگا۔ یہاں فرشتوں کو اللہ کے اوامر تقسیم کرنے والا بتایا گیا ہے کیونکہ میکائیل علیہ السلام ارزاق، عزرائیل علیہ السلام اموات اور جبرائیل علیہ السلام وحی والہامات تقسیم کرتے ہیں جبکہ اسرافیل علیہ السلام روز قیامت اجسام کو ارواح تقسیم کریں گے۔

[2] حُبُكٌ حَبِيْكٌ کی جمع ہے جس کا معنی ستاروں کے درمیان راستہ ہے۔ یعنی آسمان پہ جب ستارے جگمگاتے ہیں تو ان کے درمیان راستے نظر آتے ہیں یعنی ستاروں کی کہکشائیں نظر آتی ہیں۔ اللہ رب العزت اس خوبصورت منظر کی قسم یاد فرماتا ہے کہ اے قرآن کے یا قیامت کے منکرو! تم اختلافی قول میں اُلجھے ہو یعنی تمہارے اندر نظریات کا اختلاف ہے کوئی قرآن کو جادو کہتا ہے، کوئی شاعری اور کوئی کہانت، حالانکہ قرآن کی صداقت اس قدر واضح ہے کہ اس سے وہی بہکتا اور انکار کرتا ہے جس کے نصیب ہی میں بہکنا ہو، ورنہ جو شخص قرآن میں کچھ بھی غور کرے اس پر حق واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے مقابلہ میں جھوٹ گھڑنے والوں پر پھٹکار ڈالتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہلاک ہوں وہ اپنی خرمستی میں غافل پڑے ہیں یعنی مالداری، سرداری اور سیاسی غلبہ نے انہیں غفلت میں مست کر دیا ہے اور آج بھی دشمنانِ اسلام اپنے سیاسی غلبہ کے گھمنڈ میں مست ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ قدرت ربانی کا ایک جھٹکا بڑے بڑے خرمستوں کا نشہ اتار دیتا ہے۔

[3] منکرین قیامت تمسخر کرتے ہوئے پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ آئے گی تو انہیں جہنم کی آگ پر یوں بھونا جائے گا جیسے آگ پر مرغا یا بکرا بھونا جاتا ہے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ اپنے فتنے کا مزہ چکھو، اسی عذاب کے بارہ میں جلدی مچاتے ہوئے تم کہتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ

بے شک پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کا رب انہیں جو دے گا وہ لیتے ہوں گے، بے شک

كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾

اس سے قبل وہ نیکوکار تھے وہ رات کا تھوڑا ہی حصہ سوتے تھے

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾

اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے [4] اور ان کے اموال میں مانگنے والے اور محروم شخص کا حق ہے [5]

[4] متقین جنہیں جنت میں انعامات سے نوازا جائے گا، کی عبادت کا یہ عالم ہے کہ وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے اور زیادہ حصہ عبادت میں گزار دیتے ہیں یعنی عشاء کے بعد دیر تک مصروف ذکر وفکر رہتے ہیں پھر تھوڑا سو کر رات کے آخری حصہ میں تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد اپنے اور سب مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

نماز تہجد کی اہمیت وفضیلت

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ کا اشارہ نماز تہجد کی طرف ہے کیونکہ وقت سحر طلوع فجر سے قبل کا وقت ہے اور اس وقت استغفار کرنا تہجد پڑھنے سے عبارت ہے۔ اس کی فضیلت یوں بھی بتائی گئی کہ فرمایا گیا: وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ کہ مومنین سحر کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں۔ (آل عمران، ۱۷) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں دوڑ کر زیارت کے لئے گیا۔ میں نے دیکھتے ہی کہا واللہ! یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے میں نے پہلی بات یہ سنی کہ آپ نے فرمایا: أَيُّهَا النَّاسُ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ اے لوگو (مستحقین کو) کھانا کھلاؤ۔ صلہ رحمی کرو، ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کہو اور رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھو جب لوگ سوئے ہوں، تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ گے۔ (ترمذی کتاب الاطعمہ باب ۴۵)

[5] سائل سے مراد وہ شخص ہے جو پیشہ ور بھکاری نہ ہو بلکہ حالات نے اسے مانگنے پر مجبور کر دیا ہو، خواہ وہ بظاہر خوش پوش ہو۔ اسی لئے سیدہ فاطمہ بنت امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

اور محروم سے مراد وہ شخص ہے جو کام کرنے سے معذور ہو اور کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ متقین وہ ہیں جن کے اموال میں زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور نذر واجب وغیرہ کی صورت میں سائل و محروم کا حق ہے اور وہ اس حق کو ادا کرتے ہیں۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِی

اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بڑی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں [6] اور

السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ

آسمان میں تمہارا نصیب ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو آسمان و زمین کے رب کی قسم یہ (قرآن)

مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع

حق ہے جیسے تم خود بولتے ہو [7]

ع ۱ ۱۸

[6] زمین میں اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں موجود ہیں۔ مثلاً جدید سائنس کے مطابق زمین کا محیط رقبہ 40 ہزار 75 عشاریہ 16 کلومیٹر ہے اور اس کا مجموعی رقبہ ستانویں لاکھ (9,700,000) مربع کلومیٹر ہے اتنی بڑی زمین سورج کے گرد بیس (20) کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے دوڑ رہی ہے اور سورج کے گرد اس کا مدار پچانویں کروڑ نوے لاکھ (959000000) کلومیٹر ہے۔ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو اتنی بڑی زمین کو اتنی تیز رفتاری سے اتنے طویل مدار میں دوڑا رہی ہے وہ اللہ کے سوا کون ہے۔ پھر زمین لٹو کی طرح اپنے محور پر چوبیس گھنٹوں میں ایک گردش مکمل کرتی ہے، ایک لٹو جتنی بھی طاقت سے گھمایا جائے ایک مدت کے بعد وہ ضرور رک جاتا ہے مگر زمین کا اتنا بڑا لٹو کب سے گھوم رہا ہے اور کب تک گھومتا رہے گا یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ اس لٹو کو گھما رہا ہے اور سلسلۂ شب و روز چلتا جا رہا ہے تو پھر اللہ کے سوا کون مستحق عبادت ہے؟

اور خود انسان کے اندر اللہ کی عظیم قدرتیں مخفی ہیں اس کے ہر عضو کی بناوٹ اس قدر گہری اور علم سے بھرپور ہے کہ آج تک سائنس کسی ایک انسانی عضو کی جملہ عملیات کو سمجھ نہیں سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں انسان بنائے ہیں اور ہر ایک کی الگ صورت رکھی ہے۔ آخر اللہ کے علم کی وسعت کو کون جان سکتا ہے۔

[7] یعنی اے لوگو! لوح محفوظ میں تمہارا رزق لکھا ہوا ہے اسی کے مطابق تمہیں دیا جاتا ہے اور لوح محفوظ میں وہ جزا وسزا بھی لکھی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

کیا آپ کے پاس ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں (فرشتوں) کی خبر آئی ہے؟ جب وہ انکے پاس آئے تو کہا السلام علیکم

فَقَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ سَلٰمٌ ج قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ

انہوں نے کہا وعلیکم السلام تم انجانے لوگ ہو۔ تب وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے تو بھنا ہوا بچھڑا

سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ لا فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ط

لے آئے، ابراہیم (علیہ السلام) نے اسے مہمانوں کے قریب کیا تو کہا: کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تب آپ نے ان سے خوف محسوس کیا،

قَالُوْا لَا تَخَفْ ط وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ

انہوں نے کہا آپ خوف نہ رکھیں اور انہوں نے آپ کو علم والے بچے کی بشارت دی، تو آپ کی بیوی چیخ کر

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ لا قَالَ رَبُّكِ ط

متوجہ ہوئی اس نے (تعجب سے) اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا اور کہا میں تو بوڑھی بانجھ ہوں۔ فرشتوں نے کہا معاملہ اسی طرح ہے،

اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

یہ تمہارے رب نے کہا ہے، بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے۔ [8]

[8] حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لانے والے فرشتے حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں بطورِ مہمان آئے اور سلام کہا آپ نے سلام کا جواب دیا آپ مہمانوں سے پوچھے بغیر چپکے سے اٹھے اور گھر والوں سے جا کر کہا کہ کوئی انجانے مہمان آئے ہیں، یقیناً کہیں دور سے آئے ہیں تو ان کے کھانے کا بندوبست کرو انہوں نے اسی وقت گائے کے بچے کا گوشت بھون کر تیار کر دیا۔ آپ وہ سالم بھنا ہوا بچھڑا لے کر آئے اور مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا گئے کیونکہ اس زمانہ میں جب مہمان کھانا نہ کھاتا تو یہ معنی ہوتا تھا کہ وہ بری خبر یا جنگ کا پیغام لایا ہے۔ مہمانوں نے جو فرشتے تھے کہا اے ابراہیم علیہ السلام! آپ گھبرائیں نہیں، ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوا کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں آپ کی بیوی حضرت سارا علیہا السلام جن کی عمر اس وقت ستر برس تھی، فرشتوں کی زبانی بیٹے کی بشارت سن کر تعجب سے چیخ پڑیں اور تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا کیا مجھ ستر سالہ بڑھیا سے بیٹا جنم لے گا؟ فرشتوں

نے کہا یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور وہ تمام حکمت وعلم کا مالک ہے وہ جانتا ہے کہ اس نے کب، کسے اور کیا اولاد دینی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت سارا سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

ان آیات سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) سلام کہنے کی اہمیت:

فرشتوں نے آ کر سلام کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ اور باہر سے آنے والے شخص کا حق ہے کہ گھر والوں کو سلام کہے اور وہ سلام کا جواب دیں۔

(2) انجانے اجنبی مہمان کی بھی تکریم کی جائے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اجنبی مہمانوں کو دیکھا تو دوڑ کر کھانا تیار کروایا۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ بہر حال اپنے مہمان کی تکریم کرے (یعنی حسب طاقت اسے کھلائے پلائے)

(صحیح بخاری کتاب الادب باب ۳۱)

آج ہم صرف اسی مہمان کی تکریم کرتے ہیں جس سے ہمارا کوئی مفاد وابستہ ہو ورنہ نہیں، مگر یہ اصل میں اپنے مفاد کی تکریم ہے مہمان کی نہیں۔

(3) آداب میزبانی:

یہاں چند آداب میزبانی معلوم ہوئے۔ اول: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں سے کھانا پوچھا نہیں کہ کھاؤ گے یا نہیں، بلکہ چپکے سے جا کر کھانا تیار کروایا۔ گویا اگر مہمان کی حالت بتائے کہ اسے کھانے کی حاجت ہے تو پوچھنے کی ضرورت نہیں تا کہ وہ شرم محسوس نہ کرے۔ دوم: آپ نے اپنے مال میں سے عمدہ چیز یعنی بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا، گویا مہمان کو بقدر طاقت اچھا کھانا کھلانا چاہیے، یہ نہیں کہ خود گوشت کھاؤ اور مہمان کو دال پیش کرو۔ سوم: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھانا لا کر مہمانوں کے آگے رکھ دیا دور نہیں رکھا تا کہ مہمانوں کو کھانے کی طرف اٹھنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہو۔

(4) اللہ کی رحمت عمر کے کسی بھی حصہ میں ہو سکتی ہے:

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچاسی برس اور حضرت سارا علیہا السلام کی عمر ستر برس تھی مگر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرما دیا تو اس کی رحمت سے مومن کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن سے جوازِ ماتم پہ شیعی استدلال کا رد

یاد رہے اس جگہ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا سے اہل تشیع ماتم کا جواز ثابت کرتے ہیں کہ حضرت سارا نے چہرے پر ہاتھ مارا یعنی منہ پیٹا اور یہی ماتم ہے۔ مگر یہ غلط استدلال ہے کیونکہ حضرت سارا علیہا السلام نے تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا جس میں خوشی چھپی ہوئی تھی یہ غم واندوہ والا ماتم نہ تھا۔ چنانچہ شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی یہاں لکھتا ہے:

مقاتل وکلبی گویند کہ انگشتہا راجمع کردو بر ہر دو جبین خود زد وایں عادت زنان است در وقتیکہ تعجب کنند، وگویند کہ دریںحال کہ مژدہ شنیدم حیض درخود یافت وبجہت حیا طمانچہ برروئے خود زد۔ یعنی حضرت سارا نے تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مارا جیسے عورتیں تعجب میں کرتی ہیں اور مروی ہے کہ اس خوشخبری کے سننے سے اسی وقت حضرت سارا کو حیض آنے لگا جو بند ہو چکا تھا اور انہوں نے حیا سے اپنا چہرے پر ہاتھ مارا۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۹ صفحہ ۴۳ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ، تہران)

ایک اور شیعہ مفسر علی بن ابراہیم قمی (جو صاحب اصول کافی علامہ کلینی کا استاذ ہے) اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتا ہے: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا ای فغطّته لما بشّرها جبرائیل باسحاق. یعنی فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کا یہ معنی ہے کہ حضرت سارہ کو جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی تو انہوں نے حیا سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ (تفسیر قمی صفحہ ۶۴۸ مطبوعہ ایران)

شیعوں کے ہاں نہایت معتبر مفسر ابوعلی طبرسی لکھتا ہے: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا ای جمعت اصابعها فضربت جبینها تعجبا، یعنی حضرت سارہ نے اپنی انگلیاں اکٹھی کر کے تعجب سے اپنے ماتھے پر ماریں۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۹ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

کیا شیعہ علماء اپنی ان تمام معتبر تفاسیر سے منہ موڑ کر من مانی تفسیر کرنا چاہتے ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر اس آیت سے مروجہ ماتم کا جواز ہی نکالنا ہے تو پھر اہل تشیع کو چاہیے کہ بیٹے کی خوشخبری سن کر ماتم شروع کر دیا کریں، سینہ کوبی کریں، منہ زخمی کریں اور منہ سے خوفناک آوازیں نکالتے ہوئے نوحہ خوانی کیا کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر انہیں اس آیت سے جوازِ ماتم پر استدلال کرتے ہوئے کچھ تو شرمسار ہونا ہی چاہیے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے فرستادہ فرشتو! تمہاری آمد کا اہم مقصد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ

بھیجا گیا ہے تاکہ ہم ان پر مٹی کی جنس سے پتھر برسائیں جو آپ کے رب کے ہاں حد سے بڑھنے والوں کے لئے

لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا

نشان زدہ ہیں [9] تب ہم نے وہاں سے جو بھی مسلمان تھا اسے نکال لیا۔ اور ہم نے

فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

وہاں ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہ پایا۔ اور ہم نے وہاں نشانی چھوڑ دی دردناک عذاب سے

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

ڈرنے والوں کے لئے [10]

گزشتہ قوموں کی ہلاکت سے درسِ عبرت پکڑنے کا حکم

[9] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے جب بیٹے کی بشارت دی تو آپ نے ان سے پوچھا کہ آیا وہ اسی بشارت کو سنانے کے لئے آئے تھے یا کوئی اور اہم مقصد ہے؟ فرشتوں نے کہا ہم اصل میں قومِ لوط پر عذاب لے کر آئے ہیں وہ مجرم لوگ ہیں ہم ان پر مٹی کی جنس سے (حقیقی) پتھر (نہ کہ برف کے اولے) برسائیں گے۔ اور یہ پتھر اللہ کے ہاں نشان زدہ ہیں یعنی ان پر مخصوص نشان ہوگا تاکہ بعد میں ان پتھروں کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑا کریں اور مروی ہے کہ بعد میں وہ پتھر عرصہ تک لوگوں نے سنبھال کر رکھے اور امام ابن کثیر نے سورہ ہود آیت 82 کے تحت ایک روایت ذکر کی ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قوم لوط پر برسائے جانے والے بعض پتھر لائے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم لوط پر یہ عذاب اس لئے آیا کہ وہ مسرفین یعنی حد سے بڑھنے والے تھے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے جنسی تقاضا پورا کرتے تھے۔

[10] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوم لوط پر عذاب اتارنے سے قبل ہم نے وہاں سے ہر مسلمان کو نکال لیا اور وہاں صرف ایک گھرانہ ہی مسلمان تھا یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیاں۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر رات

کے وقت اس منحوس بستی سدوم سے نکل پڑے آپ کی بیوی بھی ساتھ چل پڑی، مگر وہ کافرہ تھی۔ چنانچہ جب صبح کے وقت عذاب اُترا تو ایک پتھر اس عورت کو بھی آ لگا اور وہ ڈھیر ہوگئی اور حضرت لوط علیہ السلام دونوں بیٹیوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فلسطین چلے گئے اور درمیانی راستہ ساٹھ ستر میل ہی تھا۔ آج بستی سدوم کا علاقہ اردن میں ہے اور جہاں یہ بستی زمین میں دھنسائی گئی وہاں سمندر نما ایک بڑا آبی ذخیرہ بن گیا ہے جسے بحیرہ لوط کہتے ہیں۔ اس کا پانی بہت کھاری اور بدبودار ہے۔ اس کو دیکھ کر لوگوں کو قوم لوط یاد آتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَرَكْنَا فِيهَآ آيَةً کہ ہم نے وہاں نشانی چھوڑ دی، میں نے یہ جگہ ابھی تک دیکھی نہیں مگر اس کا ذکر پڑھا سنا ہے۔

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ سے معلوم ہوا کہ صالحین کی موجودگی میں بُرے لوگوں پہ عذاب نہیں آتا، بستی سدوم میں جب تک ایک بھی مومن موجود رہا ان پہ عذاب نہ آیا۔ اسی طرح فرمایا گیا: لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ ''اگر وہ مومنین وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم مکہ والوں میں سے کفار کو سخت عذاب دیتے۔'' (فتح، ۲۵)

وَفِي مُوسَىٰٓ إِذْ أَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ۝٣٨ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِۦ
اور موسیٰ (علیہ السلام) (کے قصہ) میں بھی نشانی ہے۔ جب ہم نے انہیں کھلی دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا تو اس نے
وَقَالَ سَٰحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝٣٩ فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِي ٱلْيَمِّ وَهُوَ
اپنی جماعت کا سہارا لیا اور کہا کہ موسیٰ جادوگر یا مجنون ہے، تب ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور وہ
مُلِيمٌ ۝٤٠
تھا ہی قابل ملامت[11]

[11] قوم لوط کی تباہی بتانے کے بعد فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا ذکر کیا جا رہا ہے، تو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی نشان عبرت ہے۔ فرعون نے آپ کے معجزات دیکھ کر کہا یہ شخص جادوگر ہے یا مجنون ہے یعنی میری اس قدر مضبوط حکومت سے ٹکر لینے والا ضرور جادو کی طاقت رکھتا ہے یا پھر ویسے ہی اسے جنون ہوگیا ہے۔ یعنی اس بدبخت نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول بھی ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور وہ اسی قابل تھا کیونکہ اس نے خود پر ہدایت کے دروازے بند کر لئے تھے۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ

اور قوم عاد (کے قصہ) میں نشانی ہے جب ہم نے ان پر بے فیض آندھی بھیجی، وہ جس چیز پر گزرتی

عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى

اسے بھوسہ بنا کر رکھ دیتی [12] اور قوم ثمود (کے قصہ) میں نشانی ہے جب ان سے کہا گیا کہ کچھ مدت

حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

مزے اڑا لو، انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی، تو انہیں ایک کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ

تب وہ کھڑے بھی نہ ہو سکے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے تھے [13] اور قوم نوح

قَبْلُ ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

ان سے قبل تھی۔ وہ بدکردار لوگ تھے [14]

[12] قوم عاد کا قصہ بھی اپنے اندر نشان عبرت رکھتا ہے۔ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی سالہا سال کی تبلیغ کے جواب میں سرکشی ہی کا مظاہرہ کیا تو ان پر بے فیض آندھی بھیجی گئی۔ حالانکہ ہوا سے پھول کھلتے، گلستان مہکتے اور اناج پکتے ہیں مگر وہ بے فیض آندھی تھی وہ اس قدر ریح بستہ تھی کہ جس انسان، جانور، درخت یا پودے پر گزری اسے سوکھا کر جلا دیا۔ دوسری جگہ فرمایا: رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا ''اس ہوا میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔'' (احقاف، ۲۴) قوم عاد حدود یمن میں آباد تھی، آج بھی وہاں حضرت ھود علیہ السلام کی قبر موجود ہے۔

[13] حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو (جو حالیہ شمالی سعودیہ میں آباد تھی) کئی برس وعظ فرمایا۔ وہ لوگ شرک سے باز نہ آئے بلکہ انہوں نے اللہ کی نشانی اونٹنی کو ذبح کر دیا اور اس کے پاؤں کاٹ دیئے۔ تب فرشتے نے ان پر خوفناک چیخ ماری جس کی دہشت سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب کے سب منہ کے بل گر پڑے پھر اُٹھ نہ سکے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ کہ وہ کھڑے نہ ہو سکے۔

[14] یعنی عاد وثمود سے قبل حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تھا، ان کی قوم ان کی ساڑھے نوسو سالہ تبلیغ کے باوجود ایمان نہ لائی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا۔ گزشتہ قوموں پہ آنے والے یہ عذابات اس لیے بتائے جا رہے ہیں تا کہ قیامت تک

آنے والی اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کو بتایا جائے کہ اسلام دشمنی کا راستہ تباہ کن راستہ ہے، اس راہ پہ چلنے والی کئی قومیں اس سے قبل تباہی کے گھاٹ اتر چکی ہیں۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ
اور ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم وسعت کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے زمین کا فرش
الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾
بچھایا ہے تو ہم کیا ہی بہتر بچھانے والے ہیں [15] اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت پکڑو [16]
فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ ۚ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
تو تم اللہ کی طرف دوڑو، بے شک میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا
اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ ۚ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
نہ بناؤ، بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ ۚ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
جو بھی رسول آیا انہوں نے اسے جادوگر یا مجنون ہی کہا [17] کیا وہ ایک دوسرے کو ایسا کہنے کی وصیت
طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ ۫ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى
کر گئے تھے؟ نہیں بلکہ وہ سرکش لوگ تھے۔ تو آپ کفار سے رخ پھیر لیں۔ آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ نصیحت فرمائیں کہ
تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾
نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے [18]

[15] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے آسمان بنایا اور ہم وسعت دینے والے ہیں یعنی ہم ستاروں کے ذریعے آسمان کو زینت دے رہے ہیں: اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ جملہ اسمیہ ہے جو مفید دوام ہے۔ گویا اب بھی کائنات کو وسعت دی جا رہی ہے۔ شائد اسی لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شائد   کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

آگے فرمایا کہ ہم نے زمین کا فرش بچھایا ہے جو کیا ہی اچھا فرش ہے، کیونکہ یہ فرش نہ سخت پتھریلا ہے کہ اس پر نہ لیٹا جا سکے نہ کچھ اس میں گاڑا جا سکے اور نہ بہت نرم کہ اس پر چلا یا ٹھہرا نہ جا سکے، بلکہ بستر کی طرح نرم ہے کہ بستر نہ ملے تو زمین ہی پہ سویا جا سکتا ہے۔

[16] ہر چیز میں جوڑا ہے یعنی ہر چیز کا مخالف پہلو بنایا گیا ہے تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت پر ایمان لائیں، جیسے نر و مادہ، روز و شب، گرمی و سردی، بر و بحر، دشت و جبل، آبادی و ویرانہ، نور و ظلمت، سیاہ و سفید، دنیا و آخرت، ایمان وکفر، سعادت و شقاوت، موت و حیات، خشک و تر، جامد و نامی، تلخ و شیریں، نرم و سخت، بلندی و پستی اور صحت و بیماری وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے ہر چیز کا جوڑا ہے، مگر دوسرا خدا کوئی نہیں ہے۔

[17] یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے کہ اے تا قیامت آنے والے انسانو! سنو اللہ کی اطاعت کی طرف دوڑو اور اس کے ساتھ دوسرا خدا نہ بناؤ میں تم سب کے لئے کھلا ڈرانے والا نبی بن کر آیا ہوں۔ معلوم ہوا حضور سید عالم ﷺ جہاں گیر نبوت کے مالک ہیں لہٰذا آپ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے زمانوں کے کفار کے پاس بھی جب کوئی رسول آیا تو انہوں نے اسے جادوگر یا مجنون ضرور کہا تھا۔ لہٰذا اے پیارے رسول ﷺ! اگر کفار آپ کو ساحر یا مجنون کہتے ہیں تو آپ اس پہ ملال نہ لائیں۔ معلوم ہوا دین کے مبلغ کو بُرے لوگوں کی طرف سے گالیاں سننا پڑتی ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ان سے درجہ بڑھتا ہے۔

[18] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! اگر کفار آپ کو ساحر و مجنون یا شاعر وغیرہ کہتے ہیں تو آپ ان سے منہ پھیر لیں، مروی ہے کہ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھے کہ کفار پر عذاب اترنے ہی والا ہے اسی لئے آپ سے کہا گیا ہے کہ کفار سے منہ پھیر لیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت اتاری اور فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ نصیحت فرماتے رہیں خواہ کفار مانیں یا نہ مانیں آپ کی نصیحت بہر حال مومنوں کو فائدہ دیتی ہے یعنی انکا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ گویا واضح ہو گیا کہ کفار پر عذاب نہیں آئے گا بلکہ ان کے لئے تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے گا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں [19] میں ان سے کوئی روزی نہیں چاہتا اور نہ چاہتا ہوں

وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

کہ مجھے کھلائیں۔ بے شک اللہ ہی روزی رساں، قوت والا اورصاحب قدرت ہے [20]

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝

تو ظالموں کے لئے حصہ (عذاب) ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لئے حصہ تھا لہٰذا وہ جلدی نہ مچائیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝

تو کافروں کے لئے اس دن کی وجہ سے ہلاکت ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے [21]

[19] یوں تو ساری کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی اور اپنے انداز میں عبادت کرتی ہے جیسے فرمایا: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ۔ ''ہر چیز کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح معلوم ہے۔'' (نور، ۴۱) وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ''آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز ہے اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔'' (رعد، ۱۵) مگر جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ ہے اختیاری عبادت، باقی کوئی چیز اپنی عبادت کو ترک نہیں کر سکتی مگر انسان اور جنات کو ارادہ واختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو عبادت کریں نہ چاہیں تو نہ کریں۔ پھر جب وہ اپنی مرضی سے عبادت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بہت اہمیت ہے۔

یاد رہے عبادت صرف نماز روزہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کا ماننا اور بجالانا عبادت میں شامل ہے۔ علماء کے نزدیک عبادت کی دس اقسام ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قراءت قرآن، ہر حال میں ذکر الٰہی، طلب حلال، حقوق مسلمین کا قیام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اتباع سنت۔

[20] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ اس میں مجھے روزی ملتی ہے اور میرا کام چلتا ہے، میں تو خود سب کا روزی رساں اور سب قوتوں کا مالک ہوں، یعنی میں نے انہیں اس لئے عبادت کا حکم دیا ہے تاکہ ان کی عبادت کے بدلے میں ان پر اپنی نعمتوں کے دریا بہاؤں۔ یاد رہے ان آیات سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنات اور انسان باہم برابر وہم پلہ ہیں، کیونکہ بہرحال انسان ہی سب سے افضل مخلوق ہے۔ اسی کے سر پر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل، ۷۰) کا تاج رکھا گیا ہے اور قرآنِ مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ انسان کے

لئے آسمان وزمین کی تخلیق کی گئی ہے۔ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (بقرہ، ۲۲) گویا انسان ہی کائنات کا گوہر مقصود ہے، اسی لئے سب انبیاء ورسل انسانوں ہی میں بھیجے گئے اور جنات کو بھی ان کی اتباع کا حکم دیا گیا۔

اس جگہ عبادت کے حکم کے بعد اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہہ کر بتایا گیا ہے کہ طلب معاش کا بہانہ بنا کر انسان کو عبادت کے ترک کا حق نہیں ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ طلب رزقِ حلال بھی کرے اور عبادات جیسے نماز روزہ کا بھی قیام کرے، کیونکہ رازق اللہ رب العزت ہے۔

[21] ذَنوب اس ڈول کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکالا جائے، تو ڈول کے ذریعہ ہر کسی کو اپنے نصیب اور اپنے حصہ کا پانی ملتا ہے، اس لیے ڈول بول کر حصہ مراد لیا جاتا ہے۔ تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے پہلے کافروں کو عذاب کا حصہ ملا، قرآن کے منکروں کو بھی اپنا حصۂ عذاب ضرور ملے گا۔ لہٰذا وہ عذاب کی جلدی نہ مچائیں اور یہ نہ پوچھیں کہ عذاب کب آئے گا اور روز قیامت کافروں کے لئے اس ہلاکت کا دن ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

الحمد للہ آج 22 رمضان المبارک 1429ھ بمطابق 2008ء نماز تراویح سے قبل سورہ ذاریات کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الطور

سورۃ الطور قرآن کریم میں ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 52ویں نمبر پر ہے اور ترتیب نزول میں 75ویں نمبر پر ہے۔ چونکہ یہ سورت وَالطُّوْرِ ۞ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ کے الفاظ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۂ طور کہا گیا یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اس میں 2 رکوعات، 49 آیات، 312 کلمات اور 1500 حروف ہیں۔

فضیلت

رسول اکرم ﷺ سے اس کا نماز مغرب میں پڑھا جانا مروی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب میں یہ سورت حضور سرور کونین ﷺ سے سنی تو ان کے دل میں ایمان گھر کر گیا اور آخر وہ کچھ عرصہ بعد ایمان لے آئے۔

(بخاری و مسلم)

مضامین

سورہ طور کے دو رکوع ہیں۔ پہلے رکوع میں قیام قیامت کی منظر کشی ہے، اس کے بعد جہنم کے عذابات بتائے گئے ہیں اور جنتی نعمتوں کا بیان ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اہل تقویٰ کی وجہ سے ان کی اولاد پہ رحم کیا جاتا ہے، اسی ضمن میں واضح کیا گیا ہے اہل جنت جنت میں جا کر کس طرح اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ اس میں یہ درس ہے کہ نعمت ملنے پہ انسان کے دل میں جذبۂ شکر پیدا ہونا چاہیے۔

جبکہ دوسرے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جانے والی جنون، کہانت اور شاعری کی نسبت کا رد کیا گیا ہے، پھر صداقت قرآن کا بیان ہے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے اولاد کی نفی کی گئی ہے اور توحیدِ الٰہی کا درس ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ۴۹ ۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾

قسم ہے طور کی [1] اور کھلے دفتر میں لکھی ہوئی کتاب کی [2] اور آباد گھر کی [3]

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾

اور بلند کردہ چھت کی اور آتشیں سمندر کی۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔ اسے

مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾

کوئی ٹال نہیں سکتا۔[4]

قیامت کیسے آئے گی اور جنت ونار کا بیان

[1] طور کا لغوی معنی سرسبز پہاڑ ہے اور یہ صحرائے سینا میں مصر سے شمال مشرق میں ایک پہاڑی سلسلے کا نام بھی ہے اسی سلسلہ میں وہ طور پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے، اسی پر تورات نازل ہوئی۔ حدیث مبارکہ کے مطابق یہ ایک جنتی پہاڑ ہے۔ (قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۵۸)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مارچ 2005ء میں مجھے سیاحت مصر کے دوران طور پہاڑ پر چڑھنے اور وہ جگہ دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے تھے۔ مجھے رات کے وقت اس پہاڑ پر چڑھنے میں چار گھنٹے لگے نہایت اونچا پہاڑ ہے اور دن کی گرمی میں اس پر چڑھنا دشوار ہے۔ آج طور پہاڑ کی چوٹی پر یہود کا سنیگاگ، عیسائیوں کا چرچ اور مسلمانوں کی مسجد تینوں اکٹھے بنے ہوئے ہیں، کیونکہ یہ تینوں مذاہب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔

الحمد للہ میں نے اس مسجد میں فجر کی نماز پڑھائی اور وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ کی تلاوت میں بہت لطف آیا اور دل میں خیال آیا کہ جہاں تورات اُتری آج وہاں اذان وقرآن کی صدائیں گونج رہی ہیں۔

طور کی قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چلہ کیا اور اس پر تورات اُتری۔ میں کہتا ہوں جس پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام چلہ کریں اور وہاں تورات اُترے، اگر وہ اس قدر مقدس و معظم ہے کہ اللہ رب العزت اس کی قسم یاد کرتا ہے تو غار حرا کیوں مقدس نہیں جہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طویل عرصہ عبادت کی اور وہاں قرآن اُترا۔ پھر نجدی علماء کا اس کی زیارت کو بدعت اور گناہ کہنا کس قدر انتہا پسندی ہے۔

[2] پہلا قول یہ ہے کہ اس سے تورات مراد ہے کیونکہ وہ کھلی تختیوں پہ لکھی ہوئی اُتری تھی اور اس سے قبل وَالطُّوۡرِ فرمایا جانا اس قول کی تائید کرتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآن مراد ہے، کیونکہ اکثر سورتوں کے آغاز میں قرآن ہی کی قسم یاد کی گئی ہے جیسے یٰسٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ. قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِيۡدِ. حٰمٓ ۚ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ وغیرہ۔

تیسرے قول کے مطابق اس سے ہر شخص کا نامۂ اعمال مراد ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰىهُ مَنۡشُوۡرًا۔ (بنی اسرائیل، ۱۳) اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے بہر حال یہ چاروں چیزیں عظیم اور اس قابل ہیں کہ ان کی قسم اٹھائی جائے۔

[3] اس سے بعض نے کعبۃ اللہ مراد لیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ آباد گھر ہے۔ بعض نے مطلقاً آباد گھر مراد لیا کیونکہ آباد گھر اللہ کی نعمت و رحمت ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے ساتویں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ مراد ہے۔

البیت المعمور کے بارے میں احادیثِ طیبہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب میں شب معراج ساتویں آسمان پر گیا تو میں نے دیکھا حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں۔ اس بیت معمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جو ایک بار پڑھ لیں پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی۔'' (بخاری کتاب بدأ الخلق باب ۶، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۶۴)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بیت معمور آسمان میں ایک عبادت گاہ ہے جو کعبہ کے بالکل اوپر ہے اگر وہ گرے تو کعبہ کی چھت پر گرے گی۔''

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۴۸۰ حدیث ۳۲۲۸۸)

گویا بیت معمور کی قسم اٹھا کر انسان کو عبادت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین پر کعبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان والے کعبہ تک بلندی عطا فرمائی، اس سے تعمیر مسجد کی فضیلت معلوم ہوئی۔

[4] بلند چھت سے آسمان مراد ہے جیسے فرمایا گیا: السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا کہ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ (انبیاء، ۳۲) اور آتشیں سمندر سے یہ مراد ہے کہ قیام قیامت میں سمندوں کا پانی سخت گرم ہو کر آگ بن جائے گا اور

جب تمام انسان قبروں سے نکلیں گے تو یہی آگ انہیں ہر طرف سے گھیر کر ایک جگہ جمع کر دے گی۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں فرمایا گیا: وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ. "اور جب سمندروں کو تپا کر آگ بنا دیا جائے گا" (تکویر، ٦) یہ قسم اٹھا کر بتایا کہ قیامت آ کر رہے گی اسی لئے آگے فرمایا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿٩﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۭ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
جس دن آسمان خوب گھومے گا اور پہاڑ خوب چلیں گے، تو اس دن جھٹلانے والوں کے لئے
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى
ہلاکت ہے جو اپنی حجت بازی میں کھیل رہے ہیں، اس دن وہ نار جہنم کی طرف
نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۭ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ
دھکیلے جائیں گے، یہ وہ نار ہے جسے تم جھٹلاتے تھے، تو کیا یہ جادو ہے
اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿١٥﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ
کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ اب اس میں گھس جاؤ، تو صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے
عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾
برابر ہے، تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم عمل کرتے تھے۔[5]

وقف لازم

[5] اللہ تعالیٰ نے طور، کتاب منشور، بیت معمور، بلند آسمان اور آتشیں سمندر کی قسم یاد کر کے فرمایا کہ تمہارے رب کا عذاب ضرور آنے والا ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا یعنی کفار کے لئے قیامت کا عذاب تیار ہے اور کافروں جیسے کام کرنے والے مسلمانوں کو بھی وہاں کا پھیرا دیا جا سکتا ہے۔ جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان تیزی سے گھوم کر ٹکڑے ہو جائے گا اور زمین کے پہاڑ فضا میں اُڑنے لگیں گے اور یوں آسمان و زمین کو توڑ پھوڑ کر ایک میدان کر دیا جائے گا اور اس پر قیامت کی عدالت قائم ہو گی تو اس دن اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کے جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہو گی۔ کیونکہ وہ اپنی حجت بازیوں میں کھیلتے تھے۔ تب انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

اور کہا جائیگا کہ تم اسی عذاب سے انکار کرتے اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جادوگری کی باتیں کرتا ہے۔ اب بتاؤ یہ عذاب حقیقت ہے یا صرف جادو ہے، اب اس میں گھس جاؤ اور صبر کرو یا بے صبری، بہر حال اس سے تمہاری جان نہیں

چھوٹے گی اور یہ تمہارے عمل ہی کی جزا ہے۔

مروی ہے کہ کفار کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیے جائیں گے اور پیشانیاں قدموں کے ساتھ جمع کردی جائیں گی، یوں گول گیند بنا کر انہیں جہنم کی طرف لڑھکا دیا جائے گا (بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۶۱) اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا: لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ ''ہم پیشانی سے پکڑیں گے یعنی جھوٹی خطا کار پیشانی۔'' (سورہ علق۔آیت ۱۷)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ کی دھمکی سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا ایمان لے آنا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لئے مدینہ طیبہ آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب میں سورہ طور پڑھ رہے تھے، جب آپ نے پڑھا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ الخ (یعنی تمہارے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا) تو مجھے یوں لگا کہ میرا دل پھٹ جائے گا اور مجھے یوں خوف محسوس ہوا جیسے یہ عذاب ابھی مجھ پر آ جائے گا، تو میں اسی وقت اسلام لے آیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے اسی وقت دل سے ایمان قبول کر لیا۔ تاہم وہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد اسلام میں عملاً داخل ہوئے۔ (الاصابہ جلد اول صفحہ ۲۲۶ حرف جیم مطبوعہ بیروت)

اسی طرح تہذیب التہذیب میں بھی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا صلح حدیبیہ کے بعد بتایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ

بیشک پرہیزگار لوگ جنتی باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے انہیں ان کا رب جو دے گا اس سے مزے لیں گے اور ان کا رب

رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

انہیں عذاب جہنم سے بچا لے گا۔ مزے سے کھاؤ پیو یہ تمہارے عمل کا بدلہ ہے،

مُتَّكِـِٔينَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا

وہ صف بستہ تختوں پر تکیہ زن ہوں گے اور ہم فراخ چشم حوروں سے ان کا نکاح کریں گے [6] اور جو لوگ ایمان لائے

وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمٰنٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ أَلَتْنٰهُم مِّنْ

اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے، اور ان کے اپنے عمل

عَمَلِهِم مِّن شَىْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾

(کے صلہ) میں سے کچھ کم نہ کریں گے، ہر آدمی اپنے عمل میں پکڑا ہوا ہے۔[7]

[6] ان آیات میں متقین کے اُخروی انعامات بتائے گئے ہیں اور تقویٰ کی پہلی منزل ایمان ہے، دوسری عمل بالارکان اور تیسری احسان ہے، تو جو ایمان پر مرا وہ بہرحال جنت کا حقدار ہے اگر اس سے گناہ ہوئے اور اس نے توبہ نہیں کی تو اس کے لئے کچھ مدت عذاب جہنم کی وعید ہے اور جس نے ایمان کے ساتھ عمل بالارکان بھی کیا مگر احسان یعنی اخلاص نہیں تھا تو بھی اس کی راہ پُرخطر ہے اور اگر احسان بھی ساتھ ہو تو انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا: بَلٰى ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ أَجْرُهٗ عِندَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ ”کیوں نہیں، جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا دے اور وہ احسان والا ہو تو ایسے لوگوں پہ کوئی خوف نہیں اور وہ آخرت میں غمزدہ نہ ہوں گے۔“ (بقرہ، ۱۱۲)

[7] یعنی جب متقین ان جنتی نعمتوں کے مزے لیتے ہوں گے جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئیں تو اللہ تعالیٰ ان پر مزید یہ کرم فرمائے گا کہ ان کی مومن اولاد کو ان کے درجہ میں ان کے پاس پہنچا دے گا۔ مگر یہ نہیں کرے گا کہ متقین کے درجہ میں کمی کر کے انہیں ان کی اولاد کے درجہ میں گرا دے تاکہ وہ جمع ہو جائیں، بلکہ ان کی اولاد کو بلندی دے کر ان کے درجہ میں پہنچا دے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا: وَمَآ أَلَتْنٰهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَىْءٍ ۚ کہ ہم متقین کے عمل

کی جزاء میں سے کچھ کمی نہ کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص جنت میں جائے گا تو اپنے والدین، اپنی ذریت (بمعنی اقارب اور یہاں اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ میں بھی اقارب ہی مراد ہیں) اور اپنی اولاد کے بارے میں پوچھے گا، اسے کہا جائے گا وہ اپنے عمل کے باعث تمہارے درجہ تک نہیں پہنچ سکے، وہ کہے گا اے اللہ! میں نے اپنے لئے بھی عمل کیا تھا اور ان کے لئے بھی (یعنی ان کے لئے دعا و ایصال ثواب کرتا رہا) تب اللہ حکم فرمائے گا کہ اس کے اقارب کو بھی اس کے ساتھ ملا دو۔ پھر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ۔''

(طبرانی کبیر جلد ۱۱ حدیث ۱۲۲۴۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ. حضرت مقاتل سے اس کی یہ تفسیر مروی ہے: کل امرئ کافر بما کسب رھین، یعنی ہر کافر اپنے کفر کی وجہ سے پکڑا ہوگا، مگر مومن ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝۳۸ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝۳۹ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۴۰ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۱ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝۴۲ ''ہر کافر جان اپنے عمل میں پکڑی ہوگی، مگر دائیں طرف والے جنتی باغات میں ہونگے اور مجرموں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی۔''

(سورہ مدثر، آیت: ۳۸) (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ دار الفکر)

متقین سے نسبی تعلق کا باعثِ برکت ہونا

معلوم ہوا کہ متقین سے نسبی تعلق باعثِ برکت ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کا درجہ بلند کر کے انہیں اس کے ساتھ ملا دے گا، خواہ وہ عمل میں اس سے کم تر ہوں تا کہ انہیں دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔'' (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۵۱)

اور ابھی طبرانی کی روایت گزری کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول جنتی شخص کے اقارب کو اس کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا، اسی طرح متقین سے قلبی تعلق بھی فائدہ دے گا جیسے فرمایا: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝۶۷ ''گہرے دوست اس دن دشمن ہونگے، سوا متقین کے۔'' (زخرف، ۶۷)

تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہے، کہ وہ کسی کی نیکی کی وجہ سے اسکی اولاد پہ بھی رحمت فرما دے، یہ قانون نہیں ہے۔ لہٰذا کسی کو اپنے باپ دادا کی نیکیوں پہ سہارا کر کے خود کو بخشا بخشایا نہیں سمجھنا چاہیے۔

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا

اور ہم پھلوں اور گوشت کے ساتھ ان کی تواضع کریں گے جیسے وہ چاہیں گے۔ وہ جام پہ جام حاصل کریں گے

لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ

جس میں نہ کوئی لغو بات ہوگی نہ گناہ میں پڑنا [8] اور ان پر ان کے خادمین گردش کریں گے (جو حسن میں) گویا

مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا

چھپے موتی ہیں [9] اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے، کہیں گے ہم اس سے قبل اپنے

قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اہل و عیال میں سہمے ہوتے تھے تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا،

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع

ہم اس سے قبل اللہ سے دعا کرتے تھے، بے شک وہ بندہ نواز مہربان ہے [10]

[8] اہل جنت جیسا پھل، جیسا گوشت اور جیسا کھانا مانگیں گے وہ انہیں پیش کر دیا جائے گا اور انہیں جنتی شراب طہور کے جام پہ جام پیش کئے جائیں گے، جسے پی کر ان کے منہ سے کوئی لغو بات نہ نکلے گی نہ وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں گے، یعنی جنتی شراب دنیا کی شراب جیسی نہ ہوگی کہ جسے پی کر شرابی لوگ اول فول بکنے لگتے اور انسانیت کا لبادہ اتار کر حیوان بن جاتے ہیں۔

[9] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہلِ جنت میں سے ہر کسی کی خدمت میں ایک ہزار غلمانِ جنت ہوں گے اور ہر غلام کی خدمت جداگانہ ہوگی۔

اور حضرت حسن سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہر غلام چھپائے ہوئے موتی کی طرح حسین ہوگا تو ان کے آقا کی کیا شان ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

فضل سیدھم علیھم کفضل البدر علی سائر الکواکب۔ آقا کی فضیلت غلاموں پر ایسے ہوگی جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت ستاروں پہ۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۵۱)

[10] اہل جنت ایک دوسرے سے خوش کلامی کرتے ہوئے کہیں گے کہ دنیا میں جب ہم اپنے اہل و عیال میں ہوتے

تھے تو ہم سہمے رہتے تھے کہ پتہ نہیں روزِ قیامت ہمارا کیا معاملہ ہوگا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ ہمیں دوزخ کی لو سے بھی بچالیا ہے۔ اور جہنم کی لو اس قدر شدید ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر عذاب سموم سے چیونٹی کے برابر ایک سوراخ اہل دنیا پہ کھول دیا جائے تو زمین اور جو اس پہ ہے سب کچھ جل جائے۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۳۴) گویا اہل جنت کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے کہ جہنم کی تپش بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتی، ہم یہی دعائیں کرتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں عذاب جہنم سے بچالے تو اللہ بہت بندہ نواز مہربان ہے، اس نے ہماری دعائیں قبول فرمالی ہیں۔

ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل کر لے جن کی دعائیں تو نے قبول فرمائیں اور انہیں مذکورہ جنتی نعمتوں کا حقدار کر دیا۔ یہ دعا میں اعتکاف میں اپنے لیے اور تمام پڑھنے والوں کے لئے کر رہا ہوں۔ اگر وہ غفور رحیم قبول فرمالے تو کچھ بعید نہیں۔ اور قوی امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ قبول فرمائے گا۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ

تو آپ نصیحت فرماتے رہیں، کہ آپ اپنے رب کی نعمت سے نہ نجومی ہیں نہ مجنون ہیں [11] کیا کفار کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے

نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾

جس کے بارے میں ہمیں حوادث زمانہ کا انتظار ہے؟ آپ فرمادیں کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں [12]

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

کیا ان کی عقلیں انہیں ایسا کہنے کا حکم دیتی ہیں یا وہ ہیں ہی سرکش لوگ؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن کو)

تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

خود گھڑا ہے۔ نہیں بلکہ وہ ایمان ہی نہیں لاتے، انہیں چاہیے کہ اس قرآن کی مثل ایک بات (آیت) لے آئیں اگر وہ سچے ہیں [13]

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ

کیا وہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ

پیدا کیا ہے؟ نہیں بلکہ وہ یقین ہی نہیں رکھتے [14] کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہ ہر چیز پر

الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ

قابض ہیں؟ [15] کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پہ چڑھ کر وہ سن لیں گے؟ تو ان کے سننے والے کو

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا

کھلی دلیل لانی چاہیے [16] کیا اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے؟ [17] کیا آپ ان سے معاوضہ مانگتے ہیں

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ

جس کی ادائیگی سے وہ عاجز ہیں؟ [18] کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں [19] کیا وہ

يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ

فریب کرنا چاہتے تو کافر لوگ خود فریب خوردہ ہیں۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی

اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾

معبود ہے تو اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔[20]

توحید ورسالت اور قرآن کے بارے میں کفار کے شبہات کا ازالہ

[11] کفار مکہ حضور سید المرسلین ﷺ کو کبھی کاہن کہتے کبھی مجنون، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب ﷺ! آپ تبلیغ و دعوت دین کا کام کرتے ہیں، آپ کی طرف سے ہم جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نہ کاہن ہیں نہ مجنون۔ کیونکہ کاہن لوگ اکثر جھوٹ بولتے ہیں اور آپ کی ہر بات لوہے پر لکیر کی طرح سچی ثابت ہو رہی ہے اور مجنون کو اپنا ہوش نہیں ہوتا جبکہ آپ دونوں جہانوں کی خبر رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا حضور سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ آپ پر اعتراض ہوتا ہے تو آپ کا رب آپ کی طرف سے جواب دیتا ہے۔

[12] کفار کہتے تھے کہ جیسے ایک شاعر بے بنیاد باتوں کو اپنے زورِ بیان سے عمدہ تخیل کی صورت میں پیش کر دیتا ہے ایسے ہی حضور ﷺ توحید و رسالت اور قیامت جیسی بے بنیاد باتوں کو شاعرانہ انداز میں عمدہ کر کے پیش کر رہے ہیں اور عرب میں کئی شاعر اُٹھے اور ان کا نام مٹ گیا اسی طرح آپ (ﷺ) کا چرچا بھی چند دن ہے پھر ختم ہو جائے گا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ کے والد (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) جوانی میں فوت ہو گئے تھے یونہی آپ بھی جلدی فوت یا کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں گے (نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ میں یہی مفہوم پنہاں ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے حبیب ﷺ! آپ فرمائیں کہ تم میرے بارے میں حوادث زمانہ کا انتظار کرو میں تمہارے بارے میں اللہ کی پکڑ کا انتظار کرتا ہوں۔ پھر دیکھو کس کی انتظار جلد رنگ لاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو چند برس بعد ہی میدان بدر میں پکڑ لیا اور ان کے اکثر بڑے سردار تہہ تیغ ہو گئے۔

[13] یعنی کیا حضور ﷺ کو کاہن مجنون اور شاعر کہنے والے اپنی عقل کی روشنی میں ایسا کہتے ہیں یا ان کی عقل تو آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے اور وہ محض سرکشی پر اُترے ہوئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ محض سرکشی دکھا رہے ہیں۔

حقانیت قرآن کی دلیل، قرآن کی مثل کا ناممکن ہونا

وہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے قرآن کو از خود گھڑا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو وہ قرآن جیسی ایک آیت ہی بنا کر لے

آئیں مگر وہ قرآن جیسی ایک آیت نہ لا سکے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کسی انسان کا گھڑا ہوا کلام نہیں بلکہ خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

دیکھئے ایک ملک ہوائی جہاز بناتا ہے تو دوسرا ملک اس سے زیادہ اچھا ہوائی جہاز بنالاتا ہے، مگر اللہ کی بنائی ہوئی ایک چیونٹی بلکہ چیونٹی کی ایک ٹانگ بنانا کسی انسان سے ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ یونہی اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو کفار عرب اس کی مثال ضرور لے آتے مگر وہ کلام اللہ کی مثل کیسے لا سکتے تھے؟ اور قرآن کا یہ چیلنج تا قیامت موجود ہے مگر آج تک کسی کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ گویا قرآن رسول اللہ ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے۔

[14] یعنی اگر کفار کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا تو کیا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے اور وہ یہ بھی سوچیں کہ آسمان و زمین کو کس نے بنایا ہے؟ کیا انہوں نے بنایا ہے؟ واضح ہے کہ ہر چیز کو اللہ نے بنایا ہے تو پھر وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ دوسرے جھوٹے خداؤں کو کیوں ملاتے ہیں؟

[15] کفار مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ہم میں سے کسی بڑے سردار پر کیوں نہیں اتارا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے منکرو! کیا اللہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہیں کیا تم ہر چیز پر قابض ہو؟ اللہ جس پر چاہے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

[16] یعنی اگر کفار کو اللہ کے رسول ﷺ کی دی ہوئی خبروں اور آپ کی وحی پر یقین نہیں تو کیا وہ خود سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھیں گے اور وہاں سے خبر لائیں گے؟ اگر ایسی بات ہے تو ان میں سے جو شخص یہ کوشش کرے اسے کھلی دلیل لانی چاہیے کہ وہ کیسے آسمان پر چڑھا اور خبر لایا؟ الغرض کفار کو چاہیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لائیں۔

[17] کفار مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے منکرو! تم اپنے لئے بیٹے پسند کرتے اور اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہو؟ کیا تم اللہ کو اپنے برابر بھی نہیں سمجھتے؟ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔

[18] یعنی جب اللہ کے رسول ﷺ تمہیں محض رضائے الٰہی کیلئے تمہاری ہمدردی کرتے ہوئے تمہیں مفت پیغامِ حق سناتے ہیں تو اسے سنو تو سہی، تم بغیر سنے ہی انکار کر رہے ہو۔

[19] جب کفار مکہ نے کہا کہ ہم حضور ﷺ کے بارے میں حوادثِ زمانہ کے منتظر ہیں (نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہارے پاس غیب کا علم ہے کہ ایسا ہوگا۔

[20] ایک بار کفار مکہ نے میٹنگ کی کہ موسم حج قریب ہے جو لوگ باہر سے حج کرنے آئیں تم انہیں بتاؤ کہ یہاں مکہ میں محمد (ﷺ) نامی ایک جادوگر ہے تم اس کے پاس مت بیٹھنا۔ چنانچہ کفار مکہ نے باہر سے آنے والے حجاج کو یہی سمجھایا، مگر ان کا ہر فریب اُلٹا پڑا اور حضور ﷺ کے بارے میں جس کو خبر نہیں تھی اسے بھی خبر ہوگئی اور آپ کا ذکر سارے عرب میں پھیل گیا (پھر اسی کے نتیجے میں اہل مدینہ حاضر ہو کر ایمان لائے) (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار فریب دینا چاہتے ہیں مگر وہ خود فریب خوردہ ہیں کہ انکا فریب انہی کے خلاف پڑے گا۔

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ

اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا دیکھیں تو کہیں گے کہ گہرا بادل ہے [21] آپ انہیں چھوڑ دیں

حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ

حتیٰ کہ اپنا وہ دن پا لیں جس میں ہلاک کئے جائیں گے، اس دن ان کا کوئی فریب انہیں بچا نہ سکے گا

كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی [22] اور ظالموں کے لئے اس سے پہلے بھی عذاب ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے [23]

ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

اور آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کیجئے کیونکہ آپ ہماری نگاہوں میں ہیں [24] اور جب آپ اٹھیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾ ع

تو اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح کہیں [25] اور رات کے وقت اور ستاروں کے لوٹنے پر اس کی تسبیح کہیں [26]

ع ۲

[21] کفار نے حضور ﷺ سے کہا: اَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ ''آپ ہم پر آسمان سے ٹکڑا گرا دیں۔'' (شعراء، ۱۸۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ہم ایسا کریں اور کفار آسمان سے ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کفار توبہ کرنے کی بجائے کہیں گے کہ یہ کوئی گہرا بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ گویا کفار یہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ صرف ہلاک ہوں گے اور اللہ کو منظور نہیں کہ اپنے پیارے حبیب کی آمد کے بعد کفار پر عذاب بھیجے اور آپ کی رحمت والی چادر پر عذاب کا داغ آئے۔

[22] لہٰذا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کفار کو ان کی حالت پہ چھوڑ دیں تا آنکہ وہ قیامت کا دن دیکھ لیں جس میں ان کے لئے صرف ہلاکت ہے اور ان کا کوئی جھوٹا خدا ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

[23] اس سے عذاب قبر مراد ہے جو ہر کافر کے لئے ہے یعنی قیامت سے قبل بھی کفار کے لیے عذاب ہے۔ معلوم ہوا کہ عذاب قبر حق ہے، یہ عذاب کافر کے لیے تو لازم ہے جبکہ بعض مسلمان بھی اس سے دوچار ہونگے اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے درمیان سے گزرے تو فرمایا ان دو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے ایک غیبت کرتا تھا دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۵۵، مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۱۱)

[24] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! اگر کفار آپ کو کاہن، مجنون اور شاعر کہتے ہیں تو آپ صبر رکھیں، آپ ہماری نگاہوں میں ہیں یعنی ہماری حفاظت میں ہیں، کوئی کافر آپ کا چراغِ حیات گُل نہیں کر سکتا اور اللہ آپ کو ضرور غالب کرے گا۔

[25] اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جب آپ تہجد کے لئے اُٹھیں تو حمد و تسبیح کہیں، یا یہ کہ جب آپ کسی مجلس سے اُٹھیں تو حمد و تسبیح کہتے ہوئے اُٹھیں۔

مجلس سے اُٹھتے ہوئے خصوصی دعاء

چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ جب کسی مجلس سے اُٹھتے تو یہ فرماتے: **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ**۔ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ ایک شخص نے ایسا کہنے کی آپ سے وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا: جو شخص مجلس سے اُٹھتے ہوئے یہ دعا پڑھے تو مجلس میں جو بھی بیہودہ بات ہوئی اس کا کفارہ ہو جائے گا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۳۷)

اس کا تیسرا معنی یہ بھی ہے کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو تسبیح کہو چنانچہ نماز کے آغاز میں حمد و تسبیح رکھی گئی۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز کے شروع میں یہ پڑھتے تھے: **سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك**۔ (ترمذی کتاب المواقیت باب ۶۵)

[26] رات کے پہر میں تسبیح کہنے سے نماز مغرب وعشاء کی ادائیگی بھی مراد ہے اور نماز تہجد بھی اس میں داخل ہے اور ستاروں کے لوٹنے سے مراد صبح کا طلوع ہونا ہے اور اس وقت فجر کی دو سنتیں سنت موکدہ ہیں۔

فجر کی دو سنت کی تاکید و اہمیت احادیث سے

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ** سے مراد فجر سے قبل دو رکعات ہیں اور **اَدْبَارَ السُّجُوْدِ**۔ (ق، ۴۰) سے مراد مغرب کے بعد دو رکعات ہیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ طور باب ۱)

تو یہاں سے فجر کی دو سنتوں کی تاکید معلوم ہوئی۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو سنتیں نہ چھوڑو، خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں (یعنی سفر میں بھی نہ چھوڑو)''

(ابوداؤد کتاب التطوع باب ۳ صفحہ ۱۲۵۸)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرائض سے زائد رکعات میں سے فجر کی سنتوں سے بڑھ کر کسی چیز پہ پابندی نہیں فرماتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب التطوع باب ۲ حدیث ۱۲۵۴)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے لیے مسجد میں آنے میں تاخیر فرمائی حتی کہ خوب سفیدی ہو گئی۔ پھر آپ نے نماز پڑھائی، اس کے بعد فرمایا: میں فجر کی دو رکعات پڑھ رہا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا

اب تو بہت سفیدی ہوگئی تھی، آپ نے فرمایا: اگر اس سے بھی زیادہ سفیدی ہوجاتی تو بھی میں انہیں ضرور پڑھتا اور خوب عمدہ طریقے سے پڑھتا۔ (ابوداود کتاب التطوع باب ۳ حدیث ۱۲۵۷)

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں اور فرض پڑھ لیے جائیں تو سنتوں کی قضاء لازم نہیں ہے۔ البتہ طلوع آفتاب کے بعد ان کا پڑھ لینا بہتر ہے اور اگر فجر کی مکمل نماز رہ جائے اور اسی دن ظہر سے قبل اس کی قضا کی جائے تو فجر کی سنت کو بھی ساتھ میں پڑھنا چاہیے جیسے نبی اکرم ﷺ نے شب تعریس میں کیا تھا اور اگر ظہر کے بعد قضا کی جائے تو صرف فرض ہی کی قضا لازم ہے۔

الحمدللہ آج 24 رمضان المبارک 1429ھ بمطابق 24 ستمبر 2008 بعد نماز فجر سورہ طور کی تفسیر مکمل ہوئی۔
صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ النجم

ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 22 ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت میں 53 ویں سورت ہے۔ یہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ النجم کہا گیا، یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اس میں 3 رکوعات، 62 آیات، 370 کلمات اور 1405 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کی وہ پہلی سورت جس میں آیت سجدہ اتاری گئی سورۃ النجم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سورت پڑھی تو سجدہ فرمایا اور آپ کے پیچھے جتنے لوگ تھے (خواہ مومن یا کافر) سب نے سجدہ کیا، ایک شخص امیہ بن خلف نے سجدہ نہ کیا اس نے مٹی اٹھا کر ماتھے سے لگالی، تو وہ کافر ہی مرا۔
(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ النجم باب ۴)

یعنی مومنین نے تو اس لئے سجدہ کیا کہ وہ مقتدی تھے اور حالت نماز تھی جبکہ مشرکین کو جلالِ الٰہی نے کرھاً سجدے میں جھکا دیا کیونکہ یہ زمین پہ کیا جانے والا پہلا سجدۂ تلاوت تھا۔ اور جن مشرکین نے اس وقت وہاں سجدہ کیا، انہیں بعد میں توفیق ایمان دے دی گئی۔ البتہ نامراد امیہ بن خلف نے سجدہ نہ کیا اور وہ کافر ہی مرا۔

بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کا سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ سب مومنین و مشرکین اور سب جن و انس نے سجدہ کیا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ النجم باب ۴)

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر معراج کا وہ حصہ بیان کیا گیا ہے جس میں آپ نے سدرۃ المنتہٰی، مقام دنیٰ فتدلیٰ اور مقام قاب قوسین تک رسائی پائی اور اللہ رب العزت سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ دوسرے رکوع میں بتایا گیا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجز بندے ہیں، اس کے حکم کے بغیر اس کے حضور لب کشائی نہیں کر سکتے، پھر کبائر اور صغائر کی بخشش کا اصول بتایا گیا۔ جبکہ آخری رکوع میں رسالتِ حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کا بیان ہے اور بتایا گیا کہ انسان کو اپنے عمل ہی پہ بھروسہ رکھنا چاہیے، دوسرے کے عمل پہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان ہے۔

اس سے قبل سورہ طور ہے جس کے پہلے رکوع میں عذاباتِ جہنم اور انعاماتِ جنت بیان کیے گئے ہیں اور نجم کے دوسرے رکوع آیت 31 میں اسی بات کی طرف اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لیے ان دونوں کو یکجا رکھا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۶۲ ۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے ستارۂ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جب وہ (معراج سے واپس) اُترے [1] تمہارے ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ بھکے نہ باطل

الْهَوٰى ۭ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾

میں پڑے [2] اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتے، وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے [3]

شب معراج میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے رب سے ملاقات

[1] حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: والنجم یعنی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا ھوی اذا نزل من السمآء لیلة المعراج. یعنی نجم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں معنی یہ ہوا کہ قسم ہے ستارۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب آپ شب معراج آسمان سے واپس اُترے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۸۳)

معراج سے واپسی کی قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ وہ آپ کے معراج پر جانے سے عجیب تر ہے کیونکہ واپسی پر آپ کو چھٹے آسمان تک آ کر پھر نو بار بارگاہِ صمدیت تک جانا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کو نمازوں کی تعداد میں تخفیف کے لئے بار بار بھیجتے رہے اور اللہ رب العزت ہی جانتا ہے کہ چھٹے آسمان سے بارگاہِ صمدیت تک کتنا فاصلہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار طے کیا۔ پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ سے جو آپ کا محبوب حقیقی ہے، وصال خاص اور قرب حضوری مل گیا، تو آپ نے اس سے جدائی کیسے برداشت کی تو یہ محبوب تک جانے سے زیادہ عجیب ہے۔ اس لئے آپ کے معراج سے واپس آنے کی قسم یاد فرمائی گئی۔

مگر بات یہ ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو عظمتیں ہیں: عبدہٗ و رسولہٗ. یعنی عبدیت اور رسالت۔ تو آپ کی عبدیت آپ کو اتنی بلندی پر لے گئی کیونکہ جو جس قدر عبادت کرے اسے اسی قدر بلندی دی جاتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے من تواضعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ ''جو اللہ کے لیے جھکے اللہ اسے بلند کرتا ہے۔'' (کنز العمال حدیث ۵۷۳۰)

اور منصب رسالت کی ذمہ داریاں آپ کو اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے نکال کر واپس زمین پہ لے آئیں۔ اسی لئے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کے بعد مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى کہہ کر اسی منصب رسالت کے تقاضے بیان کئے گئے ہیں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کی دیگر تفاسیر بھی ہیں، جیسے قسم ہے ستارے کی جب وہ گرتا ہے تاکہ آسمان کے قریب جانے والے شیاطین کو مار بھگائے یا قسم ہے ثریا کی جب وہ صبح کے وقت غروب ہوتا ہے یا قسم ہے شہید کی جب وہ دشمن سے زخم کھا کر میدان جہاد میں گرتا اور جام شہادت نوش کرتا ہے یا قسم ہے نمازی کی جب وہ سجدے میں گرتا ہے، مگر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی سابق الذکر تفسیر ہی خوب تر ہے کیونکہ وہ آگے آنے والی آیات سے مطابقت رکھتی ہے۔

[2] کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ سے بھٹکا ہوا اور اللہ پر افتراء کرنے والا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کی صورت میں آپ کی عظمت معراج کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ اے مومنو! تمہارے ساتھی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ایک آن کے لئے راہ حق سے بھٹکے ہیں نہ کسی باطل میں پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صَاحِبُكُمْ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کا ساتھی کہا ہے اور بلاشبہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے ایسے ساتھی ہیں کہ کسی نبی نے امت کا وہ ساتھ نہیں دیا جو آپ نے دیا، آپ نے وقت ولادت بخشش امت کی دعا فرمائی، زندگی بھر راتوں کو جاگ جاگ کر امت کے لئے روتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیائے فانی سے ظاہری پردہ فرما رہے تھے تو اس وقت بھی آپ کے لبوں پر بخشش امت کی دعا تھی۔ اور آج بھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ۔ (نساء، ۶۴) کے مطابق آپ امت کے لئے استغفار فرما رہے ہیں اور روز قیامت آپ ہر قدم پر امت کے ساتھ ہوں گے، خواہ وہ میزان عدل ہو، پل صراط ہو یا حوض کوثر، بلکہ جنت میں بھی ساتھ ہوں گے۔

[3] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاہن یا شاعر نہیں ہیں کہ اپنی خواہش نفس سے کلام بنائیں جیسا کہ کفار سمجھتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ آپ بہکیں یا باطل میں پڑیں کیونکہ آپ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، آپ کی زبان مبارک پہ اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے تو آپ بولتے ہیں۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت و رسالت کو عظیم الشان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

حجیّتِ حدیث

جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی ہی سے بولتے ہیں اور اپنی مرضی سے بولتے ہی نہیں تو آپ کی زبان مبارک سے نکلنے والی احادیث بھی وحی الٰہی ہیں۔ البتہ وہ وحی غیر مَتْلُو ہے یعنی اسے نماز میں بطور قراءت نہیں پڑھا جا سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ کہ ''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں جو (حکم) دیں وہ پکڑ لو اور جس بات سے روکیں فوراً رک جاؤ۔'' (حشر، ۷) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا

وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ''قسم ہے آپ کے رب کی وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ کا فیصلہ نہ مان لیں پھر وہ آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دل میں کوئی کھٹکا محسوس نہ کریں اور یوں مانیں جیسے ماننا چاہیے۔'' (نساء، ۶۵) اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، بلکہ وحی الٰہی سے بولتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کبھی آپ دل لگی فرماتے ہیں آپ نے فرمایا میں دل لگی میں بھی حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

(ترمذی کتاب البر باب ۵۷ حدیث ۱۹۹۰)

اور واقعتاً حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل لگی میں بھی حق بات ہی فرماتے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سواری عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض کیا میں بچے کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ (ترمذی کتاب البر حدیث ۱۹۹۱)

ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بطور دل لگی فرمایا: او دو کانوں والے! کیونکہ آدمی کے دو ہی کان ہوتے ہیں۔ (ترمذی کتاب البر حدیث ۱۹۹۲)

کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد فرماتے ہیں؟ اور کیا اس میں غلطی ہو سکتی ہے؟

یاد رہے جن امور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نہ آئی ہو ان میں آپ اجتہاد فرماتے ہیں اور آپ کا اجتہاد خلاف حق نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ رب العزت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بات سے محافظ ہے کہ آپکا اجتہاد خلافِ حق ہو۔ اس کی مثال یوں ہے کہ مثلاً دو آدمی آپ کے پاس ایک چیز پہ دعوی لاتے ہیں، ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ چیز میری ہے۔ ایسے میں اگر آپ ظاہری شرعی شواہد کی بناء پہ وہ چیز اسے دیدیں جو اس کا اصل مالک نہیں ہے تو یہ آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے، یعنی اس سے عصمت نبوت پہ کوئی اعتراض نہیں آتا، کیونکہ یہ اجتہادی خطاء ہے۔ مگر اللہ تعالی آپ سے ایسا بھی نہیں ہونے دیتا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں طعمہ بن ابیرق منافق کے واقعہ کے بارے میں نازل شدہ آیات موجود ہیں، ظاہری شواہد طعمہ منافق کے حق میں تھے مگر اللہ تعالی نے قرآن نازل کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حقیقتِ حال واضح کر دی اور آپ سے غلط فیصلہ صادر نہ ہونے دیا۔ اسی بارے میں فرمایا گیا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ۔ یعنی ''اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ پہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ایک گروہ نے آپ کو پھسلانے کا ارادہ کر لیا تھا۔'' (نساء، ۱۱۳) گویا فرمایا گیا کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ پہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت سب سے زیادہ ہے تو ایسے میں کوئی آپ سے غلط فیصلہ کیسے کروا سکتا ہے۔

البتہ جس حدیث مبارک میں یہ آیا ہے کہ لوگو! میں ایک انسان ہوں، ممکن ہے کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنی چرب زبانی سے (ظاہری شواہد سے) مجھ سے ایسی چیز حاصل کرلے جو اس کا حق نہیں ہے تو وہ یاد رکھے کہ وہ نار جہنم کا ایک ٹکڑا ہی مجھ سے حاصل کرے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الشہادات باب ۲۷)

تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد بطورِ تواضع ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام سب انسانوں سے زیادہ تواضع کرتے ہیں۔ جیسے روز قیامت اللہ تعالیٰ انبیاء سے پوچھے گا کہ لوگوں نے تمہیں کیا جواب دیا تو وہ تواضعاً کہیں گے لَا عِلْمَ لَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ ''ہمیں کچھ علم نہیں بیشک تو ہی مخفی چیزوں کا جاننے والا ہے۔'' (مائدہ، ۱۰۹)

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور سرور کونین ﷺ اپنی بات نہیں کر رہے، بلکہ ایک شرعی ضابطہ بتا رہے ہیں کہ اگر قاضی کسی شخص کو شرعی شواہد کی بنیاد پر ایسی چیز دیدے جو اس کا حق نہیں ہے، تو وہ اسے اپنے لیے نار جہنم کا ٹکڑا ہی سمجھے۔ تو آپ سے مراد اس حدیث میں قاضی شرع ہے، آپ کی ذات مراد نہیں ہے۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اجتہاد خلافِ اولیٰ ہو اور اگر اس میں خلاف اولیٰ بات آجائے تو خلاف اولیٰ بھی حق ہی ہوتا ہے مگر بہرحال اللہ اسے اولیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (توبہ، ۴۳) اور فرمایا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط (انفال، ۶۷)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اجتہاد خلاف حق نہیں ہوسکتا اور یہی حال سب انبیاء کا ہے، کہ ان کے اجتہاد میں خلاف حق بات نہیں آسکتی اور اگر خلاف اولیٰ بات آجائے تو اللہ تعالیٰ اسے اولیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسے ایک معاملہ میں حضرت داود علیہ السلام کا فیصلہ انکے اجتہاد کے مطابق تھا اور درست تھا مگر اس کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو زیادہ بہتر فیصلہ سکھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو بہتر فیصلہ سمجھایا اور سب کو ہم نے حکمت و علم عطا فرمایا۔ (انبیاء، ۷۹) هذا ما فهمت والله اعلم بالحق والصواب۔

عصمتِ رسول ﷺ

جب حضور ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے بلکہ وحی الٰہی سے بولتے ہیں تو کوئی گناہ آپ سے کیسے صادر ہوسکتا ہے؟ گناہ تو خواہش نفس سے ہوتا ہے اور قرآن کے بقول آپ خواہش نفس سے بولتے ہی نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے اور اسے دل وجان سے مانا جائے اور اس کے درست ہونے کے بارے میں کبھی دل میں کھٹکا نہ لایا جائے۔ (نساء، ۶۵) اگر یہ ممکن ہوتا کہ آپ کا کوئی عمل (معاذ اللہ) نفس وشیطان کے اُکسانے سے ہو اور گناہ کے زمرہ میں آئے تو اللہ تعالیٰ آپ کے ہر حکم کی اطاعت اور ہر فیصلے کو دل وجان سے ماننے کی تاکید نہ فرماتا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷

انہیں بڑی قوتوں والے صاحب قدرت رب نے سکھایا[4] پھر اس نے (انہیں نوازنے کا) ارادہ فرمایا۔ جبکہ وہ (لامکاں کے) بلندترین کنارہ پر تھے[5]

[4] حضور ﷺ اس لئے وحی الٰہی کے ساتھ بولتے ہیں کیونکہ آپ کو بڑی طاقتوں اور قدرتوں والے رب نے سکھایا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ ”جو آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کے رب نے آپ کو سکھا دیا۔“ (نساء، ۱۱۳) یہ تفسیر حضرت حسن (تابعی) سے منقول ہے۔ (قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۸۵)

دوسرے مفسرین نے شدید القویٰ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو سکھایا۔

مگر حضرت حسن کی تفسیر ہی حسن ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا معلم اللہ تعالیٰ ہی ہے، جبرائیل علیہ السلام تو صرف پیغام رساں ہیں (Post Man) اور پورے قرآن میں اللہ رب العزت نے خود ہی کو انبیاء کا معلم بتایا ہے جیسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔ (بقرہ، ۳۱) وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ۔ (مائدہ، ۱۱۰) وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ (یوسف، ۱۰۱) وغیرہ جب تمام انبیاء کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمائی ہے تو سید الانبیاء ﷺ کی تعلیم کو جبرائیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کا کیا معنی ہے؟

[5] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو زمین پر بھی بذریعہ قرآن تعلیم دی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی علم سکھانا چاہا، جب آپ افق اعلیٰ یعنی سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر بارگاہ قدس میں حاضر تھے۔ یہ وہ تعلیم تھی جو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنے حبیب کے سوا کسی کو نہ دی، نہ اتنی رفعت و عظمت کسی کو نصیب ہوئی جسے دیکھ کر اہل محبت پکار اٹھے۔

آں جانہ کس رسد تو آں جا رسیدہ ای
وآں را کہ کس نہ دید تو آں را بدیدہ ای

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے اللہ تعالیٰ مراد ہے نہ کہ جبرائیل علیہ السلام

اس جگہ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى میں شدید القویٰ سے جبرائیل علیہ السلام کو مراد لینے والوں نے افق اعلیٰ کا معنی مطلع شمس کیا ہے معنی یہ ہوا کہ جبرائیل نے آپ کو نوازنا چاہا جبکہ جبرائیل علیہ السلام افق اعلیٰ میں تھے۔

کیونکہ مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت اُبھرتے ہوئے سورج کی طرف کھڑے تھے اور سارا اُفق ان کے وجود سے بھرا نظر آرہا تھا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ نجم)

مگر اس واقعہ کو عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى اور وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى سے وابستہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ ایک الگ واقعہ ہے۔ پھر اس واقعہ کے مطابق جبرائیل علیہ السلام زمین پہ کھڑے تھے مگر اُفق ان کے وجود سے بھرا نظر آرہا تھا گویا یہ مجازی معنی ہے جبکہ پہلا معنی کہ شدید قوتوں والے رب نے حضور ﷺ کو نوازنا چاہا جبکہ آپ افق اعلیٰ میں (عرش سے اوپر) تھے، زیادہ بہتر ہے اور اس میں کسی مجاز کا تکلف نہیں ہے۔

یہ بھی یادر ہے کہ جس واقعہ میں حضور سید عالم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو مشرق میں دیکھا تھا تو وہ صرف دیکھا ہی تھا اس میں تعلیم و تعلم کا کوئی سلسلہ نہ چلا تھا بلکہ مروی ہے کہ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ کو غشی آ گئی۔ (خازن جلد ۶ صفحہ ۲۵۶) جبکہ یہاں تو تعلیم و تعلم کی بات ہورہی ہے پھر اس واقعہ کو عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى کے ساتھ وابستہ کرنے کا کیا معنی ہے؟ کیونکہ ان دونوں کی تفصیلات میں بہت بُعد ہے۔

لہٰذا پہلا معنی ہی مناسب تر ہے۔ علاوہ ازیں آگے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى کی ضمیریں بھی حدیث بخاری کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں اور فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی شدید القویٰ ہے اور وہی حضور ﷺ کو تعلیم دینے والا ہے۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضور ﷺ کا معلم بتانا کیسے درست ہے جبکہ افق اعلیٰ میں حضوری خاص کے وقت جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی تعلیم ارشاد فرمائی اس وقت جبرائیل علیہ السلام راستہ ہی میں رک گئے تھے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں امام ابو الربیع نے شفآء الصدور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''سفر معراج میں ایک جگہ جبرائیل علیہ السلام رک گئے۔ میں نے کہا: اے جبرائیل! کیا ایسے مقام پر دوست اپنے دوست کو چھوڑ سکتا ہے؟'' حضرت جبرائیل نے عرض کیا:

اِنْ تَجَاوَزْتُهٗ اِحْتَرَقْتُ بِالنُّوْرِ اگر میں نے اس مقام سے تجاوز کیا تو نورِ الٰہی مجھے جلا ڈالے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے جبرائیل! هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: اے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے سوال فرمائیں کہ بروز قیامت پل صراط پر مجھے اپنے پر بچھانے کی اجازت مل جائے تا کہ آپ کی امت ان پر آسانی سے گزر جائے۔ (المواهب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۸۴ مقصد ۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اس حدیث سے امت مصطفیٰ ﷺ کی عظیم فضیلت کا بھی علم ہوتا ہے، یعنی جبرائیل امین علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ان کو امت مصطفیٰ ﷺ کی قدموں میں اپنے پر بچھانے کی اجازت دی جائے۔

اسی حدیث کا مفہوم شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی — عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فروتر مجالم نہ ماند — بماندم کہ نیروئے بالم نہ ماند
اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی حضور سید المرسلین ﷺ نے جو کہ بیت اللہ کے امام ہیں جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے وحی لانے والے فرشتے! اب میرے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے چلو، جب میں تمہارا مخلص ساتھی ہوں تو اب تم میری صحبت سے دامن کیوں کھینچتے ہو؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اب اس سے آگے میری مجال نہیں رہی اور نہ ہی میرے پروں میں مزید طاقت رہی ہے، اب اگر میں نے بال برابر بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی تو انوار خداوندی کی تجلی میرے پروں کو جلا کر رکھ دے گی۔

(بوستان سعدی)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۟ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۟ۚ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ
پھر رب جباران کے قریب آیا پھر مزید اتر آیا حتیٰ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم [6] تو رب نے اپنے بندے کی طرف
مَاۤ اَوْحٰى ۟ؕ
وحی فرمائی جو فرمائی [7]

[6] حضرت انس رضی اللہ عنہ واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ثم علی بہ فوق ذالك بما لا یعلمہ الا اللہ حتٰی جاء سدرۃ المنتھٰی ودنا الجبار رب العزۃ فتدلّٰی حتٰی کان منہ قاب قوسین او ادنٰی فاوحی اللہ بما اوحی خمسین صلواۃً علی امتك كل یوم و لیلۃ۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کو (ساتوں آسمانوں سے) بلند لے گیا اتنا بلند کہ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ آ گیا اور رب جبار قریب آ گیا پھر مزید اتر آیا حتیٰ کہ حضور ﷺ سے دو کمانوں یا اس سے کم تر فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی جو یہ تھی کہ ہر دن رات میں آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث ۷۵۱۷)

مقام دَنَا فَتَدَلّٰى اور مقام قاب قوسین

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کروائی گئی تو جبرائیل نے مجھے جنت کی سیر کرائی۔ میں نے وہاں نہر کوثر دیکھی پھر ہم آگے چلے حتیٰ کہ سدرہ آ گیا۔ فدنٰی رَبُّكَ فتدلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۟ۚ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى تو تمہارا رب قریب آ گیا پھر اور اتر آیا تو دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے کم پھر اس نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۹)

اس جگہ یہ لطیف ایمانی نکتہ ہے کہ شب معراج میں جیسے حضور ﷺ نے عروج وصعود فرمایا اسی طرح خدائے جبار اپنی شان کے مطابق اپنی رحمت کے اعتبار سے اپنے حبیب کے استقبال کو قریب آیا پھر اور اُتر آیا حتیٰ کہ دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حقیقی فاصلہ تو رحمت خداوندی نے نیچے اتر کر طے کیا اور حضور ﷺ کا بڑھنا اور چڑھنا تو نہایت قلیل اور محض نام کا تھا، اسی لئے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتاً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلّٰی کے سلسلے تھے

یادر ہے قاب قوسین ایک تشبیہ ہے۔ اہل عرب میں جب دو قبیلے باہم عقد محبت باندھتے تو ان کے سردار اپنی کمانیں آپس میں ملاتے اس وقت وہ یوں آمنے سامنے کھڑے ہوتے کہ ان کی کمانیں باہم مل کر گول دائرہ بنا دیتیں اور کہا جاتا: ھما علی قاب قوسین اللہ رب العزت نے شب معراج اپنے حبیب سے اپنے قرب کو یوں بیان فرمایا کہ جیسے دو کمانوں کے ملانے والے سردار ایک دوسرے کے قریب تر آجاتے ہیں، یوں رحمت خداوندی حضور ﷺ کے قریب آ گئی بلکہ اس سے بھی قریب تر۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے قریب آنے کو جسمانی قرب پہ محمول نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیات سے پاک ہے، بلکہ اس سے معنوی قرب یعنی توجہ اور رحمت مراد ہے۔ امام بدر الدین عینی، ابن حجر عسقلانی، احمد بن محمد قسطلانی اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہم و دیگر محدثین نے بخاری کی مذکورہ حدیث میں دنا الجبار رب العزۃ فتدلٰی کے تحت جو طویل کلام کیے ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قریب آنا یہ ہے کہ اللہ کی رحمت قریب آئی اور آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔

[7] مقام قاب قوسین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان جو راز و نیاز کا کلام ہوا اسے نہ کوئی تحریر احاطہ کر سکتی ہے نہ کوئی دل ان معانی کو اٹھا سکتا ہے حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اسی لئے آج انہیں درمیان میں نہیں رکھا گیا بلکہ وہ راستہ میں رُک گئے۔ اس لئے اجمالی انداز میں فرمایا گیا: فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ⑩ تاہم حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ جھلکیاں اپنی امت کو عطا فرمائی ہیں۔

مقام قاب قوسین پہ خدا اور رسول کے مابین گفتگو کی چند جھلکیاں حدیث سے

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سدرۃ المنتہٰی سے آگے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے کلام فرمایا کہ اے محمد (ﷺ) مجھ سے کچھ مانگیے۔

آپ نے رب العالمین سے عرض کیا

''اے اللہ! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور عزت دی۔ موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا۔ داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم دیا ان کے لئے لوہے کو نرم اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم دیا اور ہوائیں ان کے تابع کر دیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو تورات و انجیل کا علم بخشا اور وہ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے اور مردوں کو باذن اللہ زندہ کر دیتے تھے۔'' (تب رحمت خداوندی جوش میں آئی)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''اے محمد (ﷺ) آپ کو میں نے اپنا حبیب بنایا، سب انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنایا، آپ کا سینہ (کتاب و

حکمت کے لئے) کھول دیا، آپ کا بوجھ دور کر دیا، آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر ہوگا، میں نے آپ کی امت کو سب سے افضل امت بنایا۔'' مزید فرمایا:

آپ کی امت دنیا میں سب سے پیچھے آئی ہے اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی، آپ کی امت کا کوئی خطبہ میری توحید اور آپ کی رسالت کے بغیر مکمل نہ ہوگا۔ آپ کی امت کے بعض لوگوں کے دل مستقل کتابیں ہیں، میں نے آپ کو تخلیق میں سب سے پہلا اور بعثت میں سب سے آخری نبی بنایا۔ مزید فرمایا:

میں نے آپ کو سبع مثانی (سورہ فاتحہ) دی جو آپ سے قبل کسی نبی کو نہ دی گئی، میں نے آپ کو نہر کوثر عطا فرمائی اور میں نے آپ کو سلسلۂ نبوت کا آغاز و اختتام کرنے والا بنایا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۸ صفحہ ۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو الربیع نے شفاء الصدور میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے طویل حدیث معراج روایت کی ہے جس میں سدرۃ المنتہٰی کے بعد ستر ہزار نوری حجابات کا طے کرنا مذکور ہے۔ اس کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہاں پہنچ کر مجھے وحشت محسوس ہوئی۔ تب کسی نے مجھے ابوبکر کی آواز میں پکارا قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّىْ ٹھہریئے آپ کا رب آپ پر درود پڑھتا ہے۔ پھر نہایت بلند مقام سے آواز آئی:

اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ اے سب مخلوق سے افضل! قریب آجاؤ، اے احمد! اے محمد! قریب آجاؤ، تو مجھے رب نے قریب کر لیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کچھ پوچھا جو میں نہ بتا سکا تو اللہ تعالیٰ نے (اپنی شان کے مطابق) اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان میں رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین و آخرین کے علوم کا وارث کر دیا الخ۔ (المواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۸ مقصد ۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
انہوں نے جو دیکھا ان کے دل نے اسے نہ جھٹلایا، کیا تم ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو [8] حالانکہ انہوں نے اللہ کو
اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵
دوسری بار اُترتے وقت سدرۃ المنتہٰی کے پاس بھی دیکھا تھا جس کے پاس جنت الماویٰ ہے [9]

[8] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج جو کچھ دیکھا آپ کے دل نے اسے جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی تھی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مکمل ہوش و حواس میں تھے۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دیکھا سر کی آنکھوں سے دیکھا اور دل نے اس کی تصدیق کی، یہ نہیں کہ آپ نے صرف دل سے دیکھا، کیونکہ دل سے دیکھا نہیں جاتا بلکہ مانا اور جانا جاتا ہے اور یہاں دیکھنے کی

بات ہورہی ہے اس لئے آگے اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ فرمایا گیا۔

اور یہاں اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ میں معراج جسمانی کے منکروں کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ معراج جسمانی سے انکار پہلے ابوجہل وابولہب نے کیا اور اب فلسفۂ جدیدہ کے پجاری نام نہاد مسلمان کررہے ہیں۔

[9] یعنی حضور ﷺ نے اپنے رب کو شب معراج صرف ایک بار نہیں دیکھا، بلکہ واپس اُترتے ہوئے پھر دیکھا اور بار بار دیکھا۔

معراج میں پانچ نمازوں کا دیا جانا

کیونکہ بخاری و مسلم کی متعدد احادیث کے مطابق جب حضور سیاح لامکاں ﷺ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا آپ اپنی امت کے لئے کیا لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا پچاس نمازیں۔ انہوں نے کہا آپ کی امت پچاس نمازیں روزانہ نہیں پڑھ سکتی، آپ واپس اپنے رب کے پاس جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ چنانچہ آپ واپس گئے اللہ تعالیٰ نے تعالیٰ پانچ نمازیں کم کردیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے پھر کہا کہ نمازوں کی تعداد زیادہ ہے آپ اس میں تخفیف کروائیں اور پانچ نمازیں مزید کم ہوگئیں۔ اس طرح حضور ﷺ بار بار جاتے رہے اور اللہ رب العزت پانچ پانچ نمازیں کم کرتا رہا آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔

اور عند سدرۃ المنتہٰی کے الفاظ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نمازوں میں تخفیف کیلئے چھٹے آسمان سے سدرۃ المنتہٰی تک آتے جاتے رہے، یعنی چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے بات کر کے سدرۃ المنتہٰی تک جاتے، وہیں اللہ سے ہمکلامی اور اللہ کی رؤیت ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے و لقد راٰہُ نزلۃً اخریٰ فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ پہلی بار اُترے تو موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر آپ سدرہ تک گئے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر دوسری بار اُترے۔

سدرۃ المنتہٰی کیا چیز ہے

یاد رہے سدرۃ المنتہٰی ساتویں آسمان پر ایک نوری درخت ہے منتہٰی (مصدر میمی) بمعنی انتہاء ہے یعنی انتہا والا درخت۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے آگے نہیں جاسکتے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ زمین سے جو اٹھایا جاتا ہے وہیں تک لے جایا جاتا ہے اور اوپر سے جو (حکم) آتا ہے وہیں سے لیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۷۹)

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اس درخت کی ایک شاخ کے سائے میں ایک سوار سو برس تک سفر کرسکتا ہے۔

(ترمذی کتاب صفۃ الجنۃ باب ۹)

جنت موجود ہے اور آسمانوں میں ہے

اس جگہ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿۱۵﴾ سے معلوم ہوا کہ جنت موجود ہے اور آسمانوں

میں ہے۔ آج کئی نام نہاد مسلمان جنت کی موجودگی سے انکار کرتے ہیں، مگر یہ گمراہی ہے۔ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے جنت کی سیر کی اور اس پہ کثیر احادیثِ صحیحہ صریحہ وارد ہیں اور خود قرآن میں آدم علیہ السلام اور سیدہ حواء کا جنت میں ٹھہرایا جانا مذکور ہے۔ اور گزشتہ امتوں کے اہل ایمان کا جنت میں جانا بھی بتایا گیا ہے جیسے سورہ یاسین کے دوسرے رکوع میں ہے کہ تین انبیاء کی تصدیق کرنے والے شخص کو جب شہید کر دیا گیا تو قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ اسے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (یٰس، ۲۶)

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى
جب سدرہ کو ڈھانپ رہی تھی جو چیز ڈھانپ رہی تھی [10] (اللہ کا جلوہ دیکھ کر) ان کی نظر نہ بہکی نہ حد ادب سے بڑھی [11]
مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾
بلاشبہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں [12]

[10] امام عبد بن حمید نے اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ کے تحت روایت کیا کہ شب معراج فرشتوں نے اللہ رب العزت سے حضور ﷺ کی زیارت کا اذن طلب کیا تو انہیں اذن دیا گیا: فَغَشِيَتِ الْمَلَائِكَةُ السِّدْرَةَ لِيَنْظُرُوا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ۔ تو فرشتوں نے سدرۃ المنتہٰی کو ڈھانپ لیا تا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ سکیں۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۱)

سدرۃ المنتہٰی پہ فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب ہونا

یعنی فرشتوں نے سدرۃ المنتہٰی کو اس لیے ڈھانپ لیا تھا کہ ان میں سے ہر کسی کی تمنا تھی کہ وہ آج کی رات حضور سید المرسلین ﷺ کی زیارت کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سدرہ کو سنہری پتنگوں نے ڈھانپ لیا تھا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سدرہ کو کووں جیسے فرشتوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے سدرۃ المنتہٰی کی ہر شاخ اور ٹہنی پر اس قدر جمع ہو گئے کہ سارا درخت چھپ گیا اور فرشتے ہی فرشتے ہر طرف نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ہر کوئی شب اسراء کے دولہا محبوب کبریا ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار تھا۔ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

چلا وہ سرو چمن خراماں — نہ رک سکا سدرہ پہ بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے — سب این و آں سے گزر گئے تھے
جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی — ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی

سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

[11] یعنی حضور ﷺ جب بارگاہ قدس میں حاضر ہوئے اور آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو یوں محو دیدار ہوئے کہ آنکھ تک نہ بہکی یعنی پلک بھی نہ جھپکی، مگر اس دیکھنے میں ادب بھی ملحوظ تھا۔ قربان جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک تجلی صفات دیکھی تو بے ہوش ہو گئے اور حضور ﷺ نور ذات کو یوں دیکھ رہے ہیں کہ آنکھ بھی نہیں جھپکی۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات را نگری و در تبسمی

حضور ﷺ کا شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار پانا

اس کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا اور یہ وہی مقام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝۱۰ الخ
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۰ حدیث ۳۲۴۶۳)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی رؤیت سے خاص فرمایا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۱ حدیث ۳۲۴۶۵)

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ فرمایا نُورٌ اَنّٰى اَرَاهُ میں اپنے رب کو نورانی صورت میں دیکھتا تھا۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۱)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ رأیتُ نوراً میں نے نور دیکھا۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۲)

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے رب کو دوبار دیکھا مرۃً ببصرہٖ و مرۃً بفوادہٖ ایک بار اپنی آنکھ سے اور ایک بار اپنے دل سے۔
(طبرانی اوسط جلد ۴ صفحہ ۲۱۵ حدیث ۵۷۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اور حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دوبار کلام کیا اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے رب کو دوبار دیکھا (اسی لئے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ فرمایا گیا) (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النجم حدیث ۳۲۷۸)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد خاص حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا جاتا کہ کیا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا تو وہ کہتے: نعم راٰہُ راٰہُ راٰہُ حتی انْقَطَعَ النَّفَسُ ہاں دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہتے کہتے ان کا سانس ٹوٹ جاتا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۰ حدیث ۳۲۴۶۰)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انکارِ رؤیت باری تعالیٰ کا معنیٰ

رہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا کہ ''جس نے کہا محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا اس نے اللہ تعالیٰ پر

افتراء کیا ہے۔'' (بخاری کتاب التفسیر) تو یہ ان کی ذاتی رائے ہے انہوں نے حضور ﷺ کا کوئی ارشاد روایت نہیں کیا۔ ممکن ہے ان تک نبی کریم ﷺ کا مردوں کی محفل میں کہا ہوا ارشاد رأیت ربی فی احسن صورۃ نہ پہنچ سکا ہو۔ اسی لئے جب امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں رأیت ربی فی احسن صورۃ۔ (میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا ہے) تو آپ کا قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے اکبر ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۷)

اور بخاری شریف کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رؤیت باری تعالیٰ کی نفی پہ اس آیت سے استدلال کیا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کہ نگاہیں اللہ کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (انعام، ۱۰۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رویت خداوندی سے مطلقاً نفی نہیں کر رہیں، بلکہ اس رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کر رہی ہیں جو اللہ کا احاطہ کرلے اور احاطہ کا دعویٰ تو کوئی نہیں کرتا، احاطہ تو کسی محدود چیز کا ہوسکتا ہے، اللہ تو ہر حد سے پاک ہے، جیسے ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ اس کا احاطہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی ایک جھلک ہی ہوتی ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی کوئی خاص جھلک ہی پائی، مگر وہ ایسی تھی کہ اسے موسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر بھی نہیں پاسکتا۔

چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رآی محمد ربہ، محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، میں نے کہا اللہ رب العزت تو فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اس وقت کے بارے میں ہے جب اللہ اپنے نور حقیقی کے ساتھ تجلی فرمائے، تب اسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں (یعنی اللہ کی حقیقت کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا) اور یاد رکھو کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النجم حدیث ۳۲۷۹)

[12] یعنی شب معراج حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اسی لئے سورہ اسراء کی پہلی آیت میں بیان معراج کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا یعنی یہ معراج اس لئے ہوا تاکہ ہم اپنے حبیب ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ (بنی اسرائیل، ۱)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ
کیا تم نے لات و عزیٰ اور پچھلی تیسری دیوی منات کو دیکھا ہے؟ کیا تمہارے لئے بیٹا اچھا ہے
وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِىَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ
اور اللہ کے لئے بیٹی؟ یہ تقسیم تو ظالمانہ ہے [13] یہ (بت) صرف چند نام ہیں جو تم اور تمہارے
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان پر کوئی سند نہیں اتاری، وہ صرف گمان
وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ﴿۲۳﴾ اَمْ
اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ گئی ہے [14] کیا
لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۖ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ ع
انسان جو بھی تمنا کرے وہ اسے مل سکتا ہے؟ تو اللہ ہی کے لئے پچھلا اور پہلا جہان ہے [15]

ع ۱ / ۵

[13] کفارِ عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے اور انہوں نے بعض فرشتوں کی خیالی تصویریں یعنی مورتیاں بنا رکھی تھیں، جنہیں وہ پوجتے تھے اور ان کے عورتوں والے نام رکھے تھے یعنی لات، عزی اور مناۃ۔ لات اللہ سے مونث ہے، عُزّٰی اللہ کے نام اَعَزُّ سے اور مناۃ اللہ کے نام منان سے۔

یعنی یہ کفار کی دیویاں تھیں جنہیں وہ پوجتے تھے ان میں سے لات، طائف میں پوجی جاتی تھی۔ عزی مکہ میں اور مناۃ مکہ سے دور بستی قدید میں۔ اس لئے اسے الثالثۃ الاخریٰ کہا گیا یعنی دور والی تیسری دیوی۔

بعض کفار جنات ان دیویوں میں حلول کر کے بسا اوقات آوازیں نکالتے اور دین اسلام کے خلاف بکواسات کرتے تھے، جس سے کفار شدید فتنے میں مبتلا ہو گئے۔ جب مکہ فتح ہوا تو ان بتوں کو توڑا گیا جب عزی دیوی کو توڑا گیا تو اس میں سے بدروح (جننی) نکلی اور وہ اپنے بال نوچتی ہوئی بھاگ اُٹھی۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۶۲)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے کافرو! کیا تم اپنے لئے بیٹے پسند رکھتے اور بیٹیوں کو قتل کر ڈالتے ہو اور اللہ کے لئے تم نے بیٹیاں مانی ہوئی ہیں یعنی یہی لات، عزی اور مناۃ؟ یہ تقسیم تو ظالمانہ ٹھہری۔ گویا تم اللہ کو اپنے برابر بھی نہیں جانتے؟ مقصد یہ ہے کہ تم سیدھا یہ کیوں نہیں مانتے کہ اللہ کسی بیٹے بیٹی سے پاک ہے۔

بیٹی کی پیدائش پہ پریشان ہونا کفار کا طریقہ ہے

ان آیات سے پتہ چلا کہ کفار کو اپنے ہاں بیٹی کی پیدائش پسند نہ تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ کہ تم اپنے لیے بیٹا پسند رکھتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹی مانتے ہو۔ دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہے۔ اپنی قوم سے چھپتا پھرتا ہے، کہ اسے یہ بُری خبر کیوں دی گئی ہے؟'' (سورہ نحل، آیت ۵۸)

مگر افسوس کہ آج مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو بیٹی کی پیدائش پہ سخت پریشان ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ بیوی کو طلاق تک دیدیتے ہیں، خصوصاً جب اوپر تلے دو تین بیٹیاں پیدا ہو جائیں تو ان کے غصے کی حد نہیں ہوتی، یہ کافرانہ سوچ ہے۔ حدیث طیبہ میں بیٹی کی پیدائش کو اللہ کی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ جس نے دو بیٹیوں کو پالا پوسا، ان کی بہتر تربیت کی اور ان کی شادی کر دی تو وہ اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ عرض کیا گیا: اگر کسی کی ایک بیٹی ہو، فرمایا ایک بیٹی بھی آڑ بن جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ کتاب البر)

[14] یعنی یہ لات عزیٰ اور مناۃ محض تمہارے گھڑے ہوئے نام ہیں اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند کسی کتاب میں نہیں اتاری، تم نے خود ہی تین خیالی دیویاں بنا کر انہیں اللہ کی بیٹیاں مان لیا ہے اور ان کے بت بنا کر انہیں پوج رہے ہو۔ لہٰذا کفار محض اپنے وہم و گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے اور اللہ کی نازل کردہ کتاب سے منہ موڑتے ہیں جو ان کے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت بن کر آئی ہے۔

[15] کفار سمجھتے تھے کہ یہ دیویاں لات وعزیٰ اور منات اللہ کے ہاں ان کی سفارش کرتی اور ان کے مسائل حل کرواتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انسان جو بھی تمنا بنا لے وہ پوری ہو سکتی ہے، یعنی کفار کی یہ تمنا کبھی پوری نہ ہو گی کہ وہ دیویوں کی سفارش سے فائدہ پائیں گے، کیونکہ آخرت اور دنیا سب میں اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ لہٰذا صرف اللہ کی عبادت کرنی اور اسی کو قبلۂ حاجات بنانا چاہیے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی مگر اس کے بعد کہ

يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ

اللہ جس کے لئے چاہے اذن دے اور راضی ہو [16] بے شک جو لوگ آخرت پہ ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا نام

الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

کسی عورت جیسا رکھتے ہیں حالانکہ انہیں اس بارے میں کچھ علم نہیں۔ وہ محض گمان کی

الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ۚ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ۬

پیروی کرتے ہیں اور گمان حق کی جگہ کچھ کام نہیں آ سکتا [17] تو جو شخص ہمارے ذکر سے منہ موڑے

عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ؕ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ

اور صرف دنیوی زندگی کا طلبگار ہو آپ اس سے منہ پھیر لیں۔ یہ ان کے علم کی انتہاء ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

بے شک آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک جائے اور اسے بھی جو ہدایت پائے [18]

الربع

شرک کا رد اور آخرت کی جزا و سزا

[16] گزشتہ رکوع میں کفار کی تین بڑی دیویوں لات، عزیٰ اور مناۃ کا ذکر ہوا اور یہ کہ کفار عرب انہیں اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ دیویاں اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہیں اللہ سے زبردستی چھڑا سکتی اور اللہ سے ان کے مقاصد پورے کروا سکتی ہیں، کیونکہ انہی کے ذریعے اللہ کا نظام چلتا ہے اور اللہ کو ان کی بات ماننا پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی نظریہ کے رد میں ارشاد فرما رہا ہے کہ آسمان میں بڑے بڑے جلیل القدر فرشتے ہیں مگر ان کی شفاعت بھی کسی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، سوا اس کے کہ اللہ کسی فرشتہ کو اذن شفاعت دے اور اس کی شفاعت پر راضی ہو، تب اس کی شفاعت کسی کو فائدہ دے سکتی ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب فرشتے اذنِ الٰہی کے بغیر اللہ کے ہاں بول نہیں سکتے تو کفار کا اپنے بے جان بتوں کے بارے میں یہ سمجھنا کہ وہ اللہ کے ہاں زبردستی کی شفاعت کر سکتے ہیں، کیسی جہالت و حماقت ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) حقیقت شرک:

جس شرک کے رد میں سارا قرآن اُترا وہ یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ یوں برابر مانا جائے یا اس پر حاوی جانا جائے کہ اللہ اس کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہ کر سکے، یہی کفار عرب کا شرک تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا: مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ ''ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی ایسا دوست یا شفیع نہیں جس کی اطاعت کی جائے یعنی اس کی بات بہر حال مانی جائے۔'' (مومن، ۱۸)

(2) شفاعت بالوجاہت کا ثبوت:

جب اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ سے معلوم ہوا کہ فرشتے اذن الٰہی سے شفاعت کرتے ہیں اور ان کی شفاعت اللہ رب العزت کے ہاں مقبول ہے تو انبیاء و اولیاء، اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں سے زیادہ معزز ہیں ان کی شفاعت زیادہ مقبول ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمہور اہل حق کے نزدیک خواص بشر (انبیاء) خواص ملک سے افضل ہیں، کیونکہ خاص بندوں کا حق تعالیٰ تک پہنچنا موانع و تعلقات کے باوجود ہے اور فرشتوں کا قرب بغیر کسی رکاوٹ و ممانعت کے حاصل ہے۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ ہشتم دفتر سوم جلد سوم صفحہ ۱۳۰۲ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

لہٰذا انبیاء و اولیاء آج بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں کی شفاعت و سفارش کرتے ہیں اور روز قیامت بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (نساء، ۶۴)

''اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرما دیں تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔''

[17] کفار عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے دوسری جگہ ارشاد ہوا: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ''کیا اللہ نے تمہارے لئے بیٹے رکھے اور خود اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟'' (بنی اسرائیل، ۴۰) اور گزشتہ رکوع میں لات و مناۃ اور عزیٰ کے بارے میں کہا گیا: اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى ﴿۲۲﴾ ''کیا تم نے لات و مناۃ اور تیسری اور دیوی دیکھی ہے؟ کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو غیر منصفانہ ہے۔'' (النجم، ۲۲) تو ان آیات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ لات و مناۃ اور عزیٰ کو کفار مکہ اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور انہی کو ملائکہ بھی تصور کرتے تھے۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کو فرشتوں کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ وہ کیا ہیں اور اللہ سے ان کا کیا تعلق

ہے؟ وہ محض اپنے وہم وگمان پر چلتے ہیں انہیں چاہیے کہ اللہ نے جوحق اُتارا ہے اس کی پیروی کریں۔ کیونکہ وہم وگمان حق کی جگہ کام نہیں آسکتا۔

یہاں سے دوفوائد معلوم ہوئے:

(1) فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث:

کفار نے فرشتوں کو مؤنث قرار دیا تو اللہ نے اس کا رد فرمایا۔ گویا بتایا کہ وہ مذکر یا مؤنث ہونے سے دور ہیں، کیونکہ وہ نور ہیں۔ حدیث میں ہے: خلقت الملائکۃ من نور، فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۰) اور نور تذکیر وتانیث سے پاک ہے۔ یہی سبب ہے کہ فرشتوں کے مابین نہ کوئی نکاح ہے، نہ ان کی بیوی ہے نہ بچے، بلکہ وہ تمام جنسی خواہشات سے بھی پاک ہیں، کیونکہ ان میں جنس کا اختلاف ہی نہیں ہے۔

(2) قرآن وحدیث کی نص قطعی کے مقابلہ میں قیاس کی کچھ حیثیت نہیں:

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا سے معلوم ہوا نص صریح کے مقابلہ میں ظن وقیاس کی کچھ حیثیت نہیں ہے، بلکہ نص کے مقابلہ میں قیاس چلانا کار شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم سجدہ دیا تو اس نے کہا میں آدم سے بہتر ہوں، میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے۔ (ص،۷۶)

[18] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! جب کفار نے ہمارے ذکر (قرآن) سے منہ موڑ لیا ہے اور وہ اپنی آخرت کی بربادی سے بے خوف ہو کر اپنی دنیا ہی میں ڈوب گئے ہیں، تو آپ بھی ان سے منہ موڑ لیں یعنی ان کے ایمان نہ لانے کے سبب پریشان نہ ہوں۔ ان کا مبلغ علم یہی دنیا ہے، آخرت کے بارے میں ان کی کوئی سوچ ہی نہیں۔ کیونکہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون اللہ کے راستہ سے یوں بھٹک گیا ہے کہ واپس نہیں آئے گا اور کون ہدایت پر ہے یا ہدایت پر آجائے گا، تو یہ معاملہ آپ اللہ پر چھوڑیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں، تاکہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے

عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۚ﴿۳۱﴾ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ

عمل کے مطابق بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو بھلائی (جنت) کی جزا دے [19] یعنی وہ لوگ جو بڑے گناہوں

الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ

اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔ سوا کسی چھوٹے سے گناہ کے، بے شک آپ کا رب وسیع

بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ

مغفرت والا ہے [20] وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں مخفی تھے۔

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾ ع

توتم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ قرار دو، اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے [21]

[19] آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے قبضہ واختیار میں ہے وہ چاہے تو سب انسانوں کو زبردستی صالح مسلمان بنا دے اس طرح کہ ان میں سے کوئی کفر یا گناہ نہ کر سکے، مگر یہ چیز اس کی حکمت بالغہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے ارادہ میں آزاد چھوڑا جائے تاکہ اللہ اچھے اعمال اختیار کرنے والوں کو جنت کی جزا اور برے اعمال اپنانے والوں کو جہنم کی سزا دے۔

[20] تو اچھے اعمال کرنے والے کون ہیں؟ ان کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، ہاں اگر ان سے کوئی چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ وسیع مغفرت والا ہے، وہ بڑے گناہوں سے بچنے کے سبب ان کے چھوٹے گناہ ازخود معاف فرما دیتا ہے۔

یہی مفہوم دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ ''اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ (ازخود) معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والے مقام میں داخل کریں گے۔'' (نساء، ۳۱) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں، جمعہ کے بعد جمعہ اور رمضان کے بعد رمضان، یہ چیزیں اپنے درمیان ہونے والے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہیں، جب تک آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۸)

کبیرہ گناہ اور صغیرہ گناہ میں فرق

یہاں کبائر الاثم والفواحش یعنی بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں میں فرق یہ ہے کہ بڑے گناہ وہ ہیں جن کو شریعتِ اسلامیہ نے حرام اور گناہ قرار دیا ہے جیسے ترک نماز، ترک روزہ، ترک زکوٰۃ، زنا، شراب نوشی، بے پردگی وغیرہ۔ جبکہ بے حیائی کے کام وہ ہیں جنہیں ہر انسانی معاشرہ ناجائز اور گناہ کہتا ہے جیسے جھوٹ، دھوکہ، چوری، ڈکیتی وغیرہ۔

اس آیت کا شانِ نزول مقاتل نے یہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص کی کھجوروں کی دکان تھی۔ اس کے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے آئی، اس نے کہا اچھی کھجوریں دکان کے اندر ہیں۔ وہ اندر آئی، اس نے عورت کو برائی کی طرف مائل کرنا چاہا اور اس سے بوس و کنار کیا، مگر وہ عورت مائل نہ ہوئی اور دکان سے نکل گئی۔ اس شخص کو بعد میں اس فعل پر سخت ندامت ہوئی اس نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے ماجرا کہا اور بتایا کہ اس نے زنا تو نہیں کیا مگر زنا سے کمتر معاملہ کیا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط (قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۶)

اس شانِ نزول سے واضح ہوا کہ زنا کبیرہ گناہ ہے اور اس سے کم تر یعنی بوس و کنار وغیرہ صغیرہ گناہ ہے۔ اسی کو یہاں اللہ تعالیٰ نے لَمَمَ کا نام دیا ہے اور جب وہ شخص کبیرہ گناہ سے بچا تھا تو کہا گیا کہ صغیرہ گناہ کو اللہ اپنی وسعت مغفرت سے معاف فرمائے گا۔ گویا صغیرہ گناہ وہ ہیں جو کسی بڑے گناہ تک پہنچاتے ہیں جیسے بوس و کنار زنا تک پہنچاتے ہیں۔

اس کی وضاحت یہ حدیث بھی کرتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: "آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے (زنا کی دعوت دینا ہے) اور دل گناہ کی تمنا کرتا ہے، پھر شرمگاہ اس تمنا کو پورا کرتی ہے یا نہیں کرتی۔" (صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب ۱۲، مسلم کتاب القدر حدیث ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سن کر کہا لَمَمَ کی تشریح اس سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ (بخاری حوالہ مذکورہ)

یعنی شرمگاہ کا زنا کرنا کبیرہ گناہ ہے اور آنکھ زبان یا دیگر اعضاء سے زنا تک پہنچانے والے افعال لَمَمَ (چھوٹے گناہ) ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لمم یعنی صغیرہ گناہ بھی حرام اور باعث ناراضگی خدا ہے۔ البتہ اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کبیرہ گناہ سے کم تر ہے۔

ترکِ فرض گناہ کبیرہ ہے اور ترکِ واجب گناہ صغیرہ

بعض ائمہ نے کبیرہ اور صغیرہ گناہ میں یہ فرق بھی بتایا ہے کہ واجب کا ترک گناہ صغیرہ ہے اور فرض کا ترک گناہ کبیرہ۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حصہ اول صفحہ ۱۳۷ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

اور ظاہر ہے کہ واجب اور فرض دونوں کا ترک حرام ہے، لہٰذا گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، بہر حال اس کا ارتکاب حرام ہے۔ مگر چونکہ واجب کے ثبوت میں فرض کی نسبت ایک گونہ ضعف اور شبہ ہوتا ہے اس لیے اس کا درجہ فرض سے کم ہے اور اس کا منکر کافر نہیں اور فرض کا منکر کافر ہے، جیسے زنا بھی حرام ہے اور اس کے دواعی یعنی بوس و کنار بھی حرام ہیں، مگر زنا کی

حرمت کا منکر کافر ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت پہ نص قرآنی صراحت سے وارد ہے، لہذا یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کے دواعی بھی اگرچہ حرام ہیں اور اللہ کے ہاں عذاب کا موجب ہیں۔ مگر ان کی حرمت پہ زنا جیسی نص قطعی وصریح وارد نہیں، اس لیے وہ گناہ صغیرہ ہیں اور ان کی حرمت کا منکر کافر نہیں ہے البتہ گمراہ ضرور ہے۔

[21] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لوگو خود کو پارسا نہ قرار دو یعنی کوئی اپنی زبان سے نہ کہے کہ میں بہت صالح ونیکوکار ہوں کیونکہ اللہ کو تمہاری نیات وعزائم کا خوب علم ہے وہ جانتا ہے کہ کس نے کس نیت سے نیکی کی ہے، وہ تمہیں تب سے جانتا ہے جب اس نے زمین سے تمہارا خمیر اٹھایا اور جب تم ماں کے رحم میں بصورتِ جنین تھے۔ آج کئی لوگوں کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ جناب میں تو ہمیشہ کھری بات کہتا ہوں چاہے کسی کو اچھی نہ لگے، میں تو سچی بات کہنے میں کبھی کسی سے نہیں ڈرتا حالانکہ ایسے لوگ محض شر پسند ہوتے ہیں اور ان کا کردار سب پہ واضح ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ اپنے منہ سے اپنی پارسائی نہ بیان کیا کرو اللہ کو سب کی پارسائی کا علم ہے۔

کسی کے منہ پر اس کی خوشامد کرنے کی مذمت

یہاں سے خوشامد کی بُرائی بھی معلوم ہوئی، کئی لوگ کسی ذاتی مقصد کے لئے لوگوں کے منہ پر ان کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ آپ تو بہت نیک ہیں آپ تو سب سے بھلائی کرنے والے ہیں اور جس کی وہ تعریف کرتے ہیں وہ بھی بہت خوش ہوتا ہے اور پھولا نہیں سماتا۔ گویا وہ کہتا ہے کہ ہاں میں واقعی بہت نیک ہوں جبکہ اللہ رب العزت صاف فرمارہا ہے کہ اپنے آپ کو پارسا مت قرار دو، جب کوئی اس طرح کسی کی تعریف کرے تو اسے چاہیے کہ اسے کہے جناب میں ایسا نہیں ہوں میں گناہگار آدمی ہوں مجھے اپنے اعمال کا پتہ ہے۔ ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کرنے لگا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے مٹی اُٹھا کر اس کے منہ پر ماری اور فرمایا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جب تم چاپلوسوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر مٹی مارو۔ (صحیح مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۸)

مگر مقام افسوس ہے کہ آج بڑے بڑے سیاسی لیڈروں، مذہبی پیشواؤں اور سجادہ نشینوں کا کاروبار خوشامد ہی سے چل رہا ہے۔ انکی مجلسوں اور انکے جلسوں میں مفاد پرست لوگ انکی تعریف میں لمبے لمبے قصیدے اور خطبے پڑھتے ہیں جس سے انکا دربار اور کاروبار چمک اٹھتا ہے، ایسے پیروں فقیروں اور سجادہ نشینوں سے دور بھاگنا چاہیے۔ جو شخص اپنی تعریف خود کرواتا ہے اور سن سن کر سر دھنتا ہے ایسا شخص محض بھروپیا ہے، اس متکبر شخص کا روحانیت اور صالحیت سے کوئی تعلق نہیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ

کیا تم نے دیکھا جس شخص نے منہ موڑا اور (راہ حق میں) کچھ دیا اور باقی روک لیا، کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے

فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ

کہ وہ اس سے دیکھتا ہے؟[22] کیا اسے خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں اور وفا کرنے والے ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں

وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

میں تھا کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی[23] اور یہ کہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ کوشش کرے[24]

اللہ کی عظمتیں اور کفار کے لئے درس عبرت

[22] سدی، محمد بن کعب قرظی اور عطیہ وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت کفار مکہ کے حق میں اُتری، وہ قرآن کے ٹھوس دلائل سے متاثر ہو کر کبھی کچھ حق بات بھی کہہ دیتے تھے، پھر ان کا خاندان انہیں سرزنش کرتا اور باپ دادا کے دین پر ڈٹے رہنے پر زور دیتا اور کہتا کہ اگر تمہیں کچھ عذاب ہوا تو وہ ہم اپنے سر لے لیں گے، تم بہر حال ایمان نہ لاؤ تو وہ واپس کفر کی طرف لوٹ جاتے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے ایسے شخص کی متذبذبانہ حالت دیکھی ہے جو دین حق سے منہ موڑتا ہے، وہ حق گوئی کا کچھ تقاضا ادا کرتا ہے اور باقی روک لیتا ہے، کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے جس سے اسے معلوم ہوا ہے کہ اس کا خاندان اس کا عذاب اپنے سر لے کر اسے چھڑا لے گا؟

[23] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور وفا کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کی خبر نہیں سنی یعنی کیا پہلے انبیاء کی کتابوں کی تعلیمات ان تک نہیں پہنچیں، جن میں صاف کہا گیا ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی؟ یعنی ہر جان اپنا بوجھ خود اٹھائے گی تو پھر کسی کافر کو اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے اس کا خاندان اس کے عذاب کو اپنے سر لے کر اسے چھڑوا لے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وفا کرنے والا فرمایا گیا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر آزمائش کو پورا کر دکھایا۔ انہیں بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تو انہوں نے اس کے گلے پر چھری رکھ دی، انہیں آگ میں کودنے کا حکم ہوا تو انہوں نے دیر نہ لگائی، انہیں ختنہ کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے ستر یا اسی برس کی عمر میں تیشے سے اپنا ختنہ کر ڈالا، انہیں مال قربان کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے سارا مال راہِ حق میں لٹا دیا، کوئی ان سے سیکھے کہ مولائے حقیقی سے وفا کیسے کی جاتی ہے۔

یہ کیسے درست ہے کہ کوئی جان کسی جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ حدیث کے مطابق جو شخص بُرا طریقہ ایجاد کرتا ہے وہ اپنی بُرائی کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے، بلکہ قرآن میں بھی ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ''وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی۔'' (عنکبوت، ۱۳) تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝۳۸ کا یہ معنی ہے کہ کوئی جان کسی دوسری کا بوجھ اس طرح نہیں اٹھائے گی کہ اس کا عذاب اپنے سر لے کر اسے عذاب سے آزاد کر دے، جیسے کہ کفار مکہ سمجھتے تھے یا جیسے عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی طرف سے سولی پہ چڑھ کر انہیں عذاب سے آزاد کر گئے ہیں۔ جبکہ بُرا طریقہ ایجاد کرنے والا، اپنے پیروکاروں کو عذاب سے آزاد نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی جگہ عذاب میں مبتلا رہتے ہیں اور اسے اپنی جگہ ان کی بُرائی کا عذاب بھی ہوتا ہے۔ اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بُرائی ایجاد کرنے والے کے پیروکاروں کا عمل بھی حقیقت میں اسی کا عمل ہے اگر وہ بُرا طریقہ ایجاد نہ کرتا تو وہ لوگ اس پر عمل نہ کرتے۔ گویا ان کا عمل بھی حقیقت میں اسی کا عمل ہے، لہذا وہ جو بوجھ اٹھاتا ہے وہ اسکا اپنا ہی ہوتا ہے۔

[24] اس سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے، انہوں نے ایک قول کے مطابق فرمایا کہ مرنے والے کو زندوں کے قرآن پڑھنے اور اس کے ایصال ثواب سے کچھ فائدہ نہیں ملتا۔ کیونکہ لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝۳۹ کے مطابق ہر شخص کو اپنے ہی عمل کا فائدہ ملتا ہے نہ کہ دوسروں کے عمل کا، مگر باقی ائمہ اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک مُردوں کو زندہ لوگوں کے اعمال کا فائدہ ملتا ہے اور لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝۳۹ سے امام شافعی کے استدلال کا جواب چند وجوہ سے ہے۔ (امام سیوطی کے مطابق امام شافعی کا مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ مُردوں کو زندوں کے عمل کا فائدہ ملتا ہے)

لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کا درست مفہوم

اول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝۳۹ کا حکم صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام میں (ان کی امتوں کے لیے) تھا کیونکہ اس سے قبل أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۝۳۶ وَإِبْرَاهِيمَ فرمایا گیا ہے جبکہ ہمارے لیے قرآن میں ارشاد ہے: أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (کہ ہم صالحین کی اولاد کو ان کے ساتھ جنت میں ملا دیں گے) (طور، ۲۱) تو باپ دادا کی نیکی نے اولاد کو نفع دیا۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۵۰۲)

اسی طرح اولاد کی نیکی مرحوم باپ دادا کو نفع دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ ''وہ ہمیشگی کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہونگے اور (ان کے صدقے) ان کے مومن باپ دادا بھی۔'' (رعد، ۲۳) یہی مفہوم سورہ غافر آیت 8 میں بھی مذکور ہے۔

دوم: امام قرطبی فرماتے ہیں، ممکن ہے لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ سے اعمال سیئہ مراد ہوں یعنی معنی یہ ہے کہ جتنا کسی نے گناہ کیا اسے اتنی سزا ملے گی۔ یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ نیکی بہرحال بڑھائی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک نیکی کا ثواب کئی لاکھ نیکیوں کے برابر کر دیا جاتا ہے، مگر گناہ کا عذاب اسی قدر ہے جس قدر گناہ ہے (اور پیچھے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ﴿۳۸﴾ فرمایا جانا بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے یعنی کہا گیا کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی اور اپنا بوجھ بھی اسی قدر اٹھائے گی جس قدر اس نے بُرائی کی ہے)۔

سوم: لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ کا یہ معنی بھی ہے کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے فرائض خود ادا کرے یہ جائز نہیں کہ امیر لوگ اپنے نوکروں اور غلاموں سے اپنی جگہ نمازیں پڑھوائیں اور روزے رکھوائیں، ہاں معذوری کی صورت میں حج بدل اور فدیہ صوم رمضان جائز ہے اور معذوری کا باب ہی الگ ہے۔ لہٰذا اس آیت کا ایصال ثواب کی بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے دلائل اپنی جگہ موجود ہیں۔

ایصالِ ثواب کے جواز پر قرآن وسنت سے دلائل

(1) وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ،

"اور جو لوگ ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی بخشش فرما جو ہم سے قبل ایمان کے ساتھ (دنیا سے) چلے گئے۔" (حشر، ۱۰) اگر زندہ لوگوں کا کوئی عمل فوت ہونے والوں کو فائدہ نہیں دیتا بلکہ ہر انسان کو وہی عمل فائدہ دے گا جو اس نے اپنی زندگی میں خود کیا، تو پھر مرنے والوں کے لئے دعا و استغفار کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ مُردوں کے لئے دعا کے تو ہم بھی قائل ہیں تو جواب یہ ہے کہ پھر آپ نے لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ سے اپنے استدلال کی خود ہی نفی کر دی ہے۔

(2) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت، امتِ مرحومہ ہے اس کی توبہ قبول ہے، یہ اپنے گناہوں کے ساتھ قبور میں داخل ہوتی ہے اور جب وہ قبور سے نکلے گی تو ان کے ساتھ کوئی گناہ نہ ہوگا اور ان کے گناہ مومنین کے استغفار کے سبب مٹا دیئے جائیں گے۔"

(طبرانی اوسط جلد ا صفحہ ۵۰۹ حدیث ۱۸۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور ایصالِ ثواب کی محافل حقیقت میں وفات یافتگان کے لئے دعاء و استغفار کی محافل ہیں ان سے روکنا ایک بڑی نیکی سے روکنا اور فوت شدہ مسلمانوں پہ ظلم کے برابر ہے۔

(3) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری والدہ فوت ہو گئی ہیں، کیا میرا صدقہ کرنا انہیں فائدہ دے سکتا ہے؟ اور افضل صدقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ پانی ہے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا اور کہا: هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعۡدٍ۔ یہ کنواں سعد کی والدہ کے نام پر ہے۔ (ابوداؤد کتاب

الزکوٰۃ باب ۱۴ حدیث ۶۱۸۱) تو رسول اللہ ﷺ کی واضح نص سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔

(4) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ نے نذر مانی تھی کہ حج کرے گی، مگر وہ حج کیے بغیر مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نعم حُجّی عنھا، ہاں تم اس کی طرف سے حج کرو، کیا خیال ہے اگر تمہاری والدہ پہ قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کرتیں؟ تو اللہ کا حق زیادہ بڑا ہے اسے ادا کرو۔ (صحیح بخاری کتاب جزاء الصید باب ۲۲ حدیث ۱۸۵۷)

(5) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک عورت آکر کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ فوت ہوگئی ہے، اس پر ایک ماہ کے روزے لازم تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں تم اس کی طرف سے روزے رکھو، اس نے کہا میری والدہ نے حج نہیں کیا تھا، کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا تم اس کی طرف سے حج کرو۔ (ابوداؤد کتاب الوصایا باب ۱۲ حدیث ۲۸۷۷)

اس مفہوم کی حدیث مسلم کتاب الزکوٰۃ میں بھی موجود ہے۔ معلوم ہوا زندہ لوگوں کی ہر قسم کی عبادات کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔ روزہ وحج تو صرف ایک مثال ہے، عبادت ہونے میں روزہ، حج، نماز، تلاوت قرآن اور اطعام طعام سب برابر ہیں۔

اموات کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کے پڑھنے کا جواز

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شافعی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب تو یہی ہے کہ میت کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز نہیں، مگر ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دے دی تھی اور فرمایا تھا لا بأس بہٖ اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی لئے امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب میں فرمایا ہے کہ زائر قبور کو بقدر طاقت قرآن پڑھ کر اہل قبور کے لئے دعا کرنی چاہیے اور اس پر امام شافعی کی نص موجود ہے۔ امام احمد بن حنبل ابتداء میں تلاوت کے ایصال ثواب سے انکار کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس کوئی اثر نہیں پہنچا تھا۔ جب آثار پہنچے تو انہوں نے رجوع فرمایا۔ (شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور صفحہ ۴۰۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

پھر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں چند آثار واحادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً امام ابو محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قبروں کے قریب سے گزرے اور گیارہ بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو ہبہ کرے، تو اسے سب مُردوں کی تعداد کے مطابق ثواب دیا جائے گا۔ امام ابو القاسم سعد بن علی زنجانی نے کتاب الفوائد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں سورہ فاتحہ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبور کو پہنچائے تو سب اہل قبور اسکے لئے شفاعت کریں گے۔

امام عبدالعزیز صاحب الخلال نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''جو شخص قبرستان میں یٰسٓ پڑھے تو مُردوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور اسے اہل قبور کی تعداد کے برابر ثواب ملتا ہے۔'' (شرح الصدر فی احوال الموتی والقبور صفحہ ۴۰۴)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی قبور پہ قرآن پڑھا جائے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں ایصالِ ثواب کے جواز کا قول کیا ہے اور اس جواز پہ کثیر احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پہ سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخر آیات پڑھی جائیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔
(مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیہ جلد ۲۴ صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ ریاض ۱۴۱۸ھ)

طبرانی نے معجم کبیر میں ایک انصاری صحابی حضرت ابو خالد لجلاج رضی اللہ عنہ کی وصیت روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا:
يا بُنيّ اذا انا متّ فأَلحِدْني فاذا وضعتَني فی لحدی فقل بسم الله وعلی ملة رسول الله ثم سنّ علیّ الثری سنا ثم اقرأ عندَ رأسی بفاتحةِ البقرةِ وخاتِمها فانّی سمعتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول ذالك۔ اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو مجھے لحد میں اتارتے ہوئے بسم الله وعلی ملة رسول الله ضرور پڑھنا، پھر مجھ پر مٹی برابر کر دینا، پھر میری قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا ہی کہتے ہوئے سنا تھا۔ (طبرانی معجم کبیر جلد ۱۹ صفحہ ۲۲۱ حدیث ۴۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد 3 صفحہ 44 میں فرمایا: ورجاله موثّقون، کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

معلوم ہوا کہ قبرستان میں قبور پہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا حدیث صحیح کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج سعودی عرب میں جنت المعلی اور جنت البقیع میں نجدی علماء کے ٹولے کھڑے ہیں اور لوگوں کو صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی قبور پہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے سے زبردستی روکتے ہیں اور چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ قبرستان میں قرآن کریم کا پڑھنا بدعت ہے، کہیں ثابت نہیں ہے۔ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ تلاوت قرآن کریم کو بھی بدعت قرار دیا جائے۔ جبکہ ابھی آپ نے صحیح حدیث پڑھ لی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی قبور پہ تلاوت قرآن کے کیے جانے کی وصیت کرتے تھے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم قرار دیتے تھے۔

اہل حدیث علماء کا جوازِ ایصالِ ثواب پہ فتویٰ

آج ہمارے ہاں برصغیر میں ایصالِ ثواب سے مطلقاً انکار صرف اہل حدیث علماء کرتے ہیں، دیوبندی علماء اس سے مطلقاً انکار نہیں کرتے، البتہ وہ اس کی بعض مروج صورتوں سے منکر ہیں، مگر یہ اہل حدیث کا محض مکابرہ ہے۔ اگر وہ

انصاف سے کام لیں تو انکار نہ کریں، ابھی ہم علامہ ابن تیمیہ کا فتویٰ لکھ آئے ہیں۔

مزید نواب وحید الزمان حیدر آبادی کا فتویٰ سنیے:

''خلاف بین اهل السنة فی ان الاموات تنتفع بسعی الاحیاء۔ ومذهب المحققین من اهل الحدیث ان ثواب کل عبادة بدنیة کانت کختم القرآن او مالیة کالصدقة یصل الیهم سواء اهدی لهم کل الثواب او نصفه او ربعه نص علیه الامام احمد۔'' اہل سنت میں کوئی اختلاف نہیں کہ اموات کو زندوں کے اعمال کا فائدہ ملتا ہے اور اہل حدیث میں سے محققین کا مذہب یہ ہے کہ ہر عبادت خواہ بدنی ہو جیسے ختم قرآن ہے یا مالی ہو جیسے صدقہ، اس کا ثواب بہر حال اموات کو ملتا ہے، خواہ سارا ثواب ہدیہ کیا جائے یا اس کا نصف یا اس کا چوتھائی، اس پہ امام احمد نے نص فرمائی ہے۔ (ھدیۃ المھدی صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ میور پریس دھلی)

ایصالِ ثواب کے لیے دن مقرر کرنے اور کھانا سامنے رکھنے کی حکمت

بعض لوگ کہتے ہیں ایصالِ ثواب میں تو حرج نہیں مگر اس کے لئے تیجا، ساتواں، دسواں اور چالیسواں دن مقرر کرنا جائز نہیں، مگر ان کی یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ دن مقرر کرنے سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مل کر فوت شدہ مومنین کے لئے تلاوت قرآن اور دعاء و استغفار کرتے ہیں۔ ہر سیاسی و مذہبی تحریک اپنے طریقہ کار کے مطابق ہفتہ وار، ماہانہ یا سالانہ اجتماعات کا نظام رکھتی ہے تا کہ لوگ اکٹھے ہوتے رہیں اور تحریک آگے بڑھتی رہے، تو آپ کو صرف ایصال ثواب کے لئے ساتواں دسواں وغیرہ دن مقرر کرنے ہی پہ اعتراض کیوں ہے؟

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھنے کا کیا معنی ہے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ کھانے پر قرآن پڑھنے سے کھانا بابرکت ہو جاتا ہے اور یہ عمل ان ائمہ سے بھی ثابت ہے جن کی بات علماء اہل حدیث اور علماء دیوبند کے لئے بھی حجت ہے اور وہ ان کے اساتذہ و شیوخ میں سے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے والد (ولی کامل) شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ ہر سال اپنے گھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کرتے تھے اور جو کھانا میسر آتا اسے حاضر کرتے اور مولد النبی (منجملہ ذکر آیات ولادت، قرآن خوانی اور دعاء) پڑھتے اور کھانا بانٹ دیتے، ایک بار تنگدستی کے باعث صرف چنے میسر آئے، وہی حاضر کئے گئے اور مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا گیا۔ رات خواب میں حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وہی چنے پڑے ہیں اور آپ بہت خوش اور شاد و بشاش ہیں۔

(الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صفحہ ۴۰ حدیث ۲۲ مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

اسی طرح حضرت شاہ عبد العزیز پسر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو کھانا حضرات امامین کی نیاز کے لئے پکایا جاتا اور اس پر فاتحہ و درود پڑھا جاتا ہے، وہ متبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت خوب ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد ۱ صفحہ ۷۱)

مگر یہ ضرور یاد رہے کہ تیجہ ساتواں، دسواں وغیرہ کا ختم ایک امر مستحب ہے، اسے واجب سمجھنا بدعت ہے۔ بعض جاہل نادار لوگ قرض اُٹھا کر دسواں وغیرہ ضرور کرواتے ہیں، یہ جاہلانہ طریقہ ہے۔ علماء پر لازم ہے کہ مسئلہ کی نوعیت واضح کریں۔

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝۴۱ وَاَنَّ اِلٰى

اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی پھر اسے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور آپ کے رب ہی کی طرف

رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝۴۲ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝۴۳ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝۴۴

(سب کی)انتہا ہے [25] اور وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور وہی مارتا اور جلاتا ہے [26]

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝۴۵ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝۴۶ وَاَنَّ عَلَيْهِ

اور اسی نے نر و مادہ جوڑے بنائے، نطفہ سے جب وہ (رحم مادر میں) گرایا جاتا ہے۔ اور

النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝۴۷ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝۴۸ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝۴۹

اللہ ہی کے ذمے دوسری بار اُٹھانا ہے [27] اور وہی غنی کرتا اور فقیر بناتا ہے اور وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے [28]

[25] ہر انسان کی کوشش روز قیامت دیکھی جائے گی کہ کیسی ہے اس میں کتنا اخلاص ہے۔ پھر اس کے مطابق اسے پوری جزا دی جائے گی، کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی اور کوئی گناہ اپنی حد سے بڑھایا نہ جائے گا۔ آگے فرمایا کہ آپ کے رب کی طرف انتہا ہے یعنی ہر تمنا وہی بر لانے والا ہے اور ہر چیز اسی کے قبضہ واختیار میں ہے اس کا یہ معنی بھی ہے کہ ہر چیز واسطہ در واسطہ پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ اللہ تک پہنچتا ہے وہاں انتہاء ہو جاتی ہے۔

[26] یعنی ہر انسان کی خوشی وغمی اور موت وحیات اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جب چاہے زحمت دے کر رلا دے، جب چاہے نعمت دے کر ہنسا دے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ رب العزت نیکو کاروں کو جنت دے کر ہنساتا اور بدکاروں کو جہنم میں ڈال کر رُلاتا ہے یا وہ آسمان کو بارش کے آنسوؤں سے رُلاتا اور زمین کو پھول کلیوں سے سجا کر ہنساتا ہے یا وہ بعض کو دنیا میں غافل کر کے ہنساتا اور بعض کو فکرِ آخرت دے کر اپنے خوف سے رُلاتا ہے۔

[27] ایک ہی مرد کا نطفہ ایک ہی رحم میں ایک بار جاتا ہے تو بیٹا پیدا ہوتا ہے دوسری بار جاتا ہے تو بیٹی پیدا ہوتی ہے، یہ تبدیلی اللہ کے سوا کون لاتا ہے؟ اور جیسے اللہ بے جان نطفہ سے زندہ جاگتا بھاگتا دوڑتا انسان بنا دیتا ہے اسی طرح روز قیامت وہ بے جان ہڈیوں سے پھر انسانوں کو نئی تخلیق میں لے آئے گا۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ اللہ کے ذمے دوبارہ اٹھانا

ہے، اللہ پر کسی کی طرف سے کوئی چیز لازم نہیں، وہ اپنی مرضی سے بعض چیزیں خود پر لازم فرماتا ہے۔

[28] اللہ تعالیٰ جب اور جسے چاہے مالدار کردے، جب اور جسے چاہے فقیر بنا دے، اس کے حکم سے بادشاہ فقیر اور فقیر بادشاہ بن جاتے ہیں۔ زلیخا اور اس کے شوہر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ناحق جیل بھجوایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا اقتدار اور مال ختم کر کے انہیں فقیر کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکال کر بادشاہ مصر بنا دیا۔ ایک دن آپ کی سواری کے سامنے ایک اندھی بڑھیا نے آ کر کہا اللہ کی حمد ہے جس نے بادشاہوں کو ان کی نافرمانی کے سبب فقیر اور فقیروں کو ان کی اطاعت کے سبب بادشاہ بنا دیا، آپ نے پہچان لیا کہ یہ زلیخا ہے۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس کی جوانی و بینائی لوٹا دی اور آپ نے اس سے نکاح فرمایا۔ (روح البیان)...... آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شعریٰ کا رب ہے۔ دراصل عرب کے قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگ ایک ستارے کو پوجتے تھے جس کا نام شعریٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا شعریٰ کا رب بھی اللہ ہے تو وہی مستحق عبادت ہے۔

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا۟ الْاُوْلٰى ۝٥٠ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ۝٥١ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ

اور اسی نے پہلی قوم عاد کو ہلاک کیا اور قوم ثمود کو، تو کچھ نہ چھوڑا اور اس سے قبل

قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝٥٢ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝٥٣

قوم نوح کو، بے شک وہ سب سے ظالم و سرکش تھے۔ اور اللہ نے اُلٹائی گئی بستی کو نیچے پھینکا پھر اس کو ڈھانپ لیا

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝٥٤ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝٥٥ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ

جس نے ڈھانپ لیا[29] تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرو گے۔ یہ (محمد ﷺ) پہلے ڈرانے والوں میں سے

الْاُوْلٰى ۝٥٦ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝٥٧ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝٥٨ اَفَمِنْ

ایک ڈرانے والے ہیں۔ قریب آ گئی قریب آنے والی (قیامت) اسے اللہ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں [30] تو کیا

هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝٥٩ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝٦٠ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝٦١

تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔ اور تم غفلت میں پڑے ہو، تو

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝٦٢ ع

اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو[31]

السجدۃ ١٢ ع ٣

[29] اللہ تعالیٰ نے پہلی قوم عاد جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے جو طوفان نوح کے بعد آباد ہونے والی پہلی قوم تھی، کو ہلاک کیا۔ یعنی وہ قوم عاد مراد نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں تھی۔ پھر قوم ثمود کو ایسے ہلاک کیا کہ ان کا ایک فرد بھی باقی نہ بچا اور ان دونوں سے قبل قوم نوح کو ہلاک کیا گیا، جو سب سے ظالم و سرکش تھے۔ انہیں ساڑھے نو سو برس تبلیغ کی گئی تو اسی افراد سے زیادہ لوگ ایمان نہ لائے۔ اس کے علاوہ قوم لوط کی بستی کو اللہ نے اُلٹا کر نیچے پھینکا پھر اس پر پتھروں کی اس قدر برسات ہوئی کہ پتھروں نے اس جگہ کو مکمل ڈھانک لیا، مقصد یہ ہے کہ جو قومیں دین اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں، اللہ انہیں مٹا دیتا ہے۔

[30] یعنی اے لوگو! تمہارے اندر سب سے افضل رسول سب سے افضل کتاب کے ساتھ مبعوث کر دیئے گئے جو پہلے ڈرانے والے انبیاء کے طریقہ پر لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈراتے ہیں تو تم اللہ کی کس نعمت میں شک کرو گے۔ اب قیامت قریب آ گئی کیونکہ آخری نبی مبعوث ہو چکا ہے اب کسی بھی وقت قیامت آ جائے گی اور اسے اللہ کے سوا کوئی

سورۃ القمر

سورۃ القمر ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی 36 ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 54 ویں سورت ہے۔ یہ سورۃ الطارق کے بعد اور سورۃ الصاد سے قبل نازل ہوئی۔ اسے سورۃ القمر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① کے الفاظ سے شروع ہوئی جن میں معجزۂ شق القمر کا بیان ہے۔ اس سورت میں 3 رکوعات، 53 آیات، 352 کلمات اور 1423 حروف ہیں۔

فضیلت

دیلمی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سورہ الم تنزیل، سورہ یٰس، سورہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور سورہ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کی تلاوت کی تو یہ سورتیں اس کے لئے نور ہونگی اور شیطان وشرک سے حفاظت بن جائیں گی۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۶۹)

ابن ضریس نے حضرت اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو شخص ہر دو راتوں میں یعنی ایک رات چھوڑ کر دوسری رات میں سورۃ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت یوں اٹھائے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۶۹)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نمازوں میں سورہ ق اور سورہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ تلاوت فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب صلوۃ العیدین حدیث ۱۴۰)

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں معجزۂ شق القمر کا بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ معجزہ شق القمر قربِ قیامت کی نشانی ہے، مگر کفار اسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ محض جادو ہے، پھر قیامِ قیامت کی منظر کشی ہے، کہ کس طرح لوگ قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف چلیں گے، کسی کو رکنے کی مجال نہیں ہوگی، پھر قوم نوح کے انکار اور ان کی تباہی کا بیان ہے، کہ کس طرح انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی گستاخی کی تو ان پہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ آ گئی اور ان کو پانی میں غرق کر دیا گیا۔

پھر قوم عاد کا ذکر ہے کہ وہ کیسے تباہ کیے گئے۔ دوسرے رکوع میں قوم ثمود اور قوم لوط کی ہلاکت کا ذکر ہے اور بار بار بتایا گیا ہے کہ اللہ نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔ جبکہ آخری رکوع میں فرعون کی سرکشی اور تباہی کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح ونصرت کی بشارت دی گئی ہے جو میدان بدر میں پوری ہوئی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۵۵ سُوۡرَةُ الۡقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۳۷ ۵۴ رکوعاتها ۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ① وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ

قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور اگر کفار کوئی معجزہ دیکھیں تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں کہ یہ

مُّسۡتَمِرٌّ ②

مسلسل جادو ہے[1]

معجزۂ شق القمر کا ظہور بطورِ علامتِ قیامت

[1] قیامت قریب آ گئی ہے جس کی نشانی یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں یعنی آخری نبی محمد مصطفی ﷺ تشریف لے آئے ہیں، جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت آئے گی اور ان کے ہاتھ پر شق القمر کا معجزہ رونما ہوا ہے۔ مگر کفار کی یہ حالت ہے کہ ایسا معجزہ دیکھ کر بھی کہتے ہیں کہ یہ وہی جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے یعنی پہلے انبیاء بھی جو کچھ دکھاتے رہے، وہ جادو ہی تھا اور یہ شق القمر بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

معجزۂ شق القمر احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

یاد رہے معجزۂ شق القمر کو حضرت انس بن مالک، جبیر بن مطعم، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث اول:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مکہ نے حضور ﷺ سے کوئی بڑا معجزہ مانگا فَاَرَاهُمُ انۡشِقَاقَ الۡقَمَرِ تو آپ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ القمر باب ا حدیث ۴۸۶۷، مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث ۴۶)

یہ متفق علیہ حدیث بتا رہی ہے کہ چاند کے پھٹنے کا معجزہ حضور سرورِ کونین ﷺ نے کفار کے مطالبہ پر دکھایا۔

مودودی اور سید قطب کا معجزۂ شق القمر سے انکار

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں اور سید محمد قطب مصری نے فی ظلال القرآن میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شق القمر کا واقعہ عہد نبوی میں بطورِ علامتِ قیامت ہوا تو تھا، مگر یہ حضور ﷺ کے معجزہ کے طور پر نہ تھا، نہ ہی آپ کے اشارے یا آپ کی دعا سے چاند کے ٹکڑے ہوئے۔ مگر مذکورہ متفق علیہ حدیث اس رائے کی مکمل تردید کر رہی ہے، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے جس کے آخر میں ہے کہ اس موقع پر یہ آیات اُتریں: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ القمر حدیث ۳۲۸۶)

تو کس قدر واضح ہو گیا کہ کفار کے مطالبہ پر یہ معجزہ حضور ﷺ نے دکھایا مگر کفار نے دیکھ کر کہا کہ یہ تو جادو ہے، اس کے باوجود کہنا کہ یہ حضور ﷺ کی دعا سے نہیں ہوا تھا سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔

حدیث دوم:

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① کے تحت روایت کیا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، عاص بن ہشام اور نضر بن حارث وغیرہم نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر نظر آئے، دوسرا جبل قعیقعان پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو تم ایمان لے آؤ گے؟ کہنے لگے: ہاں، وہ چودھویں رات کا چاند تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! انہیں ان کا سوال پورا کر دکھا، تو چاند کے دو ٹکڑے نظر آنے لگے، ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر نظر آ رہا تھا دوسرا جبل قعیقعان پر۔ رسول اللہ ﷺ پکار کر فرمانے لگے اے ابوسلمہ بن عبدالاسد! اے ارقم بن ابی ارقم! گواہ رہو۔

(دلائل النبوۃ للامام ابی نعیم جلد ا صفحہ ۳۶۸ حدیث ۲۰۹ مطبوعہ حلب شام)

حدیث سوم:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو قریش نے کہا یہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) کا جادو ہے، پھر وہ کہنے لگے ذرہ دیکھو دور دراز سے سفر کر کے آنے والے لوگ اس بارے میں کیا خبر لاتے ہیں، کیونکہ محمد (ﷺ) کو یہ طاقت نہیں کہ سب انسانوں کی آنکھوں پر جادو کر دے۔ چنانچہ جب باہر سے مسافرین (حجاج، معتمرین اور تجار) آئے تو انہوں نے کہا ہم نے بھی ایسا ہی دیکھا تھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا صفحہ ۳۶۹ حدیث ۲۱۱ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ حلب شام)

عقل کے پجاری نام نہاد مسلمان کہتے ہیں کہ یہ واقعہ عقل کے خلاف ہے حالانکہ معجزہ ہوتا ہی عقل سے بلند ہے، اگر وہ عقل کے تحت ہو تو وہ معجزہ نہ ہوا۔ پھر جب بخاری، مسلم، ترمذی و دیگر محدثین اسے صحیح روایات سے بیان کر رہے ہیں تو

اسے ٹھکرانے کا کیا معنی ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ شق القمر ہوا ہوتا تو یہ ساری دنیا میں نظر آتا اور تمام اقوام کی تواریخ اس سے بھری ہوتیں۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ساری دنیا میں یہ کیسے نظر آتا؟ آدھی دنیا میں تو اس وقت دن تھا۔ پھر رات کے پچھلے پہر یہ واقعہ ہوا جب اکثر لوگ گہری نیند سو رہے تھے، پھر ہر جگہ مطلع صاف نہیں ہوتا بادل چھائے ہوتے ہیں، پھر اسے نہ صرف مکہ والوں نے دیکھا، بلکہ روایات کے مطابق باہر کے لوگوں نے بھی دیکھا اور آ کر گواہی دی۔

اور سید سلیمان ندوی نے خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ ہندوستان کی ریاست مالا بار کے راجہ نے اس وقت چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا اور تاریخ فرشتہ میں بھی ریاست مالا بار کے راجہ کا چاند کے ٹکڑے ہوتے دیکھنے کا واقعہ مذکور ہے۔ پھر اس زمانہ میں ذرائع مواصلات بہت محدود تھے ممکن ہے اسے بہت لوگوں نے دیکھا ہو، مگر وہ کسی ریکارڈ میں نہیں آ سکا۔

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم بالا پر تصرف واختیار

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان پر بھی تصرف واختیار عطا فرمایا ہے اور کیوں نہ ہو، آسمان پر بھی آپ کی حکومت ہے کہ آپ ساری کائنات کے رسول ہیں اور جہاں تک آپ کی رسالت ہے وہاں تک آپ کا دائرہ اختیار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط یعنی ''ہم رسول کو اس لیے بھیجتے ہیں تا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔'' (نساء، ۶۴) تو جہاں تک کسی رسول کی رسالت ہے وہاں تک اس کا دائرۂ اختیار ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''میرے دو وزیر زمین میں ہیں دو آسمان میں۔ زمین میں ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں اور آسمان میں جبرائیل و میکائیل علیہما السلام ہیں۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب ۱۶)

اور کسی حاکم کے وزیر وہاں ہوتے ہیں جہاں اس کی حکومت ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت زمین و آسمان میں ہے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ بچپن میں گہوارے میں ہوتے تھے تو چاند آپ کے اشارے پر چلتا تھا: فَحَيْثُ اَشَرْتَ اِلَيْهِ مَالَ تو جدھر آپ اسے اشارہ کرتے وہ ادھر جھک جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ میرا جی بہلاتا تھا۔

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت بروایۃ دلائل النبوۃ للبیہقی و الخطیب فی تاریخہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزۂ ردِ شمس

پھر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ خیبر کے علاقہ صہبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر حضرت علی

رضی اللہ عنہ کو بلایا اوران کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ انہوں نے ابھی نماز عصر نہیں پڑھی تھی، نماز کا وقت جاتا رہا مگر انہوں نے حرکت نہ کی تا کہ آپ کی نیند میں فرق نہ آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج ڈوب گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ ان عبدَكَ عليًّا احتبس بنفسه على نبيّه فرُدَّ عليه الشمسَ ''اے اللہ! تیرے بندے علی نے اپنے نبی کے لئے خود کو (نماز سے) روکا تو اے اللہ! اس پر سورج کو لوٹا دے۔ تو سورج واپس لوٹ آیا حتیٰ کہ اس کی دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پڑنے لگی (پہاڑوں کے سائے نکل آئے) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے، وضوء کیا اور نماز پڑھی، پھر سورج غروب ہوا۔'' (طبرانی کبیر جلد ۲۴ صفحہ ۱۴۵ حدیث ۳۸۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حدیث ردشمس کی صحت

علامہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں، مگر وہ اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والی عورت ام جعفر کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ حالانکہ امام عبیداللہ بن عبداللہ مسکانی اور امام ابوالحسن شاذان فضلی رحمۃ اللہ علیہما نے ام جعفر کے حالات بھی لکھے ہیں اور اس حدیث کے صحیح ثابت کرنے پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ (حاشیہ طبرانی جلد ۲۴ صفحہ ۱۴۵)

امام حافظ ابن کثیر نے بھی کتاب الشمائل میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام طحاوی فرماتے ہیں حدیث کے کسی طالب علم کو یہ حدیث یاد کرنے میں غفلت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ عظیم دلائل نبوت میں سے ہے۔

(مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۲۸ مقصد رابع مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنت کے خوشے کو پکڑ لینا

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کے موقع پر طویل نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دوران نماز آپ نے آگے بڑھ کر ہاتھ لمبا کیا تھا تا کہ کچھ پکڑیں پھر آپ پیچھے آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت دیکھی، اس کا ایک خوشۂ انگور لٹک رہا تھا میں نے اسے پکڑ لیا۔ اگر میں اسے لے آتا تو تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے (اور وہ ختم نہ ہوتا)

(صحیح بخاری کتاب الکسوف باب ۹، مسلم کتاب الکسوف حدیث ۱۷، نسائی کتاب الکسوف باب ۱۷، موطاء امام مالک کتاب الکسوف باب ۲، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۹۸)

اب جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے قرآنِ مجید میں ہے: عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ (نجم، ۱۴) معلوم ہوا حضور سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی رسائی ساری کائنات میں ہے، ساتوں آسمانوں بلکہ سدرۃ سے بھی اوپر تک ہے۔

مستند معجزات سے انکار کفار مکہ کی پیروی ہے

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ (آیت ۲) سے معلوم ہوا کفار مکہ نے معجزۂ شق القمر کے ماننے سے انکار کیا۔ اب اگر کوئی مسلمان بھی اس سے انکار کرے تو اس میں اور ان میں اس بارے میں کیا فرق ہے؟ کفار بھی اسی لیے معجزات سے انکار کرتے تھے کہ ان کی عقل میں یہ چیزیں نہ آتی تھیں اور اگر ایک مسلمان بھی اس لیے معجزات صحیحہ ثابتہ سے انکار کر دے کہ اسکی عقل میں نہیں مانتی تو اس کے اور کفار کے مابین کیا فرق ہے؟

ختم نبوت

معجزۂ شق القمر کو قرب قیامت کی نشانی قرار دیا گیا کیونکہ اس معجزہ کے حامل نبی حضور ﷺ اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "میں اور قیامت دونوں ایسے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔" (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۳۹، مسلم کتاب الجمعہ حدیث ۴۳)

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ

اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام (اپنے وقت پر) ٹھہرنے والا ہے [2] جبکہ ان کے پاس وہ خبریں

الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ

آ چکی ہیں جن میں کافی عبرت ہے، یہ انتہاء کو پہنچی حکمت ہے۔ تو (اب انکو) ڈرانے والے کیا فائدہ دیں گے؟ [3] لہٰذا آپ

عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ

وقف لازم

ان سے منہ پھیر لیں۔ وہ دن یاد کرو جب پکارنے والا انجانی چیز کی طرف پکارے گا (تب) ان (کفار) کی آنکھیں جھکی ہوں گی،

مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ

وہ اپنی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے منتشر ٹڈیاں ہوں۔ پکارنے والے کی طرف لپکیں گے، (تب) کفر

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

کرنے والے کہیں گے یہ بڑا مشکل دن ہے [4]

[2] کفار مکہ نے معجزۂ شق القمر دیکھ کر بھی منہ پھیرا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلے، پھر بھی ان پر خدائی پکڑ نہ آئی اس لئے کہ ہر کام اپنے وقت پر ٹھہرنے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ جب کہا گیا قیامت قریب آ گئی، تو سوال ہوا وہ کب آئے گی؟

تو جواب آیا کہ ہر کام اپنے وقت پر ٹھہرنے والا ہے۔

[3] کفار کے پاس پہلی نافرمان امتوں کی ہلاکت کی خبریں اس قدر آ چکی ہیں کہ ان میں کافی سامان عبرت ہے، اگر اس کے باوجود کفار ایمان نہیں لاتے تو سمجھ لو کہ اس میں انتہاء درجہ کی حکمت ہے ایسے میں کسی ڈرانے والے کا ڈرانا کیا فائدہ دے گا؟ وہ حکمت یہ ہے کہ اگر رات نہ ہو تو دن کی افادیت کیسے ظاہر ہو، بدبو نہ ہو تو خوشبو کی اہمیت کیسے اجاگر ہو، بد صورتی نہ تو خوبصورتی کا پتہ کیسے چلے اور کفر نہ ہو ایمان کی قدر کیسے معلوم ہو۔

[4] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! اگر کفار آپ کی دعوت پر کان نہیں رکھتے تو آپ ان سے منہ پھیر لیں یعنی ان کے ایمان نہ لانے کے سبب پریشان نہ ہوں۔آج یہ آپ کی پکار تو نہیں سنتے مگر قیامت کے منادی کی پکار خوب سنیں گے۔ اس دن پکارنے والا فرشتہ (بیت المقدس کے ٹیلے پر کھڑے ہو کر) پکارے گا اے بوسیدہ ہڈیو! اپنے رب کے حکم پر نکل آؤ، یہ انجانا اور اچانک حکم ہوگا، تب سارے مردے قبروں سے نکل آئیں گے۔اس وقت کفار کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوں گی، کیونکہ مومنوں کو ان کی قبروں سے بڑی تعظیم کے ساتھ عمدہ سواریوں پر میدان حشر کی طرف لایا جائے گا اور کفار کو فرشتے مارتے ہوئے لے چلیں گے۔اس دن کفار پکارنے والے کی پکار پر یوں لپکتے آئیں گے جیسے ٹڈیاں بھاگتی آتی ہیں تب وہ کہیں گے آج کا دن بہت سخت ہے۔

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ فَكَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا وَقَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ وَّازۡدُجِرَ ۝۹

ان سے قبل قوم نوح نے جھٹلایا۔ انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا کہ وہ مجنون ہے، اور اسے جھڑکا جاتا رہا، تب

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ۝۱۰ فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ ۝۱۱

نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! میں مغلوب ہوں، میرا بدلہ تو لے، تو ہم نے موسلا دھار پانی کے لئے آسمان کے

وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا فَالۡتَقَی الۡمَآءُ عَلٰۤی اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ۝۱۲ وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰی ذَاتِ

دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ تو (زمین و آسمان کا) پانی باہم مل گیا، اس حکم پر جو طے شدہ تھا[5] اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو

اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝۱۳ تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ۝۱۴ وَلَقَدۡ تَّرَكۡنٰهَاۤ

تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کیا جو ہماری حفاظت سے چلتی تھی۔ یہ اس (نبی) کے لئے جزا تھی جس سے انکار کیا گیا۔ بلاشبہ ہم نے

اٰیَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵ فَكَیۡفَ كَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ۝۱۶ وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا

اس کشتی کو نشان عبرت بنا کر باقی رکھا تو کیا کوئی عبرت لینے والا ہے؟ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا[6] اور ہم نے قرآن کو

الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝۱۷

یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟[7]

[5] چند آیات پیچھے گزرا کہ کفار کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں جن میں کافی عبرت ہے (آیت، ۴) اب ان خبروں کی کچھ تفصیل لائی جا رہی ہے۔ تو فرمایا کہ قوم نوح نے ہمارے بندے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ مجنون ہے اسے ہم بہت جھڑکتے ہیں کہ اس تبلیغ سے باز آجاؤ، مگر یہ باز ہی نہیں آتا، یقیناً یہ مجنون ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ کرنے کے بعد کہا اے میرے رب! میں مغلوب ہو گیا ہوں، میری طرف سے تو ہی ان سے بدلہ لے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے پھر ہم نے آسمان سے موسلا دھار بارش کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشموں کے دھارے اُبل پڑے حتیٰ کہ زمین و آسمان کا پانی باہم مل گیا۔ مروی ہے کہ زمین پہ چڑھنے والا پانی پہاڑوں سے بلند تر ہو گیا حتیٰ کہ بادل اس پر تیرنے لگے، یوں آسمان و زمین کا پانی باہم مل گیا۔ اسی لئے قرآن میں ہے: وَاسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِیِّ کہ "کشتی نوح (علیہ السلام) طوفان تھمنے کے بعد جودی پہاڑ پر آکر اُتری۔" (ہود، ۴۴) یعنی وہ پہاڑوں سے بھی بلند تیر رہی تھی۔

[6] ہم نے نوح علیہ السلام کو "تختوں اور میخوں والی" پہ اٹھایا، یہ اس لئے فرمایا گیا کہ اس سے قبل کشتی کا تصور نہ تھا۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے تختوں اور میخوں سے ایک چیز بنائی۔ جب ہر طرف سے پانی آیا حضرت نوح علیہ السلام اپنے مومن ساتھیوں سمیت اس میں سوار ہو گئے اور وہ پانی پر تیرنے لگی تو یہ پہلی کشتی ٹھہری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ ہماری حفاظت سے پانی پر چلنے لگی، یہ نوح علیہ السلام کے صبر کا صلہ تھا۔ یعنی اگر حفاظت الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو ایسے طوفان میں وہ کشتی پانی کی لہروں سے بچ نہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے اس کشتی کو بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان بنا کر قائم رکھا تو کیا کوئی اس سے عبرت لینے والا ہے؟

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو (عراق کے) قصبہ باقروی میں عرصہ تک محفوظ رکھا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے بھی اسے دیکھا۔ (بغوی جلد ۶ صفحہ ۲۷۵) کشتی نوح کے بارے میں مزید تفصیلات ہم سورہ ہود آیت 44 کے تحت لکھ آئے ہیں وہاں دیکھیں۔

[7] قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا گیا ہے، حتیٰ کہ دس بارہ برس کے بچے دو تین برسوں میں پورا قرآن یاد کر لیتے ہیں۔ تو ہے کوئی جو قرآن سے نصیحت پکڑے یعنی اس کی اس اعجازی شان کو دیکھ کر اس پر ایمان لائے۔ اس میں حفظ قرآن کریم کی ترغیب ہے اور اسی میں قرآن کی حفاظت ہے۔ چونکہ قرآن آسانی سے یاد ہو جاتا ہے اس لئے اس کے لاکھوں کروڑوں حفاظ موجود ہیں، جن کی موجودگی میں کوئی طاقت قرآن میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔ اس لئے آج تک قرآن کی زبر، زیر، پیش میں ردوبدل نہیں ہوسکا اور چودہ صدیاں قبل جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا، آج تک اسی طرح پڑھا جا رہا ہے۔ جبکہ دوسری آسمانی کتابوں میں تبدیلیاں کر دی گئی، کیونکہ ان کا یاد کرنا قرآن کی طرح آسان نہ تھا۔ اس موضوع پہ مزید کلام دیکھنے کے لیے سورہ حجر آیت 9 اور اس کی تفسیر پڑھیں۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

قوم عاد نے جھٹلایا تو دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر مسلسل نحوست والے

صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ

دن طوفانی ہوا بھیجی جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر(یوں) مارتی تھی گویا وہ کھجوروں کے اکھڑے ہوئے

مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ

تنے ہوں [8] تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع

تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟

[8] قوم عاد پر طوفانی ہوا عذاب بن کر آئی اور کافروں کو اٹھا اٹھا کر سر کے بل زمین پر یوں مارنے لگی جیسے وہ انسان نہیں، کھجور کے خشک تنے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تو دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ یہاں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کے پڑھنے والوں کے لئے اس کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے تو آج تک تورات، زبور اور انجیل کے حافظ تو تیار نہ ہو سکے مگر قرآن کے حافظ کثیر تعداد میں اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو (انبیاء کو) جھٹلایا۔ وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی اتباع کریں؟ تب تو ہم

ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾

کھلی گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہوں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر ذکر اتارا گیا ہے؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا متکبر ہے۔ (تو ہم نے کہا

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

کہ اے صالح (علیہ السلام) عنقریب وہ جان لیں گے کہ کون جھوٹا متکبر ہے [9] ہم ان کی آزمائش کے لئے

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ

ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں۔ آپ ان کا انتظار کریں اور صبر رکھیں اور انہیں بتا دیں کہ (بستی کا) پانی ان کے درمیان تقسیم شدہ ہے،

مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

ہر پینے کی باری پر حاضری دی جائے گی [10] تو انہوں نے اپنے سردار کو پکارا، اس نے اونٹنی پر وار کیا پھر اس کے پاؤں کاٹ دیئے۔

وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾

تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر خوفناک چیخ بھیجی، تو وہ باڑے کا بھوسہ بن کر رہ گئے اور ہم نے قرآن کو

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

یادگیری کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟ [11]

قوم ثمود اور قوم لوط کی ہلاکت کا بیان

[9] قوم عاد کے بعد جزیرۂ عرب کے شمال میں حدودِ شام میں قوم ثمود آباد ہوئی۔ ان کے پاس حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے۔ انہوں نے کہا ہم کسی نبی کو نہیں مانتے، تو انہوں نے سب انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کر دی۔ حالانکہ بظاہر انہوں نے ایک نبی کی تکذیب کی تھی یا یہ معنی ہے کہ ایک نبی کی تکذیب کا گناہ سب انبیاء کی تکذیب کے برابر ہے۔ وہ کہنے لگے اگر ہم اپنے میں سے ایک بشر کی اتباع کریں تو ہم گمراہ اور دیوانے ہوئے اور اس شخص میں کیا خوبی ہے کہ ہم

سب کو چھوڑ کر اس پر وحی اُتاری گئی ہے؟ نہیں، یہ کذاب اور متکبر ہے یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے بڑا بننا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے صالح علیہ السلام! عنقریب انہیں علم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا متکبر ہے آپ یا وہ خود، یعنی وہ خود جھوٹے متکبر ہیں کہ حق کے آگے سر نہیں جھکاتے اور سچے نبی کو جھوٹا بتاتے ہیں۔ معلوم ہوا نبی کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ کفار مکہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہی کہا: هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ یہ تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے۔ (انبیاء، ۳) مؤمنین کا حق یہ ہے کہ انبیاء کو عظمت والے ناموں سے یاد کریں۔

[10] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے صالح علیہ السلام! ہم اس قوم کو ایک اونٹنی پہاڑ سے پیدا کر کے دیں گے تو آپ دیکھیں کہ وہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں اور آپ صبر رکھیں اور انہیں بتا دیں کہ بستی کا پانی ایک دن اکیلی اونٹنی پیا کرے گی اور ایک دن ساری قوم، ہر کوئی اپنی باری پر حاضر ہو۔ دراصل وہ اونٹنی بہت بڑی تھی روایات کے مطابق وہ چالیس ہاتھ لمبی تھی وہ ایک دن چشمہ کا سارا پانی پیتی اور جتنا پانی پیتی، اتنا دودھ دیتی جو ساری قوم کے لئے کافی ہو جاتا اور دوسرے دن باقی قوم پانی پیتی۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا: لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ''ایک دن اونٹنی کے لئے پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن کا پینا تمہارے لئے۔'' (شعراء، ۱۵۵) كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ کا یہ معنی بھی ہے کہ ایک دن چشمے کا پانی پیو اور ایک دن اونٹنی کا دودھ پیو یعنی ہر پینے پر حاضر ہو جاؤ۔

[11] قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت سے انکار بھی کرتی رہی اور آپ کی اونٹنی سے بہنے والی دودھ کی نہر سے بھی سیراب ہوتی رہی۔ مگر یہ سلسلہ نہ جانے کب تک چلتا؟ آخر ایک دن ان پر بدبختی غالب آ گئی انہوں نے اپنے سردار قیدار بن سالف کو پکارا کہ آؤ اونٹنی کا خاتمہ کریں۔ اس بدبخت شخص نے تلوار کے وار کر کے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے، یوں اونٹنی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ تب ان پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی، فرشتۂ جبرائیل علیہ السلام نے ان پر ایک چیخ ماری، جس کی دہشت سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ اُوندھے منہ گر کر مر گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ باڑے کا بھوسہ بن کر رہ گئے، باڑے میں جانوروں کو رکھا جاتا ہے، وہاں ان کے پاؤں تلے ان کا جو چارہ کچلا جاتا ہے قوم ثمود کے مردہ لاشوں کی حالت اس چارے جیسی ہو گئی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ
قوم لوط نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ ہم نے ان پر پتھر برسائے، سوا لوط (علیہ السلام) کے گھرانے کے، انہیں ہم نے
نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ
سحر کے وقت بچا لیا۔ یہ ہماری طرف سے نعمت تھی۔ ہم ہر شکر کرنے والے کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ لوط (علیہ السلام)
اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ
نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا، تو وہ ڈرانے والوں میں شک کرنے لگے [12] انہوں نے لوط (علیہ السلام) سے
اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ
ان کے مہمان لینا چاہے تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں کہ میرا عذاب اور ڈرانا چکھو۔ انہیں صبح کے وقت دائمی
مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ ج فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
عذاب نے آ لیا۔ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو اور ہم نے قرآن کو یادگیری کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا
مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع
کوئی نصیحت لینے والا ہے؟۔[13]

ع ٢ ١٨ ٩

[12] حضرت لوط علیہ السلام بستی سدوم میں جو حدودِ اردن میں تھی، بھیجے گئے۔ اس قوم کے مرد مردوں سے ہم جنسی کرتے تھے، آپ نے انہیں اس بُرے عمل کے انجام بد سے ڈرایا، انہوں نے کہا جاؤ کام کرو ہم کسی نبی کو نہیں مانتے۔ آخر ان پر عذاب آیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ہی آپ پر ایمان لائی تھیں، آپ انہیں لے کر بحکم ربی رات پڑتے ہی بستی سے نکل گئے اور اپنے سگے چچا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں فلسطین جا پہنچے، پیچھے سحر کے وقت اہل سدوم پر عذاب آیا اور ساری بستی اُلٹ دی گئی۔

[13] قوم لوط پر عذاب اس طرح آیا کہ حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام خوبصورت نوجوان لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، آپ نے انہیں اجنبی مہمان سمجھ کر گھر میں پناہ دی تا کہ وہ بد کردار قوم کی نظر سے محفوظ رہیں۔ قوم کو کسی طرح پتہ چل گیا وہ دوڑے آئے اور دیوار پھلانگ کر حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں داخل ہو گئے اور کہا ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سب قوم اندھی ہو گئی، اب وہ دوڑے مگر

راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ تب صبح کے وقت ان پر دائمی عذاب آ گیا یعنی وہ دنیا کے عذاب سے جہنم کے مستقل عذاب کی طرف منتقل ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مجرمو! میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔ یعنی دیکھو کہ میرے ڈرانے پر کان نہ رکھنے کی سزا کیا ہے؟

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ

اور فرعون کے پیروکاروں کے پاس ڈرانے والے (انبیاء) آئے، انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، تو ہم نے انہیں غالب قدرت والے (رب) کی

مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ

پکڑ کی طرح پکڑا [14] (اے کافرو) کیا تمہارے منکرین (قوت میں) ان سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی چھوٹ لکھی ہوئی

يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾

ہے؟ کیا وہ (اپنے بارے میں) کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والے لوگ ہیں؟ عنقریب ان کی جماعت شکست خوردہ ہوگی اور وہ پیٹھ دے کر بھاگیں گے [15]

قومِ فرعون کی تباہی کا بیان اور اسلام دشمنوں کو تنبیہ

[14] فرعون کی آل یعنی اس کے پیروکاروں کے پاس عذاب سے ڈرانے والے دو نبی موسیٰ و ہارون علیہما السلام آئے۔ کبھی تثنیہ کو بصورت جمع ذکر کر دیا جاتا ہے کیونکہ دو بھی بمنزل جماعت ہیں۔ حدیث بھی ہے کہ دو یا اس سے زیادہ جماعت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب ۳۵)

اس لئے یہاں النُّذُر جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے آل فرعون نے ہماری سب نشانیوں (یعنی جادوگروں کا سجدے میں گر کر ایمان لے آنا، عصا کا سانپ بننا، دست موسیٰ علیہ السلام کا مثل آفتاب چمکنا پھر خون، مکڑیوں، جوئیوں اور مینڈکوں کے عذابات) کو دیکھ کر بھی تکذیب کا راستہ اپنایا تو ہم نے انہیں غالب قدرت والے رب کی شان کے ساتھ پکڑا اور سمندر میں ڈبو دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بچپن میں پانی میں بہتے ہوئے فرعون کے پاس پہنچے تھے اگر وہ ان کی قدر کرتا تو جنت پالیتا، مگر اس نے اس نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پانی میں ڈبو کر مارا۔

یہاں وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے متبعین کو بھی اس کی آل کہا جاتا ہے۔ لہٰذا مومنین صالحین بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہیں اور درود شریف میں حصہ پاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مبارکہ ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كلُّ تقيٍ فهو آلي۔ ہر متقی شخص میری آل ہے۔ (سنن بیہقی)

[15] اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو خصوصاً اور تا قیامت دشمنان اسلام کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ہم نے گزشتہ دین

دشمن قوموں کو تباہ کیا تو کیا تمہارے کفار ان لوگوں سے بہتر ہیں؟ اور کیا تمہارے لئے اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں کوئی چھوٹ لکھی ہوئی ہے؟ نہیں اللہ کا قانون سب کے لئے برابر ہے۔

فتح بدر کے بارے میں قرآن کی پیش گوئی کا پورا ہونا

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار مکہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بدلہ لینے والی جماعت ہیں یعنی ہر کسی کو دبا سکتے ہیں تو وہ سن لیں کہ ان کی جماعت عنقریب شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی اور یہ قرآنی پیش گوئی چند ہی برس کے بعد بدر میں پوری ہوگئی، اور اللہ کا وعدہ سچ ثابت ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں اپنے قبہ (عریشہ) میں دعا کی اور عرض کیا: اے اللہ! میں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر مومنین ہلاک ہو گئے تو قیامت تک تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے بہت فریاد کر لی ہے، اتنے ہی میں اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبہ سے باہر تشریف لائے اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ القمر باب ۵ حدیث ۴۸۷۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الخ تو میں نے کہا کون سی جماعت عنقریب شکست کھائے گی، پھر جب غزوۂ بدر ہوا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زرہ پہنے دیکھا اور آپ فرما رہے ہیں: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ تب مجھے اس آیت کی تاویل معلوم ہوئی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۲۱ حدیث ۱۸۷۱۳)

اس سے قرآن کی صداقت معلوم ہوئی کہ قرآن نے جو پیش گوئی کی وہ چند برسوں میں پوری ہو کر رہی، معلوم ہوا یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ سچا کلام ہے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ

بلکہ قیامت ان کا مقرر وقت ہے اور قیامت بہت خوفناک اور کڑوی ہے۔ بے شک مجرمین گمراہی اور

ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ط ذُوْقُوْا مَسَّ

دیوانگی میں ہیں۔ جس دن وہ آگ میں چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے کہ نار جہنم کی

سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ

لپک چکھو [16] ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے [17] اور ہمارا معاملہ تو آنکھ جھپکنے کی طرح

بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَىْءٍ

یکدم ہوتا ہے۔ ہم نے تمہارے جیسے کئی لوگ ہلاک کئے ہیں تو کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟ [18] اور وہ جو بھی

فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ

عمل کرتے ہیں وہ کتابوں میں تحریر ہے اور ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا جا رہا ہے [19] بے شک پرہیزگار لوگ باغات

وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ لا فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع

اور نہروں میں سچائی کے مقام پر قدرت والے بادشاہ کے حضور حاضر ہوں گے [20]

وقف لازم

ع ۳ (۱۵) ۱۰

[16] یعنی کفار کے عذاب کا مقرر وقت قیامت ہے وہ ان کے دنیوی عذاب سے خوفناک اور کڑوا تر ہے، اس لئے کفار گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں یعنی بڑی غلط فہمی میں پڑے ہیں۔ وہ اس دن کو یاد کریں جب انہیں نار جہنم میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ نار جہنم کا عذاب چکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہنم کے ذلت آمیز عذابات کفار سے خاص ہوں گے جیسے جہنم میں منہ کے بل گھسیٹا جانا۔ کیونکہ پیچھے کہا گیا: كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا۔ اور اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ الخ۔ لہٰذا جو مومنین شامت اعمال سے جہنم میں جائیں گے، وہ کسی ذلت آمیز عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے بلکہ ان کا عذاب پردہ داری میں ہوگا۔

[17] یعنی ہم نے ہر چیز کے بارے میں قدر (تقدیر) رکھی ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر چیز کب معرض وجود میں آئے گی، کس حالت میں رہے گی اور کب فنا ہوگی، خواہ وہ جن وانس ہوں یا حیوانات ونباتات وجمادات اور اسے ہم نے لکھ دیا ہے تو اسی کے مطابق وہ چیز پیدا اور فنا ہوتی ہے، لہٰذا تقدیر پر ایمان لازم ہے۔ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچے میں روح پھونکتا ہے، تو چار باتیں لکھ دیتا ہے۔ اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور یہ کہ وہ نیک بخت ہے یا بدبخت۔''

(صحیح بخاری کتاب التوحید باب ۲۸، مسلم کتاب القدر حدیث ۱، ترمذی کتاب القدر باب ۴، ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۰)

[18] یعنی ہمارا حکم پلک جھپکنے میں نافذ ہو جاتا ہے جیسے انسان کو پلک جھپکنے میں کوئی دیر یا مشکل نہیں آتی اللہ کو بھی اپنے کسی حکم کے نفاذ میں کوئی دیر یا مشکل نہیں آتی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے دین اسلام کے دشمنو! ہم نے تمہارے جیسی کئی منکر قومیں پلک جھپکنے میں تباہ کر دیں، لہٰذا تم کسی دھوکہ میں نہ رہو بلکہ اس سے عبرت پکڑو۔

[19] انسان ہر چھوٹا بڑا جو عمل کرتا ہے وہ تحریر کیا جا رہا ہے تو روز قیامت اس کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔ اسی لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے اے عائشہ! معمولی گناہوں سے بھی دور بھاگو کہ ان کے لئے بھی اللہ کی طرف سے ایک مطالبہ کرنے والا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۲۹)

[20] مجرمین کا عذاب بتانے کے بعد متقین کا ثواب بتایا جا رہا ہے۔ یاد رہے تقویٰ کا ادنیٰ درجہ ایمان ہے، پھر عمل بالارکان، پھر احسان تو متقین اللہ رب العزت کے ہاں سچائی کے مقام میں ہوں گے یعنی اللہ ان پر ہر وعدہ سچا کر دکھائے گا، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے سچے کر دکھائے۔

الحمد للہ آج 28 رمضان المبارک 1429ھ بمطابق 28 ستمبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز تراویح سورہ قمر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الرحمٰن

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 55ویں سورت ہے اور نزول کی ترتیب میں یہ 96ویں سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عکرمہ اور حسن کی روایات کے مطابق یہ مدنی سورت ہے اسے مکی سورت بھی سمجھا گیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ چونکہ یہ اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ سے شروع ہوتی ہے تو پہلے لفظ کی مناسبت سے اسے سورۃ الرحمن کہا گیا۔ اس میں 3 رکوعات 78 آیات 351 کلمات اور 1636 حروف ہیں۔

فضیلت

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لکل شیئ عروس وعروس القرآن الرحمان۔ ''ہر چیز کی ایک خوبصورتی ہوتی ہے اور قرآن کی خوبصورتی سورہ الرحمن ہے۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۹۰ بروایت بیہقی فی شعب الایمان)

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

قارئ الحدید واذا وقعت الواقعة والرحمان یدعیٰ فی ملکوت السموات والارض ساکن الفردوس۔ ''جو شخص روزانہ سورہ حدید، سورۃ واقعہ اور سورہ رحمن پڑھے، اسے زمین و آسمان کی ملکوت میں ساکن الفردوس کہا جاتا ہے۔'' (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۹۰ بروایت بیہقی بسند ضعیف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ الرحمٰن کو نماز تہجد میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار رکعت تہجد اور تین وتر پڑھتے تھے جب آپ پہ بڑھاپا اثر کرنے لگا تو آپ ان میں سے دو رکعات میں بیٹھ جاتے تھے اور ان میں الرحمان اور الواقعہ پڑھتے تھے۔ (درمنثور بروایت حاکم فی التاریخ جلد ۷ صفحہ ۶۹۰)

مضامین

سورہ الرحمان کے پہلے رکوع میں عظمتِ قرآن کا بیان ہے اور اللہ جل وعلا کی نعمتوں کا ذکر ہے، جیسے خلق ارض وسما، وضع میزان، مختلف پھلوں کی تخلیق، تخلیق جن وانس اور سمندروں میں موجود اللہ کی بعض عظیم نعمتیں۔ دوسرے رکوع میں بھی اللہ تعالیٰ کی بعض عظیم نعمتوں کا ذکر کر کے انسان کو اطاعت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور آخری رکوع میں خوفِ خداوندی کی اہمیت کا ذکر ہے اور جنتی نعمتوں کا بیان ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ٧٨ ۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ٩٧ رکوعاتہا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

رحمان نے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) قرآن سکھایا[1] اس نے انسان کامل (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پیدا کیا، انہیں ہر چیز کا بیان سکھایا[2]

رحمٰن کی عظیم نعمتوں اور قدرتوں کا بیان

[1] اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اول تا آخر اپنی عظیم نعمتوں کا بیان فرمایا ہے اور سب سے پہلے تعلیم قرآن کی نعمت بیان فرمائی تو فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اب رحمان نے کس کو قرآن سکھایا؟ تو یہ سب پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سکھایا، آگے انہوں نے اپنی امت کو سکھایا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(1) اسم رحمٰن اللہ جل مجدہ الکریم ہی سے خاص ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم ذاتی کی جگہ الرحمٰن فرمایا ہے اور قرآن میں کئی جگہ لفظ اللہ کی جگہ رحمٰن فرمایا گیا جیسے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ (طٰہٰ،۵) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ (مریم،۸۸) اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ۔ (فرقان،۶۰) کیونکہ اسم رحمٰن بھی اللہ ہی سے خاص ہے غیر خدا کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے، اس سے وہ جاہل مسلمان عبرت پکڑیں جو خود کو مسٹر رحمان لکھتے ہیں۔

(2) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استاذ صرف اللہ تعالیٰ ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ سے صاف معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھانے والا صرف اللہ ہے جو لوگ جبرائیل علیہ السلام کو آپ کا استاذ کہتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، اگر جبرائیل علیہ السلام آپ کے استاذ ہوتے تو سدرۃ المنتہیٰ سے آگے آپ کا ساتھ دیتے، مگر وہ پیچھے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حظیرۃ القدس میں فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ کی صورت میں جو علوم عطا فرمائے۔ جبرائیل علیہ السلام کو ان کی مطلق خبر نہیں۔

(3) تعلیم قرآن سب سے افضل نعمت ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں بیسیوں نعمتیں بیان فرمائیں، مگر اپنی نعمتوں میں سے پہلی نعمت تعلیم قرآن بتائی۔ اسی لئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: خیرکم من تعلم القراٰن و علمہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کا علم سیکھے اور قرآن کی تعلیم دے۔

[2] خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ کی تین تفاسیر ذکر کی گئی ہیں۔ اول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انہیں ہر چیز کا نام سکھایا، جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو سب نام سکھائے۔'' (بقرہ، ۳۰)۔ دوم: حضرت سدی (تابعی) فرماتے ہیں، اللہ نے انسان کو پیدا کرنے اسے بیان کرنے یعنی بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ سوم: امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی علیہ الرحمہ متوفی 516ھ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ امام ابن کیسان نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے الانسان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا اور انہیں بیان سکھایا یعنی جو ہو چکا اور جو ہوگا سب کچھ بتادیا۔

(تفسیر معالم التنزیل جلد ۷ صفحہ ۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 671ھ فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن کیسان فرماتے ہیں الانسان سے یہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور بیان سے حلال وحرام، ہدایت وضلالت کا بیان اور کہا گیا ہے کہ جو ہو چکا اور جو ہوگا سب کا بیان مراد ہے۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عارف کامل قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور یہ بھی جائز ہے کہ الانسان سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوں، کہ اللہ نے آپ کو قرآن سکھایا جس میں ازل سے ابد تک جو ہو چکا اور جو ہوگا سب کا بیان ہے۔

(تفسیر مظہری جلد ۹ صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ کوئٹہ)

اور یہ تیسری تفسیر اپنے ماقبل اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ سے بہت مناسبت رکھتی ہے، اس لیے یہ زیادہ قوی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الانسان کا لقب کیوں عطا فرمایا گیا

یادرہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الانسان اس لئے فرمایا گیا کہ اس کے چار اسباب ہیں۔ اول: آپ لفظ انسان کا کامل ترین مصداق ہیں۔ عام انسانوں میں سے مومنین، مومنین میں سے اولیاء، اولیاء میں سے انبیاء اور انبیاء میں سے آپ سب سے افضل واکمل ہیں، گویا حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل ترین انسان ہیں۔

دوم: آپ وہ انسان ہیں جنہوں نے اپنے اخلاق عالیہ وصفات فاضلہ سے انسانیت کو درجۂ معراج پر پہنچادیا۔ آپ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ''میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اعلیٰ اخلاق کو ان کے کمال تک پہنچادوں۔'' (موطاء امام مالک کتاب حسن الخلق باب ۸، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)

سوم: آپ نے انسانیت کو نہ صرف اخلاقی اعتبار سے بلکہ جسمانی و ظاہری اعتبار سے بھی ساری مخلوق سے بلند تر کر دیا کہ شب معراج اللہ کے پیدا کردہ تمام عالمین نیچے رہ گئے اور آپ کی صورت میں ایک انسان سب سے بلند تر ہو گیا۔ چہارم: آپ اصل انسانیت ہیں۔ ظاہراً آپ آدم علیہ السلام کی فرع ہیں مگر حقیقتاً وہ آپ کی فرع ہیں کیونکہ آپ ہی کے نور سے سارا عالم بنا ہے۔ حدیث مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! اللہ نے سب سے اول اپنے نور سے تیرے نبی کا نور بنایا پھر اس نور سے سارا جہان بنایا۔ او کما قال رسول اللہ ﷺ (مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان باب فی تخلیق نور محمد ﷺ حدیث ۱۸) تو ان اعتبارات سے آپ کو الانسان فرمایا گیا۔

اس جگہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ کی تفسیر بیان ما کان و ما یکون سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کو ساری کائنات کا علم سکھایا ہے اور کیوں نہ ہو آپ کو رحمن نے قرآن سکھایا اور قرآن میں ہر چیز کا علم ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ''اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا جو ہر چیز کا واضح بیان ہے۔'' (نحل، ۸۹)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ
سورج اور چاند ایک حساب پر ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ ریز ہیں [3] اللہ نے
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ
آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھا کہ ناپ تول میں سرکشی نہ کرو اور انصاف سے
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا
وزن قائم کرو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو [4] اور اس نے لوگوں کے لئے زمین بچھائی جس میں
فَاكِهَةٌ ۝ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝
پھل ہیں اور غلاف دار درخت خرما اور خوشہ دار دانے اور خوشبودار پھول ہیں [5]
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
تو (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے [6]

[3] یعنی شمس و قمر ایک حساب پر چل رہے ہیں اور وہ ایسا مضبوط حساب ہے کہ ہزار ہا برس گزر جانے کے باوجود آج تک اس میں ایک لمحے کا فرق نہیں آیا۔ حتیٰ کہ اس حساب کو دیکھ کر شمسی و قمری کیلنڈر بنا لئے گئے ہیں، جن کے مطابق

اوقات نماز اور تواریخ کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس میں یہ درس ہے کہ عبادت کا مستحق، اللہ ہے جس نے شمس وقمر کو ایک حساب میں جکڑا اور باندھا ہوا ہے، تو اللہ کو چھوڑ کر شمس وقمر کی پرستش کرنا حماقت ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ علم فلکیات سے استفادہ کرنا چاہیے تا کہ شمس وقمر کو جس حساب پر اللہ نے چلایا ہے، اسے سمجھ کر رؤیت ہلال کے بارے میں جھوٹی گواہیوں کا سدباب کیا جا سکے، جن کی وجہ سے امت مسلمہ میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور ان کے روزوں، قربانیوں اور حج جیسی اہم عبادت میں شکوک وشبہات داخل ہو رہے ہیں۔ اگر رؤیت ہلال کے بارے میں فیصلہ کرنے والوں کو شمس وقمر کے فلکی حساب کا علم ہو کہ قمر شمس سے کتنے فاصلہ پر ہو تو وہ قابل رؤیت ہوتا ہے تو وہ رؤیت ہلال کے بارے میں جھوٹی گواہیوں سے بچ سکتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی ستاروں کا بلند ہونا انکا قیام ہے اور نیچے آنا ان کا سجود ہے یونہی درختوں کے سائے دائیں بائیں گر کر سجدہ ریزی کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے: يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ ''چیزوں کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔'' (نحل، ۴۸) جب ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے تو اشرف المخلوقات انسان کا اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سجدہ کرنا افسوسناک ہے۔

[4] اللہ نے آسمان بنایا یعنی کائنات تخلیق کی پھر اس نے اس کائنات کی سب سے بہتر مخلوق انسان کو ترازو دیا یعنی اسے عدل ومساوات کا حکم دیا جیسے اس نے فرمایا: كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ''انصاف قائم کرنے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ۔'' (نسآء، ۱۳۵) تو اللہ نے حکم فرمایا کہ ناپ تول میں کمی مت کرو اور پورا تول کر دیا کرو۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ ''ناپ پورا کرو، اور کمی کرنے والے نہ بنو، اور سیدھے ترازو کے ساتھ وزن کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔'' (شعرآء، ۱۸۱) ایک اور جگہ ارشاد ہوا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں سے پورا ناپ کر لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کمی کرتے ہیں۔'' (مطففین، ۱)

[5] آسمان کے بعد زمین کی بات کی گئی کہ اسے اللہ نے انسانوں کے لئے بچھایا اس میں پھل خصوصاً کھجور کو اُگایا جو غلاف دار گچھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ نے خوشوں میں پیدا ہونے والے دانے اُگائے جیسے گندم چاول مٹر وغیرہ اور خوشبودار پھول مہکائے جیسے گلاب، چنبیلی، موتیا وغیرہ۔ یہ اس کی قدرتیں ہیں کہ کسی پھول میں کوئی خوشبو ہے کسی میں کوئی۔ آخر یہ خوشبوؤں کا اختلاف اللہ کے سوا کون بنانے والا ہے اور پھولوں کو مختلف رنگتیں اور صورتیں اللہ کے سوا کون دیتا ہے؟ پھر تو وہی مستحق عبادت ہے جس نے ان سب کی تخلیق کی ہے۔

[6] نعمت کو جھٹلانا کئی طرح ہے مثلاً یہ کہنا کہ یہ نعمت میں نے خود حاصل کی ہے اس میں اللہ کا کیا دخل ہے۔ یا نعمت پا کر اکڑنا اور متکبر بننا یا نعمت دینے والے خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے جھوٹے خدا کی عبادت کرنا وغیرہ۔ گویا فرمایا گیا کہ اے جنو اور انسانو! اللہ کی نعمتیں کھا کر اس کا شکر اور اس کی اطاعت وعبادت بجالاؤ۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ 31 مرتبہ کیوں آیا؟

یاد رہے سورۃ الرحمن میں 31 مرتبہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ آیا ہے۔ اس کا سبب یہ بیان فرمایا گیا ہے پہلے ان کلمات کو ان آٹھ آیات کے ساتھ دہرایا گیا ہے جن میں تخلیق ارض وسما اور مبدأ ومعاد کے حوالے سے آٹھ عظیم نعمتیں بیان کی گئی ہیں اور ہر نعمت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ پھر جہنم کے بارے میں سات آیات کے ساتھ اسے دہرایا گیا ہے کیونکہ جہنم کے سات دروازے ہیں۔ قرآن میں ہے لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ط ''جہنم کے سات دروازے ہیں۔'' (حجر، ۴۴) تو جو شخص ان سات دروازوں سے بچ گیا اسے سات نعمتیں مل گئیں، اس لئے ان میں سے ہر ایک کیساتھ فرمایا گیا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر آٹھ آیات میں جنت کی عظیم نعمتیں گنوائی گئیں اور ہر ایک کے ساتھ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فرمایا گیا۔ کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ہر دروازہ ایک نعمت ہے تو فرمایا گیا کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر دوسری دو جنتوں کا ذکر ہے اور ان کی نعمتوں کو بھی آٹھ آیات میں بیان کیا ہے اور ہر ایک کے ساتھ یہی الفاظ دہرائے گئے۔ یوں اکتیس نعمتیں گنوائیں گئیں اور سب کے ساتھ یہی الفاظ لائے گئے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ

اس نے انسان کو ٹھیکریوں کی طرح کھڑکھڑاتی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کی

مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ

لپک سے بنایا، تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے [7] وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا

الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾

رب ہے، تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے [8] اس نے دو سمندر چھوڑے جو اکٹھے بہتے ہیں، ان کے

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا

درمیان ایک آڑ ہے کہ (ایک دوسرے کی طرف) بڑھ نہیں سکتے۔ تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں سے

اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ

موتی اور مونگے نکلتے ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے [9] اور اللہ ہی کے لئے

الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

بلند کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح چلتی ہیں۔ تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے [10]

النصف ع

[7] انسان کھڑکھڑاتی مٹی سے بنایا گیا یعنی آدم علیہ السلام کا پتلا عرصہ تک دھوپ میں پڑا رہا، ہوا اس کے سوراخوں میں سے گزرتی تھی یوں یہ پتلا کھڑکھڑاتا اور آواز دیتا تھا اور جنات کو آگ کے لپکتے شعلوں سے پیدا کیا گیا۔ اب مٹی میں عجز ہے، اوپر رکھو تو نیچے گرتی ہے اور آگ میں کبر ہے کہ نیچے جلاؤ تو اوپر اٹھتی ہے۔ تو مٹی اللہ رب العزت کے جمال کی مظہر ہے اور آگ اللہ تعالیٰ کے جلال کی، تو انسان کو مظہر جمال خدا ہونے کی نعمت دی گئی اور جنات کو مظہر جلال خدا ہونے کی نعمت ملی۔ اس لئے دونوں سے کہا گیا کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

[8] زمین سال میں بحکم ربی دو بار اپنا رخ بدلتی ہے جس کی وجہ سے سورج کبھی جنوب مشرق میں طلوع ہوتا ہے کبھی شمال مشرق میں، یہ دو مشرق ہیں۔ اسی طرح سورج کبھی جنوب مغرب میں غروب ہوتا ہے کبھی شمال مغرب میں، یہ دو مغرب ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ موسم بدلتے رہیں، جو حصۂ زمین سورج کی جائے طلوع سے دور ہوتا ہے وہاں سردی بڑھ جاتی ہے اور جو قریب ہوتا ہے وہاں گرمی بڑھ جاتی ہے۔ اگر زمین کے کسی حصہ پر مسلسل گرمی یا مسلسل سردی

ہی رہے تو وہاں انسانی زندگی محال ہو جائے تو مشرق و مغرب میں سورج کا اپنی جائے طلوع و غروب کو بدلتے رہنا اللہ کی نعمت ہے جس سے انسان اور جنات دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے دونوں سے فرمایا گیا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یاد رہے کہ موسموں کی تبدیلی یا دیگر کئی نعمتوں سے جانور بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، مگر وہ کسی حکم خداوندی سے انحراف نہیں کرتے۔ انحراف صرف جن وانس کرتے ہیں اس لئے انہی کو بار بار جھنجھوڑا گیا ہے۔

[9] سمندروں میں کئی جگہ ایک طرف قابل نوش میٹھا پانی ہوتا ہے دوسری طرف نا قابل نوش کھاری، مگر وہ دونوں آپس میں خلط ملط (Mixed) نہیں ہوتے، بلکہ دونوں کے مابین ایک لکیر نظر آتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے جسے دیکھ کر یقین آتا ہے کہ کوئی عظیم ذات ہے جو انہیں باہم ملنے سے روکے ہوئے ہے۔ اس میں جنوں اور انسانوں کے لئے عظیم عبرت ہے۔ اور عبرت پکڑنا سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اے جن وانس! تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

دو سمندروں کا باہم ملنا اور آپس میں خلط نہ ہونا

دوسری جگہ قرآنِ مجید میں ہے: وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ ''اللہ وہ ہے جس نے دو سمندر چلائے، یہ میٹھا خوشگوار ہے اور یہ کھاری تلخ، اور دونوں کے درمیان اللہ نے ایک پردہ اور روکی ہوئی آڑ رکھ دی ہے۔'' (فرقان، ۵۳)

چنانچہ چاٹگام (پاکستان) سے لے کر ارکان (برما) تک سمندر میں یہ کیفیت موجود ہے کہ دو پانی الگ الگ بہہ رہے ہیں اور دونوں کے درمیان لکیر چلی گئی ہے۔ (علم جدید کا چیلنج صفحہ ۱۶۹)

حالانکہ سمندروں میں بڑے بڑے مدوجزر آتے ہیں، زمین کبھی گول شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی بیضوی شکل اپنا لیتی ہے، جس سے سمندروں میں ہل چل اور طغیانی پیدا ہوتی ہے، مگر میٹھے اور کھاری سمندر پھر بھی آپس میں نہیں ملتے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ میٹھے اور کھاری پانیوں کے باہمی ملاپ کی کیفیت ہر اس جگہ ہے، جہاں میٹھے پانی والے دریا سمندر کے کھاری پانی میں گرتے ہیں۔

آگے فرمایا گیا: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ دراصل جہاں دو سمندروں کے باہم ملنے کی یہ کیفیت ہے وہاں کثرت سے موتی جواہر پیدا ہوتے ہیں، یہ موتی ہیرے زیب و زینت کے کام بھی آتے ہیں اور ان سے ادویات بھی تیار ہوتی ہیں اور یہ سب چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اب یہ میٹھے اور کھاری سمندروں کا باہم ملنا اور آپس میں مکس نہ ہونا اور وہاں سے ہیروں اور جواہرات کا نکلنا اس میں جنوں اور انسانوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ تاکہ وہ اسے دیکھ کر اللہ پہ ایمان لائیں، اس لیے ساتھ میں فرمایا گیا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

[10] سمندر کی سطح پر پہاڑوں جیسے بلند بحری بیڑے ہزاروں ٹن وزن لے کر چلتے پھرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ پانی

پر پہاڑ تیر رہے ہیں، یہ بھی اللہ کی عظیم قدرت ہے جس سے جنوں اور انسانوں سب کو عبرت پکڑنی اور اللہ کی قدرت و وحدانیت پر ایمان لانا چاہیے۔ تاکہ وہ سعادت اُخروی سے بہرہ ور ہوں تو پھر وہ اللہ کی کس کس نعمت سے انکار کر سکتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

جو بھی زمین پر ہے فنا ہوجائے گا۔ اور تمہارے رب کی عزت و رحمت والی ذات ہی باقی رہے گی،

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ

توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[11] اللہ ہی سے مانگتا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ ہر گھڑی

يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ

کسی نئی شان میں ہوتا ہے توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[12] اے دو بڑی مخلوق عنقریب ہم

الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

تمہاری ہی طرف متوجہ ہوں گے، توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[13] اے گروہ جن و انس! اگر تم

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ

یہ کر سکو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل کر دکھاؤ پھر تم نہ نکل سکو گے

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾

مگر اسی کی بادشاہی میں توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[14]

دنیا کی بے ثباتی اور عذابات جہنم کا بیان

[11] یوں تو ایک روز تمام کائنات ارضی وسماوی نے فنا ہوجانا ہے، مگر زمین پہ آباد مخلوق کا نام خصوصاً اس لئے لیا گیا کہ یہاں جنوں اور انسانوں سے خطاب ہے اور وہ دونوں زمین پر آباد ہیں۔ گویا یہ فرمایا گیا کہ اے جنو اور انسانو! جب قیامت آئے گی توتم سب فنا ہوجاؤ گے بلکہ زمین پہ آباد کوئی مخلوق باقی نہ رہے گی، صرف عزت ورحمت والے اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ لہٰذا تم اللہ کو راضی کرلو اور اس کے احکام بجالاؤ تاکہ وہ تمہیں اگلے جہان میں نعمتوں سے نوازے۔ یہاں وَجْهُ رَبِّكَ کہہ کر اللہ کی ذات مراد لینا اسی طرح ہے جیسے اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ”تم جدھر رخ کرو، ادھر ہی

اللہ کی ذات ہے۔" (بقرہ، ۱۱۵)

میں وَجْهُ اللّٰهِ سے اللہ جل مجدہ الکریم کی ذات مراد ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) بے ثباتی دنیا:

یعنی جو شخص فنا ہونے والی دنیا میں کھو کر ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت سے غافل ہو جائے وہ بڑے خسارے میں ہے۔ حدیث میں ہے "دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔" (ترمذی کتاب الزہد باب ۱۶) تو قید خانے میں کوئی احمق ہی دل لگاتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کے نام ذوالجلال والاکرام کی فضیلت:

یہاں اللہ کو ذوالجلال والاکرام کہا گیا تاکہ ہم اسے اس نام سے پکاریں۔ اور حضرت ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یاذا الجلال والاکرام کی تکرار جاری رکھو۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۹۱)

مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یاذا الجلال والاکرام پڑھتے دیکھا تو فرمایا تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی، خوب مانگو۔ (مظہری جلد ۹ صفحہ ۱۵۰)

[12] آسمان و زمین کی ہر مخلوق اپنی ہر حاجت اللہ رب العزت ہی سے مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت نئی شان میں ہے، یعنی مانگنے والوں کی دعائیں قبول کرتے ہوئے وہ ہر گھڑی میں کسی مریض کو شفا دے رہا ہے، تو کسی فقیر کو غنا، کسی کو اس کی اطاعت کے سبب رحمت دے رہا ہے، تو کسی کو اس کی نافرمانی کے سبب زحمت، وہ کسی کو دنیا میں لا رہا ہے، تو کسی کو دنیا سے اٹھا رہا ہے تو اے جنو اور انسانو! تم اپنی ہر حاجت اللہ ہی سے مانگو۔ حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ یہود کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ہفتہ والے دن اللہ کچھ نہیں کرتا، فارغ بیٹھتا ہے۔ (بغوی جلد ۷ صفحہ ۵)

یاد رہے یہاں كُلَّ يَوْمٍ بمعنی كُلَّ وَقْتٍ ہے جیسے وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ یعنی "ہم لوگوں میں اوقات بدلتے رہتے ہیں۔" (آل عمران، ۱۴۰) میں ایام بمعنی اوقات ہے۔

اس جگہ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ سے معلوم ہوا کہ ہر نبی ولی اللہ ہی کا محتاج ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ انہیں روحانی قوت و تصرف عطا فرماتا ہے، جس کا اظہار وہ اسی کی مرضی سے کرتے ہیں اور اللہ ان کی دعا کو ہماری دعا سے کہیں زیادہ قبول فرماتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ہر حاجت اللہ ہی سے مانگیں، البتہ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پیش کریں۔ یا ان سے دعا کی درخواست کریں۔

[13] یعنی اے جنو اور انسانو! ہم روز قیامت صرف تمہارا ہی حساب و کتاب لینے والے ہیں، کسی اور مخلوق سے حساب نہیں لیں گے۔ انسانوں اور جنوں کو ثَقَلٰنِ کہا گیا یعنی دو عظیم مخلوقات جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت وزنی ہیں جیسے

حدیث مبارکہ میں ہے: انی تارکٌ فیکم الثقلین میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں (قرآن اور اہل بیت رسول ﷺ) یا جنوں اور انسانوں پر تکلیف شرعی کا بوجھ ڈال کر انہیں بوجھل کر دیا گیا ہے، اس لیے انہیں ثَقَلٰنِ کہا گیا تو جنوں اور انسانوں کو روز قیامت کے حساب و کتاب کی یہ پیشگی تنبیہ ان کے لئے عظیم نعمت ہے تا کہ وہ اپنی تیاری کر لیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

[14] یعنی اے جنو اور انسانو! روز قیامت جب ہم تم سے حساب لیں گے تو تمہیں کہیں گے کہ اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دکھاؤ اور بھاگ کر جہاں بھی جاؤ گے ہماری ہی حکومت ہوگی۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں روز قیامت ساتوں آسمان پھٹ جائیں گے اور ان کے فرشتوں کی سات صفیں زمین کے گرد لگ جائیں گی، پھر جہنم لائی جائے گی جسے دیکھ کر مجرمین بھاگیں گے، مگر ہر طرف فرشتوں کی سات صفیں نظر آئیں گی تو لوٹ آئیں گے اسی لئے فرمایا گیا: اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ یعنی "مومن آل فرعون نے کہا: اے میری قوم! مجھے تم پر پکار والے دن کا ڈر ہے جب تم اُلٹے پاؤں بھاگو گے۔" (غافر، ۳۲) اور فرمایا گیا: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ "اور تمہارا رب (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے صف بہ صف آ جائیں گے اور اس دن جہنم لائی جائے گی۔" (فجر، ۲۲)

اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اے جنو اور انسانو! اگر تم موت سے بچنے کے لئے زمین و آسمان سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دکھاؤ اور جہاں بھی بھاگو گے، اللہ کی سلطنت وہاں بھی ہے تو تمہیں وہاں بھی موت آ لے گی۔ جب تم ہر وقت قدرت خداوندی کے گھیرے میں ہو، تو تم اس کی کسی نعمت سے کیسے انکار کر سکتے ہو؟ اس لیے فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ٥ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ

تم پر آگ کے شعلے اور پگھلا ہوا تانبا انڈیلا جائے گا، پھر تم خودکو نہ بچاسکو گے

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً

توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[15] پھر جب آسمان پھٹ جائے گا اور تیل کی طرح سرخ و

كَالدِّهَانِ ۚ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ

زرد ہوجائے گا توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[16] تو اس دن نہ کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں

ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ

پوچھا جائے گا نہ کسی جن سے۔ تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[17] اس دن

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

مجرم لوگ اپنی نشانیوں سے پہچانے جائیں گے، پھر انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑلیا جائے گا توتم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾

کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[18] یہ جہنم ہے جس سے مجرم انکار کرتے تھے

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ﴿٤٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾

وہ اس کے اور گرم کھولتے پانی کے درمیان گھومیں گے، توتم اپنے رب کی کون کوسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[19]

[15] شُوَاظٌ آگ کے اس شعلہ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو، وہ بہت تیز جلانے والا ہوتا ہے اور نُحَاسٌ تانبا ہے۔ یعنی اے کافر جنو اور انسانو! تم پر جہنم میں کبھی آگ سوار ہوگی اور کبھی تم پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلا جائے گا، پھر تم خودکو بچانے کی بہت کوشش کروگے، مگر بچ نہ سکو گے۔ کیونکہ تم نے دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے انکار کیا تو اب بتاؤ تم کس کس نعمت سے انکار کروگے؟

[16] روز قیامت جب آسمان پھٹیں گے تو وہ تیل کی طرح بہہ پڑیں گے اور ان کے مختلف رنگ نظر آئیں گے جیسے بہتے تیل میں سرخی زردی ہریالی ملی جلی نظر آتی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ

وقف لازم

منزل ٢

وَّاهِيَةٌ﴿۱۶﴾ ''اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی حالت اس دن بہت پتلی ہو گی۔'' (الحاقہ، ١٦) تو اے جنو اور انسانو! اس دن کا یہ خوفناک منظر ذہن میں لا کر اللہ کی پکڑ سے ڈرو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو مت جھٹلاؤ آخر تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

[17] اگر کہا جائے کہ قرآن میں دوسری جگہ ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۹۲﴾ ''تو آپ کا رب ہونے کی قسم ہم ان سب سے پوچھیں گے۔'' (حجر، ٩٢) تو پھر یہ کیوں کہا گیا ہے کہ اس دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن کسی جن یا انسان سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں گناہ کیا تھا یا نہیں بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم وہ گناہ کیوں کیا تھا؟ یعنی یہ کہا جائے گا کہ جب اللہ نے تم پہ اپنی نعمتوں کی بہتات کی تو تم نے اس کے بدلے گناہ کیوں کیے، یا اس کی نعمتوں سے انکار کیوں کیا؟ اور تم اس کی کس کس نعمت سے انکار کر سکتے ہو؟

[18] روز قیامت مجرمین مختلف نشانیوں سے پہچانے جائیں گے جیسے مومنوں کے چہرے سفید اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (آل عمران، ١٠٦)

روز قیامت مختلف جرائم والے لوگوں کی مختلف نشانیاں ہوں گی

سود کھانے والے یوں لڑکھڑاتے کھڑے ہوں گے جیسے انہیں شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہو۔ (بقرہ، ٢٧٥) کچھ لوگ قبروں سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے آگ کے شعلے لپکتے ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ یتیموں کا مال کھاتے تھے۔ (ابن ابی حاتم بروایت ابی ہریرہ جلد ٣ صفحہ ١٨٨١ صفحہ ٨٧٩)

بھیک مانگنے والے یوں آئیں گے کہ ان کے چہروں پہ گوشت نہ ہوگا۔ (ابوداؤد عن عبداللہ بن مسعود کتاب الزکوۃ باب ٢٤)

اور جس نے کسی مسلمان کے قتل کی مدد میں ایک لفظ بولا ہوگا، روز قیامت اس کی پیشانی پہ لکھا ہوگا ''رحمت خداوندی سے محروم'' (ابن ماجہ عن ابی ہریرہ کتاب الدیات باب ٢)

اور جو شخص اپنی دو بیویوں کے درمیان عدل نہ کرے روز قیامت اس کا آدھا دھڑ لٹک رہا ہوگا۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ٤٧)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجرموں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مجرموں کے پاؤں پچھلی طرف سے ان کے سروں سے باندھ دیئے جائیں گے اور انہیں گول گیند بنا کر جہنم کی طرف لڑھکا دیا جائے گا۔ (مظہری عن البیہقی جلد ٩ صفحہ ١٥٥)

[19] اہل جہنم جب آگ میں جل جل کر ہلکان ہو جائیں گے تو پانی کے لئے پکاریں گے، تب انہیں دوسری جگہ لے جا کر سخت کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی آنتیں کٹ کر باہر آ جائیں گی، یہ نیا عذاب ہوگا، پھر انہیں جہنم کی طرف واپس دھکیل دیا جائے گا۔ تفصیل کے لئے سورہ ابراہیم آیت 17 کے تحت دیکھیں۔ تو جنوں اور انسانوں کو یہ وارننگ

دی جارہی ہے تاکہ وہ جہنم کے ان عذابات سے خود کو بچالیں اور یہ وارننگ ان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔اس لیے ان سے کہا گیا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ
اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے،[20]
اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ
دونوں جنتیں (پھلوں سے لدی) شاخوں والی ہیں۔تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔دونوں میں دو بہتی نہریں ہیں
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں میں ہر پھل کے دو جوڑے ہیں تو تم اپنے رب کی
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا
کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے،[21] اہل جنت ایسے قالینوں پر تکیہ زن ہوں گے جن کے استر موٹے ریشم سے ہیں۔اور دونوں جنتوں کا پھل
الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾
خود قریب آجاتا ہے،تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[22]

جنتی حور و قصور اور جنتی باغات کا حسین تذکرہ

[20] گزشتہ رکوع میں عذابات جہنم کا بیان تھا اب اس رکوع میں انعامات جنت کا بیان ہے۔تو فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر جائے یعنی وہ گناہ کرنے پر قادر ہو اور گناہ کے تمام اسباب میسر ہوں کوئی رکاوٹ نہ ہو پھر اس کے دل میں یہ خوف آجائے کہ ایک دن اس نے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور یوں وہ خود کو گناہ سے روک لے، یا جو گناہ اس سے گزشتہ زندگی میں سرزد ہوئے تھے ان کے بارے میں اللہ کے حضور کھڑا ہونے کے بارے میں اسے خوف لاحق ہوا اور اس نے توبہ کے آنسو بہائے تو ایسے شخص کے لئے جنت میں دو عظیم الشان باغات ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف اور اس کا اجر

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ میں نے پھر یہی سوال کیا، آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ میں نے تیسری بار یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ جب وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا تو اس کے لئے دو جنتیں ہیں، خواہ ابو درداء کا ناک خاک آلود ہو جائے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اس کے بعد جب بھی یہ حدیث سناتے تو آخر میں یہ ضرور کہتے ہاں اس کے لئے دو جنتیں ہیں، خواہ ابو درداء کا ناک خاک آلود ہو جائے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۴۲)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بڑے سے بڑا گناہ کرلے خواہ وہ زنا یا چوری ہو، پھر اسے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے خوف آ گیا اور اس نے سچی توبہ کی اور اگر کسی انسان کا حق مارا تھا تو اسے واپس کیا تو ایسا شخص یقینی جنتی ہے، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار قیام قیامت، میزان عدل، جنت و نار، صفوف ملائکہ، آسمان کا لپیٹا جانا، پہاڑوں کا اُڑ جانا، سورج کا بے نور ہو جانا اور ستاروں کا جھڑ جانا ان باتوں میں غور کیا تو کہا: کاش میں کوئی سبز پودا ہوتا اور کوئی جانور مجھے آ کر کھا لیتا (اور مجھے اللہ کے حضور کھڑا نہ ہونا پڑتا) تب یہ آیت نازل ہوئی: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ (درمنثور جلد ۷ صفحہ ۷۰۶)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے افضل شخص کا نام ہے، جب ان کے خوف خدا کا عالم ہے تو ہم گناہگاروں سیاہ کاروں کی کیا حیثیت ہے، ہمیں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزنا چاہیے۔

فقہ حنفی کے امام حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے خلیفہ ہارون الرشید نے بلایا، کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ میں حاکم عادل ہوں، لہٰذا میں جنتی ہوں۔ مگر میری بیوی نے مجھے کہا ہے کہ تم ظالم حاکم ہو اور تمہارا جنتی ہونے کا دعویٰ جھوٹ ہے، تو آپ بتائیں کہ میں جنتی ہوں یا جہنمی؟ امام محمد نے فرمایا: اے خلیفہ! کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے خوف خدا کے سبب گناہ سے ہاتھ کھینچ لیا ہو؟ یا گناہ ہو جانے کے بعد خوف خدا محسوس کرتے ہوئے توبہ کی ہو؟ خلیفہ نے کہا ہاں یہ تو بارہا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: پھر میں قرآن کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں کہ آپ جنتی ہیں، بلکہ آپ کے لیے دو جنتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ خلیفہ خوش ہوا اور آداب و تکریم کے ساتھ واپس کیا۔ (روح البیان، جلد ۹ صفحہ ۳۰۵)

اس جگہ جَنَّتٰنِ (دو باغات) سے یہ مراد ہے کہ خوف خدا سے رونے اور گناہ سے باز آنے والے شخص کے لیے ایک سے زائد باغات ہونگے اور اگر اللہ رب العزت چاہے تو ایک شخص کو جس قدر چاہے جنتی باغات عطا فرما دے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ''جو شخص اللہ اور اس

کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ اسے جنتی باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔'' (آل عمران، ۱۹۸) یہاں ایک شخص کے لیے کئی جنتی باغات کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ الغرض اللہ جل مجدہٗ الکریم کی رحمت صرف دو باغات تک محدود نہیں ہے۔

[21] خوف خدا کے ساتھ گناہوں سے باز آنے والے شخص کے لئے جو دو جنتی باغات ہیں، ان کی شاخیں پھلوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان باغات میں دو چشمے ہوں گے جو کبھی خشک نہ ہوں گے۔ انہوں نے دنیا میں دونوں آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہائے، اللہ نے ان کے لئے دو جنتی چشمے بہا دیئے۔ اور ان باغوں میں ہر طرح کے پھل کے دو جوڑے ہوں گے، یعنی ہر پھل مختلف اقسام میں ہوگا چھوٹا بڑا، ہلکا میٹھا تیز میٹھا وغیرہ۔ کیونکہ وہ دنیا میں نیکیوں کے جوڑے کرتے تھے جیسے حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی۔ فرائض و نوافل کی پابندی اور جسمانی و مالی عبادات کی بجا آوری، تو انہیں جنتی نعمتوں کے بھی جوڑے ملیں گے۔

[22] اہل جنت ان باغات میں ایسے اعلیٰ قالینوں پہ تکیے لگا کر بیٹھیں گے کہ جن کی نچلی سطح موٹے ریشم کی ہوگی۔ جب نچلی سطح ایسی حسین ہوگی تو اوپر والی سطح کی نفاست و نزاکت کا کیا عالم ہوگا؟ اور ان دونوں باغوں کے درختوں کے پھل خود جھک کر اہل جنت کے قریب آ جائیں گے، انہیں درخت سے پھل توڑنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرنی پڑے گی۔ قرآنِ مجید میں ہے: وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا۔ ''ان درختوں کی ٹہنیاں ان کے تابع فرمان ہوں گی۔'' (الدھر، ۱۴)

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ
ان باغات میں نیچی نگاہوں والی بیویاں ہوں گی جنہیں ان سے قبل نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا نہ کسی جن نے، تو تم
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ عورتیں گویا ہیرے موتی ہیں۔ تو تم اپنے رب کی
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے [23]، کیا بھلائی کا بدلہ بھلائی کے سوا بھی ہے؟ تو تم اپنے رب کی کون کون سی
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾
نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ [24]

[23] ان جنتی باغات کے اندر محلات ہوں گے جن کے اندر اہل جنت کی پیکر حیا بیویاں ہوں گی، جن کی نگاہیں جھکی

ہوں گی یعنی وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی۔

جنتی حوروں کا حسن و جمال اور ان کی شرم وحیاء

سعید بن منصور اور شعبی کہتے ہیں کہ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جو دنیا میں اہل ایمان کی بیویاں ہیں، وہی جنت میں ان کی بیویاں ہوں گی، مگر وہاں ان کی شان ہی نرالی ہوگی، وہاں ان کا کنوارا پن لوٹ آئے گا، اور جوانی بھی عود کر آئے گی۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝۳۵ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝۳۶ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝۳۷ ''ہم نے انہیں نئی اٹھان میں اٹھایا، تو انہیں کنواری بنا دیا، وہ اپنے شوہروں کی دلدادہ اور ہم عمر ہوں گی۔'' (واقعہ، ۳۵) وہ جنت میں اپنے شوہروں ہی کے حصہ میں آئیں گی، ان سے قبل ان کو کوئی جن یا انسان نہ چھوئے گا اور وہ حسن و جمال میں ہیرے موتیوں جیسی ہوں گی، کہتے ہیں یاقوت کے موتی میں دھاگہ ڈالو تو وہ باہر سے نظر آتا ہے۔ اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے کہ جنتی بیویوں نے بیک وقت ستر لباس پہنے ہوں گے اور ہر لباس نظر آئے گا بلکہ ان کی پنڈلی کا مخ بھی دکھائی دے گا۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورۃ الرحمٰن)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنتی بیوی کی بالیوں کا ایک موتی مشرق و مغرب کو روشن کر سکتا ہے۔'' (مسند احمد، مستدرک ابن حبان وغیرہ)

اس جگہ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ سے معلوم ہوا شرم وحیا جنتی بیوی کی نشانی ہے۔ جنت میں کوئی شیطانی خواہش دل میں نہیں آسکے گی، پھر بھی جنتی بیویاں نگاہیں نیچی رکھیں گی، تو دنیا میں زیادہ ضرورت ہے کہ نگاہوں پر کنٹرول رکھا جائے۔

[24] یعنی اے لوگو! تم دنیا میں احسان کرو، ہم آخرت میں تم سے احسان کریں گے۔ یاد رہے کہ دنیا میں اللہ کے ساتھ احسان یہ ہے کہ اس کی عبادت خالص اس کی رضا کے لئے کی جائے اور بندوں کے ساتھ احسان یہ ہے کہ انہیں ان کے حقوق سے بڑھ کر دیا جائے، خواہ وہ والدین ہوں، دوسرے رشتہ دار ہوں یا عامۃ الناس۔ اس آیت میں یہ درس ہے کہ جو شخص تم سے بھلائی کرے تم اس سے بڑھ کر اس سے بھلائی کرو، نہیں تو اس کے ساتھ برابری کی نیکی تو ضرور کرو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ساتھ حتی المقدور بھلائی تو لازماً کرو۔ مگر افسوس آج لوگ نیکی کا بدلہ ظلم سے دیتے ہیں۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ

اور ان دونوں کے سوا دو جنتیں اور بھی ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں بہت گھنی سرسبز ہیں۔ تو تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں میں دوسدا بہار چشمے ہیں، تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾

جھٹلاؤ گے، دونوں میں پھل ہیں اور کھجور و انار، تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ [25]

[25] یعنی جن دو باغات کا پہلے ذکر ہوا ان کے علاوہ بھی اہل جنت کے لئے دو باغات ہیں، جو پہلے دو باغات سے درجہ میں کم ہیں یعنی اہل جنت کو جنتی باغات درجہ بدرجہ دیئے جائیں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے دو باغات (یعنی ان کے اندر بنے ہوئے محلات) سونے کے ہیں اور دوسرے دو باغات چاندی کے ہیں، پہلے دو باغات مقربین کے لئے ہیں اور دوسرے دو اصحاب الیمین کے لئے (اس کی وضاحت کہ مقربین اور اصحاب الیمین کون ہیں آگے سورہ واقعہ میں آ رہی ہے) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت فردوس میں چار قسم کے باغات ہیں۔ دو کے زیورات اور برتن وغیرہ سونے کے ہیں اور دو کے زیورات وغیرہ چاندی کے ہیں۔ وہاں رہنے والوں اور ان کے رب کے درمیان صرف اس کی کبریائی کی دیوار حائل ہے (اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اسے ہٹا کر انہیں اپنا دیدار عطا فرما دے گا) (بخاری کتاب التوحید باب ۲۴، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۶)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ حدیث میں اس کا معنی گہرا سبز مذکور ہے، یعنی یہ دونوں جنتی باغات بہت سرسبز و شاداب ہونگے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان دونوں جنتی باغوں میں کبھی خشک نہ ہونے والے دو چشمے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان چشموں سے مشک وغیرہ کی خوشبو پھوٹتی ہے جس سے جنتی محلات پر یوں بارش کی جاتی ہے جیسے تم پر دنیا میں بارش ہوتی ہے۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۲۸)

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ﴿٧٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ
ان باغات میں اچھی سیرت اچھی صورت والی بیویاں ہیں، توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے،وہ حوریں ہیں جو
فِي الْخِيَامِ ۚ﴿٧٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ
خیموں میں ٹھہرائی گئی ہیں توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ انہیں انکے شوہروں سے قبل نہ انسان نے
وَلَا جَآنٌّ ۚ﴿٧٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ
چھوا ہو گا نہ جن نے، توتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔[26] اہل جنت اعلیٰ خوبصورت سبز قالینوں پر
وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۚ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ
تکیہ زن ہوں گےتوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے[27]۔ برکت والا ہے تمہارے رب کا نام جو بڑی
ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾ ع
عزت ورحمت والا ہے[28]

ع ۳ / ۱۲

[26] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان جنتی باغات میں اہل جنت کے لئے حوریں ہوں گی جو خیموں میں ٹھہرائی گئی ہیں۔یعنی ان کی کچھ بیویاں تو ان کے محلات میں رہتی ہوں گی اور کچھ ان کے باغات میں خیمے ہوں گے وہاں ان کے لئے الگ حوریں ٹھہرائی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنتی خیمہ موتی نما ہوگا جس کی بلندی ستر میل ہوگی اس کے ہر کونے میں مومن کے لئے ایک بیوی ہوگی جس نے دوسرے کونے والی بیوی (حور) کو کبھی نہ دیکھا ہوگا، مومن ان کے پاس باری باری جائے گا۔'' (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الرحمٰن باب ۲)

[27] عبقری کسی نادر روزگار چیز کو کہتے ہیں جو نفاست میں بے مثال ہو۔عرب میں عبقر نامی ایک آدمی نہایت نفیس کپڑے بناتا تھا جنہیں عبقری کہا جاتا تھا۔معنی یہ ہے کہ اہل جنت اپنے محلات و باغات اور خیموں میں سبز رنگ والے نہایت نفیس قالینوں پر جلوہ فرما ہوں گے۔اس سے سبز رنگ کی اہمیت واضح ہوئی۔

مومن جنات بھی جنت میں جائیں گے

یہاں ان تمام جنتی نعمتوں کے ساتھ جنوں اور انسانوں کو مخاطب کر کے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کہا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ مومن جنات بھی جنت میں جائیں گے، اگر جنتی نعمتوں سے جنات کا کوئی تعلق ہی نہیں تو ان کے

لیے ان نعمتوں کے ذکر کا کیا معنی ہے اور ان کے ذریعہ انہیں احسان جتانے کی کیا بنیاد ہے؟ اسی لئے حضرت حبیب بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ (مشہور تابعی) سے جنات کے جنت میں جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہاں وہ ضرور جنت میں جائیں گے اور اس کی تصدیق قرآن میں ہے کہ فرمایا: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (جنتی حوروں کو ان کے شوہروں سے قبل کسی جن یا انسان نے نہیں چھوا ہوگا، اس کا صاف معنی یہ ہے کہ حوروں کے شوہر ہی ان کو چھوئیں گے جو جن بھی ہوں گے اور انسان بھی) البتہ جنات کے لئے جنت میں جنی بیویاں ہوں گی اور انسانوں کے لئے انسان بیویاں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ١١ صفحہ ٦٠٧ حدیث ٣٣١٢٢)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ آیات اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہیں کہ جنات جب ایمان اور تقویٰ اختیار کریں تو وہ جنت میں جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ٤ صفحہ ٢٩٦)

امام قرطبی فرماتے ہیں، یہاں لَمْ يَطْمِثْهُنَّ الخ میں یہ دلیل ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جماع کرتے ہیں اور وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں ان کی جنی بیویاں ہوں گی۔ (تفسیر قرطبی جلد ١٧ صفحہ ١٨١ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[28] تو ہماری دعا ہے کہ اے ذوالجلال والاکرام! ہمیں اپنی عزت و رحمت کے صدقے ان جنتی انعامات کا حقدار بنا ہمارے اعمال تو اس قابل نہیں ہیں مگر تیرا اجلال واکرام بہت وسیع ہے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ صلوات اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔

الحمد للہ آج 2 شوال 1429ھ بمطابق 2 اکتوبر 2008ء بروز جمعرات بعد نماز فجر سورہ الرحمن کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورة الواقعہ

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 56ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 45ویں سورت ہے۔ یہ سورہ طٰہٰ کے بعد اور سورہ شعرآء سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکمل مکی سورت ہے۔ چونکہ یہ اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ کے الفاظ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ الواقعہ کہا گیا۔اس میں 3 رکوعات، 96 آیات 378 کلمات اور 1703 حروف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔'' (بیہقی فی شعب الایمان)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورہ واقعہ تونگری والی سورت ہے۔ اسے خود پڑھا کرو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔'' (درمنثور عن ابی مردویہ جلد ۸ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے آئے اور کہا میں آپ کے لئے کوئی وظیفہ بھیجوں؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنی بیٹیوں کو کہہ دیا ہے کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرمایا جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔

(تفسیر ابن کثیر عن ابن عساکر جلد ۴ صفحہ ۳۰۲)

سورہ واقعہ کے پہلے رکوع میں قیامت کا منظر نامہ ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ اس دن لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی، دائیں طرف والے جو اہل ایمان ہیں، بائیں طرف والے جو کفار ہیں اور سابقون جو مقربون ہیں، یعنی اہل جنت میں سے بلند درجہ رکھنے والے، پھر دائیں طرف والوں اور سابقون کی جنتی نعمتیں بیان ہوئیں۔ دوسرے رکوع میں بائیں طرف والوں کے عذابات کا ذکر ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں اور قدرتوں کا بیان فرمایا۔ اور آخری رکوع میں بتایا گیا ہے کہ سابقون اور دائیں طرف والوں کی موت کیسی دل آویز ہوتی ہے اور بائیں طرف والوں کی موت کیسی ذلت آمیز ہوتی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ٩٦ ٥٦ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ٤٦ رکوعاتھا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا

جب وقوع پذیر ہونے والی (قیامت) وقوع پذیر ہو کر رہے گی۔ اس کے وقوع کو کوئی جان جھٹلا نہیں سکتی، وہ کسی کو پست اور کسی کو بلند کر دے گی[1] جب

رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾

زمین تھرتھرا اٹھے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور بکھرا ہوا غبار بن جائیں گے [2]

وقف لازم

قیام قیامت اور اہل جنت میں سے سابقین اور اصحاب الیمین کا ذکر

[1] قیامت کا وقوع پذیر ہونا اس قدر یقینی ہے کہ اس کا نام ہی الواقعہ رکھ دیا گیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ (الحاقہ، ١٥) آگے خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ کا یہ معنی ہے کہ قیامت کئی گرے ہوؤں کو اُٹھا دے گی اور کئی اُٹھے ہوؤں کو گرا دے گی، کئی لوگوں کو دنیا میں حقیر جانا جاتا تھا وہ اپنے نیک اعمال کے سبب قیامت میں بلند کر دیئے جائیں گے اور کئی مرتبہ والے بادشاہ اور سرداران اپنے گناہوں کے سبب روز قیامت ذلت کی پستی میں گرا دیئے جائیں گے۔

[2] جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو زمین پہ شدید ترین زلزلہ آئے گا جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑ جائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿٥﴾ "اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔" (قارعہ، ٥)

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝
اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے تو دائیں طرف والے کیا ہی (اچھے) دائیں طرف والے ہیں
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝
اور بائیں طرف والے کیا ہی (برے) بائیں طرف والے ہیں اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہیں،
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ
وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں، نعمتوں والے باغات میں [3] وہ (مقربین) پہلوں میں سے بڑی جماعت ہیں اور پچھلوں
مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝
میں سے تھوڑے سے [4]

[3] روز قیامت لوگوں کے تین گروہ ہوں گے:

اول: اصحاب الیمین (دائیں طرف والے) مفسرین کے مطابق یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کے دائیں حصہ سے پیدا کئے گئے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے روز میثاق پشت آدم علیہ السلام میں سے آپ کی ساری اولاد نکال کر آپ کو دکھائی تو یہ لوگ آپ کے دائیں طرف کھڑے کئے گئے اور ان کے چہرے نورانی تھے۔ اس کی تفصیل وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اعراف، ۱۷۲) کے تحت گزر چکی ہے، روز قیامت انہیں ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور روز قیامت اللہ رب العزت انہیں اپنے عرش کی دائیں طرف کھڑا کرے گا۔ اس لئے انہیں اصحاب الیمین کہا گیا، یہ عام اہل جنت ہوں گے جن کا درجہ سابقین (مقربین) سے کم ہوگا (ان میں وہ مومنین بھی شامل ہیں جو کچھ عرصہ دوزخ میں گزار کر جنت میں جائیں گے)۔

دوم: اصحاب الشمال (بائیں طرف والے) مَشْئَمَةِ نحوست و بے برکتی کو بھی کہتے ہیں اور بائیں طرف کو بھی، یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کی بائیں طرف سے پیدا کئے گئے، روز میثاق انہیں آپ کی بائیں طرف کھڑا کیا گیا۔ ان کے چہرے اس وقت سیاہ تھے۔ انہیں ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ روز قیامت عرش الٰہی کے بائیں طرف کھڑے کئے جائیں گے۔ اس لئے انہیں اصحاب الشمال کہا گیا۔ یہ اہل جہنم ہوں گے جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے (یعنی کفار)۔

سوم: السّٰبِقُوْنَ (سبقت لے جانے والے) یہ لوگ اصل میں اصحاب الیمین (اہل جنت) میں سے ہیں مگر یہ

نیکیوں میں دوسرے اہل جنت پر سبقت لے جانے والے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ بلند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سابقون کو اللہ نے نعمتوں والے جنتی باغات میں اپنا قرب عطا فرمایا ہے یعنی وہ مقربین کہلاتے ہیں۔ اور آگے وضاحت آرہی ہے کہ اس سے تمام انبیاء کے صحابہ کرام مراد ہیں۔

[4] یعنی یہ تیسرا گروہ جو سابقون کہلاتا ہے پہلے لوگوں (پہلی امتوں) میں سے ان کی ایک بڑی تعداد ہے مگر پچھلے لوگوں (امت محمدیہ) میں سے یہ تھوڑے ہیں۔ سابقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر امت میں سے ایمان کی طرف سبقت لے گئے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ تو چونکہ پہلے انبیاء کی تعداد کثیر ہے یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش، تو ان کے صحابہ کرام کی مجموعی تعداد اس آخری امت کے صحابہ سے بہت زیادہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقی ساری امت پہ افضلیت

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام ساری امت سے افضل ہیں، کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۝۱۱ قرار دیا ہے۔ اور تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ صحابہ نے اسلامی فتوحات کا دائرہ جہاں تک پھیلایا اس کے بعد اس میں اضافہ نہیں ہوسکا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف جنتی ہیں بلکہ سابقون ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر کسی کے لیے قرآن نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی ؕ (حدید، ۱۰) اور حدیث کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر باقی ساری امت میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ایک صحابی کے صرف دو سیر جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔'' (بخاری ومسلم) تو صحابہ کرام وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۝۱۱ کا مصداق ہیں۔

اسی لیے دوسری جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ فرمایا گیا، ارشاد ہوا:

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝۱۰۰ ''اور سبقت لیجانے والے پہلے اہل ایمان یعنی مہاجرین وانصار اور جو احسان کے ساتھ ان کے پیروکار ہیں، ان سے اللہ راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اللہ نے ان کے لیے جنتی باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔'' (توبہ، ۱۰۰)

اس آیت میں اہل تشیع کا رد بلیغ ہے، کیونکہ قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سابقون ہیں (جو اہل جنت میں سے مقربین ہیں) مگر اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ صحابہ میں سے صرف تین افراد مسلمان ہیں باقی سب کفار ہیں (معاذ اللہ) اور وہ مقداد، ابوذر اور سلمان ہیں۔ (تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۹۹، مجالس المؤمنین صفحہ ۲۰۳، بحار الانوار جلد ۲۲ صفحہ ۳۵۱)

کس قدر دکھ کی بات ہے کہ قرآن تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اعلیٰ ترین درجہ والے یعنی سابقون اور مقربون بتا رہا ہے۔ مگر

اہل تشیع تین کے سوا کسی صحابی کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس جگہ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰ سے درس بھی ملتا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانی چاہیے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ

وہ نقش و نگار والے تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان پر ہمیشہ (ایک حالت پہ)

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۵ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۱۸ لَّا

رہنے والے لڑکے بہتی شراب کے کٹورے، صراحیاں اور پیالے بھر بھر کر پھریں گے [5] اس شراب سے

يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝۲۰ وَلَحْمِ طَيْرٍ

ان کا دماغ نہیں چکرائے گا نہ وہ بے ہوش ہوں گے۔ ان کے لئے پھل ہو گا جو وہ پسند کریں اور گوشت

مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۱ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝۲۳ جَزَآءًۢ بِمَا

جیسا وہ چاہیں۔ اور ان کے لئے بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جیسے وہ چھپے موتی ہوں [6] یہ ان کے اعمال کی جزا ہے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝۲۵ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶

وہ وہاں کوئی بیکار بات نہ سنیں گے، نہ گناہ کی بات، صرف یہ کہا جائے گا سلام ہو سلام ہو [7]

[5] جنتی خادمین کو غلمانٌ بھی کہا گیا ہے اور ولدانٌ بھی، دونوں کا معنی لڑکے ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ لڑکے کفار کے وہ بچے ہیں جو ناسمجھی کی عمر میں فوت ہو گئے، وہ جنت میں اہل جنت کے خادمین ہوں گے، مخدومین نہ ہوں گے مگر صحیح قول یہ ہے کہ غلمان جنت ایک جنتی مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ اہل جنت کی خدمت کے لئے پیدا کرے گا جیسے حوریں ان کی دل بستگی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ مقام والے شخص کے لئے ہزار غلمان ہوں گے اور ہر غلام کے ذمے علیحدہ خدمت ہوگی۔ (مظہری جلد ۹ صفحہ ۱۶۸ بروایت بیہقی)

ان کو مخلّدون (یعنی ہمیشگی والے) اس لئے کہا گیا کہ وہ ہمیشہ ایک ہی عمر میں رہیں گے ان کی عمر میں اضافہ نہ ہو گا اور اس لئے بھی کہ وہ ہمیشہ ان کی خدمت میں رہیں گے کبھی خدمت سے معزول نہ کئے جائیں گے۔

[6] موتی جب صدف میں چھپا ہو تو وہ انتہائی چمکدار ہوتا ہے اور جنتی حوروں کی رنگت بھی ایسی ہی چمکدار ہوگی۔ مروی ہے کہ جنتی حوروں کی پائل کی جھنکار تقدیسِ الٰہی بولے گی اور چوڑیوں کی چھنچھناہٹ حمدِ الٰہی کہے گی۔

(بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۷)

[7] جنت میں نہ کوئی جھوٹ بولے گا، نہ غیبت کرے گا، نہ گالی دے گا، بلکہ سب ایک دوسرے کو سلام و دعا کہا کریں گے اور اہل جنت کو فرشتے بھی آداب وسلام پیش کریں گے۔ حدیث میں ہے کہ کچھ لوگوں کو دنیا میں پریشانیاں بھگائے رکھتی ہیں وہ گمنام زندگی گزارتے اور ناکام حسرتیں لئے فوت ہو جاتے ہیں۔ جنت میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو آداب وسلام پیش کرو۔ تب فرشتے ان کی خدمت میں آ کر کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ یعنی "تم پر سلام ہو اس لیے کہ تم نے صبر کیا تو تمہارا آخرت کا گھر کیا ہی عمدہ ہے۔" (رعد، ۲۴) (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۶۸)

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ
اور دائیں طرف والے کیا ہی (اچھے) دائیں طرف والے ہیں وہ بے کانٹا بیریوں، تہہ بہ تہہ گچھوں، لمبے
مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا
سایوں، بہتے پانی اور بہت سے پھلوں میں ہونگے جو نہ ختم ہوں گے نہ ان میں رکاوٹ آئے گی، اور وہ
مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾
اونچے تختوں میں (عیش سے) ہوں گے۔ [8] ہم نے (ان کی جنتی بیویوں کو) نئی اٹھان سے اٹھایا، تو انہیں کنواری،
فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ
محبت کرنے والی اور یکساں عمر والی بنا دیا، یہ دائیں طرف والوں کے لئے ہیں [9] جو پہلوں میں سے بھی بڑی
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾
جماعت ہیں اور پچھلوں میں سے بھی بڑی جماعت [10]

ع ۱۴

[8] پہلے سابقون کا ذکر ہو رہا تھا جو اہل جنت میں سے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہیں۔ اب عام اہل جنت جو اصحاب الیمین ہیں، کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ بے کانٹا بیریوں، پھلوں کے گچھوں، لمبے سایوں، چشموں اور سنہری تختوں کے مزے لیں گے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دیہاتی نے پوچھا جنت میں بیری کا درخت کیسے ہے بیری تو کانٹے دار ہے اور جنت میں کانٹے کہاں؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ فرمایا ہے اور مَّخْضُوْدٍ کا یہ معنی ہے کہ ان کے کانٹے چھانٹ دیئے گئے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ پھل اُگا یا گیا

ہے۔اگر ایک پھل اُترے،تو وہاں دوسرا پھل لگ جاتا ہے۔(مظہری جلد ۹ صفحہ ۱۷۱ بروایت بیہقی)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے تختوں کی اونچائی زمین و آسمان کے فاصلہ کے برابر ہوگی۔(ترمذی)

[9] اہل جنت کی دنیوی بیویوں کو جنت میں اللہ رب العزت نئی تخلیق میں اٹھائے گا، اگر وہ دنیا میں بوڑھی یا بیمار فوت ہوئی تھیں تو وہ جنت میں نوجوان کنواری دوشیزائیں بنا دی جائیں گی اور اہل جنت خود بھی سب نوجوان ہوں گے تو وہ عورتیں اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ایک بوڑھی عورت یہ سن کر رونے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بتاؤ کہ وہ اس دن بوڑھی نہ ہوگی بلکہ جوان ہوگی، کیونکہ اللہ نے فرمایا: اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ (مظہری جلد ۹ صفحہ ۱۷۳ بروایت بیہقی)

[10] پیچھے آیت 14 میں سابقون (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے بارے میں کہا گیا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ کہ پہلے لوگوں (پہلی امتوں) میں بڑی تعداد میں ہیں اور پچھلے لوگوں میں کم ہیں، اب اصحاب الیمین یعنی عام اہل جنت کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ پہلے لوگوں یعنی پہلی امتوں میں بھی بڑی تعداد میں ہیں اور پچھلے لوگوں میں بھی بڑی تعداد میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کی اکثریت جنت میں جائے گی، یہ امت دوزخ میں کم ہی جائے گی یعنی کچھ نہ کچھ دوزخ میں ضرور جائے گی، لہٰذا ہر شخص کو دوزخ کا کھٹکا ہے۔اور اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ ہر مومن اصحاب یمین میں سے ہے اور ہر کافر اصحاب الشمال میں سے ہے تو پھر تمام ہی امت مسلمہ جنتی ہے، یعنی ہر مومن کا آخری ٹھکانہ جنت ہی ہے، گویا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ کہنا ابتداء دخول جنت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ ابتداء میں سب اہل اسلام جنت میں نہیں جائیں گے، بعض دوزخ میں بھی جائیں گے، مگر انتہاء دخول جنت کے اعتبار سے سب اہل اسلام جنتی ہیں۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ۙ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ

اور بائیں طرف والے کیا ہی (برے) بائیں طرف والے ہیں، وہ تپتی ہوا، کھولتے پانی اور جلتے دھوئیں کے

مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ۚۖ

سائے میں ہوں گے، جو نہ ٹھنڈا ہے نہ عزت والا [11] وہ لوگ اس سے قبل بڑی نعمتوں میں تھے،

وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ۚ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا

وہ بڑے گناہ (کفر) پر اصرار کرتے تھے وہ کہتے تھے جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا

وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ

ہم پھر اُٹھائے جائیں گے؟ کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی اُٹھائے جائیں گے؟ آپ فرما دیں کہ

الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۙ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

سب پہلے اور پچھلے لوگ مقرر دن (قیامت) کے وقت پر جمع کر لیے جائیں گے [12]

اہل جہنم کے عذابات اور دلائل توحید باری تعالیٰ

[11] سابقون اور اصحاب الیمین کے انعامات بتانے کے بعد اب اصحاب الشمال یعنی کفار کے عذابات بتائے جا رہے ہیں۔ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ اصحاب الشمال وہ لوگ ہیں جو روزِ میثاق حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کھڑے تھے یہ سیاہ رو تھے، روز قیامت ان کا نامہ اعمال انہیں بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ کفار ہیں جو دائمی اہل جہنم ہیں۔ ان کے عذابات میں سے ہلکا عذاب بادِ سموم ہے جو انہیں جھلسائے گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ بادسموم میں سے ایک پورے کے برابر اہل زمین پہ سوراخ کر دے تو تمام زمین و اہل زمین اس کی تپش سے ہلاک ہو جائیں۔

(درمنثور زیر آیت وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ جلد ۷ صفحہ ۶۳۴)

کھولتے پانی کا ذکر پہلے ہو چکا اور ابھی آگے مزید آ رہا ہے۔ جبکہ جلتا دھواں یہ ہے کہ جہنم میں کفار پہ بسا اوقات سخت پیچیدہ دھوئیں کے بادل سایہ فگن ہوں گے، اسی دھوئیں کے بارے میں قرآن فرماتا ہے کہ کفار سے کہا جائے گا:

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ الخ ''اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں نہ سایہ دار ہے نہ آگ کی تپش سے بچائے۔'' (مرسلات، ۳۰)

[12] حِنۡثِ کا لغوی معنی گناہ ہے اور حِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ سے مراد کفر و شرک ہے یعنی یہ اصحاب الشمال وہ ہیں جو کفر وشرک پر اصرار کرتے تھے اور قیامت سے انکار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارے اٹھایا جائے گا اور کیا ہمارے صدیوں پہلے مرجانے والے باپ دادا کو بھی اٹھایا جائے گا؟ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں روز قیامت سب اگلے پچھلے لوگ بیک وقت جمع ہوں گے۔ یہاں اولین سے پہلی امتیں مراد ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ یاد رہے یہود و نصاریٰ اگرچہ قیامت کو مانتے ہیں مگر وہ سمجھتے ہیں کہ روز قیامت صرف انہیں جنت میں ڈال کر باقی سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو ان کا یہ غلط ماننا نہ ماننے کی طرح ہے، لہٰذا وہ بھی اصحاب الشمال ہی میں ہیں۔

دلیل ختم نبوت

اس جگہ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ میں امت محمدیہ کو آخرین یعنی آخری امت کہا گیا۔ کیونکہ ان کا نبی آخری نبی ہے جس طرح اس امت کے بعد کوئی امت نہیں، یونہی ان کے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نحن آخر الامم واول من یحاسب، ہم آخری امت ہیں مگر روز قیامت ہمارا حساب سب سے پہلے لیا جائے گا۔ (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۴)

اور اسی لئے حضرت عبد اللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنَا حَظُّكُمۡ مِنَ النَّبِیِّیۡنَ وَاَنۡتُمۡ حَظِّی مِنَ الۡاُمَمِ ''انبیاء میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں اور امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۶۶)

اس حدیث میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اس امت کے لیے اگر کوئی نبی ہے تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ اب آپ کے بعد کوئی تشریعی یا غیر تشریعی اور ظلی یا بروزی نبی نہیں آئے گا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص خود کو امت محمدیہ میں سے شمار کرتے ہوئے خود کو نبی بھی سمجھتا ہے، تو وہ دشمن خدا اور رسول اور دشمن دین ہے۔

کفار کے ناسمجھ بچے جہنم میں نہیں جائیں گے

وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۴۶﴾ (آیت، ۴۶) سے معلوم ہوا کہ کفار جہنم میں اس لئے جائیں گے کہ وہ کفر و شرک پر اصرار کرتے تھے، جبکہ ان کے وہ بچے جو ناسمجھی کی عمر میں مر گئے وہ جان ہی نہ سکے کہ کفر و شرک کیا ہے تو اس پہ اصرار کیا کرتے؟ ثابت ہوا کہ وہ جہنم میں نہیں جائیں گے، بلکہ وہ عند اللہ کافر ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''
(بخاری کتاب الجنائز باب ٧٩)

اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾
پھر اے گمراہ لوگو! جھٹلانے والو! تم درخت زقوم سے کھاؤ گے
فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ
اس سے پیٹ بھرو گے، پھر اس پر کھولتا پانی پیو گے، اسے تم پیاسے اونٹوں کی طرح
الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾
پیو گے، بروز قیامت یہ تمہاری مہمانی ہے[13]

[13] یعنی اے قیامت کے منکرو! جہنم میں درخت زقوم کا بدبودار غلیظ پھل کھا کر اس کے بعد تم پیاسے اونٹوں کی طرح کھولتا پانی پیو گے حالانکہ قرآن کے مطابق اس آب حمیم کی بھاپ سے ان کے چہرے بھن جائیں گے۔ (کہف، ٢٩) پھر بھی وہ اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیتے جائیں گے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ کے تحت مروی ہے کہ هِيْمِ ان اونٹوں کو کہتے ہیں جنہیں پیاس کے نہ بجھنے کی بیماری لگ جائے، وہ پیتے جاتے ہیں اور ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ (درمنثور جلد ٨ صفحہ ١٢)

جبکہ زقوم کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر جہنم کے زقوم پھل کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر جائے تو سب سمندر ایسے بدبودار ہو جائیں کہ اہل زمین زندہ رہنا ناممکن ہو جائے تو جو اسے کھائے گا اس کا کیا حال ہوگا۔ (ترمذی) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے منکرو روز قیامت یہ تمہاری مہمانی و ضیافت ہوگی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ درخت زقوم کے خوفناک پھل کا کھانا اور کھولتے ہوئے پانی کا پینا ایسے عذابات، جہنم میں صرف کفار کے لیے ہوں گے جو قیامت کو مانتے ہی نہیں، اسی لیے فرمایا گیا: وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ کہ وہ بڑے گناہ (کفر) پہ اصرار کرتے تھے۔ (واقعہ، ٤٦) اور انہی سے کہا گیا: اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو! (واقعہ، ٥١) لہٰذا اگر کوئی مسلمان شامت اعمال سے جہنم میں گیا تو وہ ایسے عذابات سے محفوظ رہے گا۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ

ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ بھلا دیکھا تم نے کہ تم جو نطفہ (رحم عورت میں) گراتے ہو، کیا تم

تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

اس کا بچہ بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟ [14] ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کی ہے اور ہم اس سے

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِىْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

بے بس نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے لوگ لے آئیں اور تمہیں ایسی شکل میں ڈھال دیں جو تم نہیں جانتے [15]

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور یقیناً تم اپنی پہلی اٹھان جانتے ہو تو پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟ [16]

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ

بھلا تم نے دیکھا جو تم کھیتی باڑی کرتے ہو، کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اسے

تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ

بھوسہ بنا دیتے، پھر تم حیران و پریشان رہ جاتے، کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا بلکہ ہم تو بدنصیب ہو گئے [17] بھلا تم نے دیکھا کہ تم

الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

جو پانی پیتے ہو، کیا تم اسے بادل سے اتارتے ہو یا ہم اتارتے ہیں؟ اگر ہم چاہتے

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾

تو اسے سخت کھاری کر دیتے، تو تم شکر کیوں نہیں بجا لاتے [18] بھلا بتاؤ کہ تم جو آگ سلگاتے ہو،

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً

کیا تم نے اس کا درخت اُگایا ہے یا ہم اگاتے ہیں؟ ہم نے اسے باعث نصیحت اور مسافروں کے لئے

وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

برتنے کی چیز بنایا ہے[19] تو آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح کہیے[20]

[14] معنی یہ ہے کہ اے قیامت کے منکرو! جب ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو کیا ہم تمہیں دوبارہ نہیں اٹھا سکتے؟ پھر تم قیامت کی تکذیب کیوں کرتے ہو؟ دیکھو تم عورت کے رحم میں نطفہ کے چند بے جان قطرے ڈالتے ہو تو اسے کون جیتا جاگتا دوڑتا بھاگتا انسان بنا دیتا ہے؟ تم یا ہم؟ یعنی جب ہم بے جان نطفہ سے زندہ انسان بنا سکتے ہیں تو بے جان ہڈیوں سے زندہ انسان بھی اُٹھا سکتے ہیں۔

[15] یعنی ہم کسی کو بچپن میں موت دے دیتے ہیں، کسی کو جوانی میں اور کسی کو نہایت بوڑھا کر کے مارتے ہیں، اس لئے کہ ہر کسی کی موت کا وقت ہم نے مقرر کیا ہے۔ جب تمہاری زندگی و موت ہمارے قبضہ میں ہے تو کیا ہم یہ نہیں کر سکتے کہ تمہاری شکلیں بگاڑ کر تمہیں دنیا سے اٹھالیں اور تمہاری جگہ دوسرے انسان لے آئیں لہٰذا ہماری پکڑ سے ڈرو۔

[16] مطلب یہ ہے کہ تم جانتے ہو ہم نے کس طرح تمہیں ماں کے رحم میں انسانی شکل دی اور ہم تمہیں دنیا میں لائے پھر تمہیں پال پوس کر جوان کیا اور تمہیں خوراک مہیا کی۔ پھر جب تمہاری سوجھ بوجھ مکمل ہوگئی تو تم نے ہماری قدرت سے انکار کر دیا، آخر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟

[17] یہ قیام قیامت کی ایک اور دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے قیامت کے منکرو! دیکھو تم زمین سے بیج بوتے ہو تو اس سے کھیتی کون اُگاتا ہے تم یا ہم؟ یعنی جب ہم خشک بیج کو پانی کے ذریعہ نشوونما دے کر اس سے لہلہاتی کھیتی پیدا کر سکتے ہیں، تو کیا ہم روز قیامت خشک ہڈیوں پر بارش کر کے انہیں نشوونما دے کر ان سے زندہ انسان نہیں بنا سکتے؟ اور حدیث میں ہے کہ دوسرے صور کے پھونکے جانے سے قبل چالیس دن بارش ہوگی تو انسانوں کے اجسام زمین سے پودوں کی طرح اُگیں گے۔ (مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۴۱)

(پھر ان میں ارواح کو واپس ڈال کر انہیں زندہ کر دیا جائے گا)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ہم چاہتے تو تمہاری بوئی ہوئی فصل کو اپنے حکم سے بھوسہ بنا کر رکھ دیتے، تب تم کہتے کہ ہائے افسوس! ہمیں چٹی پڑ گئی یعنی ہمارا بیج بھی ضائع ہو گیا اور ہم رزق سے بھی محروم ہو گئے جیسا کہ سورہ ن کے پہلے رکوع میں چند مجرم لوگوں کے باغ کا اُجڑنا بتایا گیا ہے۔ گویا تم جو اناج کھاتے ہو، وہ ہماری رحمت کے ذریعے تم تک پہنچتا ہے پھر تم ہماری قدرت سے کیوں انکار کرتے ہو؟ اسی لئے حدیث میں ہے کہ یہ نہ کہو ہم نے کھیتی اُگائی بلکہ یہ کہو کہ ہم نے کھیتی بوئی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۱۷)

یعنی بوتے تم ہو، اُگاتا اللہ ہے۔

[18] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسانو! تم جو میٹھا پانی پیتے ہو اسے آسمان سے کون اتارتا ہے تم یا ہم؟ اور اگر ہم چاہیں تو بارش سے برسنے والے پانی کو اس قدر کھاری اور کڑوا کر دیں کہ وہ زمین کو تباہ کر کے رکھ دے، مگر یہ ہماری رحمت ہے کہ تمہیں اس قدر لذیذ پانی میسر آتا ہے پھر تم شکر کیوں نہیں بجالاتے یعنی ہماری قدرت کا اعتراف کیوں نہیں کرتے؟

اس جگہ فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ سے معلوم ہوا کہ انسان کو پانی پینے اور کھانا کھانے کے بعد اللہ کا شکر بجالانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین، ''اللہ کے لیے حمد ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔'' (ابوداود کتاب الاطعمہ حدیث ۳۸۴)

اور حقیقی شکر یہ ہے کہ انسان اللہ کا دیا ہوا کھا پی کر اس کی نافرمانی نہ کرے اور اطاعت بجالائے۔

[19] یعنی تم لکڑی سے آگ سلگاتے ہو، مگر کیا کبھی تم نے غور کیا کہ یہ لکڑی کہاں سے آئی ہے یعنی جن درختوں سے یہ ایندھن نکلتا ہے وہ درخت کس نے اُگائے ہیں تم نے یا ہم نے؟ دراصل گزشتہ زمانہ میں عرب میں پائے جانے والے دو درختوں زند اور زندہ کی ٹہنیاں جب ایک دوسرے پر ماری جاتیں تو ان سے آگ پیدا ہوتی تھی۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝ یعنی اللہ نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی ہے جو تم سلگاتے ہو۔ (یس، ۸۰) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ درخت کس نے اُگائے ہیں جن سے تم آگ حاصل کرتے ہو؟

آج گیس نکل آئی ہے جس سے آگ سلگائی جاتی ہے، یہاں بھی انسان کو سوچنا چاہیے کہ یہ گیس کا خزانہ زمین میں کس نے پیدا کیا ہے؟ اگر اللہ اسے خشک کر دے تو اللہ کے سوا کون اسے دوبارہ لاسکتا ہے؟ بہر حال آگ کو اللہ رب العزت نے سامان نصیحت بنایا ہے اور یہ مسافروں کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ جب کوئی شخص جنگل میں سفر کرے وہاں اسے سردی اور تاریکی آلے اور وہ آگ روشن کر کے اس سے تپش حاصل کرے، تو اس سے بڑھ کر آگ کی نعمت کا احساس کسی کو نہیں ہوسکتا۔

[20] یعنی اے قرآن کے سننے والے! تم اپنے رب عظیم کے اسماء حسنیٰ کا ورد کرتے رہو کہ جس نے تمہارے لئے یہ نعمتیں پیدا کی ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ

تو مجھے ستاروں کے گرنے کی قسم! اور اگر تم جانو تو یہ بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، محفوظ

كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

کتاب میں [21] قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ یہ رب کائنات کی طرف سے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ

اتارا ہوا ہے [22]، تو کیا تم اس بات (قرآن) کو جھٹلاتے ہو اور تم نے جھٹلانے ہی کو

اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ

اپنا نصیب بنا لیا ہے؟ [23] تو جب (مرنے والے کی) جان حلق تک آ جاتی ہے۔ اور تم اسے (مرتا)

تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ

دیکھ رہے ہوتے ہو (تو اسے مرنے سے کیوں نہیں بچا لیتے) اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے، پھر اگر

كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

تم سے کوئی حساب نہیں لیا جانے والا تو تم اس جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے اگر تم سچے ہو؟ [24]

عظمت قرآن اور اس کے منکروں کا انجام

[21] اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے گرنے کی قسم اٹھا کر عظمتِ قرآن بیان فرمائی ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ گرنے اور ٹوٹنے والے ستارے کسی طرح مستحق عبادت نہیں ہیں اور ایک وقت آئے گا جب قیامِ قیامت کے وقت سب ستارے جھڑ جائیں گے۔ قرآن فرماتا ہے: وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ "اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔" (انفطار، ۲) اسی لئے فرمایا گیا کہ اگر تم جانو تو یہ بڑی قسم ہے کیونکہ اس میں ستارہ پرستی کا رد ہے۔ آخر میں فرمایا گیا کہ یہ عظمت والا قرآن محفوظ کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ "بلکہ یہ عظمت والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔" (بروج، ۲۲)

یاد رہے قرآن ایسی عظیم کتاب ہے کہ اس سے نسبت والی ہر چیز عظیم ہے۔ قرآن جن شہروں میں اترا وہ سب شہروں

سے عظیم ہیں، قرآن جس رات میں اُترا وہ ہر رات سے عظیم ہے، وہ جس ماہ میں اترا وہ سب مہینوں سے عظیم ہے اور جس رسول پر اُترا وہ سب رسولوں سے عظیم ہے۔ لہٰذا قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے لوگ سب انسانوں سے عظیم ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا: خیرکم من تعلم القرآن و علمه۔ ''تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھیں اور پڑھائیں۔'' (بخاری کتاب فضائل القرآن باب ۲۱)

[22] لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؁ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ قرآن جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اسے پاک فرشتے ہی چھوتے ہیں، جو ہر گناہ سے پاک ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ قرآن کی یہ شان ہے کہ اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، ناپاک ہاتھوں سے قرآن کا چھونا جائز نہیں ہے۔ اسی لیے فقہاء کے نزدیک قرآن کریم کو بے وضوء پکڑنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ دوسری تفسیر ہی قوی تر ہے، کیونکہ یہاں قرآن کی صفات بتائی جارہی ہیں، نہ کہ لوح محفوظ کی۔ اس لیے فرمایا گیا: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ؁ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ؁ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؁ تو پہلی صفت كَرِيْمٌ ہے، دوسری فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ہے اور تیسری لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ہے اور فرشتوں کو مطہرون قرار دینا ان کے لیے کچھ وجہ فضیلت نہیں ہے، کیونکہ ان کی طہارت میں ان کا اپنا ارادہ واختیار شامل نہیں ہے۔ جبکہ مومنین کا غسل ووضوء کے ذریعہ خود کو پاک کرنا ان کے لیے وجہ فضیلت ہے اور انہی لوگوں کے لیے جو وضوء اور تیمم کے ذریعہ خود کو پاک کرتے ہیں فرمایا گیا: وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ ''اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں (وضوء اور تیمم اور غسل سے) پاک کرے اور تم پہ اپنی نعمتیں تمام کرے۔'' (مائدہ،٦)

قرآن کریم کو بے وضوء پکڑنے کی ممانعت

علامہ عبدالرحمان بن محمد الجزیری نے کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة میں ائمہ فقہ کے مذاہب کی جو تفصیل بتائی ہے، اس کے مطابق چاروں ائمہ فقہ کے مطابق قرآن کریم کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ صفحہ ۳۲ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

اور اس کے چند دلائل یہ ہیں:

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے باب الامر بالوضوء لِمَنْ مَسَّ القرآنَ یعنی قرآن کے چھونے کے لئے وضو ضروری ہے، کے عنوان کے تحت روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا اس میں یہ ارشاد فرمایا: لا یَمَسُّ القُرآنَ الاطَاهِرٌ کہ قرآن کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگائے۔ (موطاء امام مالک کتاب الصلوۃ صفحہ ۱۷۰)

یہ حدیث دارمی، دارقطنی، بیہقی، حاکم، طبرانی اور عبدالرزاق نے بھی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

امام عبدالرزاق اور ابن منذر نے اس مکتوب کے الفاظ یوں روایت کئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولا تمسّ القرآنَ اِلّا علٰی طهورٍ اور تم قرآن کو بغیر وضوء مت چھوؤ۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۷)

طہور کا معنی وضوء ہے جیسے مشہور حدیث ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور ''وضوء نماز کی چابی ہے۔''
(ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۳)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا یمسّ القراٰن الا طاھرٌ قرآن کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگائے۔ (طبرانی کبیر جلد ۱۲ حدیث ۱۳۲۱۷)

اسی طرح عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ قضاء حاجت کے لئے گئے اور واپسی پر آپ نے ہمیں قرآن سنایا اور وضوء نہ کیا۔ ہم نے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے قرآن کو ہاتھ نہیں لگایا صرف زبانی پڑھا ہے۔ اور اللہ نے ہاتھ لگانے کے بارے میں فرمایا ہے: لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَؕ﴿۷۹﴾ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۷ بروایت حاکم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (قبول اسلام سے قبل) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے) شمشیر بکف نکلے، انہیں راستہ میں بتایا گیا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام لے آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے، وہاں مہاجرین میں سے ایک صحابی خباب رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ان کو سورہ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے یہ تحریر دو جو تم پڑھ رہے تھے۔ ان کی بہن نے کہا: تم ناپاک ہو اور قرآن کو صرف مطہرون (پاک) لوگ ہی چھو سکتے ہیں، تم اٹھو غسل کرو یا وضو کرو۔ حضرت عمر نے اٹھ کر وضو کیا پھر سورہ طٰہٰ والی تحریر کو لے کر پڑھنے لگے۔ (سنن دار قطنی جلد اول صفحہ ۹۳ حدیث ۴۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کو بے وضوء چھونا جائز نہیں۔ دور حاضر کے غیر مقلدین وہابی لوگ قرآن کو بے وضوء چھونا جائز سمجھتے ہیں، مگر ان کا یہ نظریہ احادیث صحیحہ اور عمل صحابہ سے قطعی مخالف ہے۔ بلکہ ان میں سے شیخ محمد بن علی شوکانی نے ایک قدم آگے بڑھ کر جنبی اور حیض والی عورت کے لیے بھی قرآن کا چھونا جائز قرار دیا۔ (نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۳۸۰)

یاد رہے اگر قرآن پر غلاف اور چولی وغیرہ چڑھی ہو تو اسے بے وضو بھی چھو سکتے ہیں، جس تفسیر میں قرآن کے الفاظ کم اور تفسیر کے الفاظ زیادہ ہوں اسے بھی بے وضوء پکڑ سکتے ہیں۔ البتہ قرآنی عبارت پر ہاتھ نہ رکھا جائے۔ آستین اور دامن سے بے وضوء قرآن کا پکڑنا جائز نہیں کیونکہ وہ ہاتھ کے تابع ہیں، جس درہم پر قرآن لکھا ہو اسے تھیلی سے پکڑ سکتے ہیں، براہ راست نہیں۔ حیض و نفاس والی عورت اور جنابت والا انسان قرآن کی زبانی تلاوت بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حیض والی عورت اور جنبی شخص قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھے۔'' (ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۹۸)

کیا جنبی شخص کو کمپیوٹر پہ قرآنی آیت کے لکھنے کی اجازت ہے؟

یاد رہے کہ جس شخص پہ نہانا فرض ہو وہ قرآن کریم نہ پڑھ سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے: درمختار اور ردالمحتار

دونوں کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو نہانے کی ضرورت ہو اس کو مسجد میں داخل ہونا، طواف کرنا، قرآن مجید کو چھونا، یا بغیر چھوئے کسی آیت کا زبانی پڑھنا یا آیت کا تعویذ لکھنا یا ایسے تعویذ کا چھونا، یا ایسی انگوٹھی کا چھونا یا حروف مقطعات والی انگوٹھی کا چھونا حرام ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار کتاب الطہارۃ جلد اول صفحہ ۳۸۴)

ان قواعد کی روشنی میں جنبی کو کمپیوٹر پہ قرآنی آیات کے لکھنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ لکھنا ایک ہی ہے خواہ کاغذ پہ لکھا جائے یا کمپیوٹر پہ۔ البتہ بے وضوء آدمی قرآن کریم کو زبانی پڑھ بھی سکتا ہے اور لکھ بھی سکتا ہے، خواہ کاغذ پہ لکھے یا کمپیوٹر پہ، بشرطیکہ قرآنی تحریر پہ اس کا ہاتھ نہ آئے جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا۔

قرآنی جلد کے چھونے کے احکام

اگر قرآن کریم پہ جو جلد چڑھی ہوتی ہے اس کے بارے میں دیکھنا پڑے گا کہ آیا وہ جلد قرآنی آیات سے یوں متصل ہے کہ اس کے اکھاڑنے سے قرآنی اوراق کا پھٹنا لازم آئے گا؟ اگر ایسا ہے تو وہ جلد قرآن ہی کے حکم میں ہے، اسے بے وضوء ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ جلد ایسی ہے کہ آسانی سے الگ ہوجاتی ہے جیسے آجکل پلاسٹک یا چمڑے کی ایسی جلدیں قران کریم کے گتوں پہ چڑھائی جاتی ہیں جو آسانی سے الگ ہوجاتی ہیں ان کو بلا وضوء پکڑا جاسکتا ہے، وہ چولی یا غلاف کے معنی اور حکم میں ہیں۔

[23] اس آیت اور اس سے ماقبل والی آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ کے زمانہ (ظاہری) میں بارش ہوئی۔ آپ نے فرمایا کچھ لوگ شاکر ہو گئے اور کچھ کافر، جنہوں نے کہا کہ اللہ کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ شاکر ہو گئے اور جنہوں نے کہا فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے بارش ہوئی ہے وہ کافر ہو گئے۔ تب یہ آیات اُتریں فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ...... وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۲۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے منکرو! تم قرآن کو جھٹلاتے ہوئے اللہ کے نظام ربوبیت کی تکذیب کیوں کرتے ہو اور کیوں کہتے ہو کہ فلاں واقعہ فلاں ستارے کے طلوع کے سبب ہے؟ اسی لئے اس گفتگو کا آغاز ستاروں کے گرنے کی قسم اٹھانے سے کیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ ستاروں کا واقعات کے ظہور سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بے جان ستارے تو خود حکم الٰہی کے پابند ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستاروں کو کسی واقعہ کے ظہور میں موثر حقیقی سمجھنا کفر ہے۔ البتہ سابقہ تجربات کی روشنی میں یہ کہنا کہ جب فلاں ستارہ طلوع ہو تو فلاں قسم کے واقعات اللہ کی طرف سے وقوع پذیر ہوتے ہیں، اس میں کفر نہیں۔ تاہم اس کو قطعی وحتمی نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ اللہ رب العزت جب چاہے اپنی تقدیر میں تبدیلی کر دیتا ہے۔

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا　　جو اپنی گردش و رفتار میں ہے خوار و زبوں

[24] یعنی اے منکرو! اگر تم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو کہ اس نظام کائنات کے چلانے میں اللہ کا کوئی دخل نہیں، تو جب اللہ کسی کی جان کے نکالنے کا حکم دیتا ہے اور وہ شخص تمہارے سامنے مرتا ہے، تو تم اس کی جان کو نکلنے سے روک کیوں نہیں

لیتے؟ ہم اس وقت تم سے زیادہ اس مرنے والے کے قریب تر ہوتے ہیں یعنی ہمارے فرشتے قریب تر ہوتے ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے، اس وقت اگر اللہ ہی چاہے تو جان کو نکلنے سے روک سکتا ہے۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ کوئی روز حساب نہیں آنے والا، تو جو جان نکل جاتی ہے تم اسے واپس لا کر دکھاؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمہاری زندگی و موت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اللہ ہی کے سامنے سر جھکاؤ کہ اسی کے حکم سے سارا نظام کائنات چل رہا ہے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۵ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ

پھر اگر مرنے والا اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو تو اس کے لئے فرحت، عمدہ خوشبو اور نعمت والی جنت ہے۔ اور اگر وہ

اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ

دائیں طرف والوں میں سے ہو تو (کہا جاتا ہے) تم پر سلام ہو کہ تم دائیں طرف والے ہو اور اگر وہ جھٹلانے والے

اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ

گمراہ لوگوں سے ہو تو اس کے لئے کھولتے پانی کی مہمانی ہے اور جہنم میں جانا ہے [25]

جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

بے شک یہ (قرآن) یقین کی سچائی ہے تو تم اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کہو [26]

ع ۳ / ۲۲ / ۱۶

[25] گزشتہ آیات میں موت کا ذکر ہوا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ موت کے بعد لوگوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں اور یہ وہی تین اقسام ہیں جن کا ذکر گزشتہ دورکوعات میں ہوا یعنی سابقون، اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ تو سابقون مرنے کے بعد درجۂ مقربین پالیتے ہیں یعنی خصوصی قرب الٰہی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ان کے بارے میں پیچھے فرمایا گیا: وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ (واقعہ، ۱۰)

لہٰذا اگر مرنے والا مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے فرحت، جنتی خوشبوئیں اور جنتی نعمتیں ہیں، اگر وہ اصحاب الیمین یعنی عام اہل جنت میں سے ہے تو اسے بھی مرتے ہوئے اور مرنے کے بعد جنت میں فرشتے آ کر مبارک دیتے ہیں کہ تم پر سلام ہو تم اصحاب الیمین میں ہو گئے اور اگر مرنے والا اللہ و رسول کی باتوں کی تکذیب کرنے والا کافر انسان ہو یعنی اصحاب الشمال میں سے ہو تو اسے جہنم میں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا پھر نار جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

معلوم ہوا اصحاب الشمال صرف کفار ہیں، مومن خواہ کتنا گناہگار ہو وہ بہرحال اصحاب الیمین میں سے ہے یعنی اگر وہ کچھ مدت کے لئے دوزخ میں جائے گا، تو بالآخر وہ اہل جنت میں سے بن جائے گا جو اصحاب الیمین ہیں اور گزشتہ رکوع

میں اصحاب الشمال کے بارے میں کہا گیا کہ وہ دنیا میں کہتے تھے کہ جب ہم مر کر ہڈیاں اور مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ (واقعہ، ۴۷) اس سے بھی معلوم ہوا کہ اصحاب الشمال صرف کفار ہیں۔

[26] چنانچہ اس آیت پر عمل کو مضبوط تر بنانے کے لئے دورانِ نماز رکوع میں سبحان ربی العظیم کہنا جاری کیا گیا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الفاظ کو رکوع میں پڑھا کرو، پھر جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوا تو آپ نے فرمایا ان کو سجدے میں پڑھا کرو۔ (ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب ۱۲۴)

الحمد للہ آج 5 شوال 1429ھ بمطابق 5 اکتوبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز عشاء سورہ الواقعہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ الحدید

سورہ حدید ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 57ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 91ویں سورت ہے۔ یہ سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قبل اور سورہ نسآء کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مدنی سورت ہے۔ اسے سورۃ الحدید اس لئے کہتے ہیں کہ حدید کا معنی لوہا ہے۔ اس سورت میں لوہے کا ذکر ہے: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ۔ (سورہ حدید، ۲۵)
اس سورت میں 4 رکوعات، 29 آیات، 544 کلمات اور 2406 حروف ہیں۔

فضیلت

سورہ حدید ان مسبحات سورتوں میں سے ہے جن کا آغاز سَبَّحَ یا یسبح سے ہوتا ہے اور حدیث میں ان سورتوں کی فضیلت وارد ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات سونے سے قبل مسبحات میں سے کوئی سورت پڑھ کر سوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان سورتوں میں ایک آیت وہ ہے جو ہزار آیات سے افضل ہے۔ (ترمذی کتاب ثواب القرآن باب ۲۱)

حضرت یحییٰ بن کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے خیال میں اس سے سورہ حشر کی آخری آیات مراد ہیں۔
(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۶)

مسبحات سورتیں یہ ہیں حدید، حشر، صف، جمعہ اور تغابن اور بعض روایات کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی سورہ حشر کو سن کر اسلام لائے تھے۔ (بزار، ابن عساکر، ابن مردویہ)

مضامین

سورہ الحدید کے پہلے رکوع میں یہ موضوعات ہیں، اللہ کا علم، اس کی شان تخلیق اور اللہ کی وسعت قدرت بتائی گئی ہے اور شان رسالت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے وعدۂ جنت فرمایا گیا ہے۔ دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں قرض حسن دینے کا اجر بتایا گیا ہے۔ پھر روز قیامت منافق مردوں اور عورتوں کی بدحالی بتائی گئی ہے اور خوف خدا کی اہمیت وافادیت، اور اللہ کی راہ میں صدقہ دینے کا اجر بتایا گیا ہے۔

تیسرے رکوع میں دنیا کو کھیل تماشا قرار دیا گیا، پھر اہل جنت والے اعمال کی دعوت دی گئی، بخل کی مذمت کی گئی اور لوہے کو اللہ کی بڑی نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے جبکہ آخری رکوع میں رسالت حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام بتائی گئی، پھر انبیاء سابقین میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی بتایا گیا، پھر رہبانیت کا رد کیا گیا اور امت محمدیہ کی عظمت بتائی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۲۹ ۵۷ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴ رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ

آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز ہے اللہ ہی کے لئے تسبیح کہتی ہے [1] اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ اسی کے لئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ②

آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [2]۔

اللہ کی عظمتیں اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت

[1] ہر چیز کو اللہ نے پیدا کیا اور ہر چیز اللہ کی مخلوق، مملوک، مرزوق اور محتاج ہے اور وہ زبان حال سے اپنے خالق مالک رازق اور مولیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے، یہ تسبیح حالی ہے، جو کفار کو بھی شامل ہے، جبکہ چند کافر جنوں اور انسانوں کے سوا ساری مخلوق تسبیح مقالی بھی کہتی ہے جیسے فرمایا گیا: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ ''ہر شئی اللہ کی تسبیح کہتی ہے مگر تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔'' (بنی اسرائیل، ۴۴)

[2] آسمان و زمین کی حکومت اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے سوا جس کے پاس کوئی حکومت ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے، وہ جب تک چاہے دے، جب چاہے واپس لے لے۔ معلوم ہوا کہ جب اللہ ہی حکومت دیتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کے احکامات کے مطابق حکومت کی جائے یعنی اس کے جاری کردہ احکامات نافذ کئے جائیں اور اسی معنی میں انسان اللہ کا خلیفہ ہے کہ وہ اس کے احکام زمین میں نافذ کرتا ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے یعنی ہر چیز کی ابتداء وانتہاء اسی سے ہے، جب چاہے اسے وجود میں لائے، جب چاہے فنا کردے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ

وہ سب سے اول اور سب سے آخر ہے۔ وہ سب پہ ظاہر اور سب سے خفیہ ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [3] اللہ

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر

الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ

استواء فرمایا [4] وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے

السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

اُترتا اور جو اس میں چڑھتا ہے [5] اور تم جہاں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے [6] اور وہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

ہر عمل پر نگہدار ہے۔ اسی کیلئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کام

الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ

لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ

سینوں کے بھید جانتا ہے [7] اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور جس (مال) میں اس نے تمہیں (پہلوں کا)

مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ وَمَا

خلیفہ بنایا ہے اسے (اس کی راہ میں) خرچ کرو۔ تو تم میں سے جو ایمان لائیں اور مال خرچ کریں ان کے لئے بڑا اجر ہے [8] اور

لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہ لاؤ، جبکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں تمہارے رب پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ نے

اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ
تم سے عہد لے رکھا ہے اگر تم مومن ہو [9] اللہ وہ ہے جو اپنے بندۂ خاص (محمد ﷺ) پر
اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ
واضح آیات اُتارتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے اور اللہ تم پر مہربانی
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹
رحم فرمانے والا ہے[10]

[3] جب ہر چیز کی ابتداء وانتہاء اللہ ہی سے ہے تو وہی سب سے اول وآخر ٹھہرا، کیونکہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اور اللہ ایسا ظاہر ہے کہ ہر چیز میں اسی کا وجود نظر آتا ہے اور اسی کی قدرت کے جلوے ہر چیز میں نمودار ہیں اور وہ ایسا باطن ہے کہ ہر غیب سے بڑا غیب ہے۔حتیٰ کہ انبیاء وصدیقین کی نگاہیں بھی اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، قرآنِ مجید میں ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج (انعام، ۱۰۳)

اسی لئے حضور سید عالم ﷺ یوں دعا فرماتے تھے: اَللّٰھم اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وانت الآخرُ فليس بعدك شيئٌ وانت الظاهرُ فليس فوقك شيء وَاَنْتَ البَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْئٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ اے اللہ! تو ایسا اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں، تو ایسا آخر ہے کہ تیرے بعد کچھ نہیں، تو ایسا ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کچھ نہیں اور تو ایسا باطن ہے کہ تیرے پیچھے (تجھ سے خفیہ تر) کچھ نہیں، ہمارا قرضہ اتار دے اور ہمیں محتاجی سے بچالے (یہ دعا اداءِ قرض کے لئے مفید ہے) (مسلم کتاب الذکر حدیث ۶۱)

یاد رہے حضور ﷺ بھی اللہ کی عطاء سے بعض معانی میں اول وآخر اور ظاہر وباطن ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: انا اوّلُ النبيّين خلقاً واٰخِرُهم بعثاً. میں تخلیق میں سب انبیاء سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر۔ (درمنثور بروایت ابن ابی حاتم ودیلمی جلد ۶ صفحہ ۱۷۰)

یعنی آپ ﷺ کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور اسے وصفِ نبوت دی گئی اور آپ کو سب انبیاء سے آخر میں بھیجا گیا یوں آپ اول وآخر ہیں اور آپ کی نبوت وعظمت آپ کے اخلاق اور معجزات کے آئینے میں اس قدر ظاہر ہے کہ ادنیٰ انصاف والے شخص کے لئے بھی آپ کی نبوت وعظمت سے مجال انکار نہیں۔ اور آپ ایسے باطن ہیں کہ آپ کی حقیقت کو آپ کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: یا ابا بکرٍ لَمْ يَعْرِفْنی حقيقتاً غيرُ ربی. اے ابوبکر! میرے رب کے سوا مجھے حقیقتاً کوئی نہیں جانتا۔ (جواہر البحار جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ھ)

[4] اللہ رب العزت کا زمین و آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کرنا اور عرش پر استواء فرمانا اس بارے میں قبل ازیں اعراف 54 اور یونس آیت ۳ وغیرہ کے تحت کلام ہو چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چھ دنوں سے 144 گھنٹے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور چھ زمانے بھی، بہتر یہ ہے کہ 144 گھنٹے مراد ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء متشابہات میں سے ہے، جس پر ایمان لازم ہے اور اس کی حقیقت نامعلوم ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، کیونکہ قرآن کے مطابق متشابہات کے پیچھے وہی لوگ پڑتے ہیں جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے۔ (آل عمران ۷)

[5] آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ زمین میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے والی ہر چیز کو جانتا ہے یعنی جو قطرۂ آب، یا بیج مردہ زمین میں داخل ہوتا ہے اللہ اسے جانتا ہے اور جو پودا، خزانہ اور چشمہ زمین سے نکلتا ہے وہ اللہ کے علم اور حکم سے نکلتا ہے۔ اسی طرح اللہ آسمان سے نازل ہونے والی ہر چیز کو اور آسمان میں چڑھنے والی ہر چیز کو جانتا ہے، یعنی وہ آسمان سے اُترنے والے ہر قطرۂ بارش، ہر فرشتے اور وہاں سے آنے والی ہر برکت کو اور آسمان میں چڑھنے والی تمام انسانی ارواح، سب فرشتوں اور لوگوں کے اعمال کو جانتا ہے۔

[6] اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے ہر انسان کے ساتھ ہے۔ اس جگہ قرب مکانی مراد نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت مکان سے پاک ہے بلکہ قرب علمی مراد ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے: جو بھی تین سرگوشی کرنے والے ہوں تو چوتھا ان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے اور جو بھی پانچ ہوں تو چھٹا اللہ ہوتا ہے اور جو بھی اس سے کم یا زیادہ ہوں تو بہر حال اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، وہ جہاں بھی ہوں۔ (مجادلہ، ۷)

[7] یعنی اللہ رات کو دن میں بدل دیتا ہے اور دن کو رات میں، یا یہ معنی ہے کہ وہ سردیوں کی طویل راتوں میں دن کا ایک حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے اور گرمیوں کے لمبے دنوں میں رات کا ایک حصہ دن میں داخل کر دیتا ہے، اسی طرح موسم بدلتے ہیں، رات لمبی ہو جائے تو سردی اور دن لمبا ہو جائے تو گرمی بڑھ جاتی ہے اور ہر موسم میں نئے نئے پھل پیدا ہوتے ہیں لوگ نئے نئے کاروبار کرتے ہیں اور نئے نئے لباس پہنتے ہیں۔ اگر موسموں میں تبدیلی نہ ہوتی تو انسان حالات کی یکسانیت سے اُکتا جاتا اور اس کی زندگی بے رنگ و بے کیف ہو جاتی۔

[8] اے لوگو! اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفی ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلے لوگوں کا خلیفہ و جانشین بنایا ہے یعنی یہ مال پہلے اور لوگوں کے پاس تھا، پھر اللہ نے انہیں دنیا سے اٹھا لیا اور تمہیں ان کی جگہ لے آیا۔ گویا ایک دن وہ تمہیں بھی اٹھا لے گا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا اور یہ مال یہیں رہے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دسترخوان دنیا میں بچھا ہے لوگ نسل در نسل آ رہے ہیں اور اس کے خوان کرم سے کھا کھا کر جا رہے ہیں پھر جو جس قدر شکر بجا لاتا ہے اسی قدر وہ آخرت میں اللہ سے انعام پائے گا اور شکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے ان لوگوں کو فیضیاب کیا جائے، جو ان نعمتوں سے محروم ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ‌ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَهُمۡ اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ۞

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) ختم نبوت:

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے لئے قرآن اُتارا گیا، ان کا ایک ہی رسول ہے اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ لفظ رَسُوۡلِهٖ معرفہ باضافت ہے جو ایک ہی ذات پر صادق آسکتا ہے۔ اگر امت محمدیہ کے لئے ایک سے زائد رسول ہوتے تو رَسُوۡلِهٖ کی بجائے رُسُلِهٖ کہا جاتا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خود کو امت محمدیہ میں سے کہنے کے باوجود خود کو نبی یا رسول کہے، وہ ملحد و زندیق اور دشمن خدا و رسول ہے۔ اس کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب ''دلائل ختم نبوت مع ردّ قادیانیت'' میں دیکھیں۔

(2) شیعہ فرقہ کی مزعومہ امامتِ منصوصہ کا رد:

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لیے اللہ کے بعد اس کے رسول پہ ایمان لانا فرض کیا گیا ہے، کیونکہ اسکا رسول اس کا مقرر و منصوص نمائندہ ہے اور یہ منصب صرف رسول ہی کا ہے، اسی لیے اسی پہ ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک رسول کے بعد بارہ اماموں پہ ایمان لانا بھی فرض ہے، کیونکہ ان کے نزدیک امام بھی اللہ کی طرف سے مقرر اور منصوص ہوتا ہے۔ مگر ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو اللہ نے سارے قرآن میں کسی جگہ رسول کے ساتھ امام پہ ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں فرمایا، کیا قرآن میں کہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ والامام، کہ اللہ اور اس کے رسول اور امام پہ ایمان لاؤ؟ جب سارے قرآن میں ایسا کہیں نہیں ہے تو اہل تشیع کو قرآن پہ زیادتی کرتے ہوئے خوف خدا کیوں محسوس نہیں ہوتا؟

(3) بے ثباتی دنیا:

جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ‌ؕ سے معلوم ہوا یہ اموال دنیا کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہے اور نہ کوئی انسان ہمیشہ دنیا میں رہے گا۔ اس میں ہمارے لئے بڑا درس عبرت ہے۔

(4) ایمان کے بغیر کوئی نیکی مقبول نہیں:

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاَنۡفِقُوۡا اور فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا سے معلوم ہوا پہلے ایمان ضروری ہے پھر کوئی نیکی قابل قبول ہوگی، ایمان بنیاد ہے اور اعمال عمارت۔ اور ایمان اللہ اور اس کے رسول سے کامل محبت کا نام ہے، جب تک یہ نہ ہو کوئی عمل مقبول نہیں۔

[9] یعنی اللہ نے روزِ میثاق تم سے اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ کہہ کر میثاق ایمان لیا تھا اور رسول ﷺ تمہیں وہ میثاق یاد دلا رہے ہیں۔ اب تمہارے پاس اس سے انکار کی کوئی گنجائش اور کوئی عذر نہیں ہے، بشرطیکہ تم ایمان لانے والے ہو یعنی

ایمان لانا چاہو۔ اس آیت میں وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی رسول ہے کیونکہ الرسول معرفہ باللام ہے جو ایک ہی ذات پر صادق آسکتا ہے اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ یہ بھی ختم نبوت کی مضبوط دلیل ہے۔

[10] اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) اللہ تعالیٰ اپنا تعارف اپنے محبوب کریم ﷺ کے ذریعے کرواتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ الخ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف یوں کروایا ہے کہ اللہ وہ جس نے اپنے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ ﷺ پر قرآنی آیات اتاریں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ "اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔" (توبہ، ۳۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ کارخانۂ قدرت کا سب سے حسین شاہکار ہے۔ ایک شاعر اپنے سب سے اچھے اشعار سے، ایک معمار اپنی سب سے اچھی تعمیر سے اور ایک مصنف اپنی سب سے اچھی تصنیف سے اپنا تعارف کرواتا ہے کیونکہ وہ اس کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ قربان جائیں اللہ اپنے حبیب کے ذریعے اپنا تعارف کرواتا ہے، کیونکہ حضور سرورِ کونین ﷺ تخلیقِ خداوندی کا شاہکار ہیں۔ اسی لئے قرآن میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے آپ کا رب ہونے کی قسم یاد فرمائی ہے۔

(2) مقامِ عبدیت:

عَلٰی عَبْدِهٖ کہہ کر بتایا گیا کہ حضور ﷺ کی سب عظمتیں آپ کی عبدیت میں مضمر ہیں کیونکہ کوئی جس قدر عبادت کرے وہ اسی قدر عظمت اور عروج پاتا ہے۔ اسی لئے واقعۂ معراج کو آپ کی عبدیت کیساتھ بیان کیا گیا: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔ (اسراء، ۱) فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ⑩ (نجم، ۱۰) اس میں ہمارے لئے درس ہے کہ ہم جس قدر عبادت کریں گے اسی قدر اللہ رب العزت کے ہاں بلندی پائیں گے۔ اسی لئے فرمایا گیا: الصلوٰة معراج المؤمنین۔ "نماز مؤمنین کی معراج ہے۔"

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور تمہیں کیا عذر ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، جبکہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کے لئے ہے۔
لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ
تم (صحابہ) میں سے جس نے فتح مکہ سے قبل راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (بعد والوں) کے برابر نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا
دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ
درجہ ان سے عظیم تر ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور مال خرچ کیا۔ اور سب (صحابہ) سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے۔
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؑ﴿۱۰﴾
اور اللہ تمہارے اعمال سے خبر دار ہے[11]

ع ١ ١٤

[11] یعنی ہر انسان اپنا مال اللہ ہی کے لئے چھوڑ کر دنیا سے چلا جاتا ہے، آگے اللہ جسے چاہے اس کی میراث دے دے۔ تو گویا ہر میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔ پھر وہ وقت آئے گا کہ ہر مخلوق فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ ہی کی ملکیت رہ جائے گی، تو پھر انسان اللہ کی دی ہوئی میراث میں سے اس کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور راہ خدا میں مال خرچ کرتے اور جہاد کرتے رہے، وہ دوسرے لوگوں کے برابر نہیں ہیں، بلکہ ان کا درجہ ان لوگوں سے عظیم تر ہے جو فتح مکہ کے بعد مالی اور جانی جہاد میں شامل ہوئے۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانا بہت آسان ہو گیا تھا اس لیے کہ سارا عرب ایمان لے آیا تھا، جبکہ فتح سے قبل ایمان لانا بے حد مشکل اور بڑے امتحان کی بات تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ سے حُسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ فرمالیا ہے خواہ وہ فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والے صحابہ ہوں یا بعد میں۔ اور حسنیٰ سے مراد جنت ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ''جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ ہو چکا وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔'' (انبیاء، ۱۰۱)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنتی ہونا واضح ہوا، خواہ وہ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے تھے یا اس کے بعد۔ اگر ان سے کوئی خطا ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا اور ان کے لئے وعدۂ جنت فرمالیا، خواہ وہ حضرت امیر معاویہ ہوں، حضرت ابوسفیان ہوں یا کوئی اور رضی اللہ عنہ۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد اور ہجرت کی اور جنہوں نے انہیں پناہ دی اور مدد کی (یعنی مہاجرین وانصار) یہ پکے سچے مومنین ہیں ان کے لئے بخشش اور عزت والی روزی (جنت کی ہر نعمت) ہے۔'' (انفال، ۷۴)

اور فرمایا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ ''سبقت لے جانے والے پہلے لوگ یعنی مہاجرین وانصار اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا وہ اس سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے جنتی باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ عظیم کامیابی ہے۔'' (توبہ، ۱۰۰) اور ارشاد رسول ﷺ ہے وہ شخص دوزخ میں ہرگز نہ جائے گا جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، پھر جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۵۶)

ائمہ اہل بیت کا تمام صحابہ کرام کو جنتی اور نجوم ہدایت قرار دینا

حالانکہ خود ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم جنہیں اہل تشیع معصومین ومنصوصین من اللہ مانتے ہیں، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے آباء کرام یعنی ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ذریعے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وما لم یکن فیہ من سنتی فما قال اصحابی فقولوا بہ فانما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایها أخذ أهتدی. ''جب تمہیں کسی معاملہ میں میری سنت نہ ملے تو میرے صحابہ جو کہیں وہ اپنا لو، کیونکہ میرے صحابہ تمہارے لئے ستاروں کی طرح ہیں تم جس کا دامن پکڑ لو ہدایت پالو گے۔''

(اہل تشیع کی معتبر کتاب معانی الاخبار جلد اول صفحہ ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

ملا باقر مجلسی، شیخ صدوق کے ذریعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طوبیٰ لمن رآنی وطوبیٰ لمن رآی من رآنی وطوبیٰ لمن رآی من رآی من رآنی۔ ''مبارک ہے اس کو جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا یا میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا۔''

(بحار الانوار جلد ۲۲ صفحہ ۳۰۴ باب فضل المهاجرین والانصار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور قرآن کے مطابق طوبیٰ مومنین کا حسن عاقبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لیے طوبیٰ اور حسن عاقبت ہے۔'' (رعد، ۲۹)

شیخ صدوق جامع الاخبار میں روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من سبّني فاقتلوه ومن سبّ اصحابي فقد كفروفي خبرآخرومن سب اصحابي فاجلدوه. جو مجھے گالی دے اسے قتل کردواور جو میرے صحابہ کو گالی دے وہ کافر ہے۔اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ فرمایا: جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارو۔ (جامع الاخبار صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب التجاریہ نجف اشرف)

اس جگہ یادرکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذکورہ فضائل میں حضرت امیر معاویہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان، حضرت عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سبھی شامل ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل عمرۃ القضاء کے موقع پر 7ھ میں ایمان لائے۔ چنانچہ انہوں نے اس عمرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احرام کھولا، کہ قینچی سے آپ کے بال کاٹے۔ (ابوداؤد کتاب المناسک حدیث ۱۸۰۲)

گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ الخ کے مطابق ساری امت سے افضل ہیں۔لہذا ہم کہتے ہیں کہ اے نقشبندیو! امیر معاویہ یا کسی صحابی کو برا مت کہو کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بدرجہا افضل ہیں، اے قادریو! کسی صحابی کی بے ادبی مت کرو کیونکہ وہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کہیں افضل ہیں، اے چشتیو! کسی صحابی کی ادنیٰ توہین کر کے اپنا ایمان برباد نہ کرلینا کیونکہ نص قرآنی کے مطابق وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ہزار ہا درجہ افضل ہیں۔

ساری امت پر صحابہ کی افضیلت

جب فتح مکہ سے پہلے والے صحابہ بعد والوں سے اس لئے افضل ہیں کہ ان کا ایمان اور جانی و مالی جہاد بعد والوں کے ایمان کے لئے سبب بنا، تو بلاشبہ سارے صحابہ کا ایمان اور جہاد بعد والی امت کے ایمان کا سبب بنا۔لہٰذا وہ بعد والی ساری امت سے افضل ہیں اور ان کی ہر نیکی امت کی نیکیوں پر بھاری ہے۔اسی لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَلَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ ''میرے صحابہ کو گالی مت دو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابہ میں سے کسی کے ایک مُد (چار سیر) غلہ) یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب ۵، مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۲۲۱، ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۰، ترمذی کتاب المناقب باب ۵۸)

گویا ایک صحابی کی ادنیٰ سی نیکی ساری امت کے تمام اعمال پہ بھاری ہے۔

اس حدیث کو شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے بھی تفسیر منہج الصادقین میں: اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ کے تحت ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: آں گروہ منفقیان ومقاتلان قبل از فتح یعنی سابقان از مہاجرین وانصار کہ حضرت رسالت درحق ایشان فرمود: لو انفق احد کم مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصفه. اگر انفاق کند یکے از شما مثل کوہ احد طلا رانرسد بمرتبہ انفاق مد یکے از سابقان مہاجرین وانصار ونہ نصف آں۔

یعنی فتح مکہ سے قبل ایمان لانے اور مال خرچ کرنے والے وہ لوگ ہیں جو پہلے مہاجرین وانصار ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مد یا نصف مد کو نہیں پہنچتا۔ (منہج الصادقین جلد ۹ صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ تہران)

افضلیتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب فتح مکہ سے قبل اسلام لانے اور راہِ خدا میں مالی و جانی جہاد کرنے والوں کا درجہ بعد والے سب لوگوں سے اعلیٰ ہے، تو بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور ان کی جدوجہد سے سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے والے داخل ہوئے۔ علامہ مسعودی شیعہ نے تسلیم کیا ہے کہ ان کی دعوت ہی پہ حضرت عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہم اسلام لائے (مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۰۰) اور انہوں نے سب سے پہلے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا۔

بلکہ امام بغوی حضرت کلبی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ الخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے حق میں اُتری، کیونکہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور سب سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا۔
(تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم پس انداز (Savings) تھے، وہ انہوں نے راہِ خدا اور خدمت رسول میں خرچ کر دیئے۔
(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)

پھر اسلام کے انتہائی ابتدائی دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلام خرید کر راہِ خدا میں آزاد کئے جو اسلام لے آئے تھے اور ان کے آقا انہیں نشانۂ ظلم بنا رہے تھے، جن میں حضرت بلال حبشی اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما وغیرہ شامل ہیں۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾ "عنقریب جہنم سے اس شخص (ابوبکر صدیق) کو دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا متقی ہے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے اور اس کے پاس کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے رب اعلیٰ کی رضا چاہتا ہے اور یقیناً اس کا رب اس سے راضی ہو گا۔" (اللیل، ۱۷)

اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان قربانیوں کے بدلہ میں فرمایا:

ما لاحد عند نا ید الا وقد کافأناہ ماخلاابا بکرفان له عندنایدایکافیه الله بهایوم

القيامة وما نفعني مال احدما نفعني مال ابي بكر ولو كنت متخذا خليلا لأتخذت ابا بكر خليلا الاوان صاحبكم خليل الله۔ کہ ہم پر جس کا بھی احسان تھا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا، سوا ابوبکر (صدیق) کے، اس کا ہم پر وہ احسان ہے کہ اللہ ہی روز قیامت اس کا بدلہ دے گا اور کسی کے مال نے مجھے اس قدر نفع نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا ہے۔ اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا، مگر تمہارا ساتھی (تمہارا نبی) اللہ کا خلیل ہے۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۱۵ حدیث ۳۶۶۱)

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ فقہاء اربعہ کا اتفاق

اسی لئے حضرت سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم۔ (کتاب الوصیۃ صفحہ ۱۴)

اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: وافضل الناس بعد النبيين عليهم السلام ابو بكر الصديق۔ انبیاء کے بعد سب انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

(الفقہ الاکبر صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایک علوی نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہتر آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابوبکر، اس نے کہا پھر کون؟ فرمایا: عمر، اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: خلیفہ مظلوم ومقتول عثمان، اس نے کہا: واللہ! میں آپ کے پاس ہرگز نہیں بیٹھوں گا، آپ نے کہا جیسے تمہاری مرضی۔

(تفسیر المدارک جلد ۲ صفحہ ۴۴)

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: پہلے ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

(مناقب الامام احمد لابن جوزی صفحہ 1۷۰ مطبوعہ دار الآفاق بیروت)

اور امام بیہقی نے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم سے روایت کیا کہ میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم۔ (مناقب الشافعی للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۴۳۳)

گویا افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ فقہاء اربعہ کا اجماع ہے اور جو اس اجماع کا مخالف ہو، وہ اہل سنت میں سے نہیں ہوسکتا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ الخ کے تحت فرماتے ہیں۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر تفصیل وتقدیم کی واضح دلیل ہے کیونکہ وہی سب سے پہلے ایمان لائے اور سب سے پہلے

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر مال خرچ کیا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوالفدا حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: اہل ایمان کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حصہ اس آیت میں سب سے زیادہ ہے، کیونکہ وہ اس آیت پر عمل کرنیوالی ساری امت کے سردار ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت سیدنا غوث صمدانی قطب ربانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مہاجرین میں سے وہ چالیس مرد افضل جو دارارقم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے تھے، پھر ان میں سے وہ دس مرد افضل ہیں جن کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ وہ قطعی بہشتی ہیں (یعنی عشرہ مبشرہ) پھر ان میں سے چار خلفاء افضل ہیں اور ان چاروں میں سے ابوبکر سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد عمر، ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد علی ہیں (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

(غنیۃ الطالبین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت کا بیان صفحہ ۱۴۹)

بلکہ آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل کہنا یہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔

(غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۶۷)

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انبیاء کے بعد تحقیقی طور پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام بنی آدم سے افضل ہیں (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۲۲ دفتر اول حصہ چہارم مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) الغرض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اس پہ مزید بحث اور مفصل گفتگو وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ (سورۃ اللیل) کے تحت آئے گی ان شاء اللہ۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾

کون ہے جو اللہ کو بہترین قرض دے تاکہ اللہ اسے اس کے لئے دوگنا کر دے؟ اور اس کے لئے عزت والا اجر ہے[12]

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

جس دن تم مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں چلتا ہوگا (کہا جائے گا)

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ

آج تمہارے لیے بشارت ہو (تمہارے لئے) جنتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

بڑی کامیابی ہے[13]

راہِ خدا میں خرچ کرنے والے مؤمنین اور دین سے بھاگنے والے منافقین

[12] اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ایسے ہے جیسے اللہ کو قرض دینا، کہ جس طرح قرض کا لوٹانا ضروری ہے، اسی طرح اللہ رب العزت نے خود پر لازم ٹھہرالیا ہے کہ وہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو ان کا مال واپس لوٹائے گا اور مزید عطا فرمائے گا یعنی دنیا میں مال میں برکت ڈالے گا اور آخرت میں جنت کے درجات سے نوازے گا۔ اور یہ اللہ کی شان کریمی ہے کہ وہ اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کو قرض دینے سے تعبیر فرما رہا ہے۔ ورنہ ہمارے پاس جو کچھ ہے اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، وہ جب چاہے واپس لے لے۔ مگر وہ شان کریمی سے فرما رہا ہے کہ میرے بندو میرا دیا ہوا مال مجھے قرض دو تو میں وہ تمہیں دنیوی و اُخروی نفع کے ساتھ واپس کروں گا۔ اور قَرْضًا حَسَنًا اس لئے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں دیتے ہوئے نیت اچھی رکھی جائے یعنی رضاء الٰہی کا حصول، پھر جس کو دیا جائے اس کو جتلایا نہ جائے اور اس کے عوض دنیوی مفاد نہ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کے کسی حاجت مند بندے کو قرض حسن دیا جائے یعنی اس کے بدلے اس سے کوئی سود یا نفع نہ مانگا جائے۔ گویا فرمایا گیا کہ اللہ کے بندے کو قرض دینا ایسے ہے جیسے اللہ کو قرض دینا۔ یعنی بندہ خوش ہوا تو اللہ خوش ہو گیا۔ حدیث قدسی ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ایک شخص سے فرمائے گا میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ دیا، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ دیا۔ وہ شخص کہے گا یا اللہ! تو کیسے بھوکا پیاسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ

فرمائے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تم اسے کھانا کھلا دیتے تو مجھے وہاں پاتے (یعنی میری رضا پا لیتے)
(مسلم کتاب البر حدیث ۴۳)

[13] روز قیامت مومنوں کی پیشانیاں سجدوں کے نور سے اور ان کے دائیں ہاتھ اعمال نامہ کے نور سے چمکتے ہوں گے، اس لیے فرمایا گیا کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں چلتا ہوگا اور یہ نور کسی کے لئے کم اور کسی کے لئے زیادہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں مومنین جب پل صراط سے گزریں گے تو ان کا نور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا، بعض کا نور پہاڑ جیسا ہوگا، بعض کا درخت کے برابر اور سب سے کمتر نور والے شخص کے انگوٹھے میں چمک پیدا ہوگی جو کبھی ظاہر ہوگی کبھی بجھ جائے گی۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۶۷۶ حدیث ۳۳۶۱۶)

وہ اعمال جو روزِ قیامت مومن کے لیے نور کا سبب ہوں گے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ بعض مومنین کا نور مدینہ سے عدن (یمن) کے فاصلہ تک جائے گا، بعض کا اس سے کم ہوگا اور بعض کا نور صرف اس قدر ہوگا کہ جہاں وہ کھڑے ہوں گے وہ جگہ روشن ہوگی۔
(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۲)

مومنین کے اس نور کے مختلف اسباب حدیث میں آئے ہیں یعنی ایسے اعمالِ صالحہ بیان کئے گئے ہیں جو نور کا سبب ہیں اور ہر مومن کو ان اعمال کا شوق ہونا چاہیے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''تاریکی میں (نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کے لئے) مسجدوں کی طرف جانے والے مومنوں کو روزِ قیامت مکمل نور کی بشارت دے دو۔'' (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
اَلصَّلٰوۃُ عَلَیَّ نُوْرٌ عَلَی الصِّرَاطِ ''مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر نور کا سبب ہے۔''
(مظہری عن الدیلمی جلد ۹ صفحہ ۱۹۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''جب حاجی احرام کھولتے ہوئے بال منڈواتا ہے تو ہر بال کے بدلے اس کے لئے نور ہوگا۔''
(طبرانی کبیر جلد ۲ حدیث ۱۳۴۹)

آج بہت سے حجاج احرام کھولنے پر حلق (بال منڈانے) کی بجائے قصر (بال چھوٹے کروانے) پر اکتفاء کرتے ہیں، حالانکہ حلق کی فضیلت قصر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلق والوں کے لئے تین بار اور قصر والوں کے لئے آخر میں ایک بار دعاء رحمت فرمائی۔ مقام افسوس ہے کہ بہت سے حجاج حج و عمرہ کے اختتام پر سر منڈوانے

کی فضیلت چھوڑ کر داڑھی منڈوانے کا گناہ سر لیتے ہیں یعنی گناہ پر حج وعمرہ کا اختتام کرتے ہیں، کس قدر بدقسمتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کی دنیا میں نظر چلی گئی (وہ نابینا ہوگیا) اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت خصوصی نور عطا فرمائے گا بشرطیکہ وہ صالح ہو۔'' (یعنی جنت کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہ ایمان ہے)

(طبرانی اوسط جلد اول صفحہ ۳۳۶ حدیث ۱۲۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس کسی نے مسلمان کی تکلیف دور کی، روز قیامت اللہ تعالیٰ اس کے لیے پل صراط پر نور کی دو شاخیں (دو شعائیں) بنائے گا (دائیں بائیں) اس نور سے ایک عالم روشن ہوگا جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

(طبرانی اوسط جلد اول حدیث ۱۷۸)

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ

یاد کرو جس دن منافق مرد اور منافقہ عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے، ہم پر نظر کرم ڈالو تاکہ ہم تمہارے نور سے

نُّوْرِكُمْ ۚ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ

فیض پائیں۔ ان سے کہا جائے گا واپس مڑ جاؤ، وہیں نور ڈھونڈو، تب ان کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کا

لَّهُ بَابٌ ۗ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ ۗ

دروازہ ہے۔ دروازے کے اندر رحمت ہے اور جو باہر والی طرف ہے اس میں عذاب ہے۔ منافقین مومنوں کو پکاریں گے

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۗ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ ہوتے تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، مگر تم نے خود کو فتنے میں ڈالا، تم انتظار کرنے لگے اور شک میں پڑ گئے،

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ

اور تمہیں جھوٹی امیدوں نے دھوکہ دیدیا، حتیٰ کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور تمہیں شیطان مکار نے اللہ کے

بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِينَ

بارے میں دھوکہ دیدیا [14] تو آج نہ تم سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا نہ (کھلا) کفر کرنے

كَفَرُوا ۗ مَأْوٰكُمُ النَّارُ ۗ هِيَ مَوْلٰكُمْ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾

والوں سے۔ اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے وہ تمہاری دوست ہے۔ اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے [15]

[14] سورہ حدید مدنی سورت ہے۔ مدنی دور میں منافقین بھی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے، جو زبان سے مومن اور دل سے کافر تھے۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ روز قیامت وہ مومنین والے نور سے محروم رہیں گے۔ وہ مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نگاہ کرو تاکہ ہمیں تمہارے نور سے کچھ ملے، مگر وہ کہیں گے واپس مڑ جاؤ، ہمارے پیچھے نہ آؤ ہم تمہیں کچھ نور نہیں دے سکتے۔ جب وہ پیچھا نہیں چھوڑیں گے تو ان کے اور مومنین کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی، جس میں دروازہ ہوگا۔ تب منافقین کی طرف عذاب ہوگا یعنی جہنم کی بدبو تپش اور ہولناک آوازیں اور دیوار کی دوسری طرف یعنی مومنوں کی طرف جنت کی خوشبو، ٹھنڈی ہوا اور جنتی مناظر کا دیدار ہوگا،

منافقین دروازے سے پکارتے ہوئے مومنین سے کہیں گے اے مومنو! کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی نہیں رہتے تھے؟ یعنی تم جیسی نمازیں پڑھتے اور تم جیسے نام رکھتے تھے اور تمہارے ساتھ ہی ہمارا رہنا سہنا تھا۔

مومنین کہیں گے: ہاں تم ہمارے ساتھ تھے مگر تم نے خود کو فتنہ میں ڈالا۔ تم مسلمانوں کے بارے میں بُری حالت کا انتظار کرنے لگے اور شک میں پڑ گئے۔ یعنی قرآن وحدیث کے ارشادات پر تمہیں یقین نہ آیا یا شیطان نے تمہیں ان کے اُلٹے معانی سمجھا دیئے۔ آخر اللہ کا فیصلہ یعنی موت کا لمحہ آ گیا اور تم دھوکے ہی میں پڑے تھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان منافقین میں خوارج و روافض جیسے گمراہ فرقے بھی شامل ہیں۔
(تفسیر مظہری جلد ۹ صفحہ ۱۸۶)

قاضی صاحب کا ارشاد بجا ہے آج کئی فرقے اسلام کا نام لیتے ہیں، مگر ان کے نظریات کفر تک یا اس سے قریب تر پہنچے ہوئے ہیں جیسے منکرین ختم نبوت، منکرین حدیث، قائلین تحریف قرآن، منکرین عدالت صحابہ، بات بات پر مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرانے والے اور انبیاء و اولیاء کی محبت میں غلو کر کے ان کے حق میں شرکیہ فضائل و مناقب پڑھنے والے وغیرہم۔

ایسے گمراہ لوگوں کے لئے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یخرجون من الاسلام کما یخرج السهم من الرمية۔ ''وہ اسلام سے یوں نکلے ہوئے ہیں جیسے تیر اپنے شکار سے نکل جائے اور اس پر خون کا کوئی اثر نہ ہو۔'' (صحیح بخاری کتاب التوحید باب ۲۳)

ایسے تمام لوگ منافقین میں شامل ہیں اور وہ روز قیامت نورِ ایمان سے محروم رہیں گے، کیونکہ جس طرح منافقین اپنے نفاق کو اسلام کا نام دیتے تھے، یہ گمراہ فرقے بھی اپنے باطل نظریات پر اسلام کا لیبل لگاتے ہیں۔ اسی طرح دور حاضر کے اکثر نام نہاد مسلم حکمران بھی انہی منافقین میں شامل ہیں، کیونکہ وہ کفار کے گماشتے ہیں ان کے مفادات کا تحفظ کرتے اور مسلمانوں کو کفار کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔

[15] یعنی ان منافقین سے روز قیامت کہا جائے گا کہ آج تم جیسے نام نہاد مسلمانوں اور کافروں سے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا، کہ تم معاوضہ دے کر چھوٹ جاؤ بلکہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ

کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت قریب نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے اور جو حق اُترا ہے اس کے لئے

الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ

نرم ہو جائیں؟ اور انہیں ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا چاہیے جنہیں اس سے قبل کتاب دی گئی تھی۔ پھر ان پر مدت دراز ہو گئی

الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۱۶﴾

تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں [16]

[16] سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو بعض صحابہ کو کسی بات پہ اونچا ہنستے ہوئے پایا۔ آپ نے غصے میں دامن کھینچا اور فرمایا تم ہنس رہے ہو اور ابھی تمہارے پاس یہ ضمانت نہیں آئی کہ اللہ نے تمہیں بخش دیا ہے، تمہاری اس ہنسی کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ یعنی "کیا مومنوں کے لئے وہ وقت قریب نہیں آیا کہ اللہ کو یاد کر کے اور قرآن کو پڑھ کر ان کے دل نرم ہوں۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جتنا تم ہنستے ہوا تنا روؤ (یعنی استغفار کرو) (درمنثور عن ابن مردویہ جلد ۸ صفحہ ۵۷)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مومنوں کو اہل کتاب کی طرح نہیں ہونا چاہیے کہ ان پر کتاب اُتری، انہوں نے کچھ عرصہ اس پر عمل کیا۔ پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر دنیا میں کھو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق یعنی کتاب کے منکر ہیں۔ یعنی مومنوں کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم اور ذکر الٰہی پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں۔

مذکورہ شان نزول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اونچے قہقہے لگا کر ہنسنا یہ غافلوں کی نشانی ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ مروی ہے کہ کچھ نوجوان اونچے قہقہے لگا رہے تھے ایک بزرگ ان کے قریب سے گزرے تو سخت ناراض ہو کر فرمایا کیا تمہیں بتا دیا گیا ہے کہ موت کے وقت جنت والے فرشتے تمہاری روح قبض کرنے آئیں گے، اور تمہیں تمہارا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور تم پل صراط آسانی سے عبور کر جاؤ گے؟ اگر ایسی کوئی بات نہیں تو اتنا اونچا ہنسنے کا کیا معنی ہے؟

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ

جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے، ہم نے تمہارے لئے نشانیاں واضح کر دی ہیں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

تا کہ تم عقل کرو [17] بے شک جو صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے

حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ

ان کے لئے اجر دوگنا کر دیا جائے گا اور ان کے لئے عزت والا اجر ہے [18] اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

ایمان لائے وہی صدیقین ہیں اور اپنے رب کے ہاں گواہ ہیں۔ ان کے لئے ان کا اجر اور

وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ ع

نور ہے [19]۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں۔

[17] یعنی جیسے اللہ بارش کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ و آباد کر دیتا ہے، یونہی وہ ذکر و تلاوت کی بارش سے مُردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے اور ان سے اعمال صالحہ کے پھل پھول اُگتے ہیں اور دلوں میں وہ خشوع آتا ہے، جو گزشتہ آیت میں بیان ہوا۔

[18] اب گفتگو اسی بات کی طرف مڑ آئی ہے جہاں سے اس رکوع کا آغاز ہوا کہ اللہ کے لئے قرض حسن دیا جائے تو فرمایا کہ جو بھی مرد یا عورتیں کثرت سے صدقات و خیرات کریں اور قرضِ حسن دیں، تو دنیا میں ان کے لئے رزق دُگنا کر دیا جائے گا اور آخرت میں ان کے لئے عزت والا اجر یعنی جنت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و اخلاق کی ترقی اور اُخروی درجات کے حصول میں عورت مرد سے کم تر نہیں ہے اور نہ ہی اسلام عورت کو مرد سے پست تر مخلوق قرار دیتا ہے۔ ہاں بعض انتظامی امور میں مرد کی بلند حوصلگی کے باعث اسے عورت سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں، مگر نیکیوں میں عورت اس کے ہم پلہ ہے۔

[19] اللہ وحدہ لاشریک اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے مومنوں کے درجات میں سب سے بڑا درجہ صدیقین کا درجہ ہے پھر شہداء و صالحین کا درجہ ہے جیسے کہ فرمایا گیا: اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (نسآء، ۶۹) تو صدیقین کا درجہ انبیاء کے بعد سب سے بلند تر ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) مقام صحابہ: یاد رہے کہ صدیقین سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے جاتے ہیں۔ جیسا امام قرطبی نے تحقیق فرمائی ہے: اوران کے سردار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اسی لیے ان کو صدیق اکبر کہا جاتا ہے، کیونکہ آمنوا باللہ ورسولہ کے تقاضے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے کئے، بعد والی امت ان کے مقام کو نہ پہنچ سکی۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لائے اور آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، باقی امت صرف سن کر ایمان لائی۔ تو جو کیفیت دیکھنے اور پاس بیٹھنے سے پیدا ہوسکتی ہے، وہ محض سننے سے ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابہ میں سے کسی کے ایک مد یا نصف مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (مد قریباً چار سیر ہوتا ہے) (بخاری و مسلم)

لہٰذا اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صدیقین کہا گیا اور شہداء میں ساری امت داخل ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ سب توحید ورسالت کی شہادت دینے والے ہیں۔ اس صفت میں بھی صحابہ کرام کا درجہ ساری امت سے زیادہ ہے، کیونکہ باقی امت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سن کر گواہی دی اور صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ انور کی زیارت کر کے گواہی دی۔

(2) یہاں سے مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی روشن ہوا، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صدیقین وشہداء قرار دیا گیا تو ان کے سردار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ہی صدیق ٹھہرا اور یہ لقب انہیں زبان رسالت نے دیا۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد پہاڑ پر تشریف لے گئے پہاڑ میں حرکت ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے احد! ٹھہر جا، تجھ پر ایک رسول، ایک صدیق اور دو شہید ہی تو کھڑے ہیں۔

(بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب ۵)

اس میں رسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، صدیق ابوبکر ہیں اور دو شہید عمر وعثمان رضی اللہ عنہما ہیں۔

اہل تشیع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہیں مانتے۔ حالانکہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ تلوار کے دستے پر سونا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: جائز ہے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سونا لگایا تھا۔ ایک کوفی شخص نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نعم الصدیق، نعم الصدیق نعم الصدیق ومن لم یقل له الصدیق فلا صدق الله له قولا فی الدنیا ولا فی الآخرة، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ مانے اللہ اسے دنیا وآخرت میں جھوٹا کرے۔

(اہل تشیع کی معتبر کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَلَدَنِي الصِّدِّيْقُ مَرَّتَيْنِ فَهَلْ يَسُبُّ اَحَدٌ آبَآءَهٗ میں دو طرح سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی بھی

ہیں اور نواسی بھی) تو کیا کوئی شخص اپنے باپ دادا کو بھی برا کہہ سکتا ہے۔ (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۱)

ہم اہل سنت امام باقر وجعفر صادق رضی اللہ عنہما کے معتقد اور ان کے سچے حب دار ہیں، تو جسے وہ صدیق کہتے ہیں اسے صدیق نہ ماننے والا بقول امام باقر رضی اللہ عنہ دنیا و آخرت میں جھوٹا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى

جان لو کہ دنیا کی زندگی تو بس کھیل تماشا اور نمائش ہے اور تمہارا باہمی فخر کرنا اور

الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ

اموال و اولاد میں کثرت چاہنا ہے۔ یہ اس بارش کی طرح ہے جس کا سبزہ منکروں کو تعجب میں ڈالتا ہے، پھر وہ خشک

مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ

ہو جاتا ہے، پھر تم اسے زرد دیکھتے ہو، پھر وہ بھوسہ بن جاتا ہے [20] اور آخرت میں شدید عذاب ہے اور اللہ کی طرف

اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ

سے مغفرت وخوشنودی بھی۔ اور دنیوی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے [21] (اے لوگو) اپنے رب کی (عطا کردہ) مغفرت

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی جیسی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان لائے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱

بڑے فضل والا ہے [22]

حقیقت دنیا، فکر آخرت اور اللہ کی نعمتوں کا بیان

[20] یعنی اموال واسباب دنیا کی حقیقت بچوں کے کھلونوں سے زیادہ نہیں ہے۔ بچہ اپنے کھلونوں کو حقیقی چیزیں سمجھتا

ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کی کھلونا کار حقیقی کار ہے اور کھلونا جہاز حقیقی جہاز ہے، اگر اس کا کھلونا ٹوٹ جائے تو وہ رو رو کر بے حال ہو جاتا ہے۔ یہی حال دنیا دار لوگوں کا ہے وہ دنیوی نعمتوں کے چھن جانے پر گویا مرنے لگتے ہیں، حالانکہ دنیوی نعمتیں جنتی نعمتوں کے مقابلہ میں محض کھلونے ہیں۔ اور دنیا دار لوگ اموال و اولاد کی کثرت سے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ ان اشیاء کی حقیقت کھلونوں سے زیادہ نہیں ہے۔

اور دنیا ایسے ہے جیسے بارش ہوئی، پودے اُگے، باغ لہلہائے، منکرین انہیں دیکھ کر خوش ہوئے کہ ان کے ہاتھ بڑا مال آ گیا۔ پھر اس پر خدائی آفت آئی باغ اجڑ گیا اور پودے خشک ہو کر بھوسہ بن گئے۔ یہی دنیوی زندگی کا حال ہے۔ انسان پہلے ننھے پودے کی طرح ہوتا ہے، پھر جوان ہو کر پختہ عمر کو پہنچتا ہے، پھر بڑھاپے کی بادِ صرصر اس کے شجر حیات کو خشک و ویران کر دیتی ہے اور آخر وہ قبر میں جا کر ہڈیوں کا بھوسہ بن کر رہ جاتا ہے تو اس عارضی زندگی کے اسباب اور عیش پر فخر و غرور کا کیا فائدہ؟ اس کی بجائے آخرت کی لازوال زندگی کو بہتر بنانا چاہیے۔

[21] اگر دنیوی زندگی میں کفر اور معصیت کو اختیار کیا جائے تو آخرت میں عذاب شدید تیار ہے اور اگر ایمان اور تقویٰ اختیار کیا جائے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی مولیٰ حاصل ہو گی۔ اور اگر ہم آخرت سے غافل ہو کر دنیا میں کھو گئے تو یہ بہت بڑا خسارہ ہے اور دنیا دھوکے کا سامان ہے۔

دنیا کی مثال دجال کی طرح ہے۔ دجال کے ساتھ حدیث کے مطابق دو نہریں ہوں گی پانی کی، اور آگ کی۔ وہ اپنے ماننے والوں کو پانی کی طرف بھیجے گا اور نہ ماننے والوں کو آگ کی طرف، مگر اس کا پانی حقیقت میں آگ ہو گا اور آگ حقیقت میں پانی۔ اسی طرح دنیا کا آرام آخرت کی تکلیف ہے اور دنیا کی تکلیف آخرت کا آرام۔

[22] یعنی اے لوگو! ایسے کاموں کی طرف دوڑو، جو بخشش اور جنت کا سبب ہیں جیسے نماز باجماعت کے لئے مسجد کی طرف دوڑنا۔ رزق حلال کے لئے بھاگ دوڑ کرنا اور حاجتمندوں کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ کرنا، حج کے ارکان ادا کرتے ہوئے دوڑنا اور راہ خدا میں جہاد کے لیے دوڑ دھوپ کرنا سب اس میں شامل ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے اور اس کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے یعنی اگر سات آسمانوں اور زمین کو پھیلا کر ایک دوسرے کے ساتھ لگایا جائے تو جو پیائش ہو گی، وہی جنت کی چوڑائی ہے۔

اور یہ بھی ایک ایک مثال ہے جنت کی حقیقی چوڑائی کو اللہ ہی جانتا ہے، جب اس کی چوڑائی اتنی ہے تو لمبائی کا حال کیا ہے، یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ اور یہ جنت اسے ملے گی جس پر اللہ کا فضل ہو اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اللہ رب العزت کے فضل عمیم کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(1) جنت تیار ہو چکی ہے:

اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے معلوم ہوا جنت تیار ہو چکی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔ (آل عمران، ۱۳۳) اور حضور ﷺ نے شب معراج جنت و نار کا مشاہدہ فرمایا اور آپ کا جنت کو دیکھنا قرآن میں بیان ہوا: وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ﴿۱۳﴾ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۱۴﴾ عِنۡدَہَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی ﴿۱۵﴾ (نجم، ۱۳)

(2) اللہ رب العزت پر کسی کو جنت میں بھیجنا لازم نہیں ہے:

وہ جس کو بھیجے گا اپنی رحمت اور اپنے فضل سے بھیجے گا۔ اس لئے فرمایا: ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وہ اگر کسی بھی شخص کو جنت میں نہ بھیجے تو اس سے مطلقاً کوئی نہیں پوچھ سکتا، مگر وہ رحیم ہے بڑے فضل والا ہے، وہ کسی کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں کسی کا عمل اس کو نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا آپ کا بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، مگر مجھے اللہ نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۱۸)

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ
زمین میں اور خود تم میں جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ ایک تحریر میں موجود ہے اس سے قبل
قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۲۲﴾ۚۖ لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا
کہ ہم اس کو پیدا کریں۔ بے شک یہ تحریر اللہ پر آسان ہے، تاکہ جو نعمت تم سے جاتی رہے اس پر افسوس نہ کرو اور جو
فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِۣ ﴿۲۳﴾ۙ
تمہیں ملے اس پر اترایا (تکبر) نہ کرو اور اللہ تکبر و فخر کرنے والے کسی شخص کو پسند نہیں رکھتا [23]
الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ
یعنی جو لوگ بخل کرتے اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو کوئی منہ پھیرے تو اللہ بے نیاز
الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۴﴾
اور لائق حمد ہے [24]

[23] جو مصائب زمین میں آتے ہیں جیسے زلزلے آندھیاں وغیرہ، اور جو مصائب انسانوں کی انفرادی زندگی میں

آتے ہیں جیسے بیماریاں، کاروبار میں نقصان، مال کا ضیاع، اولاد واقارب کی اموات وغیرہ، یہ سب کچھ اللہ نے پہلے سے لکھ دیا ہے کہ فلاں وقت فلاں انسان کو یہ نعمت یا یہ مصیبت ملے گی۔ یہ اس لئے ہے تا کہ انسان کسی مصیبت کے ملنے پر مایوس ہو کر اللہ کا شکوہ نہ کرے اور کسی نعمت کے ملنے پر فخر وغرور میں مبتلا نہ ہو، کیونکہ اللہ رب العزت کو متکبر اور فخر کرنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) ہر تقدیر پہلے سے لکھی ہوئی ہے:

(اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ) دوسری جگہ ارشاد ہوا: لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ۔ ”ہر مدت کے لئے ایک تحریر ہے۔“ (رعد، ۳۸) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص ایمان کی حلاوت نہیں پا سکتا، جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو اسے ملا وہ اس سے رہ نہیں سکتا تھا اور جو نہ ملا وہ اسے مل نہیں سکتا تھا۔“ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۵۶) اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس قبل تمام تقدیریں لکھ دی تھیں۔“
(مسلم کتاب القدر حدیث ۱۶)

(2) صبر و شکر کی تلقین:

یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمت کے ملنے پر شکر اور نعمت کے چھن جانے پر صبر سے کام لینا چاہیے مگر ہم نعمت کے ملنے پر فخر اور نعمت کے چھن جانے پر بے صبری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جبکہ مومن ہر حال میں رضاء الٰہی پر راضی رہتا ہے۔ اسی حدیث مبارک میں ہے کہ ”مومن کی عجب شان ہے، اگر اسے نعمت ملے تو شکر کرتا ہے تو وہ اس کے لیے خیر ہو جاتا ہے اور اگر مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے خیر ہو جاتا ہے۔“ (دارمی کتاب الرقاق باب ۶۱)

مروی ہے کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک وزیر نے آ کر کہا: میں ایک بُری خبر لایا ہوں کہ سرکاری خزانہ میں جو سب سے قیمتی ہیرا تھا، وہ چوری ہو گیا ہے۔ سلطان نے تھوڑی دیر گردن کو جھکائے رکھا پھر سر اٹھا کر کہا الحمد للہ، پھر چند دن بعد ایک وزیر نے آ کر کہا: میں ایک اچھی خبر لایا ہوں کہ گمشدہ ہیرا مل گیا ہے، سلطان نے پھر کچھ دیر گردن کو جھکایا اور سر اٹھا کر کہا الحمد للہ، لوگوں نے پوچھا: اے سلطان! آپ نے ہیرا کھونے کی خبر پر بھی سر جھکایا اور الحمد للہ کہا تھا، آج آپ نے اس کے ملنے پر بھی ایسے ہی کیا ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟ سلطان نے کہا: جب ہیرا گم ہوا تو میں نے اپنے دل کی طرف جھانک کر دیکھا وہاں مجھے کوئی غم نظر نہ آیا، تو میں نے کہا الحمد للہ، پھر جب وہ مل گیا تو میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا وہاں مجھے کوئی خوشی نظر نہ آئی تو میں نے کہا الحمد للہ۔ گویا مومن ہر حال میں رضاء الٰہی پہ راضی اور الحمد للہ علی کل حال کہتا رہتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔ ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

(3) عجز و تواضع کا درس:

اللہ تعالیٰ نے لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ کہہ کر تکبر و غرور کی مذمت اور عجز و تواضع کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے۔ اور حدیث میں ہے ''جو اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ اسے بلندی عطا فرماتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ اسے رسوا کر دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب البر حدیث ۶۹)

شیطان نے تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا اور فرشتوں نے عجز کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکرِ خیر کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔

[24] جو لوگ تکبر و فخر میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ خود بھی نیکیوں میں بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکیوں میں بخل کا درس دیتے ہیں کیونکہ ان کا دل نیکی سے تنگ اور برائی پہ مائل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ متکبر لوگ داعیانِ حق کے لیے اپنے دلوں میں عموماً احترام نہیں رکھتے، وہ علماء کی بات ماننے کی بجائے ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ مگر اللہ جل شانہٗ کو کسی کی اطاعت کی حاجت نہیں وہ بے نیاز ہے وہ اپنی ذات میں لائق حمد ہے خواہ کوئی اس کی حمد کہے، یا نہ کہے عبادت کرے یا نہ کرے۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ

بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اُتاری اور نظامِ عدل اُتارا، تا کہ لوگ

النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

انصاف قائم کریں [25] اور ہم نے لوہا اُتارا، جس میں شدید سختی اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں

وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور تا کہ اللہ اس شخص کو ممتاز کر دے جو اللہ کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بے شک اللہ قوت والا غلبے والا ہے۔ [26]

[25] انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بتایا جا رہا ہے، جو یہ ہے کہ لوگ انصاف قائم کریں یعنی ہر حقدار کو اس کا حق ادا کریں مثلاً اللہ کا حق یہ ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور ہم پر نعمتوں کے دریا بہائے، لہٰذا ہم اس کے ہر حکم کی اطاعت کریں اور بندوں کے جو ہم پر حقوق ہیں، ان کی پاسداری بھی ہم پر لازم ہے۔ اسی مقصد کی تعلیم کے لئے انبیاء و رسل بھیجے گئے اور انہیں کتابیں دی گئیں۔

[26] بعثت انبیاء اور انزالِ کتب جیسی دینی نعمتوں کے ساتھ اللہ رب العزت نے انسانوں پہ دنیوی نعمتوں کے بھی

دریا بہائے۔ بطورِ مثال اللہ تعالیٰ نے لوہا اتارا جس میں بڑی قوت ہے کہ اس کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے دشمنان خدا ورسول کے ساتھ جنگ کی جاتی اور ان کی شرارت مٹائی جاتی ہے، یہ لوہے کا دینی فائدہ ہے اور لوہے کے دنیوی فوائد بھی لوگوں کے لیے بہت ہیں۔ مثلاً اس سے دروازے کھڑکیاں، برتن، کیل، کانٹے، اوزار وآلات بنائے جاتے ہیں۔ اور دور حاضر میں لوہے سے سائیکل، کاریں اور ہوائی جہاز بنائے جاتے ہیں۔ یہ دنیوی و دینی نعمتیں انسان کو اس لئے دی گئیں تا کہ اللہ آزمائے کہ کون اُس کو دیکھے بغیر اس کی اور رسولوں کی (یعنی ان کے دین کی) مدد کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کا محتاج نہیں وہ خود ہر قوت و غلبے کا مالک ہے۔ تاہم جو اس کے دین کی مدد کرے، اللہ اس کی مدد فرماتا ہے اور جو اس کے دین کی مدد نہ کرنا چاہے اللہ اسے رسوا فرما دیتا ہے۔

لوہے کے اُتارے جانے کے تین معانی

یادرہے لوہے کے اُتارنے کے تین معانی ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو اُتارا، تو روایات کے مطابق ان کے ساتھ لوہے کی وہ چیزیں بھی اُتاریں جن کی آدم علیہ السلام کو زمین پر ضرورت تھی جیسے کپڑے سینے کے لئے سوئی، چیزیں جوڑنے توڑنے کے لئے ہتھوڑا اور قینچی وغیرہ۔ (قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۱)

تو اس طرح لوہا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ اتارنا بمعنی پیدا کرنا بھی ہے جیسے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ''اللہ نے تمہارے لئے جانور پیدا کئے۔'' (سورہ زمر، ۱۴۳)

تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ پہاڑوں اور پتھروں پہ بارش کے ذریعے لوہے کے اجزاء اُتارتا ہے پہاڑ انہیں اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور پھر ان کے پتھروں کو رگڑ کر ان سے ریت علیحدہ اور لوہا علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ آج دنیا کے کئی پہاڑی سلسلے ہیں جن کے پتھروں میں لوہے، تانبے اور پیتل وغیرہ کے اجزا ہیں اور وہاں سے یہ دھاتیں نکالی جاتی ہیں۔ اور یہ اجزاء بارش کے ذریعہ آسمان سے اُتارے جاتے ہیں، تو گویا دنیا کا سب لوہا آسمان ہی سے اُترتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور بلاشبہ ہم نے نوح اور ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی،

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۲۶ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا

تو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں اکثر نافرمان ہیں [27] پھر ان کے بعد ہم نے اپنے رسول بھیجے

وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۙ۬ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ

اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں انجیل دی [28]

الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ

اور ان کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں نرمی اور محبت رکھی [29] اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا ہم نے اسے ان پر

اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ

لازم نہ کیا تھا۔ ہم نے تو ان پر صرف اللہ کی رضا جوئی لازم کی تھی۔ تو وہ اس کی رعایت نہ رکھ سکے جیسا اس کا حق تھا۔ تو ہم نے

اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۲۷

ان میں سے ایمان لانے والوں کو ان کا اجر دیا اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں [30]

پہلی امتوں کے مقابلہ میں امت محمدیہ پر اللہ کے خصوصی انعامات

[27] حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا رکھنا اس معنی میں ہے کہ وہ آدم ثانی کہلاتے ہیں، طوفان کے بعد انہی کی نسل سے دوبارہ انسانیت آباد ہوئی۔ لہٰذا بعد والے سارے انبیاء انہی کی اولاد میں ہوئے اور انہی پہ سب کتابیں نازل ہوئیں۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہوا کہ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب انہی کی اولاد میں رکھ دیئے گئے اور سب آسمانی کتابیں بھی، مگر ان کی اولاد میں سب لوگ ایمان نہ لائے، کچھ ایمان لائے اور اکثر نافرمان یعنی ایمان سے خالی ہی رہے۔

اس میں حضور سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ آپ کفار کی ہٹ دھرمی کے سبب پریشان نہ ہوں۔ ہدایت وہی لے گا، جس کے نصیب میں ہدایت ہے۔ یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے۔

فضیلت ابراہیم علیہ السلام اور عظمت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مقام ثابت ہوا کہ انہیں جدالانبیاء بنایا گیا ان کے بعد سب انبیاء ان کی اولاد میں رکھے گئے اور آپ کے دو بیٹے نبی تھے اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام، ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی سارے انبیاء کو اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں رکھ دیا اور تنہا اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں رکھ دیا، تاکہ معلوم ہو کہ سب انبیاء ایک طرف اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف۔

اولاد کی فضیلت والدین کے لئے اعزاز ہے

حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں انبیاء کا آنا ان کے لئے بطور فضیلت و اعزاز بیان کیا گیا۔ معلوم ہوا کسی کی اولاد کی فضیلت خود اس کے لئے اعزاز ہے کیونکہ اولاد کی نیکیاں والدین کے پلے میں بھی ڈالی جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ۔ (رعد، ۲۳) اور فرمایا گیا: وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ٨الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ۔ (غافر ۸)

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں نبوت رکھی گئی اور اولاد محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ولایت و غوثیت رکھی گئی۔ چنانچہ حسنی و حسینی سادات کرام میں بکثرت اولیاء کاملین پیدا ہوئے جیسے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے لے کر امام حسن عسکری تک ائمہ اہل بیت کرام۔ حضرت نفس زکیہ، حضرت زید بن زین العابدین، سید الاولیاء حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی، حضرت داتا علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری و دیگر اولیاء کاملین رحمہم اللہ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، حتیٰ کہ امام مہدی قرب قیامت میں اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تشریف لائیں گے اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگو! میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا آنکہ حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں گے۔
(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گویا عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہمیشہ حاملین قرآن موجود رہیں گے۔

قادیانی نبوت کی تردید

مرزا قادیانی سمیت کسی بھی شخص کے لئے اب نبوت کا دروازہ بند ہے، مگر مرزا قادیانی کو دعویٰ نبوت سے قبل کم از کم اتنا تو سوچ ہی لینا چاہیے تھا کہ اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت رکھی ہے تو نبی وہی ہو سکتا ہے جو اولاد ابراہیم ہو اور مرزا کا اولاد ابراہیم ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ نہ حسنی نہ حسینی، نہ ہاشمی، نہ قریشی، نہ عربی بلکہ اس نے دعویٰ کیا کہ وہ فارسی النسل ہے۔ (اربعین ۲ صفحہ ۲۳ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۷)

پھر اسے دعویٰ نبوت کرتے ہوئے حیا کیوں نہ آئی؟ دعویٰ نبوت تو کوئی سید بھی نہیں کر سکتا کیونکہ باب نبوت ہی بند ہے، مگر جس شخص کا اولاد ابراہیمی سے کوئی تعلق ہی نہیں اس کا دعویٰ نبوت تو حماقت در حماقت اور ضلالت بر ضلالت ہے۔

شیعی عقیدہ امامت کی تردید

اہل تشیع اس آیت سے اپنا عقیدہ امامت ثابت کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴿۱۲۴﴾ ''اللہ نے فرمایا: اے ابراہیم! میں تجھے لوگوں کا امام بنا رہا ہوں، انہوں نے کہا: اے اللہ! میری ذریت میں سے بھی (امام بنا)، اللہ نے فرمایا: میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔'' (بقرہ، ۱۲۴)

اب شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی و رسول تو پہلے ہی تھے، اس کے بعد ان کو امام بنایا گیا۔ معلوم ہوا امامت کا درجہ نبوت و رسالت سے زیادہ ہے اور یہ امامت اللہ نے ذریت ابراہیمی میں رکھی۔ البتہ ان کی ذریت میں سے نبوت ختم کر دی مگر امامت کو جاری رکھا، مگر ظالموں کو یہ امامت نہیں ملے گی۔ گویا جب تک دنیا میں ذریت ابراہیمی ہے امامت بھی باقی رہے گی۔ لہذا بارہ اماموں کی شکل میں امامت باقی ہے۔

مگر یہ سارا استدلال باطل اور بے بنیاد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے سب امتحانات پورے کر دیے، تو اللہ رب العزت نے آپ کو نبوت ہی کا اعلیٰ درجہ دیا کہ ان کی شریعت کے احکام جیسے حج، قربانی، ختنہ وغیرہ تا قیامت جاری کر دیے۔ اسی لیے فرمایا گیا: اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

یہی وہ امامت ہے جو ان کو دی گئی، پھر انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! میری ذریت میں بھی نبوت کی شکل میں امامت جاری رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نبوت ظالموں کو نہیں مل سکتی۔ گویا نبی ہر ظلم سے پاک ہوتا ہے کیونکہ وہ معصوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی دعا (وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ) کے بدلہ میں فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔ کہ ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی ذریت میں نبوت و کتاب رکھ دی۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ. ''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کی ذریت میں نبوت و کتاب رکھ دی۔'' (عنکبوت، ۲۷)

اگر اللہ تعالیٰ نے ذریت ابراہیمی میں نبوت و رسالت سے ہٹ کر امامت کا کوئی منصب جاری کیا تھا جس نے قیامت تک جاری رہنا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن میں کیوں بیان نہیں فرمایا؟

کیا شیعہ لوگ پورے قرآن میں سے کوئی آیت دکھا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو۔

وجعلنا فی ذریة ابراهيم الامامة والنبوة. کہ ہم نے ذریت ابراہیمی میں امامت اور نبوت رکھدی۔

ایسی آیت اس قرآن میں تو نہیں ہے جو ساری دنیا میں مسلمانوں کے پاس ہے، البتہ اگر اس قرآن میں ہو جو ''فروع

کافی'' کے مطابق امام مہدی لیکر غار میں غائب ہو گیا تھا تو الگ بات ہے۔

جب امامت کا درجہ اہل تشیع کے نزدیک نبوت و رسالت سے کہیں بلند ہے تو کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت ابراہیمی میں نبوت کا جاری رہنا تو قرآن میں بار بار بیان فرمایا، مگر امامت کا جاری رہنا کہیں بھی نہیں بتایا؟ کاش اہل تشیع اس بات پہ غور کرنا پسند کریں۔

پھر یہ بھی سوال ہے کہ جس چیز نے رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو جانا تھا یعنی نبوت اسے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا اور بقول شیعہ جو قیامت تک چلنے والی امامت تھی، اس کا ذکر ہی نہیں کیا؟ ہم کہتے ہیں اے اہل تشیع! تم سیدھی طرح کیوں نہیں مان لیتے کہ اس خانہ ساز امامت کا قرآن سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

[28] یعنی اولاد ابراہیم علیہ السلام میں جو انبیاء سابقین آئے ان میں سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ انہیں اللہ نے انجیل دی۔ یہ آیت بھی ختم نبوت کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ جب پہلے انبیاء میں سب سے آخری نبی عیسیٰ ابن مریم ہیں تو اس کا صاف معنی یہ ہے کہ ان کے بعد حضور ﷺ کے سوا کوئی نبی نہیں ہے، کیونکہ باقی انبیاء میں سے وہی آخری ہیں۔

[29] اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت و برکت سے ان کے ساتھیوں کے دلوں میں اللہ نے نرمی و رحمت پیدا فرمائی جیسا کہ حضور رحمت عالم ﷺ کے صحابہ کے بارے میں بھی فرمایا گیا رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (فتح،۲۹)

یعنی اگر اللہ رب العزت ان حواریوں کے دل میں نرمی و رحمت پیدا نہ کرتا تو وہ اپنی ساری قوم کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پہ اڑ جاتے۔ مگر اللہ نے ان کے دل اسلام کے لیے نرم کر دیئے۔

اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اتباع عیسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ رکھتے ہیں یعنی عیسائی لوگ، ان کے دلوں کو اللہ نے یہود کی بہ نسبت مسلمانوں کے لئے نرم تر اور رحیم تر بنایا ہے۔

جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ''اور تم مومنوں کے لئے عداوت میں یہود و مشرکین کو سب سے سخت تر اور مومنوں کے لیے محبت میں ان لوگوں کو قریب تر پاؤ گے جو خود کو نصاریٰ (عیسائی) کہتے ہیں۔'' (مائدہ،۸۲)

اور یہ حقیقت ہے کہ یہود کی نسبت عیسائی لوگ بلاشبہ مسلمانوں سے قریب تر ہیں، کیونکہ اہل اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا بے حد احترام کرتے اور ان کی عظمت بیان کرتے ہیں۔ جبکہ یہود حضرت مریم بتول رضی اللہ عنہا پر برائی کی تہمت رکھتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو حلال زادہ نہ ہونے کی گالی دیتے ہیں۔ اس لیے عیسائی لوگ مسلمانوں سے یہود کی نسبت قریب تر ہیں اور اسی لیے وہ زیادہ اسلام قبول کرتے ہیں، تاہم پہلا معنی زیادہ قوی ہے۔

[30] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے خود پر رہبانیت (دنیا سے لاتعلقی) لازم کر لی جو اللہ نے ان پر لازم نہیں کی تھی، بلکہ یہ ان کی پیدا کردہ بدعت ہے۔ اللہ نے تو ان پر صرف یہ لازم کیا تھا کہ اللہ کی رضا حاصل کرو، مگر انہوں نے غلط سمجھ لیا کہ اللہ کی رضا پانے کے لئے دنیا سے الگ ہونا ضروری ہے، تو انہوں نے جسم کی جائز اور ضروری خواہشات کا بھی گلا گھونٹ دیا۔

چنانچہ عیسائیوں کے کیتھولک فرقہ کے مذہبی راہنما شادی نہیں کرتے اور اس فرقے سے وابستہ کئی عورتیں خود کو چرچ کی خدمت کے لئے وقف کر دیتی ہیں اور ساری زندگی شادی نہیں کرتیں، وہ اپنی جائز جسمانی خواہشات کو دبانے کی کوشش کرتی ہیں، مگر وہ دب نہیں سکتیں، آخر وہ زنا کاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان کے قصے مغربی پریس میں عموماً آتے رہتے ہیں۔ بلکہ اب تو یوٹیوب پہ ان کے قصے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سارا وبال ان پہ اس بات کا آیا کہ انہوں نے قانون فطرت سے انحراف کی کوشش کی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان رہبانیت اختیار کرنے والے لوگوں میں سے جو ایمان لے آئیں یعنی آخری نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کر کے غلط رہبانیت کو چھوڑیں اور اللہ کی رضا جوئی کا درست طریقہ اختیار کریں، تو اللہ انہیں ان کا اجر ضرور عطا کرے گا۔ مگر وہ ایسا کم ہی کرتے ہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر فاسق یعنی نافرمان ہیں۔ کیونکہ باپ دادا کے دین کی تقلید انسان کو عموماً راہ حق پہ چلنے سے مانع ہو جاتی ہے۔

رہبانیت کا رد

معلوم ہوا عیسائیوں نے جو رہبانیت اختیار کی کہ جسم کی جائز خواہشات کا گلہ گھونٹا جائے اس کا اسلام میں کوئی جواز اور کوئی تصور نہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے: اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم (عیسائیوں) نے خود پر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کر دی اور یہ گرجوں اور چرچوں میں ان کی باقی ماندہ نسل موجود ہے انہوں نے رہبانیت ایجاد کی جو اللہ نے ان پر لازم نہیں کی تھی۔

(تفسیر ابن کثیر بروایت ابویعلی موصلی جلد ۴ صفحہ ۳۳۹)

نے گویم کہ از دنیا جدا باش   بہر جائے کہ باشی با خدا باش

اس طرح کی راہبانیت کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات بہت روشن ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ایک دفعہ بعض صحابہ نے وعظ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر ہو کر باہم عہد بندی کر لی کہ وہ رات بھر عبادت کیا کریں گے سونا چھوڑ دیں گے، کسی نے کہا وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا کبھی افطار نہ کرے گا کسی نے کہا وہ کبھی شادی نہیں کرے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی باتوں کا پتہ چلا تو آپ ناراض ہوئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سنو میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں مگر میں کبھی روزہ رکھتا ہوں، کبھی چھوڑ دیتا ہوں رات کو عبادت بھی کرتا

ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں۔ اگر تم میری سنت کو چھوڑ دو گے تو مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔
(بخاری کتاب النکاح باب ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل نبی رھبانیة ورھبانیة امتی الجھاد فی سبیل اللہ۔ ''ہر نبی کے لیے ایک رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت راہِ خدا میں جہاد کے لیے نکلنا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۸۲، مسلم کتاب الصیام حدیث ۳)

بدعت کی مذمت:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کے احکام کے خلاف دین میں کوئی بات ایجاد کر لینا بدعت کہلاتا ہے جیسے عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف رہبانیت ایجاد کی اور جیسے آج گمراہ فرقوں کے نظریات اور خوشی و غمی کے مواقع پر جاری غیر اسلامی رسوم و بدعات ہیں، جن کی مذمت لازم ہے۔ تقویٰ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دیا ہے۔ اس سے ہٹ کر تقویٰ و ورع کا کوئی معیار نہیں ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ مومن کے لیے آپ کی زندگی مبارک کو کامل نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو پیمانے دے گا

رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٢٨ۙ

اور (روز قیامت) تمہارے لئے نور بنائے گا جس میں تم چلو گے اور تمہاری بخشش کرے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [31]

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ

تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قبضہ نہیں رکھتے اور سارا فضل

الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٢٩ۧ

اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ع ۲۰

[31] یعنی اے مومنو! اللہ سے ڈرو (بدعات سے بچو) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھو یعنی ان کی اطاعت بجالاؤ تو اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو پیمانے عطا فرمائیگا یعنی پہلی امتوں سے دوگنا ثواب دے گا اور روزِ قیامت پل صراط پر تمہارے لئے نور بنائے گا، جس کا ذکر ابھی پیچھے يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ (حدید، ۱۲) میں ہو چکا ہے اور تمہاری

بخشش فرمائے گا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) امت محمدیہ کا عمل کم اور اجر زیادہ ہے:

یُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ سے معلوم ہوا امت محمدیہ کا اجر پہلی امتوں سے دوگنا ہے حالانکہ ان کا عمل ان سے کم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود کی مثال اس مزدور کی طرح ہے جس نے صبح سے دوپہر تک کام کیا اور ایک قیراط اُجرت لی۔ اور عیسائیوں کی مثال اس مزدور کی طرح ہے جس نے دوپہر سے عصر تک کام کیا اور ایک قیراط اُجرت لی۔ اور تمہاری مثال اس مزدور کی طرح ہے جس نے عصر سے شام تک کام کیا اور دو قیراط اُجرت لی۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۳۱) یعنی پہلی امتوں کا عمل زیادہ اجر کم اور تمہارا عمل کم اجر زیادہ ہے۔

(2) ختم نبوت:

وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انہی پر بطورِ رسول ایمان لانا لازم ہے اور انہی کی اطاعت سے مغفرت وابستہ ہے۔ کیونکہ لفظ رسولہ معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پر صادق آ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص خود کو قرآن کے مخاطبین میں شامل بھی سمجھے اور دعویٰ نبوت بھی کرے وہ دجال و کذاب ہے اس پر اللہ اور ساری مخلوق کی لعنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

الحمدللہ آج 11 شوال 1429ھ بمطابق 11 اکتوبر 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب سورۂ حدید کی تفسیر مکمل ہوئی۔
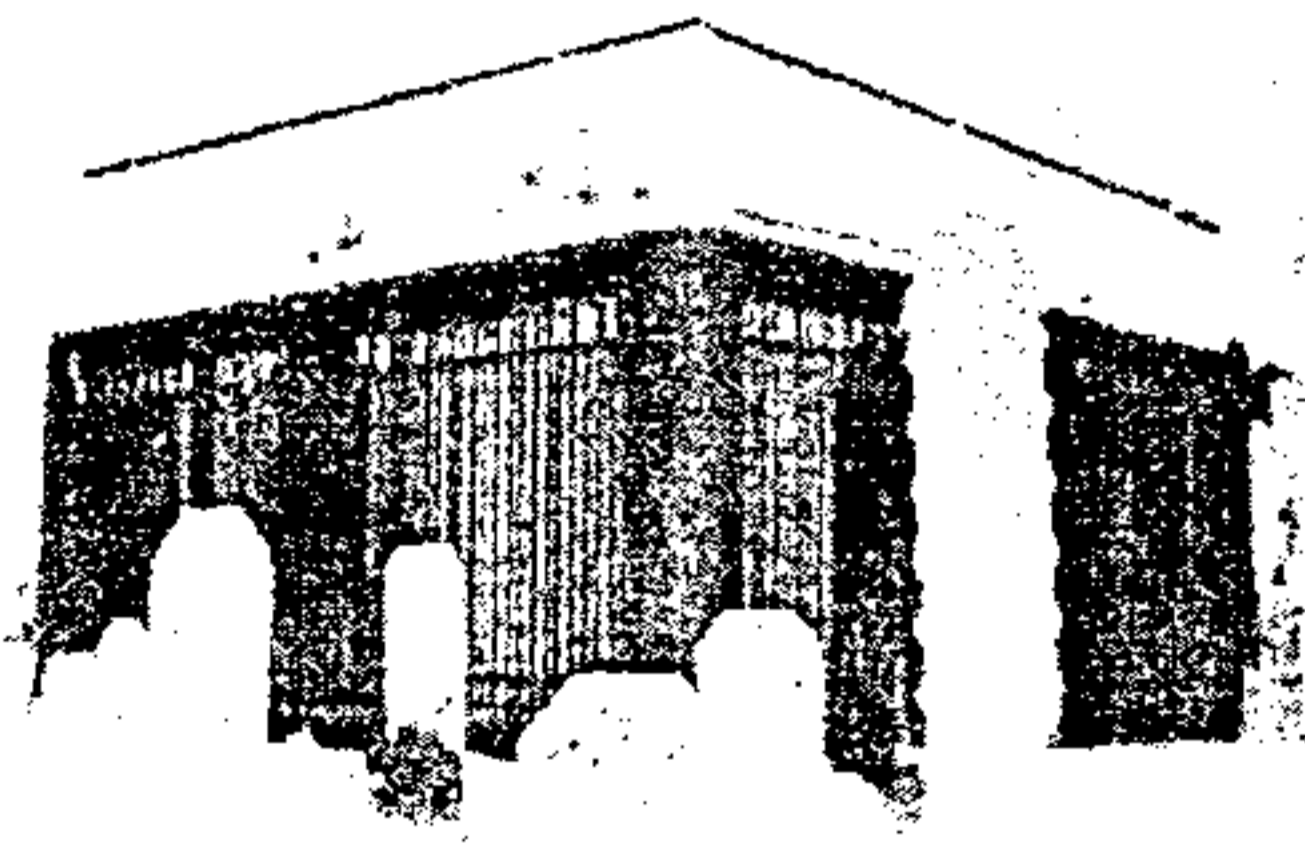
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

حضرت علامہ قاری محمد طیب نقشبندی کی لکھی ہوئی نعتیں اور مناقب
پہلی مرتبہ منظر عام پر آچکی ہیں آج ہی قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں۔
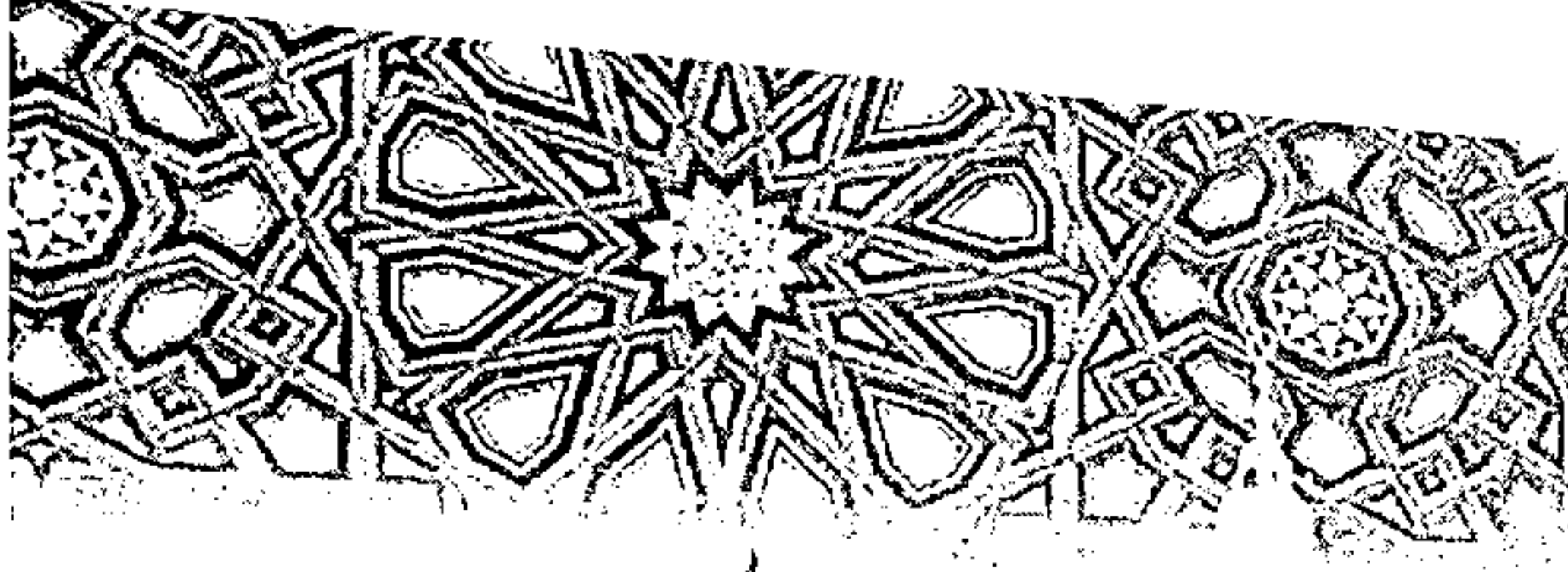
کلامِ طیب

بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عربی، فارسی، پنجابی اور اُردو نعتیں
صحابہ کرام، اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام رحمہم اللہ
کی بارگاہ میں منظوم مناقب

از علامہ قاری
محمد طیب نقشبندی

0321-4298570

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قطعی دلیل آگئی (النساء)

تفسیر
برہان القرآن

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر انگلینڈ

جلد ششم

مکتبہ برہان القرآن